بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سید شیخ ابوالحسن علی ہجویری رح

نام و نسب ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے، ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا، اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخر زندگی میں لاہور آ کر رہے، اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے، سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید[1] بن امام حسن بن علی مرتضےٰ رض۔

تعلیم تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں، کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے، جن کے بارہ میں لکھتے ہیں:-

> اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے، علم اصول و فروع میں امام اور معانی میں بلند تھے بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا اور اکابر و اجلۂ اہل تصوف میں تھے، اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے مغلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلوں کے ایک گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی، لیکن تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں، وہ پراگندہ ہوتی تھیں، مجھ کو ان سے بڑا انس تھا، اور وہ میرے ساتھ سچی محبت کرتے تھے، بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے، جب تک میں ان کے پاس رہا کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے نہ دیکھا، تمام موجودات سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے، امام محقق کے سوا ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا، علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا و عقبیٰ سے متنفر رہتی تھی، اور برابر شور کرتے کہ

[1] زید جو شہید ہوئے وہ امام زین العابدین رح کے بیٹے تھے - لہٰذا شہید کا لفظ یہاں غلط ہے - (ناقل)

"اَشْتَہِیْ عَدَمًا لَا وُجُوْدَ لَہٗ" یعنی میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں" اور
فارسی میں کہتے ہیں:۔

ہر آدمی را بایست محال باشد و مرا نیز بایستینی محال است کہ بہ یقین دانم کہ آن نباشد

اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات اور
کرامات محض حجاب و بلا ہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو، دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام
سے بہتر ہے، صرف حق جل جلالہ کی ہستی ہے کہ اس کے لیے عدم نہیں ہے، اس کے ملک کا
کیا نقصان اگر میں نیست ہو جاؤں، اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو اور یہی صحتِ فنا کا اصلی
قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب[1]"

حضرت شیخ ابوالعباس اشقانی کا ذکر ایک جگہ اور کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک روز شیخ
کے پاس آیا، تو دیکھا کہ یہ کہتے ہیں ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ "یعنی اللہ تعالیٰ
نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو"، اور روتے ہیں، اور پھر نعرہ لگاتے ہیں،
پوچھا کہ اے شیخ یہ کیا حال ہے، تو فرمایا کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں[2]
اپنے ایک اور استاد شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

وہ روسائے متصوفین میں تھے تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی، حسین بن منصور سے بہت
محبت کرتے تھے، میں نے ان کی بعض تصانیف ان سے پڑھیں[3]۔

شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا، اور گو ان کے نام کے ساتھ
"استاد" برابر لکھتے ہیں، لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ تھا
مگر ان کے علم اور ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کیے ہیں
جو ان کی زبان سے خود سنے، شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی کو بھی اپنا معلّم تسلیم کیا ہے
چنانچہ ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان سے عجز و نیاز کی تعلیم پائی، اور یہ لکھ کر کہتے ہیں:

مرا اندوئے اسرار بسیار بود، اگر باظہار آیات وی مشغول گردم از مقصود بمانم[4]"

آئمۂ متاخرین میں ابوالعباس احمد بن محمد القصاب ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی

[1] کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دارالمصنفین ۔ [2] ایضاً نیز دیکھو نفحات الانس قلمی نسخہ دارالمصنفین ۔ [3] کشف المحجوب قلمی نسخہ دارالمصنفین ۔
[4] ایضاً ۔

ابو سعید فضل اللہ بن محمد اور ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان کا ذکر خاص طور پر لطف و لذت کے ساتھ کیا ہے، ان کی تصانیف و تعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں، خواجہ ابو احمد المظفر کی تعلیمات فنا و بقا اور مجاہدہ و مشاہدہ سے متاثر تھے، اور ان کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں اُلجھے ہوئے بالوں کے ساتھ پہنچا، انہوں نے دیکھ کر پوچھا، کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا، سماع، انہوں نے فوراً قوال کو بلایا، اور جب مجلس سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بیقراری طاری رہی، اور جب میرا جوش و خروش ختم ہوا تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا، عرض کیا اے شیخ میرے لیے تو بہت اچھا تھا، فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوّے کی آواز تمہارے لیے یکساں ہو جائے گی، سماع میں قوت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا، اور جب مشاہدہ ہو جائے گا، شوقِ سماع جاتا رہے گا، لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت جزوِ طبیعت نہ بن جائے[1]

تعلیم طریقت باطنی و روحانی تعلیم ابو الفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی، جو جنیدیہ سلسلہ میں منسلک تھے ان کے حال میں لکھتے ہیں:۔

> اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میری اقتدائے طریقت ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر و روایات کے عالم تھے، اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے، سیروانی کے دوست اور ابو عمر قزوینی اور ابو الحسن بن سالبہ کے معاصر تھے، ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ نشین ہو کر لوگوں سے دُور رہے، قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا، اچھی عمر پائی ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں تھیں، لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے، ظاہری رسم کی پابندی کرنے والوں کی مخالفت شدت سے کرتے تھے، ان سے زیادہ کسی کو پُر رعب نہیں دیکھا:

مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہُوا، تحریر فرماتے ہیں۔

> جس روز آپ کی وفات ہوئی، آپ بیت الجن میں تھے، یہ گاؤں ایک گھاٹی پر دمشق اور بانیاز ربانیان؟ کے درمیان ہے، اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا، میرے دل کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی، میں نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے، آپ نے مجھ سے کہا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں، اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کر لو

[1] ایضاً ذکر آئمہ متاخرین؛

تو تمام تکلیفوں سے تم کو رہائی ہو جائے، تم کو معلوم ہونا چاہئیے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بُروں کو پیدا کرتا ہے مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہیں چاہیے، اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہیے، سوائے اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہیں کیا، اور جان بحق ہوئے[1]

سیاحت روحانی کسب کمال کے لیے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے جن میں شیخ محمد زکی بن العلاء، شیخ القاسم سدسی، شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سالبہ، شیخ ابواسحٰق بن شہریار، شیخ ابوالحسن علی بکران، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر مکشوف، شیخ احمد بن شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسین السیرکانی، شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانی، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی البودینی، خواجہ رشید مظفر ابن شیخ ابوسعید، خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسی، اور شیخ احمد بخار سمرقندی سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔

منازل سلوک کے طے کرنے میں جو مجاہدے کئے ان میں ایک عجیب و غریب واقعہ خود ہی یہ بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزیدؒ کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا، جو ایک بار پہلے میں حاصل ہو چکا تھا، آخر میں وہاں سے اُٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں اس جماعت کی نظر میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے، اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انہوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لیے ایک کوٹھا دیا، اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی، اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہاں تک کہ ذلت اُٹھاتے اُٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں[2]۔

---

[1] کشف المحجوب ذکر آئمہ متاخرین ۔ [2] کشف المحجوب باب ششم ذکر ملامت ۔

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلال رضؓ موذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لیے ہوئے ہیں جیسے کوئی کسی بچہ کو لیے ہوئے ہو، میں نے آگے بڑھ کے قدم چومے، اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے، آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہوگیا، اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے یعنی ابوحنیفہ، اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ گو جسمانی طور سے فانی ہو چکے ہیں، مگر احکام شرعی کے لیے باقی اور قائم ہیں، اور ان کے حامل پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم ہیں[1]۔

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کرنے کے لئے تار رہتے تھے، جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی، ان کی طرف رجوع کرتا، ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے، ایک شیخ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا کی مشغولیت سے دور نہ ہو جاؤ، اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو، تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو، تمام لوگوں کے لیے دل پریشان نہ رکھو، کیونکہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے، اس پند و موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا، اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اس کی تعلیم دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے، ایک انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے[2]۔

مخلوق سے انقطاعِ تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل سفر میں رہے، لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی، اور ہر جمعہ کو نماز کے لیے کسی قصبہ میں قیام فرمایا[3]۔

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے ان ظاہری رسوم کو معصیت و ریا کہتے ہیں، اور ان کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے، چنانچہ اس حدیث

---

[1] ایضاً ذکر امام اعظم ابوحنیفہ ۔ [2] ایضاً فصل تیسری ۔ [3] کشف المحجوب میں ذکر صلوٰۃ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں

"و عبادت آنجا کہ می خواہی می کن، و مشائخ رحمہم اللہ علیہم حق ادب آں نگاہداشتہ اند و مریداں را بدان فرمودہ اند، یکے می گوید از ایشان کہ چہل سال سفر کردم، ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود، و ہر آدینہ بقصبۂ بودم"

خاکسار مؤلف کا خیال ہے کہ حضرت شیخ ہجویری گنج بخش نے ان سطور میں خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے ۔

(من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم) کو لکھ کر خداوند تعالےٰ سے اپنے لیے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعا کی ہے، یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہیے[۱]

ازدواجی زندگی تعلقات زناشوئی سے پاک رہے، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا، مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا اور قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے مجھ کو بچا لیا[۲]

ورود لاہور فوائد الفواد (ص ۳۵) میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:۔

"شیخ حسین زنجانیؒ اور شیخ علی ہجویریؒ دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے، اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانیؒ عرصہ سے لہاور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے، کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لہاور میں جا کر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں، لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ، جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں لہاور آئے تو رات تھی صبح کو شیخ حسین کا جنازہ باہر لایا گیا"

معلوم ہوتا ہے کہ لاہور آکر پھر اپنے مرشد کے پاس واپس گئے، کیونکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ مرشد کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے، ممکن ہے کہ وفات کے بعد پھر لاہور آئے ہوں، لیکن بہرحال لاہور کے قیام سے خوش نہیں تھے۔ ایک جگہ رقمطراز ہیں:۔

"کتب من بہ حضرتِ غزنین ماندہ بود، من باندر دیار ہند در بلدۂ لاہور کہ از مضافات ملتان است در میان ناجنساں گرفتار شدہ بودم"

ہندوستان کے سفر میں جا بجا علمی مذاکرہ بھی کیا، فرماتے ہیں:۔

---

[۱] ذکر الفرق بین المقام والحال۔ [۲] کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو۔

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام انیس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندر افتادم، ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ رویت بودہ بود یک سال مستغرق آن بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بیچارۂ من فرستاد و بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت۔

"ہندوستان کے سفر میں ایک شخص کو دیکھا جو علم تفسیر و تذکیر کا مدعی تھا، مقام فنا و بقا میں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا، اس کی تقریر سے مجھ کو فوراً معلوم ہوگیا کہ وہ فنا اور بقا سے بالکل ناآشنا ہے بلکہ اس کو حادث اور قدیم کا بھی فرق نہیں معلوم تھا"۔ (ذکر بقا و فنا)

وفات آخر زندگی تک لاہور ہی میں قیام پذیر رہے، اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں، سال وفات ۴۶۵ھ ہے، انتقال کے بعد مزار زیارت گاہ خلائق بن گیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ان کی قبر پر چلہ کیا، اور جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا،

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے، عوام داتا بخش کہتے ہیں، حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی جو ان کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے، ان کا مزار پُر انوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے۔

دارا شکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے :۔

"خلقِ انبوہ ہر شبِ جمعہ بہ زیارتِ آں روضۂ منورہ مشرف می گردند و مشہور است کہ ہر کہ چہل شبِ جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضۂ شریفہ ایشان بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد، فقیر نیز بہ زیارتِ روضۂ منورۂ ایشان و دالدین بخالِ ایشان مشرف گشتہ"[۱]

تصانیف کشف المحجوب کے علاوہ ان کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں :۔

(۱) منہاج الدین، اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ لحقوق اللہ۔

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔

---

[۱] سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۳

"پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام"

"من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ"

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے، ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے حضرت نظام الدین اولیاؒ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا[1] حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ اپنے مکتوبات میں اس کتاب کا جا بجا ذکر فرماتے ہیں حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملا جامی رقمطراز ہیں :-

کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہورہ دریں فن است و لطائف و حقائق دراں کتاب جمع کردہ است"[2]

دارا شکوہ لکھتا ہے :-

حضرت علی ہجویریؒ را تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است، و ہیچ کس را بداں سخن نیست و مرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آں در زبانِ فارسی کتابے تصنیف نشدہ[3]

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابوسعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویریؒ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابلِ قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے اس لیئے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں۔

علم کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں، شروع میں کلام مجید اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر بھی عمل

---

[1] در نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخۂ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی ہیں نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی کی کتاب تصوفِ اسلام سے لیا ہے، جنہوں نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے۔

[2] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین ۔ [3] سفینۃ الاولیاء، ص ۲۸۳ ۔

کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) علمِ خداوند تعالیٰ (۲) علمِ خلق، اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے، وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے، بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیئے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لیے صحیح نیت رکھنا۔

حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم، یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں (۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم، یعنی وہ عالم ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے (۳) خداوند تعالےٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے۔

علمِ شریعت کے بھی تین ارکان ہیں (۱) کتاب (۲) سنّت (۳) اجماع امت

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم، حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علمِ حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مُردہ ہے، اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علمِ شریعت نہیں، اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے، شیخ نے دونوں علموں کو لازم ملزوم قرار دیا ہے، اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے، کہ جس شخص نے صرف علمِ توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہے۔

فقر دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے اس میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے، اور فقر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اس کی کسی چیز پر خلل نہ آئے، نہ دنیاوی سازو سامان ہونے سے مالدار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہو گا اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہو گا اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر مال و متاع سے بے نیاز ہوتا

جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے، اور رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، ایک فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کی ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں، اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے، بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا، فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل ہے کہ غنا خداوند تعالےٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں، اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندے کے درمیان مشترک ہو، ضرور پائی جائے گی، اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کیا نا روا نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری رحؒ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کے صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے، اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لیے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں، غنی خدا کے منجملہ اور ناموں کے ایک نام ہے یہ اسی کے لیے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہوسکتا، بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا میں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماورا ہے اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجود بشری کو حاجت لازم ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے غنا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں۔

مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں، الغنی من اغناہ اللہ، یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے، اس لیے غنی باللہ فاعل ہے، اور "من اغناہ اللہ" مفعول ہے، فاعل بذات خود قائم ہے، اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے، تو یہ اس کے لیے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں غفلت اسی طرح آفت ہے جس طرح فقر میں حرص، اس لیے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو غافل نہ ہونا چاہیے اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہیے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے، اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ

کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لیے فقر غنا سے بہتر ہے اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

تیسری فصل میں فقر و فقیر سے متعلق مشائخِ عظام کے جو اقوال ہیں، ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے مثلاً حضرت رویمؒ بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے مصون ہو، اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے، کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گذرے اس کو ظاہر نہ کرے، اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں، اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے، یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے اور خرچ کے لئے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا، مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے، کیونکہ محب خلعت قبول نہیں کرتا، اس لیے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے اس کو وہ دوسروں کو دے کر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا اس لیے اس کو ترک کر دیتا ہے۔

صوفی کی اصلیت تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس میں بھی تین فصلیں ہیں۔

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لئے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صفِ اول میں رہتا ہے اس لئے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال یہ ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحابِ صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے اسی طرح اور توجیہات ہیں، مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لئے

کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے، اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے، جس کا خاصہ تکلف ہے یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں۔

اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) صوفی، جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے، اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے (۲) متصوف، جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے، اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے (۳) مستصوف، جو محض مال و منال اور جاہ و حشمت کے لیے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے۔

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) متصوف صاحب اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے۔

دوسری فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کیے ہیں، جن سے ان کے مذکورۂ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظِ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہیں، جن کا ذکر بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو، اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صفِ اول اور درجۂ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصری کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تصریح یہ کی ہے، کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے، اور موافقت مخالفت کی ضد ہے، اور جب مراد ایک ہوتی ہے، تو مخالفت نہیں ہوتی ہے، اس لیے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے۔

حضرت شبلیؒ کا قول ہے، کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عز و جل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے، حضرت ہجویریؒ نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے، کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا، تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اس طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا۔

تصوف اس بحث میں حضرت شیخ ہجویری رح نے حضرت جنید رح کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے، یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیم ع کی ہو، رضا حضرت اسمٰعیل ع کی ہو، صبر حضرت ایوب ع کا ہو، اشارات حضرت زکریا ع کے ہوں غربت حضرت یحییٰ ع کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰ ع کی ہو، لباس حضرت موسیٰ ع کا ہو، اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

تیسری فصل میں حضرت ہجویری رح کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک خاص اخلاق کا نام ہے علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا، رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس کے اخلاق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا (۲) بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا (۳) نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

صوفی کا لباس چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے صوفی سنت رسول کی پیروی میں کمل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کے لیے شیخ ہجویری رح نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں، گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہیئے، اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے، جب کہ اس کو مشائخ پہنائیں، اس کے لیے ضروری ہے، کہ موخر الذکر اول الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں، اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں، خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو، اور ان کی خدمت اپنے لیے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے مزے ترک کر دیتا ہو اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہوں اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے، گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

ملامت چھٹا باب ملامت پر ہے، حضرت شیخ ہجویری رح نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے، اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات میں درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو،

لیکن وہ اس کی پروا مطلق نہ کرتا ہو، مثلاً شیخ ابوطاہر حرمیؒ ایک بار بازار میں جا رہے تھے ایک شخص نے ان سے کہا، "اے پیر زندیق کہاں جاتا ہے" ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انہوں نے روک دیا، اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے جن میں ان کو کسی میں شیخ زکی کسی میں شیخ زاہد کسی میں شیخ الاسلام، اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے، لیکن یہ سب اسم نہیں ہیں، القاب ہیں، کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لئے جھگڑا کیوں کیا جائے۔

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو، اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً ابویزیدؒ رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے تو لوگوں نے بہت ہی اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے، انہوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کی ملامت کرنے لگے، اور ان سے برگشتہ ہو گئے، ابویزید نے قصداً ایسا کیا تاکہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو، اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریا کاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، جو شیخ ہجویریؒ کے نزدیک صحیح نہیں،

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لیے ایک تر و تازہ باغ، دوستوں کے لیے مایۂ تفریح، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لئے سرور ہے حضرت ابراہیم ادہمؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کبھی اپنی مراد کو بھی پہنچے تو انہوں نے کہا کہ ہاں دو بار ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا، مجھ کو کسی نے نہیں پہچانا، اس وقت میں پرانے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا، سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، میری حالت دیکھ کر کشتی والے مجھ پر ہنستے تھے، جو شخص آتا میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچتا، اور تمسخر کرتا، اس وقت میری مراد حاصل ہو رہی تھی، اور میں اس لباس میں خوش ہو رہا تھا، مگر ایک روز یہ خوشی ختم ہو گئی، کیونکہ اس روز ایک مسخرہ اٹھا اور اس نے میرے اوپر پیشاب کر دیا اور مجھ کو وہ لباس اتارنا پڑا، دوسری بار میری مراد اس طرح پوری ہوئی کہ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی، جاڑے کا زمانہ تھا ایک گاؤں میں پہنچا، میرا جبہ بھیگ گیا تھا، ایک مسجد میں گیا، وہاں کسی نے مجھ کو ٹھہرنے نہیں دیا،

سردی سے پریشان ہو کر میں ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا، اور دامن سمیٹ کر آگ کی طرف بیٹھ گیا، اس کے دھوئیں سے میرے کپڑے اور میرا منہ کالا ہو گیا، اس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا۔

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام، اہل البیت، اہل الصفہ، تبع تابعین، آئمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے۔

چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں، تفصیل غالباً نامناسب نہ ہو گی۔

رضا | پہلا فرقہ محاسبیہ ہے جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے، حضرت ہجویریؒ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے، اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالےٰ سے۔

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے، اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالےٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف و ہیبت میں ایسے ہی لذت محسوس کرتے ہیں، جیسے اس کے لطف و کرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے، اور وہ محض اس لیے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں جس کے بعد ان کا دل خیر کے اندیشہ سے نجات پاکر تمام غم والم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالےٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے، دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، وہ دنیا والے ہیں، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں، یہ رنج ہے، چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کا پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں جو خلق کی ملامت کو تزکیۂ نفس کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث چھٹے باب میں گذر چکی ہے، اس لیے حضرت ہجویریؒ نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے،

سکر و صحو اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اول الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابو القاسم الجنید بن محمدؒ ہیں پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں سکر حق تعالےٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے، اور غایت بے خودی میں اس کے ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتے، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصولِ مراد کا نام ہے، جس میں جمالِ محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے، لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے، تو وہ کشف ہے، صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے، اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے، جب دونوں کی اصل صحیح ہو تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود، دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں، لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو تو دونوں بے فائدہ ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے، اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہیں کہ مقامِ صحو مردوں کی جائے فنا ہے۔

عزلت نشینی پانچواں گروہ نوریہ کا ہے جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوریؒ ہیں، وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں، اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور اصحابِ صحبت کے لیے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے اور اگر صحبت کے ساتھ ایثار، رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، حضرت ہجویریؒ نے فرقۂ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے۔

مجاہدہ و ریاضت (۶) سہلیہ:- اس کے امام حضرت سہل بن تستریؒ ہیں، ان کی تعلیم اجتہاد (جد و جہد مشقت) مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے اس لیے حضرت ہجویریؒ نے نفس کی تشریح واضح طور سے کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا، نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے، اور نفس کی پیروی حق عزّ و جل کی مخالفت ہے، نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہادِ اکبر ہے،

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں، سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایتِ ایزدی پر منحصر ہے، مجاہدہ وصلِ حق کی علت نہیں ہو سکتا، ممکن ہے ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور رہے، اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو گنہگار ہو اور اسے قربِ خداوندی حاصل ہو حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں، اس رائے کے باوجود حضرت شیخ ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو وصلِ حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشوں کا، جو عقل کا متبع ہوتا ہے وہ ایمان کی طرف جاتا ہے، اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے، حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ وصلِ حق کیا چیز ہے فرمایا "ہوا کا ترک کرنا، حضرت ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور کہا سب سے بڑی عبادت ہوا کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

حضرت ہجویریؒ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) لذت اور شہوت (۲) جاہ طلبی، اول الذکر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے، لیکن موخر الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو۔

ولایت و کرامت (۷) فرقہ حکیمیہ :۔ یہ گروہ حضرت ابوعبداللہ بن علی الحکیم الترمذیؒ کی جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہو کر اسرارِ الٰہی سے واقف ہوتا ہے اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے اس سلسلہ میں حضرت ہجویریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذاتِ خداوندی سے محبت کرتے ہیں، جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے، اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں تو وہ نہیں ہوتے اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائے گی،

معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسولؐ کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور، مگر اب نہیں ہیں، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانے میں ہوتے ہیں، اور ان کی قسمیں بتائی ہیں (۱) اَخیار (۲) اَبدال (۳) اَبرار (۴) اَوتاد (۵) نُقَبا، (۶) قُطب یا غوث۔

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بےخوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو، اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو۔ وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے، کیوں کہ شہرت باعث فساد و رعونت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے، کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے اور نہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے، کرامت محض عطیۂ خداوندی ہے یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں، بلکہ خدائی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابویزیدؒ، ذوالنون مصریؒ اور محمد بن خنیفؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے، اور جو صحو کے حال میں ہو، وہ نبی کا معجزہ ہے، ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے، وہ محجوب رہتا ہے اور جب خدا کے الطاف واکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ اور ابوالعباس سیاریؒ وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے، اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں۔ اسی لیئے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی منازل ہیں

اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں تو ولی برحق ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں میں بتایا گیا ہے کہ انبیاء اولیا سے افضل تر ہیں، اور انبیاء و اولیا فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فنا و بقا (۸) فرقہ خرازی۔ یہ فرقہ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے، جنھوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لیے اس فصل میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا، اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہو جانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بُعد، وصل و فراق، اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے، اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے، کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے، اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے، یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے، اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبۂ جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے، کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور اس کی زبان حق تعالے سے ناطق ہو جاتی ہے۔

غیبت و حضور (۹) فرقہ حکیمی۔ یہ فرقہ حضرت ابو عبداللہ بن کی جانب منسوب ہے، اس کا مذہب تصوف در غیبت و حضور ہے۔

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے، یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدائے تعالے کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو، اس کی صفات بشری منقطع ہو گئی ہوں، اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیہ کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے، یا حضور غیبت پر، ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے، جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے، اور جو حاضر ہے، وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہوجاتا ہے، انھوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گزرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے، نہ زمین کی، اور نہ خود اپنی۔

جمع تفرقہ (۱۰) فرقۂ سیاریہ : یہ فرقہ ابوعباس سیاریؒ کی جانب منسوب ہے، جو مرو کے امام تھے ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے، حضرت ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں، جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے، تو وہ تفرقہ میں ہے، اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے تو یہ جمع ہے، جمع میں بندہ کچھ سنتا ہے، تو خدا سے، کچھ دیکھتا ہے، تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کر دے کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماع ضدّین ہیں، جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض، اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہوسکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علیحدہ نہیں ہوسکتا ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو، اور کبھی موخر، مقدّم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے، اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج و کلفت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حالت حضوری میں ہوتا ہے۔ حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کو لازم ملزوم اس لئے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ کوشش سے۔

اس کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) جمعِ سلامت (۲) جمعِ تکسیر

جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے، لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے، مثلاً حضرت ابو یزید بسطامیؒ، ابوبکر شبلیؒ اور ابوالحسن حصریؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے، لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے، اور جب نماز پڑھ چکتے تھے تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے۔

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہو جاتا ہے، اور اس کی حالت مجنونوں کی سی ہو جاتی ہے، اسی لیے یہ معذور اور اول الذکر مشکور کہلاتے ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے۔

حلول روح گیارھواں فرقہ حلولیہ ہے، جو ابو حلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارھویں فرقہ کا نام نہیں لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے۔

حضرت شیخ ہجویریؒ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے، خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح حادث ہے قدیم نہیں، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں، خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہو سکتی، پھر قدیم محادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے میں حلول کر سکتی ہے روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لیے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے جو کسی طرح تصوف نہیں کہا جا سکتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آئندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہیں، اور راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور توضیح ہے۔

معرفت پہلا پردہ خدا کی رحمت کا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے حاصل ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے حضرت ہجویریؒ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے عقل اور دلیل معرفت کا ذریعہ ہو سکتی ہے، مگر علت نہیں، علت صرف اس کی عنایت ہے چنانچہ حضرت علیؓ

نے فرمایا ہے کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا، اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا۔

معرفت کیا ہے؟ اس پر حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیۂ کرام کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے، جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کر کے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبتات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے جس کے بعد بندہ ظاہری اور باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، شیخ شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی میں، دوسرے چگونگی میں ہستی میں حیرت کا نام شرک اور کفر ہے، اور چگونگی میں معرفت، کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جاسکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات وسکنات خدا کی طرف سے ہیں، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے، اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے۔

توحید دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے (۱) یعنی خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی واحدانیت کا علم ہے (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی واحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے (۳) بندوں کو خداوند تعالیٰ کی واحدنیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے جو فصل ووصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے، اس لئے حادث نہیں، وہ محدود نہیں جس کے لیئے طرفین ہوں، وہ مکین نہیں جس کے لیے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کے لیے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہیں کہ اس میں حرکت اور سکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ اس کے لیے بدن ہو، وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کے لیے اجزا ہوں وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جزو ہو، اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ زندہ رہنے والا ہے، وہ جاننے والا ہے،

سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے، اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے، وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے، جو جانتا ہے، اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے، اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے۔

ایمان تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ کا خیال ہے، کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا، لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہیں پائے گا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت پسندیدہ نہیں ہے، جس میں طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے، اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہو، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی، اسی قدر فرمان الٰہی کی تعظیم بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے، جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا، اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو پھر تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہیئے۔

طہارت چوتھا پردہ طہارت کا ہے حضرت ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارت باطن، طہارت ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر نماز درست نہیں، اور طہارتِ باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کے لیے تین شرطیں ہیں (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں جب ندامت ہو، اس ندامت کے لیے بھی تین شرطیں ہیں (۱) عقوبت کا خوف ہو (۲) یہ خیال ہو کہ برے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) عذاب کے ڈر سے اس کو توبہ کہتے ہیں جو عام بندے کیا کرتے ہیں۔

(۲) ثواب کی خواہش سے یہ انابت ہے جو اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

(۳) حصولِ عرفان کے لیے، یہ اِذابت ہے، جو انبیاء و مرسلین کے لیے ہے۔

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔

(۱) خطاب سے ثواب کی جانب ہو یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو یہ توبہ عام ہے۔

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے۔

(۳) خودی سے حق تعالےٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے۔

نماز:- پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پہ پہنچاتی ہے، اور ان پہ اس راہ کے تمام مقامات کھُل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے، قبلہ رو ہونا مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرأت ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد اُنس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے۔

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہیں کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں۔

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کے لئے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لیے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے، تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

حضرت شیخ ہجویریؒ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالمِ ناسوت میں ہو، اور روح عالمِ ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے ہیں، کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں

تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں۔ حضرت ابو الخیر اقطعؒ کے پاؤں میں آکلہ ہوگیا تھا۔ اطباء نے پاؤں کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز وہ نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہُوا پایا۔ ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنگ مار اگمر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دُور کیا، بولیں خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی، مردوں کے لئے نماز باجماعت کی تاکید ہر حال میں کی ہے چنانچہ انہوں نے خود چالیس برس کی مسلسل سیاحت میں ہر وقت کی نماز جماعت سے ادا کی اور جمعہ کی نماز بھی کسی قصبہ ہی میں پڑھی جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔

زکوٰۃ چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جُز ہے۔ اس سے روگردانی جائز نہیں سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی بلکہ جواد ہونا چاہیئے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور بُرے مال میں اور اس کی زیادتی اور کمی میں تمیز کرتا ہے۔ مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجائش کہاں؟ مگر حضرت ہجویریؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں بلکہ ہر شے کی ہوتی ہے، زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے تندرستی ایک نعمت ہے جس کے لیے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے باطن بھی ایک نعمت ہے۔ اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے

روزہ ساتواں حجاب روزہ ہے۔ حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواسِ خمسہ کو اس طرح مقیّد کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گذر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس سے نفس میں فتادگی اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ بھوک سے جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سِر کو بقا حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ابو العباس قصابؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں گناہوں کا مادّہ پاتا ہوں اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہوں، حضرت عبداللہ تستریؒ پندرہ روز میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، اور جب ماہِ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا، تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہمؒ بھی رمضان المبارک میں کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہوں کاٹنے کے کام پر جایا کرتے تھے اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی اس کو فقراء اور مساکین کو دے دیا کرتے تھے۔

حج آٹھواں حجاب حج کا ہے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک حج کے لیے ایک صوفی کا نکلنا گناہوں سے توبہ کرنا ہے، کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علٰحدہ ہونا ہے، عرفات میں قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے، مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کو ترک کرنا ہے، خانۂ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمالِ باکمال کو دیکھنا ہے، صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا ہے، منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے، قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کو ذبح کرنا ہے اور کنکریاں پھینکنا برے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں، اس نے گویا حج نہیں کیا ؛

مشاہدہ حضرت شیخ ہجویریؒ نے مقامِ مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لیے اس باب میں مشاہدہ پر بحث کی ہے حضرت ابوالعباسؒ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحبت کا غلبہ ہے، یعنی جب خداوند تعالےٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی، حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا خداوندِ عالم کے لئے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا، ان ہر دو اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو اور دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے۔ حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پر تو انوارِ الٰہی ہے۔ اس لیے ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے اور یہ دیدار کیفیت ہے جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے ؛

آدابِ سالک اس کے بعد مختلف ابواب میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو (۲) بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو (۳) اس کے لیئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ تنہائی اس کے لیے آفت ہے (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے، تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال کرے (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لیئے ہو (۶) اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو، اور حلال ہو، وہ دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو (۹) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے۔ اس کے

علاوہ تجرّد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، لیکن اگر سالک خَلق سے دُور رہنا چاہتا ہو تو مجرّد رہنا اس کے لئے زینت ہے۔

سماع آخر میں سماع پر بحث ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک سماع مباح ہے۔ مگر اس کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں، مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے، اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے۔ وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے۔ قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے محفلِ سماع میں لڑکے نہ ہوں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔

از "بزم صوفیہ"

بشکریہ دار المصنفین اعظم گڑھ

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ... ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات کی تازہ تاریخیں

نتیجۂ طبع
پیر غلام دستگیر نامی

(۱)
ہست ایں دنیائے دوں ماتم کدہ ... بود بہرِ گنج بخشؒ ایں رنج بخش
گفت نامی سالِ فوتِ آں ولی ... دور شد ماتم کدہ از گنج بخشؒ
(۵۱۰ - ۹۷۵ = ۴۶۵ھ)

(۲)
ابنِ عثمانؒ، علیؒ نے دنیا سے ... جب کیا سوئے خلد عزمِ سفر
(۳) "نادرِ دورؒ" و "نورِ دہر" ہوئی ... ان کی تاریخ فوت اے سرور
(۴۶۵ھ، ۴۶۵ھ)
(۴) "سندِ داتا" ہے اور اک "تاریخ ... (۵) "چل دیئے داتا" اور دو مِل کر
(۴۶۵، ۴۶۳ + ۲ = ۴۶۵ھ)
ایسی تاریخ بھی کہو نامی! ... عیسوی سال جس سے ہو اظہر
(۶) "گنج بخش زمن" ہے اک تاریخ ... (۷) "سیدِ پاک گنج بخشؒ" دگر
(۱۰۷۲ء، ۱۰۷۲ء)

شجرۂ نسب و طریقت حضرت داتا صاحبؒ و سید عبدالقادر جیلانیؒ و خواجہ اجمیریؒ

{مرتبہ پیر غلام دستگیر نامیؔ}

شجرۂ نسب

عبدالمطلب بن ہاشم

سیدنا عبداللہ — ابوطالب

حضرت محمد صلعم سنہ ۱۱ھ — حضرت علیؓ سنہ ۴۰ھ

سیدہ فاطمہؓ

امام حسنؓ سنہ ۵۰ھ — امام حسینؓ سنہ ۶۱ھ

حضرت زیدؒ — حسن مثنیٰؒ — سیدہ فاطمہؒ — امام زین العابدینؒ

سید حسن اصغرؒ
سید ابوالحسن علیؒ
سید عبدالرحمنؒ
سید علیؒ
سید عثمانؒ
حضرت سید علی گنج بخشؒ
سنہ ۱۰۷۲ء

سید عبداللہ محضؒ
سید موسیٰ الجونؒ
سید عبداللہ ثانیؒ
سید موسیٰ ثانیؒ
سید داؤد امیرؒ
سید محمد روحیؒ
سید عمر یحییٰ زاہدؒ
سید ابوعبداللہ جیلیؒ
سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوست
سید عبدالقادر جیلانیؒ
سنہ ۵۶۱ھ

امام زین العابدینؒ
امام محمد باقرؒ
امام جعفر صادقؒ
امام موسیٰ کاظمؒ
امام علی رضاؒ
امام ابراہیمؒ
امام عبدالعزیزؒ
سید طاہرؒ
سید احمد حسینؒ
سید کمال الدینؒ
سید غیاث الدینؒ
خواجہ معین الدین اجمیریؒ
سنہ ۱۲۳۹ء

شجرۂ طریقت

حضرت علیؓ

خواجہ حسن بصریؓ سنہ ۱۱۱ھ

خواجہ حبیب عجمیؒ سنہ ۱۵۶ھ — خواجہ عبدالواحدؒ جن سے سلسلۂ چشتیہ چلا

حضرت معین الدین حسن اجمیریؒ سنہ ۶۳۶ھ

حضرت داؤد طائیؒ سنہ ۱۶۰ھ
حضرت خواجہ معروف کرخیؒ سنہ ۲۰۰ھ
خواجہ سری سقطیؒ سنہ ۲۵۳ھ
حضرت جنید بغدادیؒ سنہ ۳۰۲ھ

خواجہ ممشاد دینوریؒ سنہ ۲۹۸ھ جن سے شجرۂ سہروردیہ ملحق ہوتا ہے۔ — حضرت ابوبکر شبلیؒ سنہ ۳۳۴ھ

شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سنہ ۶۳۲ھ

شیخ عبدالعزیز تمیمیؒ سنہ ۳۳۲ھ جن سے سلسلہ قادریہ ملحق ہوتا ہے
شیخ ابوالحسن علی ہنکاریؒ سنہ ۴۸۶ھ
شیخ ابوسعید مخزومیؒ
سید عبدالقادر جیلانیؒ
۱۱۶۶ء

حضرت شیخ حصریؒ
شیخ ابوالفضل بن حسن سنہ ۴۵۳ھ
حضرت علی بن عثمانؒ داتا گنج بخش سنہ ۴۶۵ھ

نوٹ نمبر ا۔ شجرۂ نقشبندیہ حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ سے جاری ہے۔ اس سلسلے کے بزرگ شیخ احمد

مجدد الف ثانی سرہندی ۱۰۳۴ھ میں فوت ہوئے۔ جو گل کے بہار کے ساتھ دیئے ہوئے ہندسے انکا سالِ وفات ہیں۔

نمبر ۲۔ سید عبد القادر جیلانی کی والدہ (ام الخیر فاطمہ) امام جعفر صادق کی نسل سے تھیں اور امام موصوف کی والدہ (ام فروہ) حضرت ابوبکر صدیق کے ایک بیٹے (محمد) کی پوتی اور دوسرے بیٹے عبد الرحمٰن کی نواسی تھیں جس بنا پر امام جعفر صادق فخراً فرمایا کرتے تھے کہ وَلَدَنِی الصِّدِّیْقُ مَرَّتَیْنِ (مجھے صدیق نے دو دفعہ جنا) لہٰذا حضرت جیلانی حسنی اور حسینی سید ہیں۔ مفصل شجرے زیر طبع کتاب تذکرۂ انبیاء و آل محمد مؤلفہ ناچیز میں ملاحظہ کریں۔

نمبر ۳۔ سہ نشان سے مراد یہ ہے کہ عدم گنجائش کی وجہ سے چند درمیانی پشتیں چھوڑ دی گئی ہیں (ناشر)

روضۂ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تعمیرات

حضرت داتا صاحبؒ سلطان محمود غزنوی کے فرزند ناصر الدین اللہ مسعود کے عہد (۱۰۳۰ء/۴۲۱ھ تا ۱۰۴۰ء/۴۳۲ھ) میں لاہور تشریف لائے تھے۔ آپ کو فوت ہوئے نو سو نو (۹۰۹) برس ہو چکے ہیں۔ آپ کا روضہ اسی سلطان کے بیٹے ظہیر الدولہ ابراہیم نے تعمیر کرایا۔ اس کا دورِ حکومت ۱۰۹۹ء/۴۹۲ھ میں ختم ہوا تھا۔ جلال الدین اکبر بادشاہ نے جو ۱۵۵۶ء/۹۶۳ھ سے ۱۶۰۵ء/۱۰۱۴ھ تک حکمران رہا۔ خانقاہ کا فرش اور ڈیوڑھی بنوائی۔ میر مومن خاں ڈپٹی گورنر دار السلطنت بھی روضہ کا خدمت گزار رہا۔ وہ حسب وصیت خانقاہ میں مدفون ہوا۔ اس کا مزار توسیع مسجد کی نذر ہو گیا ہے۔ بطورِ نشان صحنِ مسجد میں سفید پتھر لگا دیا گیا ہے جو خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حجرۂ اعتکاف کے سامنے والے درِ مسجد کے آگے نصب ہے۔ اس سے آگے ایک حاشیہ دار سنگِ مرمر لگا ہے۔ یہ قدیم مسجد کے محراب کا نشان بتلانے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ موجودہ بڑی مسجد ۱۳۴۰ھ میں چوہدری غلام رسول مرحوم کے صرفِ کثیر سے مکمل ہوئی۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے تاریخ اَلْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا سے نکالی جو دروازۂ مسجد پر مسطور ہے۔

درگاہ کے جنوبی اور شرقی دالان محمد بخش دالگر نے بنوائے تھے۔ شمالی دالان شیخ فیروز الدین کی دختر کا تعمیر کردہ ہے۔ مولوی حاجی فیروز الدین مرحوم نے بھی سنگِ مرمر کی جالیاں اور گنبد کی بیرونی چھتری اور روضہ کی سبز لکڑی بنوائی۔ روضہ کی شمالی دیوار میں جو اشعار مسطور بتلائے گئے کہ ان سے سالِ مرمت چراغ جمال سے ۱۲۷۸ھ برآمد ہوتا ہے وہ مجھے نہیں ملے۔ روضہ کا سنہری کلس مستری امیر مرحوم نے ہزار روپیہ کا سونا

ع٥ مشکوٰۃ کتاب الفتن باب نزول قرب الساعۃ میں ہے یبنزل عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث ۴۵ سال ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا و عیسیٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر رواہ ابن جوزی فی +

لکھوا کر بنوایا تھا۔ مہارانی چند کور نے ۱۲۵۹ھ ۱۸۳۸ء میں یہاں ایک دالان تعمیر کرایا تھا۔ جو مسجد میں آگیا ہے روضہ کی بیرونی غلام گردش کی سنگ مرمری تعمیر کے اخراجات میں مسمات امیر النسا زوجۂ شاہنواز جوگی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس سے عمارت بڑی خوبصورت ہو گئی ہے۔ مزار داتا صاحبؒ کے باہر مشرق کی طرف مجاوران درگاہ کے جدِ اعلیٰ شیخ ہندی کا مزار ہے جو پہلے ہندو راہب تھے۔ رائے راجو نامی اور پھر حضرتؒ کے ہاتھ پر مشرف باسلام اور مرید ہوئے۔ ساتھ ہی ان کے بیٹے پوتے اور اولاد کی قبریں ہیں۔

ان قبور کے علاوہ روضہ کے گرد وپیش جو قبریں ہیں وہ ان متمول اشخاص کی ہیں۔ جنہوں نے اس جگہ نفیس رفاہی عمارات ہزاروں روپیہ کے صرف سے بنوائیں۔ تاکہ انہیں اس خدا رسیدہ بزرگ کے قُرب کے طفیل قبر میں آسودگی حاصل ہو۔ اسی غرض کے لئے لوگ اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بزرگوں کے قرب وجوار میں دفن کئے جانے کی وصیت کر جاتے ہیں۔ بالخصوص اہلِ تشیع جو کربلا کی سرزمین میں دفن ہونا موجبِ نجات سمجھتے ہیں۔ پروفیسر ویمبری کے سفرنامہ مترجمہ منشی محبوب عالم مرحوم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو تہران سے کربلا کو جاتے ہوئے ایک قافلہ ملا۔ جس سے سخت بدبو آ رہی تھی۔ جس سے انہیں غش آنے لگا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ مُردوں کا قافلہ ہے جو چالیس گھوڑوں اور خچروں پر ان لوگوں کی لاشیں لے جا رہا ہے جنہوں نے امام حسینؓ کے قدموں میں دفن کئے جانے کی وصیت کی تھی (ص ۹۵) اس پر مجھے خیال آیا کہ جو بزرگ سفر و حضر میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ اسلام کی نشر و اشاعت میں تن من دھن سے کوشاں رہے ہوں اور حضورؐ کے بعد اسی کوشش میں جان دے کر حضور انورؐ کے پہلو میں آسودہ ہوں اور ایسا قرب کسی اور کو نصیب نہ ہو کیا ان کی بخشش میں کچھ شک ہو سکتا ہے؟ ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ اس سے میری مراد حضرات شیخینؓ یعنی حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ ہیں جو گنبدِ خضرا میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آرام فرما ہیں۔ اور جہاں کسی چوتھے کا دخل نہیں گویا نبیؐ، صدیقؓ اور شہیدؓ تینوں زیرِ قبہ انجمن آرا ہیں اور لاکھوں زائرین باادب کھڑے ہو کر ان پر درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں اور پھر روضۂ اقدس سے باہر جنت البقیع میں امہات المومنینؓ اور بناتؓ رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ کے مزار ہیں۔ لہٰذا اس جگہ کے اصحابِ قبور یقیناً دوسرے بزرگوں اور ان کے پاس دفن ہونیوالوں سے زیادہ استحقاقِ بخشش رکھتے ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب۔ شہزادہ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ہجویر اور جلاب غزنین کے

* کتاب الوفاء [illegible] ... دلائل الخیرات میں بھی لکھا ہے ... سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ میں شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آرام فرما رہے ہیں اور چوتھی قبر کی جگہ ہے ... یہاں حضرت ... عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کے ... دجال کو قتل ... انتقال ... آئیں گے اور دفن ... اسی جگہ ... حسنؓ اور ... المومنین ... عائشہؓ اور ... عبدالرحمٰن بن ... دفن ... میسر ... العزیز ... رضی اللہ عنہ ... ذی القعدہ ۱۳۸ ... سلیقہ ... =

دو محلوں کے نام ہیں۔ داتا صاحبؒ کی والدہ اور ماموں تاج الاولیاء وہیں مدفون ہیں۔ داتا صاحبؒ کی بنا کردہ مسجد بھی وہاں ہے۔ اور یہ کہ میں غزنیں میں بغرضِ زیارت حاضر ہو چکا ہوں۔ لاہور میں آپ کا مزار درمیان شہر مغربی قلعہ واقع ہے۔ مشہور ہے کہ جو کوئی چالیس جمعراتیں یا چالیس دن متواتر روضہ پر جائے تو اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔"

نامی نے اس روضہ اور لاہور کے دیگر مزارات کے متعلق چشم دید حالات تاریخ جلیلہ میں جو چار سو صفحہ پر مشتمل ہے ۱۹۳۷ء میں لکھے تھے۔ یہ کتاب درگاہِ قطب العالم حضرت پوہڑشاہ بندگی علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۹۰۱ء) کی طرف سے مفت تقسیم کی گئی تھی۔ اور اب تقریباً ختم ہے۔

(مورخہ ۲۴ جمادی الآخری ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۵۵ء۔ غلام دستگیر نامی مکاندار محلہ چہل بیبیاں لاہور)

داتا صاحبؒ کے مزار کے گرد و پیش نصب شدہ کتبے

میں نے ۱۸ فروری ۱۹۵۵ء کی نماز جمعہ مسجد واقع درگاہ میں مع فرزندان ملک دین محمد صاحب مرحوم ادا کی اور کتبوں کے اشعار نقل کئے۔ مسجد سے جانب مشرق واقع بازار سے سیدھے آئیں تو سامنے ایک بلند دروازہ نظر آتا ہے۔ یہ اس مسجد کا درِ کلاں ہے۔ اس کے اوپر یہ اشعار بقلم دین محمد کاتب لکھے ہیں ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوں نباشد از غلامانِ رسولؐ — مسجدے بر آستانِ گنج بخشؒ
خواستم سالِ بنائش ناگہاں — ہاتفے از عاکفانِ گنج بخشؒ
گردن از سجدہ بروں آورد و گفت — سجدہ گاہِ زائرانِ گنج بخشؒ

ڈیوڑھی میں داخل ہو کر مزار کی طرف جانب شمال چلیں تو مسجد کے جانب مغرب واقع پہلے دروازہ پر ڈاکٹر اقبال مرحوم کے یہ اشعار لکھے ملیں گے ؎

سالِ بنائے حرمِ مومناں — خواہ ز جبریلِ از ہاتف مجو
چشم بہ اَلْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی فگن — اَلَّذِیْ بَارَکْنَا ہم بگو
۱۳۴۰ھ

اگر در خانہ صد محراب داری — نماز آں بہ کہ در مسجد گزاری

اس دروازہ سے مسجد میں داخل ہو جائیں۔ تو مشرق کی طرف دیوار پر شیخ غلام محی الدین قصوری مرحوم کے یہ اشعار لکھے نظر آئیں گے۔ جو روضہ کی بیرونی چاردیواری پر مسلسل پڑھتے جائیے ؎

در جہاں زیرِ نگین مُہرِ نامِ گنج بخشؒ — جن و انسان و ملک منقاد (و) رامِ گنج بخشؒ

ہر کہ آمد با ارادت صد سعادت یافت او — ہر کسے شد بہرہ یاب از فیضِ عامِ گنج بخشؒ

روز و شب وردِ زبانم ہست نامِ پاکِ تو — اسمِ اعظم یافتم من پاک نامِ گنج بخشؒ

بادشاہِ اولیا والا قدر[1] عالی محل — سُلّمِ[2] ہفت آسماں کمتر ز بامِ گنج بخشؒ

گر ہمی خواہی کہ بینی بر زمیں باغِ ارم — روضۂ انور مقدس بیں مقامِ گنج بخشؒ

ہر زمانش می فرستم صد سلام و صد دعا — بر امیدِ آں کہ یابم یک سلامِ گنج بخش

از مزارِ پاکِ او صد شعلہ ہائے نورِ حق — روشن از صبحِ درخشاں ہست شامِ گنج بخش

سیّد السّادات نورِ مصطفےٰ در گنج کرم — گردشِ چرخِ بریں باشد بکامِ گنج بخشؒ

از چنیں درگاہِ عالی ہیچ کس محروم نیست — بہتر از نقدِ دگر ہا ہست وامِ گنج بخشؒ

از دل و جانم غلامِ شاہ میراں محی الدینؒ — نیز از فضلِ خدا ہستم غلامِ گنج بخشؒ

گنجِ عرفانِ الٰہی نیز گنجِ عافیت — کن عطا یارب بہ ایں مسکیں بنامِ گنج بخشؒ

انہی شعروں کے درمیان یہ شعر بھی آتے ہیں ؎

بیا تا بر درِ سیّد نشینیم — نزولِ رحمتِ حق را بہ بینیم (غنیمت کنجاہی)

اولیا را ہست قدرت از الٰہ — تیرِ جستہ باز گردانند ز راہ (مولانا رومؒ)

اس چاردیواری کے اندرونی طرف داتا صاحبؒ کے یہ کلمات ثبت ہیں ؎

"نفس کو اس کی خواہش سے دور رکھنا حقیقت کے دروازہ کی چابی ہے"

اور مولانا رومؒ کے یہ اشعار بھی ؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا — او نشیند در حضورِ اولیاء

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود — گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

خاص روضہ کے گرد جو لکھا ہے وہ یہ ہے :-

---

[1] قدَر بدالِ ساکن صحیح ہے۔ [2] سُلّم ۔ بمعنی نردبان (سیڑھی)۔ ناؔمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ہر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود — سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود
جائیکہ زاہداں بہزار اربعین رسند — مستِ شرابِ عشق بیک آہ می رسد
ہر کس کہ بدرگاہِ تو آید بنیاز — محروم ز درگاہِ تو کے گردد باز
گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا — ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

(معین الدین سنجری رح)

پھر یہ عبارت کسی نے فریم میں جڑا کر دو جگہ... آویزاں کی ہے :-
"اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا بہ نیّت تعظیم بھی حرام ہے"
(مگر ڈاکٹر اقبال مرحوم بادشاہ حجاز و نجد کو "ارمغانِ حجاز" میں مخاطب ہو کر کہتے ہیں) ؎

سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں — بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست

یعنی یہ سجدہ نہیں بلکہ میں اس لئے جھک گیا ہوں کہ پلکوں سے دوست کے دروازے کی خاک صاف کروں۔ (ناجی)

پھر یہ اشعار لکھے ہیں :-

بر آستانِ تو ہر کس رسید مطلب یافت — روا مدار کہ من نا امید برگردم
گنج بخشی آپ کی آفاق میں مشہور ہے — نرغۂ اعدا میں یہ قلبِ حزیں محصور ہے
دلدہی خستہ دلوں کی آپ کا دستور ہے — یا علیؓ امداد کیجے منتظر مہجور ہے

چار یار کبارؓ کی منقبت میں یہ شعر خوب ہے ؎

بوبکرؓ ہمچو کعبہ عمرؓ در طوافِ او — عثمانؓ آبِ زمزم علیؓ حجِ اکبر است

آگے یہ شعر مسطور ہے ؎

چہ حسنست آنکہ دریک دم رُخت راصد نظر بینم — ہنوزم آرزو باشد کہ یک بارِ دگر بینم

اب شمال کی طرف نظر کرو تو دالان بنوانے والی کا قطعۂ تاریخ نصب کردہ یہ ملے گا ؎

دخترِ فیروز دیں ادنیٰ کنیزِ گنج بخشؒ　　ہر سعادت قسمت او گشتہ از روزِ ازل

کرد تعمیر ایں بنا از ہاتفے آمد ندا　　پاک چوں بیت الحرام ایں حجرۂ علم و عمل

۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ء) - نامی)

نوٹ:- کہتے ہیں یہ نیک بخت بی بی الریاض والوں کی رشتہ دار تھی - (نامی)

اس دالان میں ملک عبدالرحیم مشیرِ قانون ریلوے پاکستان نے دو کتبے نصب کرلئے ہیں۔ ایک میں منظوم شجرۂ طریقت ہے اور دوسرے میں نسبی - دونوں کی اردو کچھ ایسی ہی ہے - (نامی)

نمازِ عصر سے فارغ ہو کر پھر مزار داتاؒ پر فاتحہ پڑھ کر جب اُلٹے پاؤں ڈیوڑھی کا رُخ کیا تو خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے اعتکافی حجرہ کے پاس شمالی دیوار پر یہ اشعار مولانا جامیؒ کی طرف منسوب نوشتہ پائے ؎

خانقاہِ علیٔ ہجویریؒ است　　خاک جاروب از درش بردار

طوطیا کن بدیدۂ حق بیں　　تا شوی واقفِ درِ اسرار

چونکہ سردار ملکِ معنےٰ بود　　سالِ وصلش بر آید از سردار

۴۶۵ھ

اب پلٹ کر ڈیوڑھی کو جاتے ہیں تو سامنے دیوار پر ایک کتبہ دکھائی دیتا ہے جو یہ ہے

هُوَ الْعَزِيزُ

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

ایں روضہ کہ شد بانیش فیضِ الست　　مخدوم علی است کہ باحق پیوست

در ستی اش نیست شد ہستی یافت　　زاں سالِ وصالش افضل آمد از ہست

۴۶۵ھ

بزرگوں سے عقیدت اللہ کے پیاروں کے بادشاہ بھی غلام ہوتے ہیں۔ داراشکوہ کی بیٹی جہاں آرا بیگم مونس الارواح میں لکھتی ہے کہ میں خواجۂ اجمیریؒ کی درگاہ میں حاضر ہوئی۔ سات مرتبہ طواف کیا اپنی پلکوں سے خاکِ مزار لے کر اُسے سرمۂ چشم بنایا۔

(نامی)

کشف المحجوب
اردو ترجمہ
مترجمہ
ناشران
ملک دین محمد اینڈ سنز ناشران اشاعت منزل
لاہور

ملک محمد عارف پرنٹر پبلشر نے اپنے دین محمدی پریس لاہور سے چھپوا کر اشاعت منزل بل روڈ لاہور سے شائع کی۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَشَفَ لِاَوْلِيَآئِهٖ بَوَاطِنَ مَلَكُوْتِهٖ وَفَتَحَ لِاَصْفِيَآئِهٖ سَرَائِرَ جَبَرُوْتِهٖ وَاَرَاقَ دَمَ الْمُحِبِّيْنَ بِسَيْفِ جَلَالِهٖ وَاَذَاقَ سِرَّ الْعَارِفِيْنَ بِرُوْحِ وِصَالِهٖ هُوَ الْمُحْيِيْ لِمَوَاتِ الْقُلُوْبِ بِاَنْوَارِ اِدْرَاكِ صَمَدِيَّتِهٖ وَكِبْرِيَآئِهٖ وَالْمُنْعِشُ لَهَا بِمَا هَبَّةِ رُوْحِ الْمَعْرِفَةِ بِنَشْرِ اَسْمَآئِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ

ترجمہ :۔ اے ہمارے پروردگار اپنی بارگاہ سے ہم پر رحمت کا نزول فرما اور اپنے حکم سے ہمارے لئے ہدایت کا راستہ تیار کر۔ جمیع حمد و ثنا اس معبود برحق کیلئے ہے جس نے اپنے دوستوں کیلئے اپنے ملکوت کے بھیدوں کو کھولا اور اپنے جبروت کے بھید اپنے برگزیدہ بندوں کیلئے ظاہر فرمائے اور اپنے محبوبوں کا خون اپنی جلالیت کی تلوار سے بہایا اور اپنے وصال کی شراب سے عارفوں کو ذائقہ عنایت فرمایا اور وہ اپنی کبریائی اور بے نیازی کے انوار سے مردہ دلوں کا زندہ کرنے والا ہے اور اپنے اسمائے جلیلہ اور شرابِ معرفت کی خوشبو سے خفتہ دلوں میں بیداری پیدا فرمانے والا ہے اور رحمت کاملہ نازل ہو اس کے پیارے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اور ان کی اولاد اور ان کے اصحاب پر اور ازواج مطہراتِ پر اما بعد علی بیٹا عثمان کا اور عثمان بیٹا علی جلابی کا جو کہ غزنی کا باشندہ ہے اور جس نے ہجویر میں آکر بود و باش اختیار کی کہتا ہے کہ میں نے استخارہ کیا اور اپنے نفس کی تمام غرضیں دل سے مٹا دیں۔ اے تیری[1] استدعا کے حکم بجا لانے میں کہ اللہ عزوجل تجھے نیک بخت کرے میں نے کمر ہمت باندھی اور اس کتاب میں تیری مراد پورا کرنے کا میں نے عزم صمیم کر لیا اور خاص طور پر اس کتاب کا نام میں نے کشف المحجوب رکھا اور تیرے مقصود کو معلوم کرتے ہوئے تیری تمام کلام کی غرضوں کو میں نے اس کتاب میں تقسیم کیا اور میں خداوند تعالیٰ سے اس کتاب کے پورا کرنے میں مدد اور توفیق چاہتا ہوں اور اپنے تمام کلام میں اپنی حول و قوت سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق ۔

[1] یہاں خطاب سائل سے ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

فصل۔ ابتدائے کتاب میں جو اپنا نام کو میں نے ثبت کیا اس میں دو چیزیں مراد تھیں ایک نصیب خاص اور دوسرے نصیب عام اور نصیب عام سے مراد یہ ہے کہ جہلا جب اس علم کی کوئی نئی کتاب اس قسم کی دیکھتے ہیں کہ جس میں مصنف نے اپنا نام کسی ایک جگہ پر نہ لکھا ہو تو اس کو اپنے نام سے منسوب کر کے مصنف کے مقصود کو فوت کر دیتے ہیں اور تالیف و تصنیف سے مصنف کا مقصود اپنے نام کا دنیا میں زندہ رکھنا اور لوگوں کی نیک دعاؤں کا حاصل کرنا ہوتا ہے اور مجھے بھی ایک دو مرتبہ اس قسم کا حادثہ لاحق ہو چکا ہے ایک دفعہ تو کسی نے کہ اللہ عزوجل اس پر رحم فرمائے مجھ سے میرے شعروں کا دیوان طلب کیا اور پھر واپس نہ دیا اور چونکہ اصل نسخہ میرے پاس بجز اس کے کوئی نہ تھا اس نے میرے نام کو اس کے شروع سے دور کر کے میری تمام محنت کو برباد کر دیا اور ایک دوسری کتاب تصوف میں بنام منہاج الدین میں نے تالیف کی مدعیان بیباک میں سے ایک نے کہ اللہ عزوجل اس کا اقبال مندمل فرمائے میرے نام کو اس کتاب کے اول سے مٹا دیا اور عوام الناس میں اپنے نام کو شہرت دی ہر چند خواص اس کلام پر ہنستے رہے یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اس کی بے برکتی کو لے اس حد تک پہنچایا کہ اس کا نام اپنی درگاہ کے طالبوں سے خارج کر دیا۔ لیکن نصیب خاص یہ ہے کہ جب خاص نصیب والے کتاب کو دیکھتے ہیں اور بخوبی سمجھ لیتے ہیں کہ اس کا مؤلف اس فن و علم میں واقعی محقق و عالم ہے تو اس کے حقوق کی رعایت بہتر طریق پر کرتے ہیں اور اس کے پڑھنے اور یاد کرنے میں انتہائی جد و جہد سے کام لیتے ہیں تو اس کتاب بنانے والے اور پڑھنے والے کی مراد بہتر طریق پر پوری ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

فصل دوسری۔ اور استخارہ کرنے کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے اس سے مراد ادائے خداوندی بجا لانا ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے متبعین کو ارشاد فرمایا کہ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ یعنی جب قرآن کریم کی تلاوت کرو تو اللہ عزوجل کے نام کیساتھ شیطان مردود سے پناہ مانگو۔ اور استعاذہ و استخارہ و استعانت کے معنی طلب کرنا اور اپنے امور کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سپرد کرنا اور طرح طرح کی آفات و بلیات سے نجات حاصل کرنا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں

قرآن کے موافق استخارہ سکھلایا۔

پس جب بندہ جانتا ہے کہ تمام کاموں کی بھلائی کسب و تدبیر پر موقوف نہیں اور بندوں کی بہتری بجز خداوند عالم کوئی نہیں جانتا تو لامحالہ پھر تمام کاموں کو خدا کی قضاء کے سپرد کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور خدا سے مدد چاہنے کی بدولت نفس کی آوارگی اور کیفیت تمام امور... و احوال میں دور ہو جاتی ہے اور بہتری و سلامتی و تسکین خاطر کا باعث ہے، پس انسان کیلئے لازمی ہے کہ اپنے تمام اشغال میں اللہ عزوجل سے بذریعہ استخارہ مدد لے تاکہ اللہ عزوجل اس کے کام کو خلل اور آفت و ذلت سے محفوظ رکھے۔ وباللہ التوفیق۔

فصل تیسری ۔ اور یہ جو میں نے شروع کلام میں کہا تھا کہ میں نے اپنی ان تمام اغراض کو جو میرے نفس میں گھوم رہی تھیں دل سے نکال دی ہیں اس سے مراد یہ تھی کہ جس کام میں غرض نفسانی لاحق ہو جاتی ہے اس سے برکت بھی اٹھ جاتی ہے اور نیز دل راہ راست سے منحرف ہو جاتا ہے اور غرض نفسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ پوری ہو جائے گی... یا نہیں۔ اگر اسکی غرض پوری ہو گئی تو بھی ہلاک ہوا کیونکہ دوزخ کی کنجی نفس کی مراد حاصل ہونے کے سوا کچھ نہیں اور اگر حاصل نہ ہوئی تو دل کا بہت سا بوجھ ہلکا ہو گیا الغرض بہشت کے دروازہ کی کنجی یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اسکی خواہشات سے روکے جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ یعنی نفس کو خواہشات سے روکنے والے کا ٹھکانا بہشت ہے۔ اور اغراض نفسانی ان جمیع امور... میں ہوتی ہیں کہ جن میں حق تعالیٰ کی خوشنودی مدنظر نہ ہو اور نفس کی نجات عقوبت سے طلب نہ کرے اور نفس کی تمام رغبتوں کیلئے کوئی حد ظاہر ہو اور بالکل نفس کی تھکاوٹیں اس میں ظاہر نہ ہوں، اور اس مطلب کی توضیح کیلئے ایک باب انشاء اللہ الرحمٰن اس کتاب میں لکھا جائے گا۔

فصل چوتھی ۔ اور وہ جو میں نے ابتدائے کلام میں کہا ہے، کہ تیری استدعا کی بجا آوری میں میں نے کمر ہمت باندھی اور تیری مراد کے پورا کرنے میں میں نے اس کتاب میں عزم صمیم کر لیا ہے اس سے مقصود یہ تھا کہ میں نے تجھے سوال کرنے کا اہل دیکھا اور تو نے مجھ سے اپنا واقعہ پوچھا۔ اور اس مضمون کی کتاب مجھ سے مانگی۔ چونکہ تیری مراد فائدہ مند تھی لامحالہ مجھ پر واجب ہوا کہ

تیرے سوال کو پورا کروں۔ اور اسی لئے میں نے کتاب کے آغاز میں تیرے تمام سوالات کا جواب دینے کی نیت کی
اور جب انسان کا ارادہ عمل کے شروع کرنے میں صحیح نیت پر ہو تو اس عمل میں
چاہیے خلل واقع ہو جائے انسان معذور متصور ہوگا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد
فرماتے ہیں۔ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ یعنی مومن کی نیت کرنی اسکے عمل سے بہتر ہے اور عمل
کے شروع کرنے میں نیت کرنی عمل بے نیت کے ابتداء کرنے سے بہتر ہے اور جاننا چاہیے کہ کاموں
میں نیت کا بڑا دخل ہے اور نیت ہی کاموں کی صحیح دلیل ہے۔ کیونکہ بندہ ایک ہی
نیت کیساتھ ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف ہو جاتا ہے بغیر اسکے کہ اسکا اثر ظاہر پذیر ہو جیسا
کہ کوئی مسافر کسی شہر میں اگر عرصہ دراز تک رہے تو وہ مقیم نہ ہوگا اور جب اقامت کی نیت کیساتھ
کسی شہر میں آئیگا تو بغیر اس کے کہ اسکے ظاہر میں کوئی عمل ظہور پکڑے مقیم ہو جائیگا اور ایسے ہی وہ
شخص جو بغیر نیت کے دن بھر بھوکا رہتا ہے روزہ دار نہیں کہلا سکتا اور اس کے بھوکا رہنے پر
کوئی ثواب مرتب نہیں ہوگا اور اگر یہی شخص روزہ کی نیت کیساتھ دن بھر بھوکا رہے تو اس کا
شمار مقربان خداوندی میں ہوگا۔ اور اس کی مانند بہت سی باتیں ہیں۔ پس عمل کرنے
کے ابتدا میں نیکی کی نیت کر لینی اس عمل کا حق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل پانچویں

اور وہ جو میں نے اس کتاب کا نام کشف المحجوب رکھا ہے اس سے
مقصود یہ تھا کہ کتاب کا نام کتاب کے مضامین پر دلالت کرے۔ اور خاصکر جب صاحبان
بصیرت کتاب کا نام سنیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں فن میں ہے اور بخوبی معلوم
کر لینا چاہیے کہ بجز اولیاء اللہ و عزیزان درگاہِ خدا باقی تمام جہان تحقیق کے لطیفہ سے محجوب ہے
اور جب یہ کتاب خدا کے رستہ کے بیان اور بشریت کے حجاب کھولنے میں ہے تو ماسوا اسکے اور کوئی نام موزوں نہ ٹھہرا
اور درحقیقت جیسے کشف محجوب کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے ویسے ہی حجاب مکاشف کی ہلاکت
کا باعث ہے یعنی جیسے نزدیک دوری کی طاقت نہیں رکھتا ویسے ہی دور بھی نزدیکی کی طاقت
نہیں رکھ سکتا۔ اس کیڑے کی مانند جو کہ سرکہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ جس چیز میں پڑے مر جاتا
ہے اسی طرح وہ کیڑا جو دوسری چیزوں سے نکلے سرکہ میں ڈالنے سے مر جاتا ہے۔
اور معانی کے سپرد کرنیکا وہی راستہ ہے کہ جس سے وہ معانی ظاہر ہوئے ہوں۔ اور جناب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ یعنی ہر چیز آسان کیگئی ہے اس کے واسطے جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہے۔ اللہ عزوجل نے ہر کسی کو جس چیز کیلئے پیدا کیا ہے۔ تو اس کا راستہ بھی اس پر آسان فرما دیا ہے۔

لیکن حجاب کی دو قسمیں ہیں ایک حجاب رینی اور دوسرے غینی حجاب رینی تو کبھی نہیں اٹھے گا بخلاف حجاب غینی کے کہ وہ بہت جلد اٹھ سکتا ہے اسکا بیان اس طرح ہے کہ بندہ کا حجاب کبھی ذاتی ہوتا ہے یعنی حق و باطل اس کے نزدیک ایک جیسا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حجاب حجاب رینی کہلاتا ہے مگر اس حجاب والے کی طبیعت اور باطن ہمیشہ حق کی طلب میں لگا رہتا ہے اور باطل سے گریز کرتا ہے پس حجاب ذاتی یعنی رینی کبھی نہیں اٹھتا۔ اور رین اور ختم اور طبع کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (ترجمہ) ہرگز نہیں بلکہ ان کی بدکرداریوں کیوجہ سے ان کے دلوں پر زنگ ہیں اور پھر حق جل وعلا نے اسکا حکم اسطرح ظاہر فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی کافروں کو ڈرانا اور نہ ڈرانا ایک جیسا ہے ہرگز نہ ایمان لاویں گے اور اسکی علت خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ سے بیان فرمادی یعنی اللہ عزوجل نے ان کے دلوں پر حجاب رینی ڈال دیا ہے۔ اور حجاب عارضی یعنی غینی کا کسی نہ کسی وقت اٹھنا جائز ہے کیونکہ ذات کا تغیر ہونا نادرات سے ہے اور حجاب صفتی یعنی عارضی کی تبدیل ممکنات سے ہے اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے غین اور رین کے معنی میں لطیف اشارے ہیں چنانچہ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلرَّيْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْوَطَنَاتِ وَالْغَيْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْخَطَرَاتِ یعنی رین جملہ وطنات سے ہے اور غین جملہ خطرات سے ہے اور وطن پائیدار ہوتا ہے اور خطر طاری جیسا کہ پتھر سے کبھی آئینہ نہیں بن سکتا اگرچہ روئے زمین کے صیقل کرنیوالے جمع ہو جائیں اور آئینہ اگر زنگ آلود ہو جائے تو صیقل کرنے سے صاف ہو جاتا ہے اسکی یہی وجہ ہے کہ پتھر میں تاریکی اصل ہے اور روشنی آئینہ میں اصل ہے۔ جب اصل پائیدار ہو جائے تو صفت عارضی کیلئے بقا نہیں ہوگا پس میں نے اس کتاب کو صیقل ہو جانیوالے دلوں کیلئے بنایا یعنی جو لوگ حجاب غینی میں گرفتار ہیں اور خدا کے نور کی دولت انکے دلمیں موجود ہے پس اس کتاب کے پڑھنے کی برکت سے وہ حجاب اٹھ جائیگا اور طلب حقیقی کا راستہ واضح ہو جائیگا۔ اور جن لوگوں کی ہستی باطل کی مرتکب اور حق کے انکار کی دلدادہ ہے

تو ہرگز حق کا اشتباہ کبھی واس کتاب سے بالکل نہیں بالکل فائدہ نہ ہوگا۔ والحمد للہ علی نعمۃ العرفان۔

فصل تیری جو غرض ہے سو یہ کہ مقصود معلوم ہوا اور تیری غرض اس کتاب میں تحریر کردی ہے اس سے مقصود یہ تھا کہ جب تک مشکل مسائل کا مقصود معلوم نہ کروے سائل کی مراد حاصل نہ ہوگی اسلئے کہ مشکل سوالوں کو جب تک حل نہ کیا جائے سائل کیلئے سود مند نہیں ہوسکتا اور مشکل سوالوں کا جواب مشکل باتوں کی معرفت کے بدون حل نہیں ہوسکتا اور وہ جو میں نے کہا کہ تیری غرض کو میں نے اس کتاب میں تحریر کیا ہے یعنی جب سائل تمام پہلوؤں سے اپنے سوال کے بیان کرنے میں عالم ہو تو تمام سوالوں کا جواب اس کو تو مکمل چاہیئے اور مبتدی کو مفصل۔

اور ان سوالوں کے اقسام و حدود سب کے سب بالخصوص بیان کرنا کہ اللہ تجھے سعادت کرے تیری غرض تھی سو اسی کی تفصیل میں میں نے یہ کتاب تیار کی۔ و باللہ التوفیق۔

فصل میں نے توفیق اور یقین لے کہا کہ خداوند تعالیٰ سے میں توفیق و مدد چاہتا ہوں اس سے مراد یہی کہ بندہ کا حقیقی یاور و ناصر بجز خدا وند عالم دوسرا کوئی نہیں چاہئیں پھر اس کی مدد کرے اور توفیق مزید عطا کرے۔

اور توفیق حقیقی وہی ہوتی ہے جو کہ خداوند کریم کی تائید کے موافق ہو اور انسان بالفعل عمل کتاب و سنت میں توفیق کی صحت کے تعدد پر ناطق ہے اور جو معتزلیوں اور قدریوں کے تمام اس معنی پر متفق ہے کیونکہ ان کا مقولہ یہ ہے کہ لفظ توفیق اپنے تمام معنوں سے خالی ہے اور اس طریق کے متعلق ہے ایک گروہ کا مقولہ یہ ہے کہ اَلتَّوْفِیْقُ ھُوَ الْقُدْرَۃُ عَلَی الطَّاعَۃِ عِنْدَ الْاِسْتِعْمَالِ یعنی توفیق استعمال کیوقت فرمانبرداری پر قدرت حاصل کرلینے کا نام ہے یعنی جب بندہ خداوند تعالیٰ کا فرمانبردار ہوگا تو اسوقت اسکی طاقت و زیادت پہلے کی نسبت زیادہ ہوگی بالآخر بندہ کے تمام حرکات و سکنات خدائی فعل منصور ہونگے پس وہ قوت کہ انسان جس سے اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا ہے توفیق کہلاتی ہے اور یہ کتاب اس مسئلہ کا موضوع نہیں اسلئے کہ اس سے مراد دوسری چیز ہے اب اللہ عزوجل کی مدد و توفیق سے تیرے مقصود کیطرف رجوع کرنے سے پیشتر تیرے سوال کو بعینہ نقل کرتا ہوں۔ و باللہ التوفیق۔

صورت السوال ابوسعید غزنوی سوال کرتا ہے کہ آپ میرے حسب ذیل سوالوں کا

جواب بیان فرمائیے (۱) تصوف کے راستہ کی تحقیق (۲) تصوف کے مقامات کی کیفیت (۳) تصوف کے مذاہب اور اس کے مقالات کا بیان (۴) تصوف کے اشارات و رموز کا بیان (۵) اللہ عزوجل کی محبت اور اسکی کیفیت کا اظہار دلوں پر کس طرح مستولی ہوتا ہے (۶) عقلیں جو خداوند کریم کی ماہیت کی کُنہ سے پردہ میں ہیں اس کا سبب کیا ہے (۷) خداوند تعالیٰ کی حقیقت سے نفسوں کو نفرت کیوں ہے۔ (۸) اور اسکی صفوت کیساتھ روح کو آرام کیوں ہے اور جو باتیں اس کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں ان کا بیان بھی فرمائیے (۹) اور اس کے معاملہ سے بھی خبردار کیجئے۔

اور مسئول عنہ یعنی علی بیٹا عثمان جلابی کا جو کہ ہجویر کا رہنے والا ہے کہتا ہے کہ جاننا چاہیئے کہ علم در حقیقت ہمارے زمانہ میں اور [illegible]ص ہمارے ملک میں پرانا ہو چکا ہے اس لئے تمام مخلوقات نفسانی خواہشات میں مبتلا اور خداوند کریم کی رضا سے روگردان ہے اور نیز زمانے کے علما اور وقت کے مدعی اس راستہ کی اصلی صورت کے خلاف چلتے ہیں پس حق جل و علا کے ماسوا کون ہے کہ جو اس چیز کے لانے کا پختہ ارادہ کرے کہ جسے اہل زمانہ بالکل کھو چکے ہوں اور تمام ارادتمندوں کی مُراد اس سے منقطع ہو چکی ہو اور نیز تمام عارفین کی معرفت اس کے وجود سے جدا ہو چکی ہو۔

جس علم کو تمام اہلِ زمانہ کھو چکے ہیں چونکہ اسی سے تمام مخلوق خاص و عام سند لیتی ہے اور جان و دل سے اسی کی خریدار بنتی ہے اور تحقیق کے راستہ کو چھوڑ کر تقلید یعنی پیروی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور تحقیق اپنا منہ انکے کاموں سے چھپا لیتی ہے اور عوام لوگ اسی کی سند لیکر کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم نے خدا کی معرفت حاصل کر لی اور خواص لوگ انکے اس دعویٰ پر اس وجہ سے خوش رہتے ہیں کہ کم از کم ان کے دل میں تمنا اور ان کے نفس میں حاجت تو ذاتِ باری کے کوچہ کی موجود ہے اور ان کے اس شغل کو کہتے ہیں کہ یہ شوق رویت کا ہے اور نیک اندیشہ ان کے دل میں ہے اسے محبت کی سوزش قرار دیتے ہیں اور جو صرف دعویٰ ہی دعویٰ کرنیوالے ہیں وہ ان سب معنوں سے محروم ہیں اور مریدوں نے مجاہدہ سے ہاتھ اٹھا کر اپنے وظنِ معلوم کا نام مشاہدہ مقرر کر لیا ہے اور میں نے اس سے پیشتر اسی مضمون کی بہت سی کتابیں تیار کی تھیں مگر سب کی سب ضائع ہو گئیں اور جھوٹے مُدعیوں نے ان کتب کی بعض باتوں سے بہت سی مخلوق خدا کا شکار کیا۔ اور ان مضامین کو جو کہ ارباب طبیعت کیلئے موجب حسد اور خداوند کریم کی نعمت کے انکار کا

سبب ٹھہرا دیا کیونکہ وہ مضامین ان کے ذوق بیان کردہ کے بالکل خلاف تھے اور دوسرا گروہ
ان کے لکھنے پر آمادہ ہوا مگر اس نے پڑھا نہیں ایک گروہ نے پڑھا مگر معانی اسکی سمجھ میں نہ آئے
اور اس کی عبارت اور قول کو بطور سند لیا تاکہ کہیں اور یاد رکھے کہیں کہ ہم تصوف کا علم اور معرفت بیان
کرتے ہیں اور یہ لوگ تہی حالت میں ہیں اور میں نے ان باتوں کو اس لئے بیان کیا ہے کہ یہ
معانی کبریت احمر یعنی سرخ گندھک کا حکم رکھتے ہیں اور وہ بہت نادر چیزیں ہیں کیونکہ
جب اسکا حصول ہو جائے تو کیمیا ہے اور دانگ کے برابر بہت سے تانبے اور کانسی کو سونا بنا دیتی ہے۔
الحاصل ہر شخص وہی دوا چاہتا ہے جس سے اسکی تکلیف رفع ہو جیسا کہ کسی بزرگ نے
ارشاد فرمایا ہے (شعر) لِكُلِّ مَنْ فِيْ فُؤَادِهٖ وَجَعٌ ۔ يَطْلُبُ شَيْئًا يُوَافِقُ الْوَجَعَا یعنی جس شخص کے
دل میں جو درد ہوتا ہے وہ اسی درد کے موافق علاج طلب کرتا ہے یعنی جس کسی کا علاج حقیر ترین
چیزوں سے ہو سکے اس کو دوا المسک اور [illegible] موتی اور مرجان حل کر دینے کی ضرورت نہیں
اور یہ مطلب اس سے زیادہ عزیز ہے کہ ہر شخص اس سے بہرہ ور ہو اس سے پیشتر بھی اس علم
کے جاہلوں نے مشائخ کی کتابوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا جب اللہ عزوجل کے بھیدوں کے
خزانے ان کے ہاتھ میں آئے اور انہیں ان کے معنوں کا علم نہ ہوا تو انہوں نے جاہل کلاہ دوزوں
کے ہاتھ میں دیا اور ناپاک جلد سازوں کے سپرد کیا تاکہ وہ ان سے ٹوپیوں کا استر بنائیں اور ابو نواس
کے دیوانوں اور ہزلیات جاحظ کی جلدوں میں مجلد کریں۔ اور یہ بات بالکل اس شاہی باز کی
مانند ہے کہ جس نے بادشاہ کے ہاتھ سے پرواز کی اور بڑھیا کی دیوار پر جا بیٹھا۔ اور
ناشناس بڑھیا نے اپنے بال و پر نچوا دئے۔

اور اللہ عزوجل نے مجھے ایسے زمانے میں پیدا فرمایا ہے کہ جس کے رہنے والوں نے
خواہشات نفسانی کا نام شریعت رکھ لیا ہے اور مرتبہ اور عزت کی طلب اور تکبر کا نام عزت و علم
قرار دیا ہے اور دکھلاوے کی عبادت کا نام خوف خدا رکھا ہے اور اپنے دل میں کینہ کو پوشیدہ
رکھنے کا نام حلم رکھا ہے اور ایسے ہی مجادلہ کو مناظرہ اور محاربت اور کمینگی کا نام عظمت اور نفاق
کا نام زہد اور تمنی کا ارادت اور طبیعت کے بکواس کرنیکا نام معرفت اور دل کی حرکتوں اور نفس کی
من گھڑت باتوں کا نام محبت اور الحاد کا نام فقر اور جحود یعنی راہ راست سے منکر ہو جانیکا نام

صفوت اور زندیق ہو جانے کا نام تھا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو ترک کر
دینے کا نام طریقت اور اہل زمانہ کی آفت کا نام معاملت انہوں نے مقرر کیا ہے۔ یہاں تک کہ ارباب
معانی ان جاہلوں سے مغلوب ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ اوائل اسلام میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے اہلبیت پر آل مروان نے غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

اہل تحقیق کے بادشاہ اور تحقیق و وفاق کے برہان حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی
اچھا فرمایا ہے۔ بُلِیْنَا بِزَمَانٍ لَیْسَ فِیْھَا اٰدَابُ الْاِسْلَامِ وَلَا اَخْلَاقُ الْجَاھِلِیَّۃِ وَلَا اَحْلَامُ
ذَوِی الْمُرُوَّۃِ یعنی ہم آزمائے گئے ہیں ایسے زمانہ کیساتھ کہ جس میں نہ تو اسلام کے آداب ہیں اور
نہ ہی جاہلیت کی عادتیں ہیں اور نہ ہی مروت والی خصلتیں ہیں۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
شعر۔ تَجَافَا اللّٰہُ بِیْ الدُّنْیَا مَنْلِحَا الرَّاکِبُ ۔ کُلُّ بَعِیْدِ الْعُمْرِ فِیْھَا مُعَذَّبٌ ۔ یعنی نجات
دی اللہ نے دنیا میں دنیا کی محبت کرنیوالوں کو پس ہر دوری کا ارادہ رکھنے والا عذاب دیا گیا
ہے۔

فصل آٹھویں۔ جاننا چاہیئے اللہ عزوجل تجھے نیک بختی کی توفیق عطا فرمائے کہ میں
نے اس جہان کو خداوند کریم کے اسرار کا محل پایا اور مخلوقات کو اسکی امانتوں کی جگہ اور اسکی
مثبت چیزوں کو اسکے لطائف کی جگہ اسکے دوستوں کے حق میں پائی اور جوہر اور اعراض اور عناصر
اور اجسام اور اشکال اور طبائع سب کے سب اسکے بھیدوں کا حجاب ہیں اور توحید کی جگہ
ان میں سے ہر ایک کا ثابت کرنا شرک ہے پس اللہ عزوجل نے اس عالم کو حجاب کے محل
میں رکھا ہے تاکہ ہر کسی کی طبیعت اپنے جہان میں اسکے فرمان سے اطمینان حاصل کرے اپنی
ہستی میں خدا کی توحید سے محجوب رہے اور روحیں جہان میں اس کے ملاپ سے لاپروا ہو گئیں
اور باوجود نزدیکی کے اپنی خلاصی سے یہاں تک دور ہیں کہ خدائی اسرار عقلوں میں نہیں آ سکتے
اور خداوند کریم کی نزدیکی حاصل کرنے کے لطائف ارواح کے حق میں یہاں تک پوشیدہ ہو چکے ہیں
کہ آدمی اپنی غفلت کے سبب اپنی ہستی میں محجوب اور خصوصیت کے محل میں اپنے حجاب [illegible]
ہو رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ یعنی قسم ہے
زمانے کی بیشک بعض انسان ٹوٹے میں ہیں اور نیز ارشاد فرمایا اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا۔

یعنی بیشک انسان بیباک و ناداں ہے اور فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خَلَقَ اللّٰہُ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَۃٍ ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْہِمْ نُوْرًا یعنی اللہ عزوجل نے انسان کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر نور پاشی کی پس یہ حجاب اس جہان میں اسکا مزاج واقع ہوا ہے اسی وجہ سے کہ طبائع اس کیساتھ تعلق رکھتی ہیں اور عقل اس میں تصرف کرتی ہے یہاں تک کہ اپنی جہالت کی بدولت اسکو دل پسند قرار دیا اور اپنے اس حجاب کو جو خدا کی طرف سے تھا جان و دل سے خرید کیا اور کشف کے جمال سے بیخبر ہوا اور خدائی بھیدوں کی تحقیق سے منہ پھیرنے والا ہوا اور چوپاؤں کی مثل ہو کر اور نجات کے محل سے بھاگ کر توحید کی خوشبو سے نہ کچھ سونگھا اور نہ ہی جمالِ احدیت کا معائنہ کیا اور توحید کے ذوق سے بھی بالکل بے ذوق ہوا اور آلودگی کے سبب مشاہدہ کی تحقیق سے عاجز رہا اور دنیاوی حرص کی بدولت خدائی معرفت سے رجوع کیا اور تیرے نفس حیوانی نے بغیر ربانی زندگی کے نفس ناطقہ کو یہاں تک مغلوب کیا کہ اس کی سب کی سب حرکات طلب حیوانیت کے حصہ میں اس حد تک مقرر ہوئیں کہ بجز کھانے اور سونے اور نفس کی پیروی کرنے کے کوئی خیال نہ رہا یعنی نفس ناطقہ مغلوب ہوا اور حیوانیت غالب ہو گئی۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے دوستوں کو ان باتوں کو ترک کرنے کا حکم دیا اور کہا۔ ذَرْھُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْھِھِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ یعنی ان لوگوں کو چھوڑ دے کہ یہ کھائیں اور فائدہ حاصل کریں اور ان کو امید غفلت میں ڈالتی ہے پس وہ عنقریب معلوم کر لینگے۔

اور ان کی طبیعت کے بادشاہ نے خدا کے بھیدوں کو ان پر پوشیدہ رکھا تھا اور عنایت اور توفیق کی جگہ ان کے حق میں محرومی اور خواری رہا کرتی تھی، کہ سب کے سب نفسِ امارہ بالسوء (یعنی وہ نفس جو کہ برائی کا حکم دینے والا ہے) کے تابع ہوئے، اور یہ نفس انسان اور خداوند کریم میں بہت بڑا حجاب ہے اور ہر قسم کی شرارت اور برائی کا منبع ہے جیسا کہ حق سبحانہٗ وتعالٰی ارشاد فرماتا ہے کہ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ یعنی بیشک نفس برائی کا حکم کرنیوالا ہے۔

اے طالبِ صادق! اب میں شروع کرتا ہوں اور بالخصوص تیرے مقصود کو مقامات و مجیب میں ظاہر کرتا ہوں اور عمدہ بیان کیساتھ اور خوب ہی کھول کر معرضِ تحریر میں لاتا ہوں اور اولیاء صنائع کی عبارتوں کی تشریح بیان کرتا ہوں۔ اور کچھ حصہ مشائخ کے کلام کا بھی ملا دیتا ہوں اور عمدہ

عمدہ حکایات سے بھی تیری مدد کرونگا تاکہ تیری مراد پوری ہو اور ان علماء نے ظاہری کیا کہ جنہوں
نے اس علم میں غور نہیں کیا۔

اچھی طرح جان لو کہ تصوف کے طریقہ میں قول اول ہے اور وجہ اس قول کے قبول کی یعنی
نتائج حسنہ ہیں اور اس علم کے سب مشائخ علم والے ہوئے ہیں اور ہمیشہ اپنے مریدوں کو تصوف
کے علم کیطرف توجہ دلانے بھی باعث ہوئے ہیں اور بعضوں کو اس علم پر قائم رہنے کی
ترغیب دلانیوالے بھی ہیں۔ اور انہوں نے تحصیل اور غور یا قول کی بھی رغبت نہیں کی اور خود
بھی ان کی طرف کبھی راغب ہوئے اور طریقت کے مشائخ میں سے بہت سے علماء نے
اس بارے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور بعض انہوں نے اپنی تصانیف سے عمدہ
عبارتوں کیساتھ عمدہ دلائل قائم کئے ہیں۔

پہلا باب علم کے ثابت کرنے میں

حق سبحانہ وتعالیٰ نے علماء کی تعریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ
الْعُلَمَآءُ یعنی اللہ عزوجل کے بندوں میں سے علماء ہی کی جماعت خدا کا خوف رکھتی ہے اور جناب نبی
کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ
یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور نیز یوں ارشاد فرمایا اُطْلُبُوا الْعِلْمَ
وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ یعنی علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں چین کے ملک میں دستیاب ہو۔

اس امر کو بخوبی معلوم کر لینا چاہیئے کہ انسان کی عمر تھوڑی ہے اور علوم بکثرت ہیں مگر اس
تھوڑی سی عمر میں تمام علوم کا حاصل کر لینا فرض نہیں جیسے علم نجوم اور علم طب اور حساب اور فنون
بدیع کی صنعتیں وغیرہ مگر ان علوم کا اس قدر حاصل کرنا کہ جس سے شریعت کے مسائل سمجھ میں
آسکیں ضروری ہے جیسے علم نجوم اس کا سیکھنا اس حد تک ضروری ہے کہ جس سے رات کی
نمازوں کے اوقات کی پہچان ہو سکے ایسے ہی علم طب کا سیکھنا بقدر ضرورت اور
نیز حساب کا سیکھنا مدت عدت و مسائل وراثت کیلئے ضروری ہے اور ان کے علاوہ دیگر
علوم کا بھی یہی حال ہے کہ جسقدر شریعت کا علم حاصل کرنے کیلئے ضروری سمجھا جائیں سیکھے

اسی قدر ان کا پڑھنا ضروری ہوگا الغرض اتنے علموں کا پڑھنا ضروری ٹھہرا جس سے عمل درست
ہو سکے کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ غیر نافع علم سیکھنے والوں کی مذمت وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ
وَلَا يَنْفَعُهُمْ کے الفاظ سے بیان فرماتا ہے یعنی سیکھتے ہیں ان باتوں کو جو ضرر دیتی ہیں ان کو
اور نہیں نفع دیتیں ان کو۔ اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ
لَا يَنْفَعُ یعنی میں اللہ کے نام کے ساتھ نفع نہ دینے والے علم سے پناہ مانگتا ہوں۔

پس جان تو کہ جیسے علم ویسا ہی عمل کی کثرت ہونی چاہیے۔ اور علم کی مطابقت
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ضروری ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں
اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَا فِقْهٍ كَالْحِمَارِ فِي الطَّاحُونِ یعنی بے سمجھے عبادت کرنے والا خراس کے گدھے
کی مانند ہے یعنی جیسے گدھا خراس کا باوجود چلتے رہنے کے وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ ایسے
ہی بے سمجھے عبادت کرنے والا غیر عابد کے حکم میں ہے اور عوام الناس کو ہم نے دیکھا ہے کہ
بعض ان میں سے علم کو عمل قرار دیتے ہیں اور بعض عمل کو علم پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ دونوں
فریق باطل پر ہیں اس لئے کہ عمل بے علم تو عمل نہیں کیونکہ عمل کا کرنے والا ثواب کا مستحق اس وقت
تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کے عمل کی بنیاد علم پر نہ ہو مثلاً اگر نمازی کو ارکان طہارت کی
شناخت اور قبلہ کی معرفت و نیت کی کیفیت اور نماز کے ارکان وغیرہ کا علم نہ ہو تو اس کی نماز
ہرگز نہ ہوگی پس جاہل عمل کو علم سے کس طرح علیحدہ قرار دیتا ہے اور علم کو عمل بھی نہ کہنے
والے غلطی پر ہیں اس لئے کہ علم بغیر عمل کے علم نہیں۔ جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے نَبَذَ
فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ یعنی پھینک
دیا اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے گویا کہ وہ نہیں
جانتے اس آیت میں اللہ عزوجل نے عالم بے عمل کو علماء کے زمرہ سے خارج کر دیا ہے
اگر علم عالم کے کسب و فعل [illegible] سے ہی یاد رکھنے اور سیکھنے وغیرہ پر اس کو ثواب نہ ملتا۔ اور
ان دو گروہوں سے ایک گروہ تو دنیاوی وجاہت کا طالب اور علمی تحقیق سے بے بہرہ ہے
یہی وجہ ہے کہ اس نے علم کو عمل سے جدا قرار دیا ایک جاہل کو یہ کہنے کا موقع دیا کہ قال سے
حال بہتر ہے چونکہ یہ گروہ نہ علم رکھتا ہے اور نہ عمل۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو عمل کو علم پر ترجیح

دیتا ہے اور یہی راہ حق سے بہکا ہوا ہے حضرت ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک پتھر کو راستہ میں پڑے ہوئے دیکھا اس پر لکھا ہوا تھا۔ کہ مجھے الٹ کر پڑھو۔ میں نے جب اس کو الٹ کر دیکھا تو اس پر لکھا تھا کہ اَنْتَ لَا تَعْمَلُ بِمَا تَعْلَمُ فَكَيْفَ تَطْلُبُ مَا لَا تَعْلَمُ یعنی جب تو معلوم شدہ چیز پر عمل نہیں کرتا تو نامعلوم چیز پر کیسے عمل کریگا یعنی اس پر عمل کرنا تیرے لئے محال ہو جائیگا اور امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ھِمَّةُ الْعُلَمَاءِ الدِّرَايَةُ وَهِمَّةُ السُّفَهَاءِ الرِّوَايَةُ یعنی علماء کا کام غور و فکر کرنا ہے اور جہلاء کا کام صرف سنی سنائی بات کا روایت کر دینا۔ اسلئے جہالت کے بھائی بند علماء کے طبقہ سے خارج شمار کئے گئے ہیں اور جو شخص علم سے دنیاوی عزت و مرتبہ کا طالب ہوتا ہے وہ عالم نہیں کیونکہ دنیاوی عزت و مرتبہ کا ڈھونڈنا محض جہالت ہے اور علم ہے اور کوئی درجہ نہیں اور بے علم آدمی تعداد نہ عالم کی کیا ہے بلکہ بات کی شناخت نہیں کر سکتا ۔۔۔ مگر صاحب علم ۔۔۔ تمام مقامات و شواہد و حالات ۔۔۔ کا مستحق ہوگا ۔۔۔ واللہ اعلم بالصواب

فصل پہلی بیان تو کہ علم دو ہیں ایک علم خداوند تعالیٰ کا اور دوسرا علم مخلوق کا اور بندہ کا علم اللہ عزوجل کے علم سے حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ عزوجل کا علم اس کی ذاتی صفت ہے اور اس کیساتھ قائم ہے اور اس کے اوصاف کی انتہا نہیں اور ہمارا علم ہماری صفت ہے جو ہمارے ساتھ قائم ہے اور ہمارے اوصاف پایدار نہیں یعنی ان کی انتہا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا یعنی تم علم تھوڑا دیئے گئے ہو۔ مجمل کلام یہ ہے کہ علم صفت حمیدہ ہے اور اسکی حد کا احاطہ اور بیان معلوم ہے اور علم کی سب سے عمدہ تعریف یہ ہے کہ علم اس صفت کا نام ہے کہ جس سے جاہل عالم ہو جاتا ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا ہے وَاللّٰهُ مُحِيطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ اور نیز فرمایا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کافروں کا احاطہ کرنیوالا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور اسکا علم ایک ہی ہے کہ جس سے تمام موجودات و معدومات کو جانتا ہے اور مخلوقات میں سے کوئی اسکے علم میں شریک نہیں اور یہ علم نہ تو تجزیہ کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی اس سے جدا ہے اور اسکے علم پر دلیل اسکے کام کی ترکیب ہے اسلئے کہ فعل فاعل کے علم پر دلالت کرتا ہے پس اسکا علم اسرار کیساتھ ملا ہوا ہے مگر

اظہار کیساتھ احاطہ کئے ہوئے ہے اور طالب کو چاہیئے کہ اپنے تمام اعمال میں سمجھ لے
کہ خدا اسے اور اس کے تمام افعال کو دیکھتا ہے۔

حکایت۔ بیان کرتے ہیں کہ بصرہ میں ایک رئیس اپنے باغ میں گیا اور اسکی آنکھ
اپنے سنار کی حسینہ عورت پر پڑی۔ اس کے خاوند کو اس رئیس نے کسی کام کیلئے باہر بھیج دیا اور
اس عورت کو کہا کہ تمام دروازے بند کر دو۔ اس عورت نے کہا کہ میں تمام دروازے بند کر سکتی ہوں لیکن
مگر ایک دروازہ بند نہیں کر سکتی رئیس نے کہا کہ ان دروازوں کے علاوہ اور کونسا دروازہ
ہے کہ جسے تو بند نہیں کر سکتی اس نے کہا کہ دروازہ ہمارے اور خدا کے درمیان ہے وہ
رئیس پشیمان ہوا اور اس نے اس فعلِ قبیح سے توبہ کی اور حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ
میں نے چار علموں کو جب سے حاصل کر لیا ہے اس وقت سے تمام جہان کے علموں سے میں
نے خلاصی پائی ہے اہل مجلس نے کہا وہ کونسے علم ہیں آپ نے فرمایا ایک یہ ہے کہ جب سے میں نے
معلوم کر لیا ہے کہ میرا رزق میرے لئے مقرر کیا گیا ہے جو کسی صورت میں کم و بیش نہیں ہو سکتا اسوقت سے
میں ... رزق ... زیادہ طلب کرنے سے بے فکر ہو گیا اور دوسرا یہ ہے کہ جب سے میں نے
جان لیا ہے کہ اللہ عزوجل کا مجھ پر ایک حق ہے کہ سوا میرے اس کو کوئی ادا نہیں کر
سکتا تو اس کے ادا کرنے میں مشغول ہوں اور تیسرا یہ ہے کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ
میرے سر پر موت سوار ہے میں اس سے کہیں بھاگ نہیں سکتا اسلئے میں نے اس سے موافقت کر لی ہے
اور چوتھا وہ ہے کہ جب سے میں نے جان لیا ہے کہ میرا ایک خدا ہے جو میرے تمام افعال سے خبر
رکھتا ہے تو میں اس سے شرم کرنے لگ گیا ہوں اور ناکردنی باتوں سے میں نے ... ہاتھ کھینچ لیا ہے اور جب
بندہ کو یہ علم ہو کہ خداوند عالم اس کو دیکھ رہا ہے تو وہ کوئی ایسا کام نہیں کریگا کہ جس سے
بروز قیامت اسکو شرم اٹھانی پڑے۔

فصل دوسری یعنی بندے کو خدا کے کاموں اور اسکی معرفت کا علم ہونا چاہیئے

اور بندہ پر وقت کا علم ہونا فرض ہے یعنی مصلحت کا علم ہونا ضروری ہے جو کہ وقت پر اس
کے کام آئے، اس علم کے ظاہر و باطن کی دو قسمیں ہیں ایک قسمت اصول اور دوسرے قسمت
فروع اور ظاہری اصول تو کلمہ شہادت کا پڑھنا ہے اور باطنی اصول معرفت کی تحقیق ہے اور

ظاہری فروع تو یہ ہے کہ معاملت اختیار کرے اور باطنی فروع نیت کا صحیح کرنا ہے اور ہر ایک کا قیام دوسرے کے بغیر محال ہوگا اور ظاہر باطن کی حقیقت کے بغیر نفاق ہوتا ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ ہے اور شریعت کا ظاہر بغیر باطن کے نقص ہے اور باطن بغیر ظاہر کے ہوس ہے پس علم حقیقت کے تین رکن ہیں ایک خداوند تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت ... اور اسکی نفی تشبیہ کا علم ہونا ...... اور دوسرا خداوند تعالیٰ کی صفات اور اسکے احکام کا علم اور تیسرا خداوند تعالیٰ کی حکمت اور افعال کا علم۔ اور شریعت کے علم کے بھی تین رکن ہیں۔ ایک کتاب اور دوسرے سنت اور تیسرے اجماع اُمت۔ اور اللہ عزوجل کے افعال اور صفات اور ذات کا علم ثابت کرنے میں اسکا قول فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دلیل ہے یعنی جان لے تو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں اور نیز فرمایا وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ اور جان لو تحقیق اللہ عزوجل ہی تمہارا مولیٰ ہے اور پھر فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ یعنی کیا تو نے اپنے پروردگار کیطرف نہیں دیکھا کہ اس نے کسطرح سائے کو پھیلایا اور نیز فرمایا اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ یعنی اونٹ کیطرف دیکھو کسطرح پیدا کیا گیا ہے اور اسکی مانند بہت سی آیات ہیں۔ جو اس کے افعال پر نظر کرنیکے دلائل ہیں۔ جن سے فاعل کی صفات کی شناخت ہوتی ہے اور نیز فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَبُّهٗ وَاَنِّىْ نَبِيُّهٗ حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَحْمَهٗ وَدَمَهٗ عَلَى النَّارِ یعنی جس کسی نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور تحقیق میں اس کا نبی ہوں حرام کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کا گوشت اور خون آگ پر۔

لیکن خداوند تعالیٰ کی ذات کے علم کیلئے یہ شرط ہے کہ ہر عاقل و بالغ جان لے کہ اللہ عزوجل موجود ہے اور قدیم ہے اور بغیر حد و حدود کے ہے اور اس کیلئے کوئی مکان نہیں اور نہ ہی اسکے لئے کوئی جہت ہے۔ اور نہ ہی اسکی ذات آفت کی موجب ہے، اور اسکی مخلوق سے اسکی مثل کوئی نہیں اور اسکا نہ کوئی فرزند ہے اور نہ ہی کوئی اسکی عورت ہے اور تیرے خیال اور وہم اور عقل میں جو صورت پیدا ہوتی ہے اسکا پیدا کرنیوالا اور نگاہ رکھنے والا بھی وہی ہے جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ یعنی اللہ عزوجل بے مثل ہے اسکی

مانند کوئی نہیں اور وہ سب چیزوں کو سنتا اور دیکھتا ہے لیکن اسکی صفات کا علم یہ ہے کہ جان
لے تو کہ اسکی صفات اسکے ساتھ موجود ہیں۔ کہ وہ نہ اس کا جزو ہیں اور نہ ہی اس سے علیحدہ اور
وہ اسکی ذات سے قائم اور موجود ہیں اور اسکی تمام صفات دائمی غیر منفک ہیں۔ جیسے کہ علم قدرت
اور حیات اور ارادت اور سمع اور بصر اور کلام اور بقا ہیں۔ جیسا کہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّهٗ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یعنی وہ تمہارے سینے کے بھیدوں سے واقف ہے اور نیز فرمایا وَاللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی اللہ عزوجل ہر چیز پر قادر ہے اور نیز فرمایا وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ یعنی وہ سننے
والا جاننے والا ہے اور نیز فرمایا۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ یعنی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور نیز فرمایا هُوَ
الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یعنی وہ زندہ ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور نیز فرمایا قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ
الْمُلْكُ یعنی اس کا قول سچ ہے اور اسی کیلئے بادشاہی ہے۔ مگر اسکے افعال ثابت کرنیکا علم یہ ہے کہ تو
جان لے کہ وہ مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور ان کے افعال کا خالق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا اور عالم نابود کو پردہ کتم سے اپنے
فعل کے ساتھ ظہور میں لایا اور وہی خیر و شر کا اندازہ مقرر کرنیوالا اور نفع اور ضرر کا پیدا کرنیوالا ہے
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور اسکی شریعت
کے احکام کے ثابت کرنے پر دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل کیطرف سے ہمارے پاس معجزات کے ساتھ رسول
آئے اور ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق پر ہیں! اور ان کے معجزات بیشمار ہیں۔ اور جو کچھ ہم کو
ظاہر و باطن کی خبر دی سب حق ہے۔

اور رکن اول کتاب کی شریعت ہے جیسا کہ کہا رب العزت نے فِيْهِ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ
اُمُّ الْكِتٰبِ یعنی اس میں آیات محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں۔ جیسا کہ فرمایا اللہ جلشانہ نے وَمَآ
اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی جو کچھ تمہیں رسول علیہ السلام دیں
لے لو اور جس سے تمہیں منع کریں پس تم اس سے رک جاؤ اور تیسرا اجماع اُمت ہے جیسا
کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ
الْاَعْظَمِ یعنی میری اُمت کا اجتماع گمراہی پر نہیں ہو سکتا تم اپنے پر گروہ اعظم کو لازم پکڑو اور
حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقت کے احکام بہت ہیں اور اگر کوئی شخص تمام احکام کو جمع کرنا

چاہیئے تو ہرگز جمع نہیں کرسکیگا۔ اس لئے کہ اللہ عزوجل کے لطائف کی انتہا نہیں

فصل تیسری۔ جان تو کہ ایک گروہ ملاحدہ کا سوفسطائیہ ہے خدا کی ان پر لعنت ہو ان کا مذہب یہ ہے کہ کسی چیز کیساتھ علم درست نہیں آتا اور علم خود کوئی چیز نہیں ہے ہم انہیں یہ کہتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ علم درست نہیں ہے یہ درست ہے یا غلط۔ اگر کہیں کہ درست ہے تو علم کے ثابت کرنے پر دلیل ہوئی۔ اور اگر کہیں کہ درست نہیں ہے پس جو چیز کہ درست نہ ہو اس سے معارضہ کرنا محال ہوتا ہے اور ایسے شخص سے کلام کرنا عقلمند کا کام نہیں ہوتا اور ایک گروہ ملاحدہ کا جو اس طریقہ کیساتھ تعلق رکھتا ہے یہ کہتا ہے کہ ہمارا علم کسی چیز کیساتھ درست نہیں آتا پس اس کا ترک کرنا ہمارے لئے اثبات کی دلیل ہوگا اور یہ انکی حماقت اور جہالت ہے اس لئے کہ علم کا ترک کرنا دو حال سے خالی نہیں ہوگا۔ یا علم کا ترک کرنا علم کیساتھ ہوگا یا جہل کیساتھ پس علم کسی صورت میں علم کی نفی نہیں کرسکتا اور اس کے خلاف نہیں ہوسکتا اور علم سے ترک علم محال ہوگا پس اس جگہ جہل ہی رہیگا اور جب یہ ثابت ہوا کہ علم نفی جہل ہے اور اس کا ترک کرنا بھی جہالت ہے اور جاہل مذمت کیا گیا ہے اور جہل ... کفر اور باطل کی طرح ہے اسلئے کہ حق کو جہل کیساتھ تعلق نہیں۔ اور یہ بات تمام مشائخ کے خلاف ہے جب اس قول کو تمام آدمیوں نے سنا اور اسکو اختیار کیا اور کہا کہ تمام اہل تصوف کا یہی مذہب ہے اور انکی روش اسی طرح ہے تو ان کا اعتقاد پراگندہ ہوگیا اور حق و باطل کی تمیز اٹھ گئی اور آج ہم انکو بحوالہ خدا کرتے ہیں تاکہ اپنی گمراہی میں پڑے ہوئے سڑیں اگر دین اور کے گریبان کو پکڑتا تو اس سے بہتر تصرف کرتے اور رعایت کے حکم کو ہاتھ سے نہ دیتے اور خدا کے دوستوں میں اس طرح نظر نہ ڈالتے اور اپنے زمانے کی احتیاط اس سے بہتر اختیار کرتے اگر ملاحدہ کی کسی قوم نے ان سے تعلق رکھا ہے تو وہ ان کے جمال کے سبب اپنی آفتوں سے نجات پا گئے ہیں اور انکی عزت کے سایہ میں زندگی گذار رہے ہیں اور ہم کو نہیں چاہیئے کہ ان سب کو ایک حال پر قیاس کریں اور نہ ہی ان کے معاملے میں کھلا مکابرہ اختیار کریں اور نہ ہی انکے مرتبہ کو بالکل گرا دیا۔

مصنف کہتا ہے کہ مجھے اس سے نسبت رکھنے والوں کے ایک شخص سے مناظرہ کرنے کا سابقہ پڑا جس نے غرور نفس کا نام علم اور خواہشات کی پیروی کا نام سنت ہوا اور شیطان کی

موافقت کا نام ائمہ کی سیرت رکھا ہوا تھا اثنائے گفتگو میں اس نے کہا کہ ملاحدہ کے بارہ گروہ ہیں۔ اور ایک گروہ ان میں سے متصوفہ کا ہے میں نے کہا کہ اگر ایک گروہ ان میں سے تو گیارہ تم میں ہیں۔ اور یہ لوگ اس ایک گروہ سے جیسی اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ویسے تو تم اپنے آپ کو ان گیارہ گروہ سے نگاہ نہیں رکھ سکتے۔

مگر یہ سب نتیجہ زمانے کی فطرتوں اور آفتوں کا ہے اور اللہ عزوجل نے ہمیشہ اپنے اولیاء کو لوگوں میں پوشیدہ رکھا ہے اور ان لوگوں کو انہیں کی بدولت مخلوقات میں رکھا ہے اور کیا ہی خوب فرمایا پیروں کے پیر اور ارادتمندوں کے آفتاب علی بن بندار صیرفی رحمۃ اللہ علیہ نے فَسَادُ الْقُلُوْبِ عَلٰی حَسْبِ فَسَادِ الزَّمَانِ وَاَھْلِہٖ۔ یعنی دلوں کا بگاڑ اہل زمانہ کے بگاڑ کے موافق ہوتا ہے۔

اب ہم ایک فصل انکی باتوں میں تحریر کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو جائے کہ جبتک حق جلّ وعلا کی عنایت نہ ہو خدا کے کام بھی جو کئے جائیں پورے نہیں ہو سکتے۔ گو ایک گروہ اس کا بھی منکر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

فصل۔ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم تین ہیں ایک علم خدا کی طرف سے ہے اور دوسرا علم خدا کیساتھ ہے اور تیسرا علم خداوند کریم کی معرفت کا ہے جو کہ تمام انبیاء اور اولیاء کو ملا ہے پس جبتک یہ علم حاصل نہ ہو خدا کو نہیں جان سکتے اسلئے کہ جس قدر اسباب خدا کو پالینے کے ہیں۔ وہ سب اسکی ذات کے ماسوا ہیں۔ اور بندہ کا علم خدا کی معرفت کا سبب نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ اسکی معرفت کا سبب خدا ہی کے جتلانے اور راہنمائی سے دستیاب ہوتا ہے اور جو علم خدا کیطرف سے ہے اسکو شریعت کا علم کہتے ہیں اسلئے کہ وہ خدا کی طرف سے ہم پر حکم اور تکلیف ہے۔ اور وہ علم جو خدا کیساتھ ہے وہ مقامات اور حق کے طریق کا علم اور اولیاء کے درجات کا بیان ہے پس معرفت کا حاصل کرنا بغیر قبول کرنے شریعت کے ناجائز ہے۔ اور شریعت کا قبول کرنا مقامات کے اظہار کے بغیر درست نہیں۔

اور ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ حَیَاۃُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَھْلِ وَ نُوْرُ الْعَیْنِ مِنَ الظُّلْمَۃِ یعنی علم دل کو جہالت کی موت سے بچاتا ہے اور کفر اور شرک کی

تاریکیوں سے بچا کر آنکھوں کو روشنی عطا فرماتا ہے اور جس کسی کو معرفت کا علم نہیں اس کا دل بسبب جہالت کے بیمار رہے پس کفار خدا کو نہ جاننے کے سبب . . . مردہ دل ہیں اور غافلوں کے دل اس کے احکام نہ جاننے کی وجہ سے بیمار ہیں اور ابوبکر دراق ترمذ کے رہنے والے کہ اللہ کی ان پر رحمت نازل ہو ارشاد فرماتے ہیں کہ مَنِ اکْتَفیٰ بِالْکَلَامِ مِنَ الْعِلْمِ دُوْنَ الزُّھْدِ تَزَنْدَقَ وَمَنِ اکْتَفیٰ بِالْفِقْہِ دُوْنَ الْوَرَعِ فَقَدْ تَفَسَّقَ یعنی جس شخص نے بغیر زہد کے توحید کی بات پر اکتفا کیا زندیق ہوا اور جس کسی نے بغیر پرہیزگاری کے علم فقہ اور شریعت کو کافی سمجھا وہ فاسق ہوا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ بغیر معاملہ اور مجاہدہ کے محض توحید جبر ہوگی اور موحد کو اپنے قول میں جبری اور فعل میں قدری ہونا چاہیئے تاکہ اس کی رفتار قدر اور جبر کے درمیان ٹھیک رہے اور اس قول کی حقیقت وہی ہے جو کہ پیر رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے کہ اَلتَّوْحِیْدُ دُوْنَ الْجَبْرِ وَفَوْقَ الْقَدْرِ یعنی توحید جبر سے کم ہے اور قدر سے اوپر ہے پس ہر شخص جو توحید کے علم سے بغیر معاملہ کے صرف عبادت پر ہی اکتفا کرتا ہے اور اس کے خلاف سے منہ نہیں پھراتا اور زہد اختیار نہیں کرتا زندیق ہو جاتا ہے لیکن فقہ کیلئے پرہیزگاری کی شرط ہے اور جو شخص بدون پرہیزگاری کے علم فقہ اور شریعت کی سند لیتا ہے اور نیز رخصت اور تاویلات اور تعلق اور شبہات میں مشغول رہتا ہے اور مجتہدوں کے مذہب سے آسانی حاصل کرنے کیلئے جدا ہو جاتا ہے تو ایسا شخص بہت جلد فسق میں مبتلا ہو گا اور ان سب باتوں کا ظہور غفلت سے ہوتا ہے اور بہت ہی عمدہ فرمایا ہے حضرت شیخ المشائخ یحییٰ ابن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ نے کہ اِجْتَنِبْ صُحْبَۃَ ثَلَاثَۃِ اَصْنَافٍ مِّنَ النَّاسِ الْعُلَمَاءِ الْغٰفِلِیْنَ وَالْفُقَرَاءِ الْمُدَاھِنِیْنَ وَالْمُتَصَوِّفَۃِ الْجٰھِلِیْنَ یعنی تین قسم کے آدمیوں سے بچو غافل علماء سے اور سست فقیروں سے اور جاہل صوفیوں سے، مگر غافل علماء وہ ہیں کہ جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنا رکھا ہے اور شریعت سے آسان باتوں کو اختیار کر رکھا ہے اور ظالم بادشاہوں کی درگاہ کا طواف کرتے رہتے ہیں اور مخلوقات کے مرتبہ و عزت کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے اور اپنے غرور اور زیرکی اور دقتِ کلام پر فریفتہ ہو کر اپنے آپ سے باہر نکل رہے ہیں اور استادوں اور اماموں میں طعن کی زبان دراز کئے ہوئے ہیں اور بزرگان

دین پر فخر کرتے ہیں اور زیادتی کلام میں ایسے منہمک ہیں کہ اگر دونوں جہاں کو ان کے نزدیک پانیں رکھے تو کبھی پورے نہ اتریں اور حسد و عناد کو اپنا مذہب بنائے ہوئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب عالم نہیں ہوتے کیونکہ علم تو ایسی صفت کا نام ہے کہ جس سے موصوف با علم کی تمام جہالتیں دور ہوں اور مدامن یعنی کہ ناقص ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کام انکی خواہش کے مطابق کرے اگرچہ وہ کام باطل ہی کیوں نہ ہو تو وہ اسکی تعریف کرینگے اور جب کوئی شخص کوئی کام انکی خواہش کے مخالف کرے اگرچہ وہ کام حق ہی کیوں نہ ہو تو وہ اسکی مذمت کریں گے اور بات یہ ہے کہ مفاد کیلئے یہ لوگ خلقت سے مرتبہ و عزت کی طمع رکھتے ہیں اور باطل باتوں پر مخلوقات کو منافقانہ تعلیم دیتے ہیں۔

لیکن جاہل صوفی وہ ہوتا ہے کہ جس نے نہ تو پیر کی صحبت اختیار کی ہو اور نہ ہی کسی بزرگ کا تربیت یافتہ ہو اور اپنے آپ کو لوگوں میں صوفی مشہور کردیا ہو اور زمانہ کی گرمی سردی سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور اپنے اندھے پن سے نیلگوں لباس پہن لیا ہو اور بیحرمتی سے انبساط ..... کی راہ اختیار کرلی ہو اور اپنے حمق اور جہالت کیوجہ سے اہل اللہ کی صحبت سے متنفر رہتا ہو اور حق و باطل کی راہ اس پر پوشیدہ ہوچکی ہو پس ان تین گروہ سے مریدوں کو روگردانی کرنی چاہیئے کیونکہ یہ اپنے دعووں میں جھوٹے ہیں اور اپنی رفتار میں ناقص اور ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عَمِلْتُ فِی الْمُجَاهَدَةِ ثَلٰثِیْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَیْئًا اَشَدَّ عَلَیَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَتِهٖ یعنی میں نے مجاہدہ پر تیس سال تک عمل کیا پس میں نے اس میں علم اور متابعت سے بڑھکر کسی کو گراں نہ پایا۔

اور حاصل کلام یہ ہے کہ آگ پر قدم رکھنا زیادہ آسان ہے علم کی موافقت کرنیسے اور جاہل کو پلصراط سے ہزار بار گزرنا اس سے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ علم کا ایک مسئلہ سیکھے اور فاسق کو دوزخ میں خیمہ لگانا اس سے زیادہ آسان ہے کہ شریعت کے ایک مسئلہ پر کاربند ہو پس تجھ پر علم کا سیکھنا اور اس میں کمال حاصل کرنا لازمی ہے اور انسان چاہے کتنا ہی کامل ہو مگر خدا کے علم سے بیخبر ہے اور نیز علم کا کمال یہ ہے کہ پڑھتے پڑھتے اس درجہ پر پہنچ جاؤ کہ بالآخر تمہیں کہنا پڑے کہ ہم کچھ نہیں جانتے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ

بندگی کے علم کے سوا اور کچھ نہیں جان سکتا اور بندگی خداوند تعالیٰ کی طرف سے حجاب اعظم ہے اور اسی بارہ میں کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ وَالْوَقْفُ فِیْ طُرُقِ الْاَخْیَارِ اِشْرَاکٌ یعنی خدا کی حقیقت دریافت کرنیسے عاجز رہنا اسکی دریافت ہے اور اخیار کے راہ میں ٹھیر جانا شرک ہے اور جو شخص علم نہ سیکھے اور اپنی ہٹ پر قائم رہے وہ مشرک ہے اور جو شخص علم سیکھے اور اس کے کمال پیدا کرنیکی حالت میں کوئی معنی اس پر ظاہر ہوں اور نیز فخر اسکے دماغ سے نکل جائے اور جان لیوے کہ میرے علم کا انجام سوائے عجز و انکار ہی کے اور کچھ نہیں اسلیئے کہ ناموں کو معنوں کے حق میں کوئی تاثیر نہیں یعنی علم کی دریافت سے عاجز ہوجانیکا نام تحصیل علم ہے۔

باب (۲) الفقر

پس جان تو کہ خدا کی راہ میں درویشی کا مرتبہ بہت بڑا ہے اور درویشوں کو بڑے بڑے خطرے پیش آتے ہیں۔ جیسا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ یعنی ان فقراء کی فی سبیل اللہ خدمت کرنی چاہیئے جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں اور زمین میں چلنے کی طاقت نہیں رکھتے اور جاہل ان کو بوجہ نہ سوال کرنیکے غنی معلوم کرتے ہیں۔ اور نیز اللہ جلشانہ نے ارشاد فرمایا ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ۔ یعنی بیان کی اللہ عزوجل نے اپنے بندہ مملوک کی داستان جو کسی چیز پر طاقت نہیں رکھتا۔ اور نیز فرمایا۔ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا یعنی انکے پہلو خوابگاہ سے دور رہتے ہیں۔ اور پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو امید اور خوف سے اور نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار کیا اور فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاکِیْنِ یعنی اے اللہ مجھے فقیری کی حالت میں زندہ رکھ اور فقیری کی حالت میں مار اور فقیروں کے زمرہ میں میرا حشر فرما اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ عزوجل قیامت کے روز فرمائیگا۔ اُدْنُوْا مِنِّیْ اَحِبَّائِیْ فَیَقُوْلُ الْمَلٰٓئِکَةُ مَنْ اَحِبَّآءُكَ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ

اُغْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاکِیْن یعنی میرے دوستوں کو میرے پاس لاؤ پس فرشتے کہیں گے تیرے کون دوست ہیں پس فرمائیگا اللہ عزوجل کہ وہ فقراء اور مساکین کی جماعت ہے اسکے مثل آیات اور احادیث بہت ہیں یہانتک کہ انکے مشہور ہونیکی وجہ سے اسکے ثابت کرنیکی حاجت نہیں۔ اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں فقراء مہاجرین ایسے تھے کہ خدا تعالیٰ کی بندگی کے واسطے اور حضور علیہ السلام کی اتباع کی محبت میں مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے تھے اور باقی تمام بکھیڑوں کو ترک کئے ہوئے تھے۔ اور اللہ عزوجل ہی کو انہوں نے اپنا روزی رساں سمجھ رکھا تھا اور اسی کی ذات پر انہوں نے بھروسہ کامل کر رکھا تھا۔ اسی واسطے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انکی صحبت۔۔۔ اختیار کرتے۔۔۔ اور انکے حق کو قائم کرنے کیلئے مامور تھے جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ یعنی نہ دور کرو ان لوگوں کو جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اسکی خواہش رکھتے ہیں۔ اور نیز فرمایا وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ یعنی آپ ان سے اپنی آنکھ کو نہ ہٹائیے کیا آپ دنیا کی زینت کو چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کوئی آدمی ان میں سے ملتا تو آپ فرماتے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ تمہاری وجہ سے تو اللہ عزوجل نے مجھ پر عتاب کیا۔

پس جاننا چاہیے کہ اللہ عزوجل نے فقر کا درجہ بلند کیا ہے اور فقراء ہی کو اسکے ساتھ مخصوص گردانا اسلئے کہ انہوں نے ظاہری اور باطنی اسباب کو چھوڑ کر بالکل مسبب یعنی خدا کی ذات کیطرف رجوع کیا یہانتک کہ انکا فقر ان کیلئے باعث فخر ہوا اسلئے کہ اسکے آنے سے نہ تو وہ خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی جانیسے غمگین ہوتے ہیں۔ وہ اللہ عزوجل ہی کو دوست رکھتے ہیں اور اسکی ذات کے سوا کسی کو دوست نہیں بناتے لیکن فقراء کی ایک رسم ہے اور اسکی حقیقی رسم افلاس اور اضطرار ہے اور فی الحقیقت اقبالمندی ہے! اور اس میں پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ رسم کو دیکھکر رسم ہی پر آرام کیا جائے۔ جب مراد پالی تو حقیقت بھی پالی اور جس نے حقیقت پالی اس نے موجودات سے منہ پھیر لیا اور کل چیزوں کو فانی سمجھکر اس کل کیطرف جو باقی ہے رجوع کیا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ لَّمْ یَعْرِفْ سِوٰی رَسْمِهٖ لَمْ یَسْمَعْ سِوٰی اِسْمِهٖ

یعنی جس شخص نے سوا اسم فقر کے نہ جانا۔ تو اس نے فقر کے نام کے سوا اور کچھ نہ جانا۔
پس فقیر وہ ہوتا ہے کہ اسکی کوئی چیز نہ ہو اور اسکی کسی چیز میں خلل نہ آوے! اور نہ ہی وہ اسباب کے موجود ہونیسے غنی ہو اور نہ ہی نہ ہونیسے محتاج ثابت ہو یعنی اسباب کا ہونا نہ ہونا اسکے نزدیک ایک جیسا ہو بلکہ تنگدستی اور مفلسی کے موقع پر زیادہ خوش ہو۔ اسلئے کہ مشائخ نے کہا ہے کہ جسقدر فقیر تنگدست ہو ٹھیک ہے اس سے اسپر حال کا انکشاف زیادہ ہوگا اسلئے کہ درویش کے وجود کی نمود نحس ہوتی ہے جبتک کسی چیز کو کھول نہ سکے! اور صرف ایک مقرر مقدار پر محدود نہ ہو بلکہ اپنی استعداد کو بڑھائے پس خدا کے دوستوں کی زندگی خدائے عزوجل اور الطاف خفی کیساتھ ہونی چاہیئے نہ کہ بیوفا دنیا کے اسباب کیساتھ ورنہ دنیا کا مال ومتاع خداوند کریم کی رضا سے روکنے والا ہوگا۔

حکایت۔ ایک بادشاہ نے ایک فقیر کو کہا کہ مجھ سے کچھ مانگ فقیر نے کہا کہ میں اپنے غلاموں سے کچھ نہیں مانگا کرتا۔ بادشاہ نے کہا یہ بات کسطرح ہے فقیر نے کہا کہ میرے دو غلام ہیں جو تیرے آقا ہیں ایک حرص اور دوسری امید یعنی جب تو ان کا غلام ہے تو میں تجھ سے کیا مانگوں۔

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَلْفَقْرُ عِزٌّ لِاَهْلِهٖ۔ یعنی فقر اپنے اہل کیلئے عزت ہے، پس جو چیز کہ اس کے اہل کیواسطے عزت ہوتی ہے خاصکر۔۔ نااہل کیواسطے وہی چیز ذلت کا باعث ہوتی ہے، اور اسکی عزت یہ ہے کہ فقیر کے تمام جوارح محفوظ ہوں یعنی اپنے اعضاء کو تمام نامناسب چیزوں سے بچائے رکھے اور اپنے وجود میں کسی قسم کا خلل نہ آئے دے، اور نہ تو اسکی جان معصیت و ذلت سے آلودہ ہو اور نہ ہی اسکی جان پر کوئی خلل اور آفت گذرے،، اور نیز اس کا ظاہر ظاہری نعمتوں میں مستغرق ہو اور اس کا باطن بھی باطنی نعمتوں کا منبع ہو یہانتک کہ اسکا بدن روحانی اور اسکا دل ربانی ہو جائے اور خلقت کو نہ ہی اس کیساتھ کوئی تعلق رہے اور نہ ہی آدمیوں کو اسکے ساتھ کوئی نسبت رہے اور نہ مخلوقات کیطرف سے اسے کوئی تعلق ہو اگرچہ تمام جہان اس کی ملک ہو جائے تو بھی اس جہان میں غنی نہ ہو۔ اور اگر دونوں جہان اسکے فقر کے ترازو کے پلہ میں ڈالے جائیں تو مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوسکیں اور اسکا ایک سانس دونوں جہان میں نہ سمائے۔

فصل چہارم۔ اور مشائخ رحمہم اللہ نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ فقر اصل

ہے یا غنا پس مخلوقات کی صفتوں سے کونسی زیادہ فضیلت والی ہے اسوجہ سے کہ خداوند تعالیٰ حقیقی غنی ہے اور کمال تمام صفتوں میں اسی کو ہے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی احمد بن ابی الحواری اور حارث محاسبی اور ابو العباس بن عطا اور ابو الحسن بن شمعون اور متاخرین میں سے شیخ المشائخ ابوسعید فضل اللہ بن محمد المہینی رحمہم اللہ سب کے سب غنا کو فقر پہ بزرگی دیتے ہیں۔ اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ غنا اللہ عزوجل کی صفت ہے اور اس کی ذات کیلئے فقر روا نہیں۔ پس وہ صفت جو بندہ اور خدا کے درمیان مشترک ہو زیادہ بزرگی والی ہے اس سے جو محض بندہ میں ہو۔ اور خدا میں نہ پائی جاوے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ شرکت محض نام میں ہے نہ کہ معنی میں۔ اسلئے کہ معنی کی شرکت میں مماثلت یعنی برابری کا ہونا ضروری ہے اور خداوند کریم کی صفات قدیم ہیں اور بندہ کی حادث پس یہ دلیل باطل ہوئی۔ اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں کہ غنی خدا کا نام ہے اور مخلوقات اس نام کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ اور فقر کا نام محض مخلوقات کیلئے سزاوار ہے اور خدا کیلئے یہ نام جائز نہیں۔ ہاں اگر مجازی طور پر ماسوا خدا کے کسی کو غنی کہہ لیا جائے تو جائز ہے مگر درحقیقت غنی خدا ہی کی صفت ہے۔ اور واضح تر دلیل یہ ہے کہ ہمارا غنا اسباب کے وجود کیساتھ ہوتا ہے اور ہم اسباب کے قبول کرنیکے ساتھ سبب والے غنی ہیں۔ اور اللہ عزوجل مسبب الاسباب ہے اور اسکے غنا کیلئے کوئی سبب نہیں پس اس صفت میں شرکت باطل ہے اور جب اسکی عین ذات میں شرکت جائز نہیں۔ تو ویسے ہی اسکی صفات میں کوئی شخص شریک نہیں ہو سکتا اور جب شرکت صفات میں جائز نہ ہوگی تو نام میں بھی جائز نہ ہوگی اور نام رکھنا مخلوقات اور خدا کے درمیان نشان ہے، اور یہی اسکی حد ہے پس حق تعالیٰ اپنے غنا میں کسی کا محتاج نہیں اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور نہ ہی کوئی اسکی مراد کو روک سکتا ہے۔ اور نہ ہی اسکی قدرت کیلئے کوئی امر مانع ہے۔ اور وہ ناموں کے بدلنے اور ضدین کے پیدا فرمانیکی قدرت رکھتا ہے اور ہمیشہ اس صفت کیساتھ موصوف ہے اور ہمیشہ موصوف رہیگا۔ اور مخلوقِ خدا کے غنا کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص باوجود صاحبِ مال اور صاحبِ مسرت ہونیکے آفات و بلیات سے خلاصی نہیں پا سکتا۔ اور آہم کا مشاہدہ

بھی نہیں پاسکتا اور یہ سب باتیں تغیر و حدوث پر دلالت کرنیوالی ہیں۔ اور نیز حسرت و تعب کا سرمایہ اور عجز و ذلت کا موجب ہیں پس یہ نام بندہ کا مجازی ہے اور خداوند کریم کا حقیقی جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ یعنی اے لوگو تم سب خدا کے محتاج ہو اور خدا غنی حمید ہے اور نیز فرمایا وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ یعنی اللہ عزوجل غنی ہے اور تم محتاج ہو اور نیز عوام کے ایک گروہ کا مقولہ ہے "کہ دولتمند درویش سے افضل ہے" اسلئے کہ اللہ عزوجل نے دونوں جہان میں اس کو بخت والا پیدا فرمایا ہے اور خداوند تعالیٰ نے تونگری کا احسان اس پر رکھا۔ اور یہ لوگ غنا سے دنیا کی کثرت اور بشریت کی مراد اور شہوت کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور اس پر دلیل یہ لاتے ہیں کہ غنا پر شکر اور فقر پر صبر کرنیکا حکم اللہ عزوجل نے دیا۔ اور شکر کو زیادتی نعمت کا سبب گردانا ویسے ہی صبر کو قرب کی زیادتی کا سبب گردانا اور فرمایا وَلَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ یعنی اگر تم ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو ہم تمہیں زیادہ دینگے اور صبر کے متعلق فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ یعنی اللہ عزوجل صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے پس جو شخص نعمت میں کہ درحقیقت غفلت ہے شکر کرے تو ہم اسکی غفلت پر غفلت کو بڑھائیں گے اور جو شخص صبر میں کہ درحقیقت قربت ہے صبر کرتے ہیں تو ہم اسکی قربت پر قربت بڑھائیں گے لیکن وہ غنا کہ مشائخ جسے فقر پر بزرگی دیتے ہیں اور ہے ان کی مراد عوام کی مراد کے خلاف ہے۔ اسلئے کہ عوام غنا اس کو کہتے ہیں کہ جس میں نعمت ملے اور منعم اس کو پالے پس وصل کا حاصل ہو جانا اور چیز ہے اور غفلت کا پایا جانا اور چیز ہے اور شیخ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلْفَقِیْرُ ھُوَ الْغَنِیُّ بِاللّٰہِ۔ یعنی فقیر اللہ کیساتھ غنی ہے اس سے مراد خداوند کریم کے مشاہدہ فرمانے کا ابدی کشف ہے، ہم کہتے ہیں کہ حجاب کا واقع ہو جانا مکاشف کیلئے ممکن ہے پس یہ صفت اگر صاحب مکاشفہ کو مکاشفہ سے محجوب کرے تو پھر اسکا محتاج ہوگا یا نہیں۔ اگر کہو کہ نہیں ہوتا تو محال ہوگا اور اگر کہو کہ محتاج ہو جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ احتیاج لاحق ہوگئی اور غنا کا نام ساقط ہوا! ور نیز غنا اللہ عزوجل کی ذات کیساتھ اسکو ہوگی۔ جو

قائم الصفت اور ثابت المراد ہو۔ اور آدمیوں کے اوصاف کے اثبات اور مراد کی قامت کیساتھ غنا درست نہیں ہوتی - اسلئے کہ اس کی اپنی ذات غنا کے قابل نہیں۔ اسلئے کہ بشریت کا وجود عین احتیاج ہے اور احتیاج حدوث کی علامت ہے پس جس کی صفت کیلئے بقا ہے وہ غنی ہے اور جسکی صفت کیلئے فنا ہے۔ وہ اس نام کے ہرگز قابل نہیں۔
پس اَلْغَنِیُّ مَنْ اَغْنَاہُ اللّٰہُ یعنی غنی وہ ہے جس کو اللہ عزوجل غنی کرے اسلئے کہ غنی باللہ فاعل ہے اور جس کو اللہ نے غنی کیا وہ مفعول ہے اور فاعل کا قیام اپنی ذات سے ہوتا ہے اور مفعول کا قیام فاعل سے ہے پس اپنی صفت سے قائم ہونیکا نام بشریت ہے اور خدا کی ذات کیساتھ قائم ہونیکا نام صفت ہے" اور میں جو علی بیٹا عثمان کا ہوں۔ کہتا ہوں کہ جب بندگی میں درست ہوا کہ غنا علی الحقیقت بقائے صفت پر درست نہیں آسکتا اسلئے کہ دلائل مذکورہ سے بقائے صفت علت کا محل ثابت ہوتا ہے اور خود آفت اور فنا غنا کی صفت کا موجب نہیں ہوتی اسلئے کہ جو بقا کی صفت سے متصف نہ ہوا اسکا نام بھی نہیں رکھ سکتے پس غنا کا نام فنائے صفت رکھنا چاہیئے اور جب صفت فانی ہوئی تو نام کا محل بھی ساقط ہوا اور اس شخص پر نہ تو غنا کا نام باقی رہا اور نہ ہی فقر کا پس غنا کی صفت جیسے حق جل و علا سے متجاوز نہیں ہوگی ویسے ہی فقر کی صفت بندہ سے متجاوز نہ ہوگی اور پھر بہت سے مشائخ فقیری کو غنا پر فضیلت دیتے ہیں اسلئے کہ کتاب اور سنت اسکی بزرگی پر گواہ ہیں اور امت کے بہت لوگ اس پر متفق ہیں اور اس اتفاق کو میں نے حکایات کے ضمن میں پایا ہے۔
حکایت ایک روز حضرت ابن عطاء اور جنید رحمہما اللہ کے درمیان اس مسئلہ کا تذکرہ ہوا۔ سو ابن عطا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اغنیاء کی فضیلت پر یہ دلیل لائے۔ کہ قیامت کے روز اغنیاء کی غنا کا حساب ہوگا اور حساب بے واسطہ کلام سنانے کا نام ہے اور بیواسطہ دوست کا دوست کو کلام سنانا عتاب کے محل میں ہوا کرتا ہے۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر اغنیاء کا حساب ہوگا تو درویشوں سے عذر چاہیں گے اور عذر حساب سے فضیلت والا ہے اسجگہ ایک لطیفہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ محبت کی تحقیق میں جیسے عذر بیگانہ ہوتا ہے ویسے ہی عتاب یگانگی اور اتحاد کے مخالف ہوتا ہے۔ اور

دوست ایسے محل میں رہتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں ان کے احوال میں آفت برپا کرتی ہیں اسلئے کہ وہ عذر تقصیر کا موجب ہوتا ہے جو کہ دوست کے حق میں دوست کے فرمان میں کیا جائے۔ اور خاص کر جب دوست اپنے حق کا اس سے مطالبہ کریگا اور یہ اپنی طرف سے عذر خواہی کریگا اور عتاب بھی اس وقت موجب تقصیر ہو گا جب کہ دوست کے فرمان میں قصور کیا جائیگا اور اسوقت دوست اس تقصیر کیوجہ سے اس پر عتاب کریگا اور یہ دونوں باتیں محال ہوں گی حاصل کلام یہ ہے کہ فقرا کو صبر کرنا چاہیئے اور اغنیاء کو شکر اور دوستی کی تحقیق میں نہ دوست دوست سے کوئی چیز طلب کرسکتا ہے اور نہ دوست دوست کے فرمان کو ضائع کرسکتا ہے ۔پس کسی کہنے والے نے خوب کہا ہے ۔ کہ ظَلَمَ مَنْ سمّٰی اِبْنَ اٰدَمَ اَمِیْرًا وَ قَدْ سَمَّاہُ رَبُّہٗ فَقِیْرًا یعنی ظلم کیا اس شخص نے کہ جس نے ابن آدم کا نام امیر رکھا حالانکہ اس کے رب نے اسکا نام فقیر رکھا ہے اور جس کا نام اللہ عزوجل نے فقیر رکھا ہے وہ فقیر ہی ہے اگرچہ امیر ہو اور جس شخص نے باوجود تخت و سریر کا مالک ہونیکے یقین کرلیا ہو کہ میں امیر نہیں ہوں وہ ہلاک ہوا اسلئے کہ اغنیاء صاحب صدقہ ہوتے ہیں اور فقراء اہل صدق اور اہل صدق اہل صدقہ کی مانند نہیں ہوسکتا پس درحقیقت سلیمانؑ کا فقر سلیمانؑ کے غنا کی مانند ہوگا اسلئے کہ اللہ عزوجل نے ایوبؑ علیہ السلام کو جیسے شدتِ صبر کی بدولت نعم العبد کہا ہے ویسے ہی سلیمانؑ کو ملک کی استقامت میں نعم العبد فرمایا جب رحمان کی رضا حاصل ہوگئی تو سلیمانؑ کا فقر سلیمانؑ کی غنا کی مثل ہوگیا۔

حکایت مصنف کہتا ہے کہ میں نے استاد ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ سے سُنا ہے آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے فقر اور غنا میں کلام کیا ہے اور اپنا ایک ایک مذہب مقرر فرمالیا ہے مگر میں اس بارے میں وہی بات اختیار کرونگا کہ جس کا مجھے رب العزت نے اختیار عطا فرمایا ہے یعنی اگر وہ مجھے غنی کرے تو میں اس سے غافل نہ رہونگا اور اگر مجھے فقیر بناوے تو حریص اور منہ پھیر نیوالا نہ ہونگا پس غنا نعمت ہے اور اس میں غفلت کرنی آفت ہے اور فقر نعمت ہے، اور اس میں بھی حرص کرنی آفت ہے ۔ طالب سب اچھے ہیں اور معاملہ در رفتار اس میں مختلف ہے۔ خداوند تعالیٰ کی ذات کے ماسوا تمام چیزوں سے دل

کو فارغ رکھنے کا نام فقر ہے۔ اور غنا دل کو غیر خدا کے ساتھ مشغول کر دینا ہے۔ جب فراغت آئی تو فقر غنا سے فضیلت والا ہوا اور غنا فقر سے افضل اور غنا جیسے مال و متاع کی زیادتی کا نام ہے ویسے ہی فقر مال و اسباب کی قلت کا نام ہے۔ اور جب طالب نے کہا سب چیزیں خدا کی طرف سے ہیں۔ اور اسی کی ملک تو شرکت درمیان سے اٹھ گئی اور دونوں ناموں سے فارغ ہوا۔

فصل ۵ پانچویں۔ اور اس بارے میں جمیع مشائخ رحمہم اللہ ایک نہ ایک رمز کے مالک ہیں اور میں بقدر امکان ان کے اقوال کو اس کتاب میں انشاء اللہ الرحمٰن لاؤنگا۔ اور متاخرین میں سے ایک شیخ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ لَیْسَ الْفَقِیْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الزَّادِ اِنَّمَا الْفَقِیْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الْمُرَادِ۔ یعنی فقیر وہ نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ زادِ راہ اور اسباب سے خالی ہو، بلکہ فقیر وہ ہوتا ہے۔ کہ اسکی طبع مُراد سے خالی ہو جیسا کہ اللہ عزوجل اگر کسی کو مال عطا فرماوے تو اسکی مراد اگر مال کی حفاظت کرنیکی ہووے تو غنی ہو گا اور اگر اس کی مراد مال کے ترک کی ہوگی تو بھی غنی ہو گا اسوجہ سے کہ دونوں طریقے غیر کے مال میں تصرف کرنیکے ہیں۔ اور فقر ترک حفاظت اور تصرف کا نام ہے۔ "حضرت یحیٰی بن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ عَلَامَةُ الْفَقْرِ خَوْفُ الْفَقْرِ۔ یعنی فقر کی علامت یہ ہے کہ بندہ ولایت کے کمال اور مشاہدہ کے قیام اور صفت کے فنا میں زوال اور قطعیت سے خوف کرتا رہے، پس فقر کا کمال یہ ہے کہ قطعیت سے ڈرے۔ رویم بن محمد رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں مِنْ نَّعْتِ الْفَقِیْرِ حِفْظُ سِرِّهٖ وَصِیَانَةُ نَفْسِهٖ وَاَدَآءُ فَرِیْضَتِهٖ یعنی فقیر کی صفت یہ ہے۔ کہ اسکا بھید غرضوں سے محفوظ ہو اور اس کا نفس آفتوں سے نگاہ رکھا گیا ہو۔ اور فریضہ احکام اس پر جاری ہوں یعنی جب اس کا گذر اسرار پر ہو تو اظہار میں مشغول نہ ہو۔ اور اس کا غلبہ امر کے وارد ہونیسے اسکو نہ روکے اور بندہ کا بتمامہ خدا کیموافق ہونا بشریت کی علامت ہے اور یہ معنی بھی حق کی طرف واپس لاتا ہے۔ اور بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَفْضَلُ الْمُقَامَاتِ اِعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلَى الْفَقْرِ۔ یعنی صبر کی ہمیشگی کا فقر پر اعتقاد کرنا بندہ کے تمام مقامات سے افضل ہے اور تمام مقامات کا فنا فقر سے ہوتا ہے، پس فقیر کا صبر پر اعتقاد کرنا وصفوں کے فناء کی علامت ہے اور فعلوں اور عملوں کی آفت کی رویت کی علامت ہے لیکن اس کلام کے

ظاہری معنیٰ یہ ہیں کہ فقر غنا سے زیادہ بزرگی والا ہے اور اس امر کا بھی اعتقاد کر لینا ہے کہ ہم ہرگز فقر سے منہ نہ پھیریں گے۔ شبلی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْفَقِیْرُ مَنْ لَّا یَسْتَغْنِیْ بِشَیْءٍ دُوْنَ اللّٰہِ یعنی فقیر اللہ عزوجل کے بغیر آرام نہیں پا سکتا اور اس کو بجز اسکی ذات کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور ظاہری لفظ کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ذات الٰہی کے غنی نہیں ہو سکتا جب اللہ عزوجل کو پا لیوے گا تو غنی ہو جائیگا پس تیری ہستی اسکی ذات کے ماسوا ہے اور جب ماسوا کے ترک کرنیکے بغیر غنا حاصل نہیں ہو سکتا تو لامحالہ غنا حجاب ہوا۔ اور جبتک غنا کے حجاب کو راستہ سے نہ اٹھایا جائیگا غنی کسطرح ہو گا اور یہ معنی اہل حقیقت کے نزدیک بہت دقیق و لطیف ہیں۔ اور اسکا مطلب یہ ہے کہ اَلْفَقِیْرُ اَنْ لَّا یَسْتَغْنِیَ عَنْہُ۔ یعنی فقیر ہرگز اس سے غنی نہیں ہوتا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے جو پیر خواجہ عبداللہ انصاری ہروی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے کہ ہمارا غم ابدی ہے اور جیسے ہماری ہمت دنیا و آخرت میں مقصود کو نہیں پا سکتی۔ ویسے ہی ہماری کلیت دنیا و آخرت میں نیست نہ ہوگی اس وجہ سے کہ انسان ہمجنس کو پا سکتا ہے اور اللہ عزوجل اسکی جنس نہیں۔ اور غفلت کی بات سے روگردانی کرنی چاہیئے اور فقیر کسی صورت سے غافل نہیں ہوتا پس یہ کام اور راستہ ہمیشہ کیلئے مشکل واقع ہوا اور یہ دوستی اس ذات بابرکت کیساتھ ہے کہ کسب کو اس کے دیدار میں راستہ نہیں اور خلق کی جنس سے کسی کو اس کا وصال مقدور نہیں اور اس کی ذات کو فنا سے تبدیل صورت اور لقا سے تغیر روا نہیں اور فانی کبھی باقی نہیں ہو سکتا تاکہ اس کو وصل میسر ہو اور نہ ہی باقی فانی ہو سکتا ہے کہ اس کو نزدیکی حاصل ہو پس اسکے دوستوں کا کام سر بسر مشکل ہے دل کی تسلی و تسکین کیلئے عبارات مذہب یعنی سنہری گھڑی ہیں اور جان کو آرام پہنچانے کیلئے مقامات اور منزلیں اور طریقے ظاہر کئے ہوئے ہیں۔ اور ان کی عبارتیں خود بخود آراستہ کی ہوئی ہیں اور ان کے مقامات جنس سے طرف جنس کے ہیں۔ اور حقتعالیٰ مخلوقات کے جمیع اوصاف اور احوال سے منزہ ہے اور ابو الحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نَعْتُ الْفَقِیْرِ السُّکُوْتُ عِنْدَ الْعَدَمِ وَالْبَذْلُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ وَقَالَ اَیْضًا اَلْاِضْطِرَابُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ۔ یعنی فقیری کی صفت میسر نہ ہونیکے وقت سکوت اختیار کرنا ہے اور نیز پا ئے جانیکے وقت

خرچ کرنا بھی اس کی صفت ہے یعنی جب نہ پائیگا خاموش ہوگا اور جب پاویگا دوسرے کو اپنے سے بزرگ خیال کرتے ہوتے اس پر خرچ کریگا یعنی مراد کے نہ پائے جانیکے وقت اسے آرام ہوگا اور مراد کے پائے جانیکے وقت کہ اس سے مراد لقمہ ہے یعنی جب وہ لقمہ کو پائیگا تو بجائے اپنے کھانے کے اپنے سے افضل کو دیگا اور یہ کام بہت بڑا ہے اور اس کلام کے دو معنیٰ ہیں ایک تو نہ پائے جانے کے وقت اسکا آرام پانا ہوتا ہے! اور دوسرے رضا یعنی محبت کے پائے جانیکے وقت بھی اس کو اسکا خرچ کر دینا موجب تسکین ہوتا ہے اسلئے کہ محبت کا وجود خلعت کے قابل ہوتا ہے کیونکہ خلعت نزدیکی کا نشان ہوتا ہے اور محب خلعت کا ترک کرنیوالا ہوتا ہے اسلئے کہ خلعت میں فرقت کا نشان ہوتا ہے اور اس قول کے دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ مُراد کے نہ پائے جانے میں اس کو آرام ملتا ہے اور جب مُراد کا وجود موجود ہوا تو چونکہ وہ وجود اس کا غیر تھا اسلئے اس کو غیر کیساتھ آرام نہیں ملتا اور اس کو چھوڑ دیتا ہے اور یہ مطلب جو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ المشائخ ابوالقاسم جنید بن محمدؒ بن جنید رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے آپ فرماتے ہیں کہ اَلْفَقْرُ خُلُوُّ الْقَلْبِ عَنِ الْاَشْکَالِ یعنی فقر تمام شکلوں سے دل کے خالی کر دینے کا نام ہے اور جب اسکا دل شکل کی فکر میں ہوگا۔ تو لا محالہ غیر کی شکل کا وجود موجود ہوگا۔ کیونکہ حق جل وعلا شکل سے منزہ ہے۔ تو خواہ مخواہ مُحب اسکو ترک کریگا اور سجز پھینکنے کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اور حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلْفَقْرُ بَحْرُ الْبَلَاءِ وَبَلَاءُہٗ کُلُّہٗ عِزٌّ۔ یعنی فقر مصیبتوں کا دریا ہے اور فقر کی تمام مصیبتیں عزت ہیں! اور عزت غیر کا حصہ ہے اسلئے کہ جو شخص عین مصیبت میں مبتلا ہو اسے غیر کی خبر اسوقت تک نہیں ہوتی جبتک مصیبت کی طرف رغبت نہ کرے اور جب مصیبت کی خواہش کرے گا اسوقت اسکی مصیبتیں تمام عزت ہو جائینگی! اور اس کی تمام عزت وقت ہوگی اور اسکا تمام وقت محبت ہوگا اور اسکی .... محبت مشاہدہ ہوگی یہانتک کہ طالب کا تمام دماغ خیال کے غلبہ کیوجہ سے دیدار کا محل ہوگا اور جب یہ حالت طاری ہوگی تو بغیر دیکھنے کے دیکھنے والا ہوگا اور بغیر سُننے کے سُننے والا ہوگا پس بندہ عزیز ہوگا اسلئے کہ دوست کی مصیبت کا بوجھ اٹھاتا ہے

جو درحقیقت کمزور اور ذلی نعمت ہے اسوجہ سے کہ عزت وہ ہوتی ہے جو کہ بندہ کو خدا کے
پاس حاضر کرے اور ذلت وہ ہے جو کہ بندہ کو خدا سے غائب کرے اور فقر کی مصیبت
حضوری کا نشان ہے اور غنا کی راحت غیبت کا نشان ہے پس خدا کی حضوری والا
عزیز ہوگا اور عدم حضوری والا ذلیل۔ اور بلا کہ جس سے شخص مشاہدہ کے ہیں جس صفت کے
متعلق ہوگی غنیمت شمار کیجائیگی اور جنید رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ یَامَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ
اِنَّکُمْ تُعْرَفُوْنَ بِاللّٰہِ وَتُکْرَمُوْنَ لِلّٰہِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَکُوْنُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِذَا خَلَوْتُمْ بِہٖ۔
یعنی اے درویشوں کے گروہ کہ تم اللہ عزوجل کیساتھ پہچانے جاتے ہو اور اللہ ہی کی
بدولت تعظیم کئے جاتے ہو پس خلوت کے موقع پر اپنے آپ میں غور کرو کہ تم اللہ
عزوجل کیساتھ کیسے ہو۔ یعنی جب مخلوق خدا تمہیں درویش کہتی ہے اور تمہارا حق ادا
کرتی ہے تو تم درویشی کے راستہ کا حق کسطرح پورا کرتے ہو اور اگر مخلوقات تم کو پہلے
دعوی کے خلاف دوسرے نام کیساتھ پکارے تو تم ناپسندیدگی کا اظہار مت کرو۔ اسلئے کہ
تم بھی اپنے دعوی میں انصاف سے کام نہیں لیتے ہو۔ اس لئے کہ تمام مخلوقات سے
وہ شخص بہت کمینہ ہے کہ مخلوقات تو اسے خدا کیطرف سے خیال کرتی ہو مگر وہ خدا کی
طرف سے نہ ہو اور بہت ہی خوش قسمت ہے وہ شخص کہ مخلوقات بھی اسے خدا کی طرف سے
جانتی ہے اور وہ خود بھی خدا کی طرف سے ہو۔ اور مثال اس شخص کی کہ مخلوقات اسکو خدا کی
جانب سے سمجھتی ہو اور وہ خود خدا کی جانب سے نہ ہو مثل اس طبیب کے ہے کہ طبابت
کے دعوی کیساتھ بیماروں کا علاج بھی کرتا ہو مگر فن طبابت سے بکلی بے بہرہ ہو اور
مریضوں کی بیماری بڑھانیکا باعث ہو رہا ہو۔ اور ایسا طبیب جب خود بیمار ہو جائے
تو اپنے علاج سے عاجز رہتا ہے بلکہ اسے اپنے علاج میں دوسرے طبیب کیطرف رجوع
کرنا پڑتا ہے اور اس شخص کی مثال کہ جسے مخلوق خدا خدا کیطرف سے خیال کرتی ہو۔
اور وہ خود بھی خدا کیطرف سے ہو اس طبیب کی مانند ہے کہ جو بیماروں کا علاج کرتا ہے
اور جب خود بیمار ہو جائے تو اسے کسی دوسرے طبیب کیطرف مراجعت کی ضرورت
نہیں۔ بلکہ اپنا علاج خود بخود کر لیتا ہے۔ اور مثال اس شخص کی کہ مخلوقات اسکو خدا کیطرف

سے نہیں سمجھتی۔ مگر وہ خدا کیطرف سے ہوتا ہے اس طبیب کی مانند ہے کہ جو فی الحقیقت طبیب
ہو مگر مخلوقات اسے نہ جانتی ہو اور وہ مخلوقات کی مشغولی سے فارغ ہو کر اپنی اصلاح موافق
غذاؤں اور مفرح شربتوں اور معتدل ہوائے کر لیتا ہے تاکہ بیمار نہ ہو اور تمام خلق خدا
کی آنکھیں اسکے حال سے سی ہوئی ہیں اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا
وُجُوْدٍ یعنی فقر نیستی بے ہستی نہیں اور مراد اس قول سے علیحدگی ہے اسوجہ سے
کہ معدوم پر شئی کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور بجز شئی کے مراد یعنی عندیہ کا اظہار نہیں ہو
سکتا پس اس سے معلوم ہوا کہ فقر کوئی چیز نہیں اور یہ بھی واضح ہوا کہ تمام اولیاء اللہ کی
عبارتیں اور ان کا اتفاق اصلی حالت پر نہیں ہوگا اسلئے کہ وہ اپنی ذات میں فانی اور معدوم
ہونگے اور اس جگہ اس عبارت سے ذات کا معدوم ہونا چاہیں گے کیونکہ ذات سے معدوم
ہونا آفت ہے اور نیز آدمی کے اوصاف آفت ہوتے ہیں اور جب آفت کی نفی ہوئی اور
اسکی نفی فناء کی صفت ہوتی ہے اور فنا کی صفت انکی طرف سے پہنچنا اور نہ پہنچنے کا انکی
ذریعہ ہے اور خاصکر ان کی عدم رفتار میں وجود کی نفی کیساتھ وجود نظر آتا ہے اور اسی میں
ہلاک ہو جاتے ہیں اور مصنف کہتا ہے کہ میں نے متکلمین کا ایک گروہ ایسا دیکھا کہ جنہوں
معنی سمجھے ہوئے نہ تھے۔ اور اس پر ہنستے تھے کہ یہ سخن معقول نہیں۔ اور میں نے مدعیوں کا
ایک گروہ ایسا بھی دیکھا کہ جو اس سخن نامعقول کو اعتماد اور اعتقاد کی بنا پر قبول کئے ہوئے تھا
اور انہیں اصل قصہ کی مطلق واقفیت نہ تھی اور کہتے تھے اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُوْدٍ یعنی فقر
نیستی بدون ہستی کا نام ہے۔ اور یہ دونوں گروہ خطا پر ہیں۔ ایک نے تو بسبب جہالت
کے حق کا انکار کیا اور دوسرے نے جہالت ہی کو اپنا حال قرار دیا اور قبول کیا اور اس گروہ کی
عبارتوں میں عدم اور فنا سے مراد برے ذریعے اور ناپسندیدہ صفتوں سے گذر کر
پسندیدہ صفتوں کا طالب ہوتا ہے یہ نہیں کہ وجود کے طلب کے ذریعہ لاہی فنا ہونا
ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ درویش اپنے تمام معانی میں خالی اور اپنے تمام اسباب میں بیگانہ
ہے مگر درویش اللہ عزوجل کے اسرار کی گذرگاہ ہے جبکہ اسکے کام اسکے حاصل کئے ہوئے نہیں
اور اسکے فعل کو اس کیساتھ نسبت نہ ہو اور نیز معنی کو بھی اس کیساتھ تعلق ہو جب اسکے کام

کسب کی قید سے خلاصی حاصل کرینگے تو فعل کی نسبت اس سے قطع ہو جائیگی اسوقت جو
کچھ اس پر وارد ہوگا اسکی گذرگاہ ہوگا نہ راہ چلنے والا پھر وہ کسی چیز کو اپنی طرف نہ کھینچے
گا اور نہ اپنے آپ سے دفع کرسکیگا سب کو خدا کیطرف سے جانتا رہیگا اور خدا کے
مشاہدہ کا نشان خیال کرتا رہیگا! مصنف کہتا ہے کہ میں نے ایک گروہ زبان آوروں
کا دیکھا کہ ان کے کمال کی نفی وجود کی نفی کے ادراک سے عین فقر ہی ظاہر تھی اور
یہ بات بڑی عزیز ہوتی ہے اور میں نے دیکھا کہ ان کی نفی کی مُراد حقیقت فقر سے عین
فقر میں نفی صفت کا ظاہر کرنا تھا اور یہ بھی میں نے دیکھا کہ طلب حق اور حقیقت کی نفی کا نام اہل
نے فقر اور تصوّف رکھا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ انکی خواہش نفسانی کا ثبوت کل کی نفی ظاہر
کررہا تھا! اور ہر شخص فقر کے درجہ میں پڑا ہوا تھا اسلیے کہ خاص مرد کو اس بات کا معلوم کر
لینا کمال ولایت کی نشانی ہوتی ہے اور اس بات کے قصد کرنیکی دوستی کرنی بے انتہا انتہا
ہے اور اس معنی کے عین کیساتھ دوستی کرنا کمال کا محل ہے پس اس قصّہ کے طالبوں کیلئے
سوائے انکی راہ پر چلنے اور انکے مقامات کو طے کرنے اور انکی عبارات کو جاننے کے کوئی چارہ
نہیں تاکہ خصوصیت کے محل میں بلند رہیں اسلیئے کہ عوام اصل اصول سے روگردانی کرنیوالے
ہوتے ہیں اور عوام فرع فروع کی طرف پہنچنے والے ہوتے ہیں اور وہ شخص جو فروع سے رہ جائے
اس کا اصول کیساتھ کیا نسبت ہے اور جب اصول سے رہ جائیگا تو اس کو کوئی جگہ بیٹھنے
کی نہ ملے گی! اور یہ سب باتیں میں نے اسلیئے بیان کی ہیں تاکہ راستہ ان معانی کا تو اختیار کرے
اور ان کے حق کی رعایت میں مشغول ہو اور اب میں تھوڑے سے اصول اور رمزیں اور
اشارے اس گروہ کے تصوف کے باب میں بیان کرونگا اور اسی وقت بزرگان دین کے نام معرض
تحریر میں لاؤنگا اور نیز اسی وقت مشائخ متصوفہ کے مذہبوں کا اختلاف بیان کروں گا
اور نیز اسی باب میں شریعتوں اور معارف اور حقائق کے احکام بیان کرونگا اور اسوقت
ان کے مقاموں کے رموز اور آداب بقدر طاقت احاطہ تحریر میں لاؤنگا تاکہ تجھ پر
اور اس کے پڑھنے والوں پر حقیقت منکشف ہو جائے۔

وباللہ التوفیق۔

تیسرا باب تصوف کے بیان میں

اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ترجمہ اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلام کہتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا یُؤَمِّنُ عَلٰی دُعَائِهِمْ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغٰفِلِیْنَ (ترجمہ) جو اشخاص تصوف والوں کی آواز سنکر آمین نہیں کہتے اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھے جاتے ہیں" اور لوگوں نے اس نام کی تحقیق میں بہت کلام کیا ہے ایک گروہ تو صوفی کو صوفی اسلئے کہتا ہے کہ وہ پہلی صفت میں ہونگے اور ایک گروہ یوں کہتا ہے کہ چونکہ وہ صوف کے کپڑے اوڑھتے تھے اس لئے صوفی کے نام سے مشہور ہوئے اور ایک گروہ نے کہا کہ صوفی صفا سے مشتق ہے" الغرض ہر کسی کے ان معنوں میں اور اس طریقہ کی تحقیق میں بہت سے نکتے ہیں - پس لفظ صفا ہی از روئے لغت ٹھیک بیٹھتا ہے اور یہی سب معنوں سے عمدہ ہے اور اسکی ضد کدر ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْیَا وَبَقِیَ کَدَرُهَا۔ اور عمدہ چیزوں کا نام بھی صفو ہوتا ہے پس جب انہوں نے اپنے اخلاق اور معاملات کو مہذب بنایا اور آفتوں اور بلاؤں سے اپنی طبیعت کو پاک و صاف کیا تو ان کا نام صوفی رکھا گیا اور لفظ صوفی اسم علم ہے اسلئے اعلام اسوجہ سے کہ ان کی بزرگی مرتبہ اسلئے ہے کہ ان کے معاملات چھپ سکتے ہیں۔ باوجود اس اس کے انکو اشتقاق کی ضرورت ہے اور اس زمانہ میں بہت سی مخلوقات کو حقتعالی نے اس قصہ اور اہل قصہ سے محجوب کیا ہے اور اس حال کی کیفیت انکے دلپر بیانتک پوشیدہ ہے کہ ایک گروہ نے اس کو مشاہدہ باطنی کے بغیر نفس انسانی ریاضت کی صلاح تصور کر لیا ہے اور ایک گروہ نے تو اسے محض بے حقیقت اور بے اصل خیال فرما لیا ہے اور ظاہر بین علماء اور بیہودوں کی تقلید میں اسکا بالکل انکار کر دیا ہے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے سے خوش ہیں کہ عوام نے انکی تقلید شروع کر دی اور

باطن کی صفائی کو دل سے بالکل مٹاکر بزرگوں اور صحابہؓ کے مذہب کو الگ رکھدیا۔
(شعر) اِنَّ الصَّفَا صِفَتُ الصِّدِّیْقِ ۔ اِنْ اَرَدْتَّ صُوْفِیًا عَلَی التَّحْقِیْقِ یعنی جان لے کہ صفا صدیق اکبرؓ کی صفت ہے اگر تو نے صوفی کی تحقیق کا ارادہ کیا تو اسکو دیکھ لے اسلئے کہ صفا کی ایک اصل ہے اور ایک فرع اسکی اصل تو دل سے غیر دل کا منقطع کر دینا ہے اور اسکی فرع دنیا غدار سے دل کو خالی کرنا ہے اور یہ دونوں صفتیں صدیق اکبر کی ہیں اسوجہ سے کہ وہ اس طریقے والوں کے امام ہیں اور ان کا دل اغیار سے اسوقت بالکل منقطع تھا جبکہ تمام صحابہ کا دل حضور علیہ السلام کی وفات کی وجہ سے شکستہ ہو رہا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو یہ حالت تھی کہ تلوار برہنہ کیئے ہوئے فرماتے تھے کہ جس کسی نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں میں اسکا سر قلم کر دونگا اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور باواز بلند فرمایا کہ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ یَعْبُدُ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ۔ خبردار جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی پوجا کرتا تھا سو وہ زندہ ہے ہرگز نہیں مریگا۔ اور پھر یہ آیت تلاوت کی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول ہوئے ہیں کیا اگر آپ فوت ہو جائیں یا قتل کیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پھر جاؤ گے یعنی جس کا معبود محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا تو وہ سمجھ لے کہ وہ رخصت ہوئے اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی پوجا کرتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ وہ زندہ ہے ہرگز نہیں مریگا اور جو شخص فانی میں دل لگاتا ہے سو جہان سے کہ فانی فنا ہو جاتا ہے اور اسکی تمام تکلیف ختم ہو جاتی ہے اور جو کوئی جان کو باقی سمجھ دالی ذات کے حوالے کر دیتا ہے تو ایسا شخص جب فنا ہوتا ہے تو اس کی بقا باقی کیساتھ رہتی ہے پس جس کسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت کی نظر سے دیکھا تو جب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بھی اس کے دل سے ساتھ ہی رخصت ہو گئی۔ اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو حضور علیہ السلام کو جانا اور

رہنا اس کے نزدیک یکساں ہوا کیونکہ بقا کی حالت میں آپ کی بقا کو حق کیسا تھ اس نے دیکھا اور فناء کی حالت میں بھی آپکی فنا کو حق کیطرف سے دیکھا سپرد کنندہ سے روگرداں ہو کر سپرد کئے گئے کیطرف منہ لایا اور قیام مُحَوَّل یعنی سپرد کیئے گئے کا ساتھ مُحَوِّل یعنی سپرد کنندہ کے دیکھا اور خدا کی تعظیم کے برابر اسکی تعظیم کی اور ماسوا خدا کے کسی سے دلی تعلق نہ رکھا اور نیز اس نے آنکھ کی سیاہی مخلوق پر نہ کھولی (شعر) مَنْ نَظَرَ اِلَی الْخَلْقِ هَلَكَ ۔ وَمَنْ رَجَعَ اِلَی الْحَقِّ مَلَكَ یعنی مخلوقات کیطرف توجہ کرنی ہلاکت کا موجب ہے اور حق کیطرف رجوع کرنا فرشتہ ہونیکی نشانی ہے۔ مگر صدیق اکبر کے دل کا خالی ہونا دنیا ئے غدار سے اسلئے تھا کہ مال ومتاع سے جو کچھ آپ رکھتے تھے سب خدا کی راہ میں دیکر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَا خَلَّفْتَ لِعِيَالِكَ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَرَسُوْلُهٗ یعنی اے صدیق تو نے اپنے مال سے اپنے اہل وعیال کیلئے کیا چھوڑا ہے عرض کی کہ دو خزانے بے انتہا چھوڑ کر آیا ہوں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ کیا ہیں۔ عرض کی کہ ایک تو اللہ عزوجل کی محبت ہے اور دوسرے اس کے رسول علیہ السلام کی پیروی اے طالب صادق ! جب دل دنیا کی صفائی کے تعلق سے آزاد ہوا تو اسکی کدورت سے ہاتھ خالی ہو گیا اور یہ سب کی سب صفت سچے صوفی کی ہوتی ہے اور اسکا انکار حق کا انکار اور کھلم کھلا مکابرہ ہے اور میں کہتا ہوں کہ صفا کدورت یعنی تیرگی کی ضد ہوتی ہے اور تیرگی بشر کی صفات سے ہے اور درحقیقت صوفی وہی شخص ہو گا جو کہ تیرگی کو چھوڑ دے۔ جیسا کہ مصر کی عورتوں پر یوسف علیہ السلام کے جمال کے لطائف اور مشاہدہ کے استغراق کی حالت میں بشریت غالب ہوتی اور وہ عکس کی طرف واپس ہوا جب غلبہ کی انتہا ہوئی تو انجام کار ان کا گذر اس پر ہوا اور بشریت کی فناء پر انکی نظر پڑی اور انہوں نے کہا۔ مَا هٰذَا بَشَرًا یعنی یہ بشر نہیں اسکو انہوں نے نشانہ بنایا اور اپنے حال کی مراد ظاہر کی لوا اسیوجہ سے طریقت کے مشائخ رحمتہ اللہ علیہم نے فرمایا ہے۔ لَيْسَ الصَّفَا مِنْ صِفَاتِ الْبَشَرِ لِاَنَّ الْبَشَرَ مَدَرٌ وَالْمَدَرُ لَا يَخْلُوْ مِنَ الْكَدَرِ یعنی صفا بشری صفات سے نہیں اسلئے کہ بشر مٹی کا ڈھیلہ ہے اور مٹی کا ڈھیلہ کدورت یعنی تیرگی اسے خالی

نہیں ہوتا اور بشر کو کدورت سے گریز نہیں پس صفا کی مثال افعال کیساتھ نہ ہوگی اور مجاہدہ سے بشریت نہیں مٹ سکتی اور افعال اور احوال کے ملاحظہ سے کسی صفائے دل کا اندازہ نہیں ہوتا اور اسکے نام کا تعلق ناموں اور لقبوں کیساتھ نہیں سچ ہے۔ اَلصَّفَا صِفَةُ الْاَحْبَابِ وَهُمْ شُمُوسٌ بِلَا سِحَابٍ یعنی صفا دوستوں کی صفت ہے اور دوست وہ آفتاب ہیں کہ جو بادلوں میں چھپے ہوئے نہیں جاننا چاہیئے کہ دوست وہ ہے جو کہ اپنی صفت کی رو سے فانی ہو اور دوستوں کی صفت کیساتھ باقی ہو اور نیز دوست وہ شخص ہے کہ اس کا احوال صاحبانِ حال کے نزدیک مثل آفتاب کے روشن ہو جیسا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پوچھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهُ بِالْاِيْمَانِ یعنی وہ ایک بندہ ہے کہ جس کا دل نور ایمان سے یہانتک منور ہے کہ اسکی تاثیر سے اسکا چہرہ قمر کی طرح روشن ہے اور اس طریقت کے بزرگوں سے ایک نے فرمایا ہے (شعر) ضِيَاءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ اِذَا اشْتَرَكَا، نَمُوْذِجٌ مِّنْ صَفَاءِ الْحُبِّ وَالتَّوْحِيْدِ اِذَا اشْتَبَكَا یعنی آفتاب اور چاند کا نور جب ایکدوسرے کیساتھ ملے تو محبت اور توحید کی صفائی کی مثل ہوتا ہے جو ایکدوسرے کیساتھ مل جائے ہاں ہوگا آفتاب اور چاند کے نور کی کیا حقیقت ہوگی جہاں جگہ خداوند جبار کی توحید اور محبت کا نور ہوگا یعنی آفتاب اور چاند کے نور کو خدا کی توحید اور محبت کیساتھ کوئی نسبت نہیں مگر دنیا میں ان دو نوروں سے کوئی نور ظاہر تر نہیں اسلئے کہ آفتاب اور چاند کے نور کو آنکھ کا نور کمال دلیل کیساتھ نہیں دیکھ سکتا جاننا چاہیئے کہ جسطرح آنکھ آسمان کے چاند اور سورج کے نور کو دیکھتی ہے اسی طرح دل معرفت اور توحید اور محبت کے نور کیساتھ خاص رحمان کے عرش کو دیکھتا ہے اور دنیا ہی میں عقبیٰ کی اطلاع پا لیتا ہے اور اس طریقت کے تمام مشائخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب بندہ مقامات کی قید سے رہا۔ احوال کی کدورت سے خالی اور تغیر اور تلون کے محل سے آزاد اور تمام عمدہ اوصاف سے موصوف ہو جاتا ہے تب وہ تمام اوصاف سے جدا ہوتا ہے یعنی بندہ کے دل میں اپنی کوئی ایسی عمدہ صفت نہیں ہوتی جو خاص طور پر اسکو دیکھے اور اس کیساتھ تعجب کرنیوالا نہ ہو اور اس کا حال عقول کے ادراک سے پوشیدہ ہو اور اسکا زمانہ بھی گمانوں کے تصرف

سے پاک وصاف ہو اور اسکی حاضری بلا غیبت ہو اور اس کے وجود یعنی ہستی کے اسباب
نہ ہوں۔ لِاَنَّ الصَّفَا حُضُوْرٌ بِلاَ ذِهَابٍ وَوُجُوْدٌ بِلاَ اَسْبَابٍ۔ یعنی تحقیق صفا تی
ایسے حضور کا نام ہے کہ جس کو غیب نہ ہو اور نیز ایسے وجود کا نام ہے جو بلا اسباب ہو اسلئے
کہ جو وجود حاضر ہوتا ہے اور غائب نہیں ہوتا یا بغیر سبب کے پایا جاتا ہے یا دریافت بے علت
ہوتی ہے اسلئے کہ جس حاضری پر پوشیدہ ہونا صورت پذیر ہو وہ حضور نہیں اور جس کیلئے
سبب پائے جائینگے وجود یعنی پایا جانا ہو اور وہ خود وجدان میں آجائے وہ وجود نہیں ہوگا
اور جب اس درجہ میں پہنچیگا تو دنیا اور عقبی میں فانی ہو جائیگا اور انسانی روش میں ربانی ہوگا۔
تو لامحالا اسکے نزدیک سونا اور ڈھیلہ ایک جیسا ہوگا اور وہ جو مخلوقات پر احکام تکلیف
کی بجا آوری اور حفاظت مشکل تھی اس پر آسان ہو جائیگی جیساکہ حارثؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا
حَارِثَةُ قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا بِاللّٰهِ حَقًّا فَقَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ يَا حَارِثَةُ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ
حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ فَقَالَ عَرَفْتُ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوٰى عِنْدِيْ
حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا فَاَسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَاَظْمَاْتُ نَهَارِيْ حَتّٰى
كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ
وَفِيْ رِوَايَةٍ يَتَعَادَوْنَ۔ اے حارث تونے صبح کسطرح کی عرض کی کہ میں نے صبح حقانی
مومن ہونیکی حالت میں کی پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا اے حارث تو اچھی طرح خیال کر کہ تو کیا
کہہ رہا ہے تحقیق ہر شئی کیلئے ایک حقیقت اور برہان ہوتی ہے سو تیرے ایمان کی برہان اور
حقیقت کیا ہے اس نے عرض کی کہ میں نے اپنے آپ کو دنیا سے علیحدہ کر لیا ہے اور
اسکی نشانی یہ ہے کہ سونا اور پتھر اور چاندی اور ڈھیلہ سب کے سب میرے نزدیک یکساں
ہیں پس رات کو جاگتا ہوں اور دن کو پیاسا رہتا ہوں یہانتک کہ میں ایسا ہو اگویا کہ دیکھ رہا
ہوں میں اپنے پروردگار کے عرش کو ظاہر اور گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں اہل جنت کو جنت میں کہ
ایکدوسرے کی زیارت کر رہے ہیں اور گویا کہ میں دوزخیوں کو آپس میں گریہ وزاری کرتے ہوئے دیکھ
رہا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ آپس میں انہیں لڑتے جھگڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں حضور

علیہ السلام نے فرمایا فَالْزِمْ قَالَهَا ثَلٰثًا اے حارثہ تو نے شناخت کر لی ہے اب ملازمت کر اس بات پر کہ سوا اس کے اور کوئی بات نہیں۔

اور صوفی ایسا نام ہے کہ اس نام سے بڑے بڑے کامل ولیوں اور محقق اولیاء کو پکارتے ہیں اور پکارتے رہے ہیں اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک شیخ ارشاد فرماتا ہے کہ مَنْ صَفَا الْحُبَّ فَهُوَ صَافٍ وَمَنْ صَفَا الْحَبِيْبَ فَهُوَ صُوْفِيٌّ یعنی وہ شخص جو کہ محبت کے واسطہ سے مصفا ہوتا ہے وہ صافی ہے اور جو شخص دوست کی محبت میں غرق ہوا اور غیر دوست سے بری ہو وہ صوفی ہوتا ہے اور لغت کی رُو سے اس اسم کا مشتق ہونا جائز نہیں کیونکہ لفظ صوفی جس سے مشتق کروگے وہ اسکی جنس کا ہوگا کیونکہ اشتقاق جنسیّت باہمی کا خواہاں ہے اور جو کدورت والا ہے وہ صفا کی ضد ہے اور کسی چیز کا اشتقاق اسکی ضد سے نہیں کر سکتے پس یہ معنی اہل تصوف کے نزدیک آفتاب سے زیادہ روشن ہیں وہ نہ تو عبارت کی حاجت رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی اشارہ کے محتاج ہیں۔ لِاَنَّ الصَّفَا مَمْنُوْعٌ عَنِ الْعِبَارَةِ وَالْاِشَارَةِ۔ اسلئے کہ جب صوفی تمام عبارات اور اشارے سے منع کیا گیا ہے تو اگر تمام جہان کے لوگ اس کے معنی کی تعبیر جانتے ہوئے یا نہ جانتے ہوئے بیان کریں تو اس نام کو کیا حیح و خطرہ ہوگا معنی کے حاصل کرنے میں پس کامل لوگ ان کو صوفی کہینگے اور انکے متعلقین اور طالبوں کو متصوف اور لفظ تصوّف باب تفعل سے ہے اور باب تفعل کا خاصہ تکلف ہے اور یہ اعلیٰ فرع ہوگی اور اس معنیٰ کا فرق لغت اور معنیٰ کے حکم سے ظاہر ہے۔ اَلصَّفَا وِلَايَةٌ وَلَهَا اٰيَةٌ وَرِوَايَةٌ وَالتَّصَوُّفُ حِكَايَةٌ لِلصَّفَا بِلَا شِكَايَةٍ یعنی صفا ولایت ہے اور اس کیواسطے نشان اور روایت ہے اور تصوّف صفا کیلئے حکایت بغیر شکایت کے ہے پس صفا کے معنی روشن اور ظاہر کے ہیں اور تصوف اس معنیٰ کی بنا پر حکایت ہے اور اس معنیٰ کے اہل اس درجہ میں تین قسم ہیں ایک صوفی دوسرا متصوّف تیسرا مستصوّف بس صوفی وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ سے فانی ہوئے اور حق کیساتھ باقی ہوا وہ طبیعت کے قبضہ سے بھی خلاصی پائے ہوئے ہو اور حق کیساتھ ملا ہوا ہو اور متصوف وہ ہے کہ جو مجاہدہ سے اس درجہ کو طلب کرتا ہے اور اپنے آپ کو طلب میں ان کے معاملہ پر درست کرتا ہے اور مستصوف وہ ہے کہ جو دنیا

کا مال متاع اور مرتبہ وعزت حاصل کرنیکے لئے اپنے آپ کو ان کی شکل کرتا ہے اور نیز ان دونوں چیزوں یعنی صفا اور تصوف سے کچھ خبر نہیں رکھتا۔ یہانتک کہ انہوں نے کہاہے کہ اَلْمُسْتَصْوِفُ عِنْدَ الصُّوْفِيَةِ كَالذُّبَابِ وَعِنْدَ غَيْرِهِمْ كَالذِّيَابِ یعنی مستصوف صوفیائے کرام کے نزدیک مانند مکھی کے حقیر چیز ہے اور جو کچھ کرتا ہے اس کے نزدیک ہوس ہوتی ہے اور غیر صوفیوں کے نزدیک مثل پھاڑ کھانیوالے بھیڑیے کے ہے اور اپنی تمام ہمت کو مردار خواری پر صرف کرتا ہے پس صوفی صاحب وصول ہوتا ہے اور متصوف صاحب اصول اور مستصوف صاحب فضول اور جس شخص کے حصہ میں وصل آیا تو وہ اپنی مراد پالینے کے سبب سے اور کسی مراد و مقصد کیطرف متوجہ نہ ہوگا۔ اور جس شخص کے حصہ میں اصل آیا تو وہ طریقت کے حالات پر جمار ہا اور طریقت کے لطیفوں میں اعتکاف کرنیوالا اور مضبوط ہوا اور جس شخص کے حصہ میں فضول آیا تو وہ سب چیزوں سے محروم رہا اور رسم کی درگاہ پر جم کر بیٹھا اور رسم کے سبب معنی کی طرف سے محجوب ہوا اور بسبب حجاب کے واصل کے وصل سے محروم اور محجوب ہوا اور اس قصہ کے مشائخ کیلئے اس معنی میں بہت سی رمزیں ہیں۔ یہانتک کہ انکا احاطہ غیر ممکن ہے لیکن ان کی بعض رمزوں کو اس کتاب میں میں بیان کروں گا۔ انشاء اللہ الرحمن و باللہ التوفیق۔

فصل پہلی

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلصُّوْفِيُّ اِذَا نَطَقَ بَانَ نُطْقُهُ عَنِ الْحَقَائِقِ وَاِنْ سَكَتَ نَطَقَتْ عَنْهُ الْجَوَارِحُ بِقَطْعِ الْعَلَائِقِ یعنی صوفی جس وقت بولتا ہے تو اسکی گویائی حقیقتوں کو ظاہر کرتی ہے یعنی وہ کوئی ایسی بات نہیں بیان کرتا جو خود اس میں نہ ہو اور جب خاموش ہوتا ہے تو یہ خاموشی اسکے حال کی تعبیر ہوتی ہے اور اس کا حال علائق کے کاٹنے پر ناطق ہوتا ہے یعنی اسکا تمام کلام اصل پر صحیح ہوتا ہے اور اس کے سب کام محض تجرید ہوتے ہیں اور جب وہ کچھ کہتا ہے تو سب حق کہتا ہے اور جب خاموش ہوتا ہے تو اس کا کام فقر پر ہوتا ہے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ نَعْتٌ اُقِيْمَ الْعَبْدُ فِيْهِ قِيْلَ نَعْتٌ لِلْعَبْدِ اَمْ لِلْحَقِّ فَقَالَ نَعْتُ الْحَقِّ حَقِيْقَةٌ وَنَعْتُ الْعَبْدِ

رسمؔ یعنی تصوف ایسی صفت کا نام ہے کہ جس میں بندہ کا قیام ہو سوال کیا گیا کہ اس صفت کا بندہ حقدار ہے یا اللہ عزوجل پس جواب میں کہا کہ اس صفت کا بندہ میں پایا جانا تو رسم کے طریق پر ہے اور اللہ عزوجل میں حقیقتہً ہے یعنی تصوف کی حقیقت تو بندہ کی صفت کے فناء کو چاہتی ہے اور بندہ کی صفت کا فناء خدا کی صفت کے بقا کیساتھ ہوتا ہے اور اس کو خدا کی نعمت کہتے ہیں اور تصوف کی رسم ہمیشہ بندہ کے مجاہدہ کی مقتضی ہے اور ہمیشہ مجاہدہ کرنا بندہ کی صفت ہوتا ہے اور جب دوسرے معنی لینے چاہو تو یوں ہوں گے کہ توحید کی حقیقت میں بندہ کیلئے صفت درست نہیں اسلئے کہ بندہ کی صفتیں دائمی نہیں اور مخلوقات کی صفت سوا رسم کے اور کچھ نہیں اسلئے کہ مخلوقات کی صفت کو بقا نہیں۔ بلکہ خداوند تعالیٰ کا فعل ہوگا پس درحقیقت صفت خدا کی ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے بندہ کو حکم دیا کہ روزہ رکھ اور روزہ رکھنے کیساتھ بندہ کا نام صائم ہوجائیگا اور رسم کی رُو سے وہ روزہ بندہ کی طرف سے سمجھا جائیگا اور حقیقت کی رُو سے روزہ حقتعالیٰ کیطرف سے سمجھا جائیگا چنانچہ حقتعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی روزہ میری ملک ہے اور میں ہی اسکا اجر دونگا اور اس کے متعلق تمام کام اللہ کی ملک ہیں۔ اور مخلوقات کا تمام چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرنا رسم اور مجاز کے طریق پر ہے حقیقت کے طریق پر نہیں اور ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلتَّصَوُّفُ تَرْکُ کُلِّ حَظٍّ لِلنَّفْسِ۔ یعنی تصوف تمام نفسانی لذتوں کے ترک کردینے کا نام ہے اور اسکی دو قسمیں ہیں ایک رسم دوسرا حقیقت رسم کے تو یہ معنی ہیں کہ اگر وہ لذت نفسانی کا ترک کرنیوالا ہے تو لذت کا ترک کردینا بھی لذت ہے۔ بس یہ رسم کہلائیگی اور اگر لذت خود بخود اس کو چھوڑنے والی ہو تو یہ لذت کا فناء ہے اور ان معنی کا تعلق حقیقت میں مشاہدہ ہوتا ہے پس لذت کو ترک کردینا بندہ کا فعل ہے اور لذت کو فنا کردینا خداوند عالم کا فعل ہے اور بندہ کا فعل تو رسم اور مجاز کہلاتا ہے اور حقتعالیٰ کا فعل حقیقت کہلاتا ہے اور اس قول سے حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کی کماحقہٗ توضیح ہوگئی جو اس سے پیشتر بیان کیا گیا ہے۔ اور ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلصُّوْفِیَۃُ ھُمُ الَّذِیْنَ صَفَتْ اَرْوَاحُھُمْ فَصَارُوْا

فِي الصَّفِّ الْاَوَّلِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَقِّ یعنی صوفی وہ لوگ ہیں کہ جن کی جانیں بشریت کی تیرگی
سے آزاد ہوئیں اور نفسانی آفتوں سے پاک و صاف ہو کر اور خواہش نفسانی سے نجات حاصل کر کے
پہلی صف اور درجہ اعلیٰ میں حق جل و علا کے دیدار سے آرام و تسکین یاب ہوئیں اور غیر خدا سے
بھاگیں اور ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلصُّوْفِيُّ الَّذِيْ لَا يَمْلِكُ وَلَا يُمْلَكُ
یعنی صوفی وہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز اسکی قید میں نہ ہو اور نہ وہ خود ہی کسی چیز کی قید میں ہو اور یہ
مراد عین فناء ہی ہوتی ہے اسلئے کہ کوئی فانی صفت والا نہ تو مالک ہی ہو سکتا ہے اور نہ مملوک
اسلئے کہ مالک ہونیکی صحت موجودات پر درست آسکتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ صوفی
جیسے دنیا کے مال و متاع سے کوئی چیز اپنی ملک نہیں رکھتا ویسے ہی عقبیٰ کی زینت سے بھی کسی
چیز کو اپنی ملک نہیں رکھتا اسلئے کہ خود اپنے نفس کے حکم اور ملک میں نہیں ہوتا اپنا با دشاہی ارادہ
غیر سے توڑ لیتا ہے تاکہ غیر اس سے بندگی کی حرص نہ رکھے اور جو لوگ فناءکل کے قائل ہیں ان کے
لئے یہ قول لطیف ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کے غلط کا رنامے اس کتاب میں تجھکو مطلع کرنیکے
لئے لائیں گے ابن الجلالی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلتَّصَوُّفُ حَقِيْقَةٌ لَا رَسْمَ
یعنی تصوف حقیقت ہے رسم نہیں اسلئے کہ رسم مخلوق کے نصیب میں ہے تمام معاملات
میں اور حقیقت اللہ عزوجل کا خاصہ ہے اور جب تصوف مخلوقات سے اعراض کرنیکا نام ہے
تو لا محالہ اس کیلئے رسم نہ ہوگی اور ابو عمر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلتَّصَوُّفُ
رُؤْيَةُ الْكَوْنَيْنِ بِعَيْنِ النَّقْصِ بَلْ غَضُّ الطَّرْفِ عَنِ الْكَوْنِ یعنی تصوف دونوں
جہان کو عین نقصان میں دیکھنے کا نام ہے اور یہ صفت کے بقا کی دلیل ہے بلکہ تیرے لئے
لازمی ہے کہ تو دونوں جہان سے آنکھ بند کر لیوے تاکہ یہ صفت کے فنا کی دلیل ہو جائے
اسلئے کہ نظرِ کون وجود میں ہوگی جب کون کا وجود ہی نہ رہیگا تو نظر بھی نہ رہیگی اور کون کے
وجود سے آنکھ کا بند کر لینا ربانی بصیرت کا بقا ہے یعنی جو شخص اپنے آپ سے اندھا ہو جائے
وہ خداوند کریم کو دیکھ سکتا ہے اسلئے کہ کون یعنی وجود کا طالب بھی طالب ہوتا ہے اسکا
کام اس سے اسکی طرف ہوتا ہے اور اس کو اپنے آپ سے باہر کوئی راستہ نہیں ملتا پس ایک تو
محض اپنے آپ کو بصارت ناقصہ سے دیکھتا ہے اور ایک اپنے آپ سے آنکھ میچ لیتا ہے

اور کچھ نہیں دیکھتا اور وہ جو دیکھتا ہے اگرچہ ناقص طور پر دیکھتا ہے اسکی آنکھ پر پردہ ہے اور وہ جو دیکھتا ہے وہ اپنی بینائی میں پوشیدہ ہوتا ہے اور وہ جو نہیں دیکھتا وہ اپنی بینائی میں پوشیدہ نہیں ہوتا اور اصحاب معانی کے نزدیک یہ طریق تصوف میں اصل قول ہے مگر یہ موقع اس کلام کی شرح کا نہیں ہے، اور ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلتَّصَوُّفُ شِرْکٌ لِاَنَّہٗ صِیَانَۃُ الْقَلْبِ عَنْ رُؤْیَۃِ الْغَیْرِ وَلَا غَیْرَ یعنی تصوف شرک ہے کیونکہ تصوف دل کو غیر کیطرف نظر نہ کرنے کا نام ہے اور جب غیر کوئی ہے ہی نہیں اور جب توحید کے ثابت کرنیکے لئے غیر کا دیکھنا شرک ہوا - تو دل میں غیر کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوئی پس دل کا غیر کے ذکر سے کان بند رکھنا بھی محال ہوا اور حصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ کُدُوْرَۃِ الْمُخَالَفَۃِ یعنی تصوف دل اور سر کو مخالفت کی کدورت سے پاک صاف رکھنے کا نام ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سر کو حق کی مخالفت سے نگاہ رکھے اس لئے کہ دوستی موافقت ہوتی ہے اور مخالفت کی ضد موافقت ہے اور دوست کو تمام جہان میں سوا دوست کے فرمان کی حفاظت کے کچھ نہ چاہیئے اور جب مراد ایک ہوگی تو مخالفت کیسے سورت اختیار کریگی اور محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہم فرماتے ہیں کہ اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلُقِ زَادَ عَلَیْکَ فِی التَّصَوُّفِ یعنی تصوف نیک خوئی کا نام ہے جو شخص نیکخوئی میں بڑھکر ہوگا وہ تصوف میں بھی بڑھکر ہوگا اور خوئے نیک دو طرح پر ہے ایک حق جل و علا کیساتھ اور دوسرے مخلوق کیساتھ اور حق کیساتھ نیکخوئی کے یہ معنی ہیں کہ اسکی قضا پر راضی ہو اور مخلوق کیساتھ نیکخوئی کے یہ معنی ہیں کہ انکی صحبت کا بوجھ خدا کیلئے اٹھائے ، اور یہ دونوں وجہیں طالب کی طرف رجوع کرتی ہیں اور طالب کے غضب اور رضا کے مقابلہ میں حقتعالی کیلئے تو محض استغناء کی صفت پائی جاتی ہے ، اور یہ دونوں صفتیں اسکی وحدانیت کی نظارہ میں مفید ہیں اور ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں اَلصُّوْفِیُّ لَا یَسْبِقُ ھِمَّتُہٗ خُطْوَتَہٗ اَلْبَتَّۃَ یعنی صوفی وہ ہوتا ہے کہ جس کا اندیشہ اس کا ہمقدم ہو اور اس سے سبقت نہ لے جائے یعنی دل پوری طرح حاضر ہو اور اس جگہ ہو جہاں بدن ہے اور بدن اس جگہ ہو جہاں دل ہے اور دل اس جگہ ہو جہاں قدم ہے اور قدم اس جگہ ہو جہاں دل ہے اور قول اس جگہ ہو جہاں قدم ہے اور قدم اس جگہ ہو جہاں قول ہے

اور یہ حضوری دل حاضر رہنے کی نشانی ہے بخلاف اس کے جو کہتے ہیں کہ دل اپنے آپ سے غائب ہے اور حق کیساتھ ظاہر ہے۔ نہیں بلکہ حق کیساتھ ظاہر ہوتا ہے اور اپنے آپ کیساتھ حاضر ہوتا ہے۔ اور یہ مراد جمع الجمع سے ہے اسلئے کہ جبتک اپنے آپ کی رویت ہوتی ہے اپنے آپ سے غیبت نہیں ہوتی جب رویت الٰہی حضوری بے غیبت سے حاصل ہوتی اور ان معنوں کا تعلق شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ہے آپ فرماتے ہیں کہ اَلصُّوفِیُّ لَا یَریٰ فِی الدَّارَیْنِ مَعَ اللّٰہِ غَیْرَ اللّٰہِ یعنی صوفی وہ ہوتا ہے کہ دونوں جہان میں بجز اللہ عزوجل کے اور کسی کو نہ دیکھے اور خلاصہ یہ ہے کہ بندہ کی ہستی غیر ہوتی ہے جب غیر کو نہ دیکھے گا اپنے آپ کو بھی نہ دیکھیگا اور نیز اپنے اثبات اور نفی کی حالت میں اپنے آپ سے بکلی فارغ ہو گا اور جنید رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں اَلتَّصَوُّفُ مَبْنِیٌّ عَلٰی ثَمَانِ خِصَالٍ اَلسَّخَاءُ وَالرِّضَاءُ وَالصَّبْرُ وَالْاِشَارَۃُ وَالْغُرْبَۃُ وَلُبْسُ الصُّوْفِ وَالسِّیَاحَۃُ وَالْفَقْرُ اَمَّا السَّخَاءُ فَلِاِبْرٰہِیْمَ وَاَمَّا الرِّضَاءُ فَلِاِسْمٰعِیْلَ وَاَمَّا الصَّبْرُ فَلِاَیُّوْبَ وَاَمَّا الْاِشَارَۃُ فَلِزَکَرِیَّا وَاَمَّا الْغُرْبَۃُ فَلِیَحْیٰی وَاَمَّا لُبْسُ الصُّوْفِ فَلِمُوْسٰی وَاَمَّا السِّیَاحَۃُ فَلِعِیْسٰی وَاَمَّا الْفَقْرُ فَلِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتیں ہیں جو آٹھ پیغمبروں کی پیروی کا نتیجہ ہیں سخاوت میں تو ابراہیم علیہ السلام ایسے تھے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں فدا کیا اور رضا میں اسمٰعیل ہیں کہ انہوں نے خدا کی رضا میں اپنی جان کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ اور صبر میں ایوب علیہ السلام ہیں کہ انہوں نے خدا کی غیرت اور کیڑے پڑجانے پر صبر کیا۔ اور اشارت میں زکریا علیہ السلام ہیں جیسا کہ خداتعالیٰ نے فرمایا اَنْ لَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا۔ یعنی نہ کلام کر تو لوگوں سے تین دن مگر اشارے سے اور اس صورت میں یہ بھی فرمایا اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا۔ یعنی اس نے پکارا اپنے پروردگار کو پکارنا آہستہ اور غربت میں یحییٰ علیہ السلام ہیں جو اپنے وطن میں اپنے خویشوں سے بیگانہ رہے۔ اور صوف پوشی میں موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اون کے کپڑے پہنتے تھے اور سیر کرنے میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں وہ اپنی سیر سیاحت میں ایسے تنہائی پسند تھے کہ بجز کنگھی اور پیالے کے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتے تھے اور جب کسی کو آپ نے اپنے ہاتھ سے پانی پیتے ہوئے دیکھا تو پیالہ بھی پھینک دیا اور جب کسی شخص کو آپ نے دیکھا کہ وہ انگلیوں سے اپنے بالوں کا

خلال کر رہا ہے تو آپ نے کنگھی کو بھی پھینک دیا اور فقر کیساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم موصوف ہوتے اسلئے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں حضور علیہ السلام کے پاس بھیجیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ آپ محنت و شفقت نہ اٹھائیں ان خزانوں سے آپ اپنی شان و شوکت کی آرائش فرماویں تو حضور علیہ السلام نے عرض کہ یا بارِ خدایا میں ان کو نہیں چاہتا بلکہ یہی چاہتا ہوں کہ ایک روز پیٹ بھروں اور دو روز بھوکا رہوں اور یہ اصول معاملت میں بہت اچھا ہے اور عصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلصُّوْفِی لَا یُوْجَدُ بَعْدَ عَدَمِہٖ وَلَا یُعْدَمُ بَعْدَ وُجُوْدِہٖ یعنی صوفی وہ ہوتا ہے کہ جس کی ہستی کیلئے نیستی نہ ہووے اور اس کی نیستی کیلئے ہستی نہ ہو یعنی وہ جو کچھ پاتا ہے اس کو گم نہیں کرتا اور جو کچھ گم کرتا ہے اس کو کبھی نہیں پاتا اور اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس کی یافت کو نایافت نہ ہو اور نیز اس کی نایافت کو یافت نہ ہو۔ یہانتک کہ اثبات بے نفی ہو اور یا نفی بے اثبات ہو، اور سب عبارت کی مراد یہ ہے، کہ اس کی بشریت کا حال بکلی ساقط ہو جائے اور اس کے شواہدات جسمانی بالکل معدوم ہو جائیں اور اس کی نسبت سب سے منقطع ہو جائے تاکہ بشریت کا بھید اس شخص کے حق میں ظاہر ہو کہ اس کے تفرقات اپنی ذات میں جمع ہو جائیں اور آپ خود بخود اپنی ذات سے قائم ہو جائے، اور یہ صورت دو پیغمبروں میں ظاہر ہو سکتی ہے، ایک تو موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ ان کے وجود میں عدم نہ تھا اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ یعنی اے میرے پروردگار میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام میرے لئے آسان فرما، اور دوسرے رسول علیہ السلام ہیں اسلئے کہ آپ کے عدم میں وجود نہ تھا اسی لئے اللہ عزوجل نے فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ یعنی کیا ہم نے تیرے سینے کو نہیں کھولا ایک نے تو آرائش چاہی اور زینت طلب کی اور دوسرے کو بغیر خواہش کے خود بخود آراستہ فرمایا اور علی بن بندار صیرفی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ اِسْقَاطُ الرُّؤْیَۃِ بِالْحَقِّ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا یعنی تصوف وہ ہوتا ہے کہ اس کا صاحب اپنے ظاہر اور باطن کو نہ دیکھے اور بالکل حق کا مشاہدہ کرے جیسا کہ اگر تو ظاہر پر نگاہ کرے تو اس ظاہر پہ خداوند تعالیٰ کی موافقت کرنیکا نشان پائے اور اگر ظاہر معاملات پر تو نگاہ کرے تو خداوند تعالیٰ کی توفیق کے پہلو میں خود کو مچھر کے پر کے بھی برابر نہ پائے گا

اور ظاہری رویت کو ترک کر کے جب تو باطن میں توجہ کریگا۔ تو خداوند تعالیٰ کی تائید کا نشان باطن میں پا ئیگا ! ور جب تو معاملات باطن میں توجہ کریگا۔ تو خداوند تعالیٰ کی تائید کے پہلو میں ایک ذرہ کی مقدار میں نظر آئے گا۔ تجھے باطن کی بھی ترک کرنی چاہیئے تا کہ حق تعالیٰ کو دیکھ سکے پس جب تو پورا پورا حق تعالیٰ کو دیکھ لیگا تو اپنے آپ کو بالکل نہ دیکھیگا محمد بن احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ اِسْتِقَامَۃُ الْاَحْوَالِ مَعَ الْحَقِّ یعنی تصوف حق تعالیٰ کیساتھ احوال کی استقامت ہے یعنی وہ احوال جو صوفی کو حال سے نہ کریں اور نہ ہی کجی میں ڈالیں اسلئے کہ جس کسی کا دل حالات بدل دینے والے کا شکاری ہو اسکو استقامت کے درجہ سے نہیں گراتا اور نہ خداوند تعالیٰ کی جانب جانے سے روک سکتا ہے۔

فصل پانچویں معاملاتِ تصوف کے بیان میں

ابو حفص حداد نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلتَّصَوُّفُ کُلُّہٗ اَدَبٌ وَلِکُلِّ وَقْتٍ اَدَبٌ وَلِکُلِّ مَقَامٍ اَدَبٌ وَلِکُلِّ حَالٍ اَدَبٌ فَمَنْ لَزِمَ آدَابَ الْاَوْقَاتِ بَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ وَمَنْ ضَیَّعَ الْاٰدَابَ فَھُوَ بَعِیْدٌ مِنْ حَیْثُ یَظُنُّ الْقَبُوْلَ یعنی تصوف سب کا سب ادب ہے اسلئے کہ ہر وقت اور مقام اور ہر حال کیلئے ادب ہوتا ہے جو شخص وقتوں کے ادب کو ملحوظ رکھتا ہے وہ مردوں کے درجہ تک پہنچتا ہے اور جو شخص ادب کو ضائع کرتا ہے وہ قرب کے مکان سے دور ہو جاتا ہے اور حق کی قبولیت سے بوجہ گمان نکل جاتا ہے اور یہ معنی بالکل ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قریب ہیں آپ فرماتے ہیں لَیْسَ التَّصَوُّفُ رُسُوْمًا وَلَا عُلُوْمًا وَلٰکِنَّہٗ اَخْلَاقٌ یعنی تصوف نہ تو رسم کا نام ہے نہ علم کا بلکہ وہ اخلاق کا نام ہے یعنی اگر رسم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہو جاتا اگر علوم کا نام تصوف ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہو جاتا لیس تصوف تو اخلاق ہی اخلاق ہے جبتک تو خود اس کا طالب نہ ہوگا اور اسکا معاملہ اپنے ساتھ درست نہ کریگا اور اس کا انصاف اپنی ذات سے نہ دیگا تو وہ ہرگز حاصل نہ ہوگا اور رسوم اور اخلاق کے درمیان فرق یہ ہوتا ہے کہ رسوم تو اس فعل کو کہتے ہیں کہ جس کا حصول تکلف اور اسباب کیساتھ ہو جیسا کہ ظاہر باطن کیخلاف ہوتا ہے ویسا ہی فعل معنی سے خالی ہوتا ہے

اور اخلاق اس فعل محمود کا نام ہے جو بغیر تکلف اور اسباب کے حاصل ہو اور اس کا ظاہر باطن کے موافق ہوتا ہے۔ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں اَلتَّصَوُّفُ حُسْنُ الْخُلُقِ یعنی تصوف نیک خلق کا نام ہے، اور اس کی تین قسمیں ہیں ایک تو نیک خلقی حق جل وعلا کے ساتھ ... یعنی اسکے تمام حکموں کی تعمیل بغیر ریا کے .... اور دوسری نیک خلقی مخلوقات کیساتھ اور وہ یہ کہ اپنے سے بزرگوں کی عزت کا پاس کیا جائے اور اپنے چھوٹوں سے شفقت کا برتاؤ کیا جائے اور اپنے ہم رتبوں سے مساوات رکھی جائے اور کسی سے معاوضہ اور انصاف کی خواہش نہ کی جائے اور تیسری نیک خلقی یہ ہے کہ شیطان اور خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کی جائے جو شخص ان تینوں معنی کی رو سے اپنے آپ کو درست کر لیتا ہے وہی نیک خلق کہلاتا ہے، اور یہ جو میں نے بیان کیا ہے یہ بالکل اس بیان کے موافق ہے جو کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق پوچھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اے سائل قرآن پڑھ اسلئے کہ حق تعالی نے اپنے حبیب علیہ السلام کے خلق سے اس جگہ اطلاع دی ہے جہاں فرمایا خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ۔ (ترجمہ) معافی کو لازم پکڑو اور نیکی کا حکم کرو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو اور مرتعش رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ هٰذَا مَذْهَبٌ كُلُّهٗ جِدٌّ فَلَا تَخْلِطُوْا بِشَیْءٍ مِّنَ الْهَزْلِ یعنی یہ تصوف کا مذہب سب کا سب غور و فکر کا ہے اسکو بے ہودگی سے نہ ملاؤ۔ اور رسم کی پابندی کرنیوالوں کے معاملہ سے برکنار رہو اور تصوف کیوجہ سے اہل تقلید سے بھاگو جب علماء نے اہل زمانہ کو دیکھا اور زمانے کے رسمی صوفیوں کو بھی انہوں نے دیکھا اور انکے رقص و سرود کرنیکو بھی دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ یہ لوگ بادشاہوں کے دربار میں اپنی خوراک و وظیفہ وغیرہ کیلئے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور خصومت کا لقمہ ان کے نصیب ہوا ہے تو وہ سب سے بدگمان ہوگئے۔ اور علماء نے کہا کہ در اصل انکا معاملہ یہی ہے اور ان سے پہلے صوفیوں کا بھی یہی طریقہ ہوگا۔ اور یہ معلوم نہ کیا کہ یہ زمانہ تو دین کی سستی اور بلا کا ہے بلاشبہ حرص بادشاہوں سے ظلم کراتی ہے اور طمع علماء سے فسق کراتا ہے اسی طرح ریا زاہدوں کو نفاق میں ڈالتا ہے اور خواہش نفسانی صوفی کو رقص اور سرود میں مبتلا کرتی ہے۔

تم خوب جان لو کہ اہل طریقت تو تباہ ہو جاتے ہیں مگر اصل طریقت والے کبھی تباہ نہیں

ہوتے اور یہ بھی جان لو کہ بیہودہ لوگ اگر اپنی بیہودگی کو ہزار کوشش سے پوشیدہ کریں تو بھی ان کی بیہودگی، بیہودگی ہی رہے گی۔

ابو علی قزوینی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ اَخْلَاقُ الرَّضِیَّۃِ۔ یعنی تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے اور پسندیدہ کام وہ ہے کہ جس میں بندہ اپنے تمام احوال میں خدا کو کافی سمجھتا ہو یعنی خدا کی رضا کیساتھ راضی ہو اور ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں اَلتَّصَوُّفُ ھُوَالْحُرِّیَّۃُ وَالْفُتُوَّۃُ وَتَرْکُ التَّکَلُّفِ وَالسَّخَاءُ وَبَذْلُ الدُّنْیَا یعنی تصوف آزادی کا نام ہے اس لئے کہ بندہ ہوا و حرص کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور جوانمردی یہ ہے کہ کسی کا احسان نہ اٹھائے اور ترک تکلف یہ ہے کہ اپنے متعلقات اور نصیب کے بارہ میں فکر نہ کرے اور سخاوت یہ ہوتی ہے کہ دنیا کو اہل دنیا کیلئے چھوڑ دے اور ابوالحسن الوشحنہ رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں اَلتَّصَوُّفُ اَلْیَوْمَ اِسْمٌ وَلَا حَقِیْقَۃٌ وَقَدْ کَانَ حَقِیْقَۃٌ یعنی تصوف کا نام آج کے دن بے حقیقت ہے اور اس سے پیشتر نام تو نہیں تھا مگر اس کی حقیقت ضرور تھی یعنی صحابہ اور سلف رحمہم اللہ ... کے وقت میں تصوف کی حقیقت تو تھی مگر خالی نام نہیں تھا اور تصوف کی حقیقت ہر ایک میں تھی اب نام تو ہے مگر معنی یعنے حقیقت نہیں یعنی معاملات معلوم تھے اور دعوی مجہول تھا۔ اب دعوی نے تو شہرت پکڑ لی مگر معاملات یعنی برتاؤ مجہول ہیں اب اس قدر تحقیق مشائخ کے مقالات سے میں اس لئے لایا ہوں کہ تصوف کے بارے میں کہ اللہ عزوجل سب تجھے نیک بخت کرے راستہ کھل جائے اور تم تصوف کے منکروں سے کہو کہ تمہاری مراد تصوف کے انکار کرنے سے کیا ہے اگر محض نام کا انکار مراد ہے تو کچھ حرج نہیں اسلئے کہ معنی مسمیات کے حق میں بیگانہ ہوتے ہیں اگر عین ان معانی کا انکار کرتے ہو تو یہ انکار کل شریعت کا انکار ہے اور نیز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل حمیدہ کا انکار ہے اے طالب صادق! اللہ عزوجل تجھے اس امر میں سعادتمند فرماوے کہ جن سے اس نے اپنے تمام اولیاء کو سعادتمند فرمایا ہے میں تجھے اس کتاب میں وصیت کرتا ہوں تاکہ اسکے حق کی تو رعایت اختیار کرے اور انصاف سے کام لے تاکہ تیرا دعوی جھوٹا ہو اور تو اہل تصوف کیساتھ نیک اعتقاد والا ہو جائے وباللہ التوفیق۔

چوتھا باب (۴) گودڑی پہننے والوں کے بیان میں

جان تو کہ صوفیوں کا نشان گودڑی پہننا ہے اور نیز گودڑی کا پہننا سُنّت ہے اس وجہ سے کہ فرمایا حضور علیہ السّلام نے عَلَیْکُمْ بِلُبْسِ الصُّوْفِ تَجِدُوْنَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔ یعنی صوف کا لباس اختیار کرو اپنے دلوں میں ایمان کی مٹھاس پاؤ گے۔ اور ایک اصحابی نے بھی فرمایا ہے کہ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُ الصُّوْفَ وَ یَرْکَبُ الْحِمَارَ۔ یعنی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم صوف پہنتے تھے اور نیز گدھے کی سواری بھی کرتے تھے اور نیز فرمایا حضور علیہ السّلام نے لَا تُضَیِّعِی الثَّوْبَ حَتّٰی تُرَقِّعِیْہِ۔ یعنی اے عائشہ رضؓ کپڑے کو ضائع مت کرو جب پھٹے پیوند لگا لیا کرو اور نیز عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ تیس عدد پیوند والا کپڑا اگاہے گاہے پہنتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اچھا کپڑا وہ ہے کہ جس کی قیمت کم ہو اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا کرتہ پہنتے تھے کہ جس کی آستین انگلیوں کے برابر ہوتی تھی اور نیز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے تقصیر جامہ کا حکم عنایت فرمایا جبکہ کہا وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ اَیْ فَقَصِّرْ۔ یعنی اپنے کپڑوں کو زوائد سے پاک صاف کر۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے اُن ستّر اصحاب کو جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے صوف کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی تجرید کی حالت میں صوف کے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے پیوندوں والی گودڑی پہنی ہوئی تھی اور حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ہرم بن حیان رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ پشم کے کپڑے کہ جن پر چیتھڑے لگے ہوئے تھے پہنے ہوئے تھے۔ اور حسن بصری اور مالک دینار اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کے سب پیوندوں والی گودڑی پہنا کرتے تھے۔ اور کتاب تاریخ مشائخ میں جو کہ محمد بن علی

ترمذی کی تصنیف ہے لکھا ہوا ہے کہ امام ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ابتدا میں صوف پوش تھے۔ اور عزلت یعنی گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھے۔ یہانتک کہ ایک روز جناب حضور علیہ السلام آپ کو خواب میں ملے اور فرمایا کہ تجھے میری سنت کے زندہ کرنیکے لئے لوگوں میں رہنا چاہیئے اسی وقت آپ نے گوشہ نشینی کو ترک فرمایا۔ اور کبھی گراں قیمت والا آپ نے لباس نہ پہنا۔ اور داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ بھی صوف پوش تھے حالانکہ آپ کا شمار محقق صوفیوں میں ہے۔ اور حضرت ابراہیم ادھم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کے پاس پشم کا کپڑا کہ جس پر پیوند لگے ہوئے تھے پہنکر گئے تو امام ابوحنیفہ رضی کے شاگردوں نے آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ہمارے سردار حضرت ابراہیم ادھم تشریف لائے ہیں آپ کے شاگردوں نے آپس میں کہا کہ امام کبھی ہنسی کی بات نہیں کرتے۔ اس نے سیادت کا درجہ کسطرح پالیا ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ انہیں یہ رتبہ اسلئے ملا کہ یہ ہمیشہ اللہ عزوجل کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ہم صرف اپنے آپ کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ اسلئے یہ ہمارے سردار ہوئے۔ اب زمانہ کے بعض لوگ گودڑی اور پھٹے ہوئے کپڑے پہننے سے لوگوں میں مرتبہ اور زینت چاہتے ہیں اور باطن کو ظاہر کے موافق نہیں رکھتے۔ تو یہ بھی درست ہے کیونکہ تمام لشکر میں مرد میدان بہادر صرف ایک ہی ہوتا ہے اور نیز سب گروہوں میں محقق تھوڑے سے ہی ہوتے ہیں لیکن ان سب کی نسبت انہیں کی طرف کی جاتی ہے جن سے ان کی کسی نہ کسی کام کی رو سے .... مماثلت ہو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی جو شخص افعال ان اور قول فعل میں کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو اس کا شمار اسی قوم سے ہوتا ہے لیکن ایک گروہ کی نظر ان کے ظاہری معاملات کی رسم پر پڑتی ہے اور ایک گروہ ان کے باطن کی صفائی اور بھید کو اور نیز ان کی جلاءِ خاطر اور طبیعت کی لطافت اور مزاج کے اعتدال کو ان کے اسرار کے ساتھ ملاحظہ کرتا ہے۔ تاکہ محققوں کا قرب اور ان کی رفعت ان کو نظر آئے اور اس مرتبہ والوں کی ارادت ان کی دامنگیر ہو جاتی ہے اور انسے تعلق پیدا کر لیتے ہیں اور ایکی بصیرت اور

ابتدائے حال میں نفس سے رُوگردانی اور خواہش نفسانی سے الگ رہنے کی وجہ سے یہ تعلق پیدا ہوتا ہے اور ایک دوسرے گروہ کو ان کے بدن کی صلاحیت اور دل کی عفت اور سینے کی سلامتی ملحوظ ہوتی ہے اور انکے ظاہر کو دیکھکر آرام پاتے ہیں تاکہ شریعت پر عمل اور اس کے آداب کی محافظت کریں اور ان کے معاملات کی خوبی دیکھتے ، اور انکی صحبت کا قصد کرتے ہیں۔ اور ایک گروہ کو انسانیت کی مروت اور ہمنشینی کا طریقہ اور سیرت کی خوبی ان کے افعال میں نظر آتی ہے یہانتک کہ وہ ان کی ظاہری زندگی کو دیکھکر مروت کے طریقہ کیساتھ آراستہ اور بڑوں کی عزت اور چھوٹوں کیساتھ جوانمردی اور اپنے ہمزمانہ کے ساتھ آسودگی اختیار کر کے زیادتی کی طلب سے آرام پاکر قناعت کیساتھ ان کی صحبت کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور نیز دنیا کی طلب کی سختی اور کوشش کا راستہ اپنے آپ پر آسان کرتے ہیں اور فراغت کیساتھ اپنے آپ کو تمام نیکبختوں میں ملا لیتے ہیں اور ایک دوسرے گروہ کو طبیعت کی سستی اور نفس کی رعونت اور ریاست کی جستجو اور مراد بے ذریعہ اور تلاش معاش بالخصوص علم کے بغیر ان کے افعال میں نظر آتی ہے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ... اس قصد اور ریاست کے سوا اور کچھ نہیں ہے سو اس خیال سے انکی صحبت کا قصد کرتے ہیں ! اور وہ خلق اور کرم سے انکی خاطر کرتے ہیں اور بحکم مصالحت ان کیساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے دلوں میں خدا کے کلام سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ان کی تنہائی میں طریقت کی جستجو کے مجاہدہ سے کچھ ہوتا ہے اور نیز یہ لوگ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی عزت سچوں جیسی کریں اور ان سے ویسے ہی خوف کھائیں جیسے اللہ عزوجل کے خواص بندوں سے لوگ خوف کھاتے ہیں اور ان کی صحبت اور تعلق سے یہ چاہتے ہیں۔ کہ اپنے آپ کو آفتوں سے انکی صلاحیت میں پوشیدہ کریں اور نیز ان کے کپڑے پہنتے ہیں مگر معاملات درست نہ ہونیکی وجہ سے ان کا لباس انکے جھوٹے ہونیکی گواہی دیتا ہے اور اس امر پر بھی غمازی کرتا ہے کہ ان کا لباس فریب کا لباس ہے اور قیامت کے دن ان کیلئے حسرت اور ندامت کا موجب ہوگا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

(ترجمہ) ان کی مثال جو تورات کو اٹھاتے ہیں پر نہیں اٹھاتے ان کی مثال اس گدھے کیطرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں جن لوگوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی ان کی مثال بہت بڑی ہے اور اللہ عزوجل ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں فرماتا! ور اس زمانے میں اس قسم کے گروہ بہت ہیں پس تجھ پر لازم ہے کہ جبتک تو ان کی حقیقی جماعت سے نہ ہوجائے ان کا قصد نہ کرے اسلئے کہ اگر تو ہزار دفعہ طریقت کے راستہ کے قبول کرنیکی کوشش کرے گا ویسا نہ ہوگا جیسا کہ ایک لمحہ بھر تجھکو طریقت قبول کرنی ہے لسلئے کہ یہ کام لباس میں منحصر نہیں بلکہ اس کا دارو مدار عمل پر ہے جب کوئی شخص طریقت سے آشنا ہوتا ہے تو اس کی قبائے امیرانہ... عبائے فقیرانہ کیطرح ہوتی ہے، اور جب کوئی شخص طریقت سے بیگانہ ہوتا ہے تو اس کی گودڑی اس کی نحوست کا نشان اور بدبختی کا فرمان عقوبت قیامت کے روز ہوگا۔ جیساکہ انہوں نے اس بزرگ پیر کو کہا۔ لِمَ لَا تَلْبَسُ الْمُرَقَّعَةَ قَالَ مِنَ النِّفَاقِ اَنْ تَلْبَسَ لِبَاسَ الْفِتْيَانِ وَلَا تَدْخُلُ فِي حَمْلِ اَثْقَالِ الْفُتُوَّةِ کہ گدڑی کیوں نہیں پہنتا اس نے کہا نفاق کے خوشے سے نہیں اوڑھتا اس لئے کہ جوانمردوں کا لباس اوڑھنا اور اپنے کاموں میں جوانمردی کی ذمہ داری سے روگردان ہونا نفاق ہے پس یہ لباس اگر تو نے اس لئے پہن رکھا ہے تاکہ اللہ عزوجل تجھے پہچان لے تو اسی کا ہے کسی غیر کا نہیں۔ تو خوب جان کہ اللہ عزوجل بغیر لباس کے بھی شناخت کرلیتا ہے اور اگر تو نے اس لئے اوڑھا ہے کہ مخلوقات تجھے اولیاء اللہ کے زمرہ سے خیال کرے تو یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ریاء ہوگا اگر تو واقعی خاصان حق کے زمرہ سے ہے ورنہ نفاق ہوگا۔ اور یہ راہ بہت پرخطر ہے اور اہل حق کا درجہ کپڑوں کی شناخت سے بالاتر ہے۔ اَلصَّفَاءُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنْعَامٌ وَّاِكْرَامٌ وَالصُّوْفُ لِبَاسُ الْاَنْعَامِ یعنی صفائی بندہ کیلئے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے انعام واکرام ہے اور پشم چوپاؤں کا لباس ہے، پس لباس سے آراستہ ہونا حیلہ سازی ہے بعض لوگ لباس کو قربت حق کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور جو کچھ ان پر لازم ہوتا ہے بجالاتے ہیں۔ اس امید پر تاکہ ان سے ہوجائیں لہٰذا اپنے ظاہر کو آراستہ کرتے ہیں اس قصہ کے مشائخ اپنے مریدوں کو گودڑی وغیرہ کے لباس سے آراستہ کرتے ہیں اور خود بھی ویسا ہی لباس پہنتے ہیں تاکہ خلقت میں

ان کے اہل اللہ ہونیکا نشان ہو جائے اور تمام مخلوقات ان کی محافظ ہو اسطرح کہ اگر یہ لوگ اہل اللہ کے خلاف ایک قدم رکھینگے تو سب کے سب زبانِ طعن ان پر دراز کرینگے اور ان کو ہرطرف سے ملامت ہونا شروع ہو گی کہ یہ اہل اللہ کا لباس اوڑھ کر اہل اللہ کی جماعت کیخلاف چل رہے ہیں تو اہل اللہ کے لباس میں معصیت کا کام کرتے ہوئے شرمائیں گے حاصل کلام یہ ہے کہ گودڑی وغیرہ پہننی اولیاء اللہ کی زینت ہے عوام کی تو اس میں عزت ہوتی ہے اور خواص کی اس میں ذلت ہوتی ہے، عزت عامہ یہ ہوتی کہ جب عام لوگ اس کو پہنتے ہیں تو مخلوقات ان کی عزت کرتی ہے اور ذلت خاصہ یہ ہوتی ہے کہ جب خاص لوگ اس کو پہنتے ہیں تو مخلوقات ان کو اسی نظر سے دیکھتی ہے جس طرح کہ عوام کو دیکھتی ہے پس لِبَاسُ النَّعَمِ لِلْعَوَامِ وَجَوْشَنُ الْبَلَاءِ لِلْخَوَاصِ عامیوں کو گدڑی پہننی نعمت ہے اور خواص کیلئے مصیبت کی زرہ ہے، اس لئے کہ عوام زیادہ تر اسی کی طرف بیقرار ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا ہاتھ اور کسی چیز کی طرف نہیں پہنچتا۔ اور نہ ہی اس کے علاوہ ان کے پاس رتبہ حاصل کرنیکا کوئی سامان ہوتا ہے کہ جس سے وہ رئیس بن جائیں اور حاکر اسی کو حصولِ نعمت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور پھر خاص لوگ ریاست کو ترک کر دیتے ہیں! وہ بجائے عزت کے ذلت کو اختیار کرتے ہیں اور مصیبت کو نعمت پر اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ اس قوم کیلئے جو چیز بلا ہوتی ہے ان کیلئے نعمت کا سبب ہوتی ہے، اَلْمُرَقَّعَةُ قَمِيْصُ الْوَفَاءِ لِأَهْلِ الصَّفَاءِ وَسِرْبَالُ السُّرُوْرِ لِأَهْلِ الْغُرُوْرِ گدڑی صوفیوں کیلئے وفا کا پیراہن ہے اور مغروروں کیلئے خوشی کا لباس ہے، اس لئے کہ صوفی اسے پہنکر دونوں جہاں سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور تمام عمدہ اعلیٰ چیزوں سے بھی علیحدہ ہو جاتے ہیں اور اہل غرور اسے پہنکر حق سے در پردہ ہوتے ہیں اور اپنی اصلاح سے باز رہتے ہیں اور بہرحال گودڑی زیبِ تن کرنی سب کیلئے صلاحیت و نجات کا سبب ہے اور اس سے سب کی مُراد پوری ہوتی ہے ایک کیلئے صفائی اور دوسرے کیلئے عطا۔ اور ایک کیلئے پوشش اور دوسرے کیلئے پامالی اور ایک کیلئے رضا ہوتی ہے، اور دوسرے کیلئے تکلیف! اور میں امید رکھتا ہوں کہ سب ایک دوسرے کی محبت اور حسنِ صحبت کی بدولت آرام پائینگے۔

۱۷۱۷۰

اسلئے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ ہر گروہ کے دوست قیامت کے روز انہیں کیساتھ ہوں گے یعنی ان کا حشر انہیں کے گروہ سے ہوگا لیکن یہ ضروری ہے کہ تیرا باطن تحقیق کا خواہاں اور رسموں سے متنفر ہو۔ اسلئے کہ جو ظاہری چیزوں کو کافی سمجھتا ہے تحقیق کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اسلئے کہ آدمی کی ہستی ربوبیت کا حجاب ہوتی ہے، اور حجاب فانی مقامات میں کوشش احوال اور ورزش کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور صفا کا نام فنا ہے اور فنا کی صفت والے کو لباس اوڑھنا محال ہوتا ہے۔ اور تکلف کیساتھ اپنے آپ کو آراستہ کرنا بھی محال ہوتا ہے پس خلاصہ یہ ہے کہ جب فنا کی صفت ظہور پذیر ہوئی طبیعت کی آفت درمیان سے اٹھ گئی اب اس کے نزدیک صوفی یا غیر صوفی کہلانا ایک جیسا ہے۔

فصل پہلی لیکن گدڑی پہننے کی شرطیں یہ ہیں۔ کہ گدڑی آسانی اور بے تکلفی اور فراغت کو مدنظر رکھتے ہوئے اختیار کرے جبتک گدڑی کا اصل ٹکڑا موجود ہو اسکو نہ پھینکے .... بلکہ اسی پر اور پیوند لگانا جائے اور مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اس میں دو قول ہیں۔ ایک گروہ تو یوں ارشاد فرماتا ہے کہ گودڑی کے سینے میں ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھنا چاہیئے بلکہ جہاں سوئی پڑے وہیں سے کھینچ لینا چاہیئے اور ہرگز سینے میں تکلف سے کام نہ لے اور ایک گروہ یوں ارشاد فرماتا ہے کہ گودڑی کے سینے میں ترتیب اور درستی شرط ہے اور اس کے تیار کرنے میں ترتیب اور درستگی اور عمدہ بنانا فقر کے معاملات سے ہے، اور معاملات کی صحت اصل کی صحت کی دلیل ہے اور میں جو علی بن عثمان جلابی کا ہوں شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے پوچھا کہ درویش کیلئے کم از کم کونسی چیز چاہیئے جو فقر کے نام کے لائق ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تین چیزیں چاہیئں اور ان سے کم فقر کیلئے نہیں چاہیئں ایک تو یہ ہے کہ چیتھڑوں کی سلائی درست کرے اور دوسرا یہ ہے کہ بات سچی سنے۔ اور تیسرا یہ ہے کہ پاؤں زمین پر ٹھیک رکھے جسوقت حضرت ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باتیں بیان فرمائیں اسوقت ایک گروہ درویشوں کا بھی میرے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا تھا جب ہم دروازے پر آئے ہر ایک شخص نے ان باتوں میں تصرف شروع کیا۔ اور ایک گروہ کو بسبب

جہالت کے اس بات پر خوشی محسوس ہوئی انہوں نے کہا بس فقیری یہی ہے اور بہتوں نے زمین پر پاؤں مارنا اور عمدہ چیتھڑے سینے شروع کئے۔ اور ہر ایک کو یہی گمان تھا کہ میں طریقت کو خوب سمجھتا ہوں چونکہ میرا دل شیخ کے کلام کی طرف تھا میں نے نہ چاہا کہ اس کی کلام زمین پر پھینکوں میں نے ان کو کہا کہ آؤ ہم سب ملکر اس کلام شیخ کے متعلق بطور تشریح کچھ بیان کریں ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا جب میری نوبت آئی۔ تو میں نے کہا چیتھڑا درست تو وہ ہے کہ جو فقر کیلئے سیا جائے۔ نہ کہ زینت کیلئے۔ جب چیتھڑا بسبب فقر کے تو سئے گا اگرچہ تو اس کو درست نہ سئے گا مگر وہ درست ہوگا اور بات درست وہ ہوتی ہے جو موافق حال کے ہو اور وجد کی خاطر اس میں کسی قسم کا تصرف نہ ہو اور نہ ہی زندگی اور ہستی کیواسطے ہو۔

اور ٹھیک رکھنا پاؤں کا زمین پر وہ ہوتا ہے جو کہ بسبب وجد کے رکھا جاتے اور نہ بسبب کھیل اور رسم کے۔ اور بعضوں نے یہ تشریح سنکر شیخ کی خدمت میں پہنچائی تو شیخ نے فرمایا۔ اَصَابَ عَلِیٌّ خَیَّرَہُ اللّٰہُ یعنی علی نے مطلب کو پالیا پس اس گروہ کے مرقع پوش ہونے سے یہ مراد ہے کہ دنیا کی مزدوری میں تخفیف ہو اور سچا فقر خدا تعالیٰ کی ذات کیساتھ ہو جائے اور صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گوڈری اوڑھتے تھے۔ یہانتک کہ اللہ عزوجل نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ اور مشائخ رحمہم اللہ سے ایک شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا آپ اونی گوڈری پہنے ہوئے تھے اور گوڈری کے ہر چیتھڑے سے نور چمکارے مارتا تھا میں نے کہا کہ اے مسیح علیہ السلام یہ انوار تیرے اس کپڑے پر کیسے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ میرے اس اضطرار یعنی بیقراری کے انوار ہیں جو مجھے بوجہ ضرورت کے چیتھڑا لگانے میں ہوا کرتی تھی اور اللہ عزوجل نے میری ہر اس دلی تکلیف کو جو چیتھڑا لگانیکے وقت دل میں لاحق ہوا کرتی تھی نور بنا دیا ہے،

اور میں نے ماوراء النہر میں ایک پیر اہل ملامت کو دیکھا کہ وہ کوئی ایسی چیز نہ تو کھاتے اور نہ ہی پہنتے تھے کہ جو بندوں کے کام آنیوالی ہو۔ اور انکی خوراک وہ چیزیں تھیں۔ جنہیں لوگ پھینک دیتے تھے۔ جیسے باسی ساگ کے پتے اور تلخ کدو اور خراب شدہ گاجریں اور ایسے ہی وہ چیزیں کہ جنہیں لوگ ناپسند جان کر پھینک دیتے تھے وہ اٹھا کر کھا لیتے تھے۔

اور راستہ میں سے گرے پڑے چیتھڑے اٹھا کر انہیں پاک صاف کر کے اپنے لئے گوڈری بنا لیتے اور میں نے سُنا ہے کہ مرو الرود میں متاخرین سے ایک پیر تھے جن کی حالت اچھی اور عادت نیک اور ویسے بھی ارباب معانی میں سے تھے انہوں نے بے تکلف چیتھڑے اپنی ٹوپی اور مصلے پر لگا رکھے یہانتک کہ ان میں بچھوؤں نے بچے دیئے ہوئے تھے اور میرے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکیاون ۵۱ سال تک ایک ہی جبّہ رکھا جس پر بلا تکلف چیتھڑے لگا لیا کرتے تھے اور میں نے عراقیوں کی حکایت میں دیکھا کہ دو درویش تھے ایک صاحبِ مشاہدہ۔ اور دوسرا صاحبِ مجاہدہ۔ صاحبِ مشاہدہ تو اپنی تمام عمر میں انہیں چیتھڑوں سے لباس بنا کر پہنتا جو سماع کی حالت میں بوقتِ وجد درویشوں کے لباس سے علیحدہ ہوتا اور جو صاحبِ مجاہدہ تھے وہ صرف انہیں چیتھڑوں کو جمع کر کے اپنا لباس بنایا کرتے تھے جو کہ بوقتِ استغفار درویش اتار دیتے تھے۔ اور ان کا ظاہر ان کے باطن کے موافق ہوتا اور یہی حال کا نگاہ رکھنا ہے۔

اور شیخ محمدؒ بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس سال تک ایک سخت ٹاٹ پہنا اور ہر سال میں چار چلے کھینچے اور ہر چلّہ میں حقائق کے علوم کی باریکیوں میں ایک کتاب تصنیف فرمائی اور اسی کے زمانہ میں ایک عالم بنام محمد بن زکریا پارس میں رہتا تھا اس نے کبھی گوڈری نہیں پہنی تھی شیخ محمد بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ گوڈری پہننے کی شرط کیا ہے اور گوڈری پہننا کس کو واجب ہے آپ نے فرمایا کہ گوڈری کی شرط وہی ہے جو کہ محمدؒ بن زکریا سفید پیراہن میں بجا لاتے ہیں اور اس پیراہن کا رکھنا بھی اس کے لئے واجب ہے۔

فصل دوسری لیکن اس گروہ کی عادت کا چھوڑنا ان کے راستہ کی شرط نہیں اور جو اس وقت پشم کا لباس کم پہنتے ہیں اس کی دو وجہیں ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ چارپائے اکثر گندی جگہوں پر بیٹھتے ہیں لہٰذا ان کی پشم بھی خراب ہو جاتی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ پشم کا لباس پہننا بدعتیوں نے اختیار کر لیا ہے اور بدعتیوں کی مخالفت سے اگرچہ سنت کی مخالفت لازم آئے تاہم ان کی مخالفت بہتر ہے لیکن اس کے سینے میں انہوں نے تکلف اسلئے

روا رکھا ہے تاکہ ان کا مرتبہ مخلوقات میں بڑا ہو اور ہر ایک نے اپنے آپ کو ان کی مثل کر لیا اور گودڑی پہن لی اور نامناسب کام ان سے ظہور میں آئے اور خاص صوفیوں کو جب اپنے مخالفوں کی صحبت سے رنج ہوا تو انہوں نے سلائی میں ایسی زینت پیدا فرمائی کہ ان کے سوا کوئی شخص سینا نہیں جانتا اور اس گدڑی کو ایکدوسرے کی شناخت کا یہاں تک نشان بیان فرمایا کہ ایکدفعہ ایک درویش ایک شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے جو گودڑی پہنی ہوئی تھی۔ اس پر چوڑے خطوط کھچے ہوئے تھے۔ اس شیخ نے اس کو اپنی مجلس سے علیحدہ کر دیا اس کا مطلب یہ تھا کہ مزاج کا لطف اور طبیعت کی مفارقت اصل ہے اور بالضرور عمدہ طبیعت میں کجی نہ ہو گی۔ جیسا کہ خراب شعر طبیعت کو اچھا نہیں لگتا ویسے ہی نادرست کو طبیعت قبول نہیں کرتی۔ اور پھر ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ لباس کے ہونے یا نہ ہونے میں بھی تکلف سے کام نہیں لیتا۔ جیسا ملا ویسا ہی پہن لیا۔ اگر ایک وقت میں ان کو قبا ملی تو وہی پہن لی اور اگر گودڑی ملی تو اسی کو پہن لیا اور لباس نہ ملا تو ننگے ہی وقت گذار لیا۔ اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں میں اسی طریقہ کو پسندِ خاطر رکھتا ہوں اور میں نے اپنے سفروں میں ایسا ہی کیا ہے اور بزرگوں کی حکایتوں میں سے ہے کہ جب احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کیلئے آئے تو قبا پہنے ہوئے تھے۔ اور جب شاہ ابن شجاع کہ اللہ کی اس پر رحمت ہو ابوحفص رحمۃ اللہ کی زیارت کیلئے آئے تو وہ بھی قبا پوش تھے۔ اور ان صاحبوں کا کوئی طریقہ متعینہ نہ تھا بعض وقت گودڑی اوڑھ لیتے تھے اور بعض وقت پشم کا لباس اور بعض قیمت پیراہن سفید پہن لیا کرتے تھے قصہ مختصر یہ ہے کہ جیسا مل جاتا ویسا ہی زیب تن فرما لیتے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ آدمی کا نفس عادت پکڑنیوالا ہے اور عادت ہی کیساتھ اس کو محبت ہوتی ہے جب کوئی چیز اس کی عادت میں جڑ پکڑ جاتی ہے تو وہ بذات خود ایک دوسری طبیعت ہو جاتی ہے اور جب وہ طبیعت ہو جاتی ہے تب وہ حجاب بن جاتی ہے اور اسی وجہ سے .... پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَیْرُ الصِّیَامِ صَوْمُ اَخِیْ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ یعنی سب روزوں سے بہتر روزہ میرے بھائی داؤد علیہ السلام کا ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کی کہ اس کی کیا کیفیت ہے فرمایا حضور علیہ السلام .... ایک روز روزہ رکھتے تھے

اور ایک روز نہیں رکھتے تھے تاکہ نفس کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی خو نہ ہو جائے۔ تاکہ وہ اسکے سبب محجوب نہ ہو جائے اور اس معنی میں ابو حامد دوستان مروزی بہت اچھے ثابت ہوئے کہ آپ کے مرید آپ کو جو کپڑا پہنا دیتے آپ پہن لیتے اور جب کبھی ان کو ضرورت ہوتی تو اتار کر بھی لیجاتے مگر آپ نہ تو پہنانے والوں پر اعتراض کرتے کہ مجھے کیوں پہنا رہے ہو اور نہ ہی اتارنے والوں سے پوچھتے کہ تم کیوں اتار رہے ہو اور ہمارے اس زمانے میں بھی ایک پیر غزنی شہر میں موجود ہیں اللہ عزوجل جمیع آفتوں سے ان کو محفوظ رکھے۔ آپ کا لقب مویدہ ہے آپ بھی لباس کے اختیار کرنے میں کوئی تمیز نہیں رکھتے! وہ اس مرتبہ اور درجہ میں رہنا بہت اچھا ہے اور بہت سے اصحاب لباس نیلگوں پہنتے ہیں اسکی دو وجہیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ یہ اصحاب سفر کثرت سے کرتے ہیں اور لباس نیلگوں جلد دھونے کے قابل نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر ایک شخص اس کے کھینچ لینے کی طمع رکھتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نیلگوں لباس ماتم اور مصیبت کا نشان ہوتا ہے اور دنیا محنت اور مصیبت اور غم کا گھر ہے اور یہ سراپا فراق اور مصیبتوں کا گہوارہ ہے اور مریدان مخلص کا جب دنیا میں مقصود حاصل نہیں ہوتا تو بوجہ سوگ وصال کے نیلگوں لباس پہن لیتے ہیں! اور دوسرا گروہ معاملہ میں سوا قصور ہو جانیکے کچھ نہیں دیکھتا! اور دل میں بھی ماسوا خرابی کے اور کچھ نہیں سوچتا اور زمانے میں عجز فوت ہو جانے وقت کے اس کو کچھ نظر نہیں آتا سو وہ اس بنا پر نیلگوں لباس پہن لیتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی چیز کا ضائع ہو جانا موت سے زیادہ سخت ہے ایک شخص تو اپنے عزیز کی موت پر لباس نیلگوں پہنتا ہے اور دوسرا مقصود کے فوت ہونے پر پہن لیتا ہے۔ مدعیان علم سے ایک نے کسی درویش سے پوچھا کہ نیلے رنگ کا لباس کس لئے پہنتے ہو اس نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کو چھوڑا ایک فقر دوسرا تلوار تیسرا علم۔ پس تلوار تو بادشاہوں کے قبضہ میں آئی مگر انہوں نے اس کو غیر موزوں جگہ پر استعمال کیا۔ اور عالموں نے علم کو لیکر صرف پڑھنے پر ہی اکتفا کی اور فقر کو درویشوں نے لیا مگر اس کو اپنی حاجتوں کے پورا کرنیکا ذریعہ بنا لیا۔ میں اب کیوں ان تینوں گروہوں کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے ماتمی سیاہ لباس نہ پہنوں۔ اور مرتعش رحمۃ اللہ علیہ ارشاد

فرماتے ہیں کہ بغداد کے محلوں میں سے ایک محلہ میں میرا گذر ہوا اور مجھے پیاس زور کی لگی ہوئی تھی ۔ میں نے ایک دروازے پر کھڑے ہوکر پانی مانگا اندر سے ایک عورت پانی کا پیالہ لائی اور میں نے اس کو پیا۔ ناگاہ میری آنکھ اس عورت کے چہرے پر پڑی اور میرے ہوش وحواس رخصت ہوئے میں اسی دروازے پر بیٹھ گیا یہانتک کہ اس گھر کا مالک آیا میں نے کہا اے خواجہ میرا دل ایک پانی کے گھونٹ کے سبب اس گھر کی ایک عورت نے شکار کر لیا ہے اس مرد نے کہا کہ وہ میری لڑکی ہے میں اس کو آپ کے نکاح میں دیتا ہوں مرتعش رحمۃ اللہ علیہ اپنے دل کی مُراد کو حاصل کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور اس کے ساتھ عقد بندھوالیا! ور اس گھر کا مالک دولتمند تھا اس نے حضرت کو حمام میں بھیجا تاکہ نہا کر عمدہ لباس زیب تن فرمائیں اور وہ گودڑی آپ کے بدن سے اس نے اُتار چھوڑی جب رات ہوئی مرتعشؒ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تاکہ اپنے اوراد پُورا کریں اور خلوت میں فکر الٰہی میں مشغول ہوں تھوڑی دیر کے بعد آواز دی کہ ھَاتُوا مُرَقَّعَتِی کہ میری گودڑی لاؤ گھر والوں نے پوچھا کہ کیوں۔ کہا مجھے پوشیدہ آواز آئی ہے کہ تونے ہماری مرضی کے خلاف ایک نگاہ کی تو ہم نے اس کے باعث گدڑی اور دوستی کا لباس تیرے بدن سے اتار لیا ہے۔ اگر تو دوسری مرتبہ نظر کریگا تو تیرے باطن سے ہم آشنائی کا لباس کھینچ لینگے اور جس لباس کے اوڑھنے سے خدا تعالیٰ کی رضا مد نظر ہو۔ اور اولیاء اللہ کی مرضی کیموافق اس کو پہنا ہو اس پر ہمیشہ راضی رہنا مبارک ہوتا ہے۔ اگر تو اس کے حق کے ساتھ زندگی گذار سکتا ہے تو گذار ورنہ اپنے دین کی نگہبانی کر اور خدا کے دوستوں کے لباس میں خیانت کرنی جائز نہیں اس لئے کہ تو حقیقی مسلمان اسوقت ہوگا جب کہ تو دوسرا دعویٰ نہ کرے جھوٹا ولی بننے کیلئے ان کے لباس میں خیانت کرنی بہتر نہیں ہے۔

اور گودڑی پہننی دو گروہ کیلئے واجب ہے ایک تو تارک دنیا کیواسطے اور دوسرے مشتاقان مولیٰ کریم کیلئے۔ اور مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دستور ہے کہ جب کوئی ارادتمند طالب صحبت اور تارک دنیا ان سے تعلق پیدا کرے تو وہ اس کو تین برس تک تین معنی کا ادب سکھاتے ہیں اگر ان معنی میں قائم رہا تو بہتر ورنہ طریقت کا معنی اس کو قبول نہیں کرتا اور صاف طور پر

فرما دیتے ہیں کہ تجھکو طریقت قبول نہیں کرتی لیکن ایک برس تو مخلوقات کی خدمت میں اور ایک برس خدا کا حق بجالانیکی ملازمت میں اور ایک برس اپنے دل کی حفاظت و پاسبانی میں اور مخلوقات کی خدمت اُس وقت کر سکتا ہے کہ اپنے آپ کو خادم سمجھے اور تمام مخلوق خدا کو مخدوم کے درجہ میں خیال کرے یعنی بغیر تمیز کے سب کو اپنے سے اچھا سمجھے اور سب کی خدمت اپنے پر واجب متصور کرے اور اگر مخلوقات کی خدمت کرتا ہوا اپنے آپ کو مخدوموں سے بہتر جانے تو یہ ظاہری خسرانی اور غبن ہونا ہوتا ہے اور زمانہ کی دیگر آفات سے یہ بھی ایک آفت ہے اور اللہ عزوجل کی خدمت اس وقت کر سکتا ہے کہ اپنی تمام لذتوں کو چاہے دنیا کی ہوں یا عقبیٰ کی سب کو چھوڑ دے اور خاص حق جل و علا کی پرستش میں مشغول ہو اور جو شخص اللہ عزوجل کی عبادت کسی اور غرض کیلئے کرتا ہے تو وہ اپنی پرستش کرتا ہے خدا کی .... نہیں کرتا۔ اور دل کی محافظت اس وقت کر سکتا ہے کہ اسکا ارادہ مجتمع ہو اور تمام غم اس کے دل سے اٹھ چکے ہوں اور جب اپنے دل کو ان تمام مواضعات غفلت سے محفوظ رکھ لیتا ہے تو اس وقت دل کی سنبھال ہو جاتی ہے۔

اور جب یہ تینوں شرطیں مرید میں پوری ہو جائیں تو اس وقت بغیر تقلید کے گودڑی پہننی اس کو واجب ہوتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ مرید کو گودڑی اوڑھانیوالا مستقیم الحال ہو اور طریقت کے تمام نشیب و فراز سے واقفیت تامہ رکھتا ہو اور اپنے حالات کا ذوق اور اپنے عملوں کا مشرب پائے ہوئے ہو اور نیز خدا کے جلال کا قہر اور جمال کا لطف دیکھے ہوئے ہو اور اس خوبی کا ہونا بھی ضروری ہے کہ اس مرید کے حال پر اطلاع کا شرف رکھتا ہو کہ وہ آخر کہاں پہنچیگا آیا یہ رجوع کرنیوالوں سے ہوگا یا واقع ہونیوالوں سے یا کاملوں سے ہوگا۔ اگر یہ علوم ہو جائے کہ کسی دن ہٹ جائیگا تو اس کو پہلے ہی ارادتمندی میں نہ لیں اور اگر سمجھے کہ قائم رہیگا تو کاروائی کا حکم کرے اور اگر سمجھے کہ اس معاملہ میں کامیاب ہو جائیگا تو اس کی پرورش کرے۔
اور اس طریقت کے تمام مشائخ دلوں کے طبیب ہیں اور جب طبیب بیمار کی بیماری سے جاہل ہوگا تو بیمار کو اپنی طبابت سے ضرور ہلاک کر ڈالیگا اس واسطے کہ اس کی پرورش کے طریق سے بالکل ناواقف ہے، اور اکثر خطروں کی شناخت نہیں کر سکتا اور غذا اور شربت

اسکی بیماری کے مخالف تیار کریگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ
کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ یعنی شیخ اپنی قوم میں مثل نبی کے ہے پس انبیاء علیہم السلام جو مخلوق خدا کو
دعوت دیتے ہیں وہ بصیرتِ تامہ کی بناپر کرتے ہیں اور ہر کسی کو ایسی غذا دیتے ہیں کہ جس
سے دعوت کا مقصود پورا ہو جائے جب خداوندی ولایت کے کمال میں پہنچا ہوا پیر اپنے
مریدوں کو ان تین سالوں کے بعد تربیت دے گا تو ریاضت میں اس کو گودڑی پہنانی روا
ہوگی اور گودڑی پہننے کی شرط کفن پہننے کی شرط ہے اس لئے کہ مقصود یہ ہے کہ تمام
زندگانی کی لذتوں سے میں نے اپنے دل کو علیحدہ کیا اور دل کو زندگانی کی تمام راحتوں
سے پاک صاف کیا اور اپنی تمام عمر خدا کی ملازمت پر وقف کی اور بالکل نفسانی خواہش سے
علیحدہ ہوا جب اس درجہ پہ پہنچے اس وقت پیر اس کو اس خلعت سے آراستہ کرے اور
وہ اسکے حق کیساتھ قیام کرے اور اس کا حق پورا کرنیکی کما حقہٗ کوشش کرے اور اپنا کام اپنے
اوپر حرام کرے، مگر گودڑی پہننے میں بہت اشارے صوفیا نے بیان کئے ہیں اور شیخ ابو معمر
اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک کتاب تیار کی ہے اور عوام متصوف اس میں
بہت غالی ہیں اور اس کتاب کے لکھنے سے ہماری مراد ان کلاموں کا نقل کرنا نہیں
ہے بلکہ پیچیدہ باتوں کا کھولنا ... ہے اور مرقع یعنی گودڑی کے متعلق جسقدر اشارے کئے
گئے ہیں۔ ان سب سے بہترین مراد یہ ہے کہ اسکا گریبان تو صبر کا ہے اور اس کی دو
آستینیں خوف اور امید کی ہیں۔ اور اس کی طریزیں قبض یعنی حجاب اور بسط یعنی کشف کی ہیں۔
اور اسکی کمر نفس کے خلاف سے ہے اور دو کرسیں صحبت اور یقین کی ہیں! ور اسکا سنجاف
اخلاص کا ہے اور اس سے زیادہ اچھا مطلب یہ ہے کہ گریبان محبت کی قبا سے ہے اور
دو آستینوں سے مراد نفس کی حفاظت اور دل کی پاکی ہے اور اسکی دو طریزیں فقر اور صفائی
سے تیار ہوتی ہیں اور اسکی کمر مشاہدہ میں قائم رہنے سے اور کرسی خدا کے حضور میں امن پالینے
اور سنجاف وصل کے مقام میں قرار پالینے مراد ہے اور جب باطن کیواسطے ایسی گودڑی تیرے لئے
تیار ہوئی تو ضرور ظاہر کیواسطے بھی چاہیئے، اور میں نے اس بارہ میں ایک کتاب بنام اسرار
الخلق والمؤنات بنائی ہے مرید کے پاس اس نسخہ کا ہونا ضروری ہے لیکن مرید اگر اس مرقعہ کو

بسبب بادشاہی قہر اور غلبہ حال میں ہو جانیکے نہ پہنے بلکہ اگر پہنا ہوا ہو تو اس کو بسبب ان وجوہات کے پھاڑ ڈالے تو معذور سمجھا جائیگا اور اگر صاحب اختیار و تمیز ہے تو اسکو مرقعہ یعنی گودڑی پہننی اس طریقت کی شرط میں واجب نہیں ہوگی اور اگر پہنیگا تو ایسا ہوگا جیسا کہ لیکن مانہ کے گودڑی پوشوں سے ہے جب انہیں سے ہو جاتا ہے تو ظاہر بغیر باطن کے کفایت کرتا ہے اور اس معنی کی حقیقت یہ ہے کہ اشارہ ان کے کپڑے پھاڑنے سے یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام کیطرف نقل کرنی پڑتی ہے تو بوجہ حصولِ مقام وہ بطور شکر یہ اسی وقت ان کپڑوں سے باہر آتے ہیں اور دوسرے کپڑے ایک ہی مقام کا لباس ہوتے ہیں اور مرقعہ یعنی گودڑی ایک جامع لباس ہے طریقت اور فقر اور صفوت کے تمام مقاموں کو شامل ہے اور ان سب سے باہر آنا ان سب سے کنارہ کرنیکے مرادف ہے اور ہر چند یہ جگہ اس مسئلہ کی نہیں تھی کیونکہ اسکا بیان خرقہ اور کشف اور حجاب السماع کے باب میں ہونا چاہیئے تھا مگر اس جگہ میں نے اسقدر اشارہ اس لئے کیا تاکہ نکتہ ہاتھ سے جاتا نہ رہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ پر اس کے حکم کی تفصیل خوب بیان کرونگا اور نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ گودڑی کا پہنانے والا طریقت میں ایسا غالب ہو کہ جب بیگانہ کو شفقت کی نظر سے دیکھے تو وہ آشنا ہو جائے اور جب کپڑے گنہگار کو پہنا دے تو اولیائے سے ہو جائے۔ ایک دفعہ میں اپنے شیخ کیساتھ آذربائیجان کے ملک میں سفر کر رہا تھا ہم نے تین گودڑی پوشوں کو ایک زمیندار کے کھلیان پر گودڑی بچھائے ہوئے دیکھا اور اس کاشتکار نے ان کی گودڑی کے دامن پر کچھ غلہ ڈال دیا شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف توجہ کی اور پڑھا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ یعنی یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے خریدا اور ان کو ان کی سوداگری نے نفع نہ دیا اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے میں نے عرض کی کہ اے شیخ یہ لوگ اس لباس کیساتھ کیسی بے عزتی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور خلقت میں خوار ہو رہے ہیں شیخ صاحب نے فرمایا کہ ان کے پیروں کو مرید کرنیکی حرص لاحق ہو رہی ہے اور ان کو دنیا جمع کرنیکی حرص لاحق ہو رہی ہے اور کوئی حرص دوسری حرص سے بہتر نہیں ہے اور حکم الٰہی کے بغیر دعوت کرنی حرص کا پالنا ہوتا ہے اور حضرت

جنید رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک یہودی کو باب الطلق میں دیکھا جو نہایت خوبصورت تھا میں نے عرض کی کہ بارِ خدایا اس کو میری طرف متوجہ فرما کیونکہ تو نے اس کو نہایت خوبصورت پیدا فرمایا ہے تھوڑی دیر کے بعد وہ یہودی میرے پاس آیا اور کہا اے شیخ مجھے کلمہ شہادت تلقین کرو وہ مسلمان ہوا اور اولیاء اللہ میں سے ایک ولی ہوا۔ اور شیخ ابو علی سیاہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ گودڑی پہننا کس پر واجب ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص خداوند کریم کی مملکت سے ایسا شرف یاب ہو کہ جہان میں جو حکم اللہ عزوجل کا جاری ہوتا ہو وہ اس سے پورا پورا باخبر ہو۔ پس مرقعہ صلحاء کا طریقہ اور متصوفہ فقراء اور نیکوں کی علامت ہے اور فقر اور صفوت کے متعلق میں نے پہلے بیان کر دیا ہے اور اگر کوئی شخص اولیاء کے لباس کو دنیا جمع کرنے کا ذریعہ اور نیز اپنی آفت اور پوشاک کا سبب بنائے تو حقیقی صوفیوں کا اس سے کچھ تعلق نہیں ہوگا۔ اور ہدایت حاصل کنندگان کیلئے اتنا ہی کافی ہے، اور اگر میں اس کی تشریح میں مشغول ہو جاؤں تو میری مراد جو اس کتاب کے لکھنے کی ہے پوری نہ ہوگی و باللہ التوفیق۔

باب تیسرا (۳)

"اس امر میں ہے کہ مشائخ رحمہم اللہ نے فقر او صفوت[1] میں کیا کیا اختلاف کیا ہے"

لیکن علمائے طریقت کو فقر او صفوت کی تفصیل میں اختلاف ہے ایک تو فقر کو صفوت سے بزرگتر قرار دیتا ہے اور ایک گروہ صفوت کو فاضلتر قرار دیتا ہے فقر سے اور وہ لوگ جو فقر کو صفوت پر مقدم قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فقر فنا کل کا نام ہے اور نیز تمام اسرار منقطع کر دینے کا نام ہے اور فقر صفوت کے مقاموں سے ایک مقام ہے جب فنا حاصل ہوئی تمام مقامات گم ہوئے اور مسئلہ فقر اور غنا کیطرف عود کرتا ہے اور اسکا ذکر اس سے پہلے ہم کر آئے ہیں۔ اور پھر وہ لوگ جو صفوت کو مقدم رکھتے ہیں۔ کہ فقر ایک شئی ہے موجود اور نام قبول کرنیوالی۔ اور صفوت کل موجودات سے فنا کا نام ہے اور صفا عین فنا ہوتی ہے اور فقر عین بقا کا نام ہے پس فقر مقاموں کے ناموں میں سے ایک مقام ہے اور صفوت کمالوں

[1] صفوت کے معنے ہیں بزرگی اور وہ شے جس میں کھوٹ نہ ہو یعنی صفا۔

کے ناموں میں سے ایک کمال ہے، اور اس زمانہ میں اس کلام میں بات نے طول پکڑا ہے۔
اور ہر ایک شخص تعصب کی بنا پر عبارتیں بیان کرتا ہے اور ایک دوسرے پر اقوال نادر لاتا ہے
اور فقر اور صفوت کی تقدیم اور تفصیل میں خلاف ہے اور سب کے اتفاق سے محض عبارت نہ فقر
ہے اور نہ صفوت۔ پس عبارت سے انہوں نے مذہب بنایا ہے اور طبیعت کو معنوں کے
ادراک میں انہوں نے مشغول رکھا اور انہوں نے حق کی بات کو پھینک کر حرص کی نفی کو عین
منفی کہا اور حرص و ہوا کے اثبات کو عین مثبت کہا پس خواہش نفسانی کے قیام کیساتھ موجود اور
مفقود اور منفی اور مثبت ہیں اور طریقت ان مدعیوں کی لغویات سے پاک و صاف ہے الغرض اولیاء
اللہ اس درجہ پر ہوتے ہیں کہ جس جگہ مقام نہیں اور تمام مقامات اور درجے فانی ہو جاتے ہیں
اور ان معنوں کو عبارتیں بیان نہیں کر سکتیں حتیٰ کہ اس وقت نہ پینا رہتا ہے اور نہ ذوق اور
نہ سکوت اور نہ غلبہ اور نہ ہوش اور نہ محویت اور وہ اس وقت ضروری نام اختیار کرتے
ہیں تاکہ بسبب ان کے ان معنوں کو ڈھانپیں۔ جو کہ نام کے نیچے نہیں آسکتے۔ اور اس وقت
ہر وہ نام اختیار کر لیتے ہیں جو کہ ان کے نزدیک معنوں کو ڈھانپنے کے لئے سب سے
بڑا ہو۔ اور اصل میں تقدیم اور تاخیر کسی صورت سے روا نہ ہوگی۔ اور نہ ہی کسی کو اعلیٰ اور
کسی کو ادنیٰ اور کسی کو مقدم اور کسی کو مؤخر کہنا جائز ہے اس لئے کہ تقدیم اور تاخیر نام رکھنے میں
ملحوظ ہوتی ہے اور یہاں دراصل ناموں کا تعلق نہیں پس ایک گروہ کو تو فقر کا نام صفوت پر مقدم
معلوم ہوا اور ان کو اپنے دل میں یہ بات بڑی معلوم ہوئی۔ کیونکہ اس سے تعلق کا پیدا کرنا ان
کے لئے عجز اور شکستگی تھی۔ اور ایک گروہ کو صفوت کا نام فقر سے زیادہ مقدم معلوم ہوا اور ان
کو بھی یہ بات اپنے دل میں بہت بڑی معلوم ہوئی۔ کیونکہ صفوت سے تمام کدورتیں اور آفتیں
اور فنائیں رفع ہو جاتی ہیں اور ان کی مراد ان دونوں ناموں سے اسم علم ہے، اور جن معنوں
کا پتہ دینے سے عبارت قاصر ہے یہ اس کے لئے نشان ہیں۔ یعنی جن باتوں کا کشف ان رازوں
سے ہوتا تھا اب ان دو اسموں سے ان کا پتہ لگاتے ہیں۔ مگر ان لوگوں میں اختلاف واقع
نہیں ہوا اگرچہ ان معنوں کی مراد انہوں نے فقر رکھی یا صفوت۔ اس کے پیچھے زبان آوروں
اور لفظی لوگوں کو جو ان معنوں کی تحقیق سے بے خبر تھے صرف عبارتوں ہی سے انہوں نے کام رکھا

ایک کو مقدم قرار دیا اور دوسرے کو مؤخر۔ پہلا گروہ تو معانی کی تحقیق میں پڑا اور پچھلا گروہ عبارت ہی کی تاریکی میں پھنسا حاصل کلام یہ ہے کہ جب کسی شخص کو وہ معنی حاصل ہوتا ہے تو وہ اس کو اپنے دل کا قبلہ بنا لیتا ہے اگر اس کو فقیر کہیں یا صوفی یہ دونوں نام اس معنی کیلئے جو اس کے پیچھے آئے ہیں اضطراری ہوں گے اور یہ اختلاف ابوالحسن سمنون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت سے چلا آتا ہے کیونکہ آپ کشفی حالت میں جب کبھی تعلق بقا کیسا نہ رکھتے تو فقر کو صفوت پر مقدم قرار دیتے اہل معانی نے اسی وقت آپ کو کہا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ جب کبھی طبیعت فنا اور بقا میں کامل جوش پر ہوتی ہے تو جب میں ایسے مقامات میں ہوتا ہوں کہ جن کا تعلق فنا سے ہے تو اس وقت صفوت کو فضل قرار دیتا ہوں اور جب ایسے مقام میں ہوتا ہوں کہ جس کا تعلق بقا سے ہو تو اس وقت فقر کو صفوت پر ترجیح دیتا ہوں اس لئے کہ فقر فنا کا نام ہے اور صفوت بقا کا نام ہے جب طبیعت فنا میں جوش پکڑتی ہے تب فقر کو صفوت پر مقدم ٹھیراتا ہوں اور ایسے ہی جب کبھی طبیعت بقا میں کامل جوش پکڑتی ہے تو اس وقت صفوت کو فقر پر مقدم کرتا ہوں اور یہ سب باتیں آپ نے عبارت کی رو سے بیان کیں مگر فنا کو فنا نہیں اور نہ ہی بقا کو فنا ہے ہر باقی جو فانی ہوتا ہے از خود فانی ہوتا ہے اور ہر فانی جو باقی ہوتا ہے از خود باقی ہوتا ہے اور فنا ایک ایسا نام ہے کہ جس میں مبالغہ محال ہوگا۔ جبتک کوئی شخص کہے کہ یہ فنا فنا ہے اس لئے کہ یہ بھی ان معنی کا مبالغہ کرنا ہے وجود کے اثر کی نفی ہے اور فنا جبتک اثر پذیر ہوتا ہو اس وقت تک فنا نہیں ہے جب فنا حاصل ہوئی تو فنا کی فنا کوئی چیز نہیں ہوگی عبارت بے معنی میں بجز تعجب کچھ نہیں۔ اور یہ بیان اوروں کی فضول باتیں ہیں جبکہ ان سے عبارت کے باب میں پوچھا جاتا ہے، اور ہم نے بچپن کے زمانہ میں بھی فنا اور بقا کے باب میں اسی جنس سے سخن چلایا ہے جب کہ مزاج گرم و تیز تھا مگر اس کتاب میں ہم احتیاطاً اس تمام مضمون کو درج کرینگے اگر اللہ عزوجل نے چاہا۔ اور صفوت معنوی اور فقر کے درمیان فرق صرف یہی ہے، مگر معاملات کی رو سے فقر اور صفوت دنیا سے علیحدہ چیز ہے اور دنیا کو چھوڑ دینا یہ خود دوسری چیز ہے درحقیقت فقر اور مسکنت کی طرف بھی چیز واپس لانیوالی ہے، اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ فقیر فضیلت

والا ہوتا ہے مسکین سے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یعنی صدقہ ان فقراء کو دینا چاہیئے جو کہ اللہ کی راہ میں روکے گئے ہوں اور زمین میں چلنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ مسکین مالدار ہوتا ہے اور فقیر مال کا تارک ہوتا ہے پس فقر کا اختیار کرنا موجب عزت ہوگا اور مسکنت کا اختیار کرنا موجب ذلت ہوگا اور مالدار طریقت میں ذلیل ہوگا۔ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے تَعِسَ عَبْدُ الدُّنْیَا وَتَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ وَالدِّیْنَارِ وَتَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْصَۃِ وَالْقَبِیْصَۃِ۔ اور مال کا ترک کرنیوالا عزیز ہوگا اسلئے کہ مالدار کو مال پر بھروسہ ہوتا ہے اور تارک المال کا بھروسہ خداوند کریم پر ہوتا ہے۔

اور پھر ایک گروہ کہتا ہے کہ مسکین زیادہ فضیلت والا ہے اس واسطے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں مار اور قیامت کے دن مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔ اے طالبِ صادق اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے مسکینی کو یاد فرمایا اور حضور علیہ السلام نے فقر کے متعلق فرمایا کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا یعنی قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے! اور ایک دوسری وجہ فقر کے متعلق یہ ہے کہ فقر وہ ہوتا ہے کہ جو کسی سبب سے تعلق رکھے اور مسکین وہ ہے جو کہ اس باب سے قطع تعلق کئے ہوئے ہو۔ اور شریعت میں فقہا کے ایک گروہ کے نزدیک فقیر صاحبِ توشہ ہوتا ہے، اور مسکین وہ ہوتا ہے، کہ جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔ اور انہیں کے ایک گروہ کے نزدیک مسکین توشہ والا ہوتا ہے، اور فقیر توشہ کے بغیر پس اس جگہ میں اہل مقامات مسکین کو صوفی کہتے ہیں۔ اور یہ اختلاف فقہا رحمہم اللہ کے نزدیک ہے اور وہ گروہ جو فقیر کو توشہ سے خالی ٹھیراتا ہے اور مسکین کو صاحبِ توشہ تو ان کے نزدیک صفوت فقر سے فضیلت والی ہے اور فقر اور صفوت میں صوفیوں کے بھی اختلافی احکام مختصر طور پر ہیں کہ جن کا ذکر ہوا۔

واللہ اعلم بالصواب

باب (۴) چوتھا۔ ملامت میں

اور مشائخ طریقت کے ایک گروہ نے ملامت کا طریق اختیار کیا ہے اور خوب سمجھ لو کہ خلوص محبت میں ملامت کی تاثیر بڑی ہوتی ہے اور نیز اس کی چاشنی بدرجۂ کمال لذیذ ہے اور یہ بھی جان لو کہ تمام جہان میں خاصانِ حق ہی ملامت کیلئے مخصوص ہیں دیکھو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو اہل حق کے مقتدا اور پیشوا ہیں ان پر جبتک وحی نازل نہ ہوئی وہ نیک نام مخلوقات میں مشہور رہے اور آپ کو سب لوگ بزرگ سمجھتے رہے اور جب آپ حق جل وعلا کی دوستی سے بہرہ ور ہوئے اور خلعت محبانہ کو آپ نے اپنے سر پر ڈال لیا تو اس وقت مخلوق نے ملامت کی زبان آپ پر دراز کی بعضوں نے آپ کو کاہن کہا اور بعضوں نے شاعر اور بعضوں نے مجنوں اور بعضوں نے جھوٹا اور اس کی مانند اور بھی بہت سی باتیں کہتے رہے اور نیز اللہ عزوجل نے مومنوں کی صفت اس طرح بیان فرمائی۔ . . . .

. . . . وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ یعنی خاصانِ خدا ملامت کرنیوالوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور یہ صفت فضلِ الٰہی کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔ اور وہ جس کو چاہتا ہے اس صفت سے موصوف کرتا ہے، اور اللہ عزوجل کا علم وسیع ہے۔

اور خوب سمجھ لو کہ اللہ عزوجل کا یہ دستور ہے کہ جو کوئی اس کی یاد کریگا تمام جہان اُس کو ملامت کرنیوالا بن جائے گا نیز اس کا بھید مخلوق سے چھپا رہیگا اس لئے کہ مخلوق کو ملامت کرنیکے شغل کیوجہ سے بھید کے دریافت کرنیکی نوبت ہی نہ آئیگی اور یہ اللہ پاک کی غیرت ہے جو وہ اپنے دوستوں کو غیر کے ملاحظہ سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ ان کی حفاظت یہاں تک فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنی خوبی کو خود بھی نہیں دیکھ سکتے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مغرور ہوکر عجب اور تکبر کی بیماری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ پس مخلوقات کو اللہ عز وجل نے چھوڑا تاکہ وہ ان پر طعن کی زبان کھولے اور ان کے اندر بھی نفس لوامہ کو ملامت کرنے کیلئے جگہ دی تاکہ نفس لوامہ ان کی ہر بات پر انہیں ملامت کرتا رہے اگر بدی کا کام کریں

تو بسبب بندگی کے یہ ان کو ملامت کرتا ہے اور اگر نیکی کا کام کریں تو بسبب کم کرنے نیکی کے اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور یہ قول خدا کی راہ میں اصلی قول ہے اسلئے کہ اس سے بڑھکر کوئی مشکل تریں حجاب اور آفت اس راہ میں نہیں کہ بندہ خود بخود مغرور ہو جائے۔

دراصل غرور دو چیز سے پیدا ہوتا ہے ایک تو مخلوقات میں بوجہ معزز ہونیکے اپنی توصیف اور مدح کا ان سے سُننا۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی بندے کا کوئی کام مخلوقات کو پسند آجاتا ہے تو وہ اسکی تعریف کرتے ہیں اور وہ اُن سے اپنی تعریف کو سُنکر غرور میں آجاتا ہے۔

اور دوسرے یہ ہے کہ بندہ کو اپنا کام بھلا معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنے کام میں اپنے آپ کو لائق سمجھ لیتا ہے۔ بس اس وجہ سے بھی غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے یہ راستہ اپنے دوستوں پر بند فرمایا ہے اگرچہ ان کے معاملات ٹھیک ہوں تو بھی مخلوقات ان کو پسند نہیں فرماتی۔ کیونکہ مخلوقات حقیقت سے مطلع نہیں ہوتی اور ان کو سچّا نہیں سمجھتی۔

اور ان کے مجاہدے چاہے بہت ہوں مگر یہ اپنی توفیق اور طاقتِ ایمانی کے باعث نہیں دیکھتے اور نہ ہی اپنے آپ کو پسند کرتے ہیں ۔ اسی وجہ سے یہ غرور و عُجب سے بچے رہتے ہیں
پس خلاصہ یہ ہے کہ جس کو اللہ عزوجل پسند فرمالیتا ہے اس کو خلق پسند نہیں کرتی اور جو اپنے آپ کو خود بخود پسند کرلیتا ہے اس کو اللہ عزوجل پسند نہیں فرماتا۔

جیساکہ ابلیس کو مخلوقات نے پسند کیا یہانتک کہ وہ ملائکہ کی نظر میں بھی پسندیدہ ہوا چونکہ وہ حقتعالیٰ کا منظور نظر نہ تھا اس وجہ سے لعنت کے بوجھ میں دب گیا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کا منظورِ نظر ہمیشہ اقبالمند ہوتا ہے اور محض مخلوق کا منظورِ نظر ہمیشہ لعنت کے بوجھ میں دب جاتا ہے۔

چونکہ آدم علیہ السّلام کو ملائکہ نے پسند نہ فرمایا بلکہ جناب باری میں بدیں الفاظ ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا یعنی کیا تو زمین میں فساد برپا کرنے والے کو پیدا فرماتا ہے، اور آدم علیہ السّلام چونکہ اپنے آپ کو پسند نہ فرماتے تھے اس لئے کہا کہ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ چونکہ

آپ حقتعالیٰ کے پسندیدہ تھے اسی لئے حق سُبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا فَنَسِیَ فَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا یعنی آدم علیہ السّلام بھول گیا اس نے ارادہ سے یہ کام نہیں کیا خدا کے پسندیدہ ہونے اور خلق کے نزدیک پسندیدہ نہ ہونیکی وجہ سے آدم علیہ السّلام کو رحمت کا پھل ملا اور یہ پھل اسی لئے ملا تھا تاکہ سب مخلوقات جان لے کہ خدا کا مقبول وہی ہے جس کو مخلوق نے ناپسند کیا ہو۔ اور محض مخلوق کا پسندیدہ خداوند تعالیٰ کا مقبول نہیں ہوا کرتا پس مخلوقات کا ملامت کرنا خدا کے دوستوں کیلئے ضروری غذا ٹھیری اس لئے کہ اس میں اس کے دوستوں کی ...... قبولیّت کا نشان ہے پس ان کا ملامت کرنا خدا کے قرب کی نشانی ہے جیسا کہ تمام جہان کی مخلوق مخلوقات کے قبول کرنیسے خوش ہوتی ہے ویسے ہی اولیاء اللہ مخلوقات کی ملامت سے خوش وخرم ہوتے ہیں۔

اور احادیث میں ہے کہ حضور علیہ السّلام نے جبرائیل سے سُنا اور جبرائیل علیہ السّلام نے اللہ عزوجل سے یہ الفاظ سُنے کہ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَایَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ اِلَّا اَوْلِیَائِیْ یعنی میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں۔ ان کو بجز میرے دوستوں کے کوئی شناخت نہیں کرسکتا۔

فصل دوم

لیکن ملامت تین وجہ پر ہے ایک سیدھا چلنا اور دوسرا ارادہ کرنا اور تیسرا ترک کرنا اور سیدھا چلنے پر ملامت کرنیکی یہ وجہ ہے۔ کہ ایک شخص اپنا کام کرتا ہے اور دینی کاموں کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور ویسے معاملات کی بھی خوب محافظت کرتا ہے اور مخلوقات اس کو اس میں ملامت کرتی ہے کیونکہ اس میں لوگوں کا دستور یہی ہے اور وہ سب ملامت کرنیوالوں سے بے پروا ہوتا ہے۔ اور قصد کرنے پر ملامت کی یہ وجہ ہے کہ ایک شخص مخلوقات میں ذی رُتبہ ہوجائے! اور ان میں خوب شہرت پکڑے۔ اور اس کا دل جاہ ومنزلت کیطرف مائل ہو اور نیز اسکی طبیعت اُن میں گڑ جائے۔ اور پھر اس نے چاہا کہ مخلوقات سے فارغ ہوکر خدا کی طرف مشغول ہوجائے۔ اور بسبب تکلف

کے ایسا راستہ اختیار کرے کہ جس کی بدولت مخلوقات کی طرف سے فوراً ملامت شروع ہو جائے۔ اور نیز ملامت ایسے طریق سے شروع کرے کہ شرع شریف کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے اور خلقت اس سے متنفر ہو جائے چونکہ اس کا مخلوق میں یہ راستہ ہوتا ہے لہذا خلقت اس وجہ سے اس سے کنارہ کش ہوتی ہے اور ترک کرنے پر ملامت کی یہ صورت ہے۔ کہ کسی کو کفر طبعی اور گمراہی دامنگیر اور گلو گیر ہو جائے اس وجہ سے شریعت اور اس کی متابعت کو چھوڑنا اختیار کرے اور زبان سے کہے کہ یہ ملامتی راستہ ہے جس کو میں نے اختیار کیا ہوا ہے، اور یہ ملامت کا راستہ اس کا دستور ہو جائے اور خود دین میں سیدھا چلنے والا ہو۔ اور اس نے یہ کام چونکہ نفاق اور ریا کی وجہ سے ترک کیا ہے اسی وجہ سے وہ اپنے دین میں راست رو ہے۔ اور اس سے کسی صورت میں مخلوق کی ملامت کا ڈر نہیں اور اپنی تدبیر میں وہ بہر حال لگا ہوا ہے اور اس کو جس نام سے بھی مشہور کرو کچھ پروا نہیں کریگا۔ اس کے نزدیک سب یکساں ہیں۔ اور میں نے حکایات میں پایا کہ حضرت شیخ ابوطاہر حرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز گدھے پر بیٹھے ہوئے بازار سے گذر رہے تھے اور آپ کے مرید نے گدھے کی باگ پکڑی ہوئی تھی ایک نے بازار سے آواز دی کہ پیر زندیق یعنی بیدین پیر آیا۔ آپ کے مرید نے جب یہ بات سنی تو اپنی ارادتمندی کی غیرت کی بدولت اس کہنے والے کو زخمی کرنے کیلئے لپکا اور تمام بازاری جوش میں بھر گئے شیخ نے اپنے مرید کو کہا کہ اگر تو خاموشی اختیار کرے تو میں تجھے ایک چیز سکھلاؤں گا جس سے تیری یہ تکلیف دور ہو جائیگی مرید خاموش ہوا جب اپنے دولت خانہ پر پہنچے آپ نے مرید کو فرمایا کہ وہ صندوق لا۔ وہ لایا۔ آپ نے اس سے بہت خطوط نکالے جن پر بھیجنے والوں کے بھی نام لکھے ہوئے تھے وہ خطوط سب کے سب مرید کے آگے رکھ دیئے اور فرمایا سب لوگوں کی طرف سے میرے پاس یہ خطوط آئے ہیں کسی نے تو شیخ الاسلام کا خطاب لکھا ہے اور کسی نے شیخ ذکی کا اور کسی نے شیخ زاہد کا اور کسی نے شیخ الحرمین کا اور مانند انکی بہت سے القاب لکھے ہوئے ہیں مگر کسی نے میرا نام نہیں لکھا اور میں کسی لقب کا بھی مستحق نہیں۔ اور ہر ایک شخص اپنے اعتقاد سے میرا لقب

تجویز کر رہا ہے اور اگر اس بیچارہ نے بھی اپنے اعتقاد کے موافق میرا ایک لقب رکھ دیا تو تو نے کیوں جھگڑا برپا کر دیا۔ لیکن جس کا طریقہ ملامت قصداً لینا ہو اور عزت کو چھوڑ دینا محبوب ہو اور مخلوقات کو اور طرف مشغول کرنا ہو وہ اس طرح پر ہے۔ کہ ایک روز امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے کھجوروں کے باغ سے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے تشریف لائے اور آپ کے چار سو غلام تھے انہوں نے عرض کی کہ اے امیر المومنین یہ کیا معاملہ ہے آپ نے فرمایا اُرِیْدُ اَنْ اُجَرِّبَ نَفْسِیْ کہ میرے پاس غلام تو ہیں جو یہ کام کر سکتے ہیں مگر میں اپنے نفس کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ مخلوقات میں جو میرا رتبہ ہے وہ مجھے کسی کام سے نہ روکے اور یہ حکایت ملامت لینے پر صریح ہے اور اسی مطلب میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی ایک حکایت بیان کرتے ہیں اور جس جگہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا ذکر آئیگا اس جگہ تلاش کرنا چاہیئے اور بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یوں بیان کی گئی ہے کہ آپ ایک دفعہ سفر حجاز سے آرہے تھے، سب شہر میں غوغا ہوا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں سب شہر حضور کی پیشوائی کیلئے جمع ہوا تاکہ آپ کو تعظیم او تکریم سے لاویں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے خیال فرمایا کہ یہ لوگ اسی طرح میرے ساتھ رہے تو مجھے بسبب لحاظ کے اپنا دل ان کی طرف لگانا پڑے گا اور خدا کی یاد سے محروم رہوں گا آپ جب بازار میں تشریف لائے تو اپنی آستین سے ایک روٹی نکالکر کھانا شروع کی۔ تمام لوگ برگشتہ خاطر ہو کر چلے گئے اور اعتقاد باطل ہو جانے کی وجہ سے ایک بھی وہاں پر نہ ٹھیرا کیونکہ یہ مہینہ رمضان المبارک کا تھا اور آپ اپنے ایک مرید کے ہمراہ سفر میں تھے۔ جب سب لوگ بسبب بے اعتقادی کے چلے گئے تو آپ نے مرید کو فرمایا کہ تو نے دیکھا کہ میں نے شریعت کے ایک ہی مسئلہ کی خلاف ورزی کی ہے جس سے تمام مخلوق نے مجھے آزاد چھوڑا ہے۔

اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں ملامت کیواسطے ایک بُرے فعل کا مرتکب ہونا پڑتا تھا۔ مگر آجکل اگر کوئی ملامت کا خواہاں ہو تو اس کے

لئے لازم ہے کہ دو رکعت نماز نفل بہت لمبی کر کے پڑھے یا دین کو کامل طور پر پکڑے بس اتنی ہی بات سے منافقت اور ریاکاری کا فتویٰ لگ جائیگا۔

لیکن جس کا طریق ترک ہو تو وہ خلاف شریعت ایک آدھ کام اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے یہ ملامت کا طریقہ اختیار کیا ہوا ہے اور یہ واضح گمراہی اور ظاہری آفت ہے اور نیز یہی خواہش ہے جیسا کہ اس زمانہ میں بہت لوگ ہیں کہ جن کا مقصود مخلوقات کے رد کرنیسے ان کا قبول کرنا ہوتا ہے اس لئے پہلے اس کو مقبول ہونا چاہیئے اس کے پیچھے رد مخلوقات کا مستحق ہوگا۔ اور رد مخلوق کا ایسے طریقہ سے کرنا چاہیئے کہ مخلوق اس طریقہ کو دیکھتی ہوئی اس کا رد کر دیوے، اور جو پہلے ہی سے مقبول نہ ہو اگر وہ رد کا طریقہ اختیار کرے تو اس کو مقبول ہونے کی خواہش دامنگیر ہوتی ہے تو اس کا مقبول نہ ہونیکے پیچھے رد کا طریق اختیار کرنا محض اسی خواہش کے حاصل کرنے کیلئے بہانہ اور تکلف ہے مصنف رح کہتا ہے کہ ایک دفعہ مجھے جھوٹے مدعیوں میں سے ایک کیساتھ صحبت اختیار کرنیکا موقع ملا۔ ایکدن اس نے ایک کام خراب کیا اور ملامت کا عذر ظاہر کیا ایک مرد نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے میں نے اس جھوٹے مدعی کو غصہ میں آتے ہوئے دیکھا میں نے کہا کہ اس جوانمرد کا فعل جب تیرے مذہب کی دلیل اور تائید ہے تو اس پر تو کیوں طیش دکھلاتا ہے۔ جب وہ اس ملامت کے راستہ میں تیرے موافق ہے تو پھر تیرے لئے خصومت کرنیکی کوئی وجہ نہیں اور جو شخص خلقت کو دعوت کرتا ہے خدا کے حکم کی طرف تو اس کو اس پر دلیل رکھنی چاہیئے! ور اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ پابندِ سُنت ہو اور جب ہم تجھ سے ظاہری طور پر فرض کا ترک دیکھتے ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تو مخلوق کو فرض ہی کی دعوت دیتا ہے تو تیرا یہ کام ہمیں اسلام سے باہر نظر آرہا ہے کیونکہ جس چیز کی دعوت کا تو خود مدعی ہے۔ تو خود ہی اس کا ترک کرنیوالا ہے

فصل تیسری

جاننا چاہیئے کہ اس طریقت میں ملامت کے مذہب کو بذات خود شیخ ابوحمدون

قصار رحمۃ اللہ علیہ نے نشر فرمایا ہے اور ملامت کی حقیقت میں آپ کے بہت لطیفے ہیں اور آپ نے فرمایا ہے اَلْمَلَامَۃُ تَرْکُ السَّلَامَۃِ یعنی ملامت سلامتی کی ترک کا نام ہے، اور جو شخص جان بوجھکر سلامتی کو...... ترک کرتا ہے اور خود بخود اپنے آپ کو مصیبتوں میں گرفتار کرتا ہے۔ اور دنیا کی محبوب چیزوں اور خوشیوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے تاکہ اس پر جلال ظاہر ہو اور اس کی امیدیں برآئیں۔ اسی لئے مخلوق کو رد کر کے مخلوق سے ناامید ہو جاتا ہے اور اسکی طبع اپنی محبت کو ان سے توڑ لیتی ہے وہ جسقدر خلقت سے علیحدہ ہوگا اسی قدر حق سے ملیگا پس تمام مخلوقات جس کو اپنے لئے سلامتی سمجھتے ہیں اہل ملامت اس سے منہ موڑتے ہیں۔ ان کا ارادہ مخالف ہمتوں کے ہوتا ہے اور ان کا ارادہ اپنے اوصاف میں بخلاف ہمتوں کے وجدانی ہوگا جیساکہ احمد بن مالک رحمۃ اللہ علیہ حسین بن منصور سے روایت لاتے ہیں کہ ان سے انہوں نے پوچھا مَنِ الصُّوْفِیْ یعنی صوفی کون ہے قَالَ وَجْدَانِی الذَّاتِ کہا ذات کو پالینے والا اور ابوحمدون سے بھی لوگوں نے ملامت کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا کہ اس کا راستہ خلق پر از حد مشکل ہے مگر میں تھوڑا سا بیان کرتا ہوں رِجَاءُ الْمُرْجِیَۃِ وَخَوْفُ الْقَدْرِیَۃِ یعنی امید مرجیوں کی اور خوف قدریوں کا ملامت کی صفت ہے اور اس کے معنی میں ایک رمز ہے اور وہ یہ ہے کہ اس طبع والا خداوند تعالیٰ کی کسی چیز سے اتنی نفرت نہیں رکھتا کہ جتنی مخلوق میں عزت پانیسے نفرت رکھتا ہے اور آدمی کو تو صرف یہی کافی ہے کہ جب کبھی کوئی شخص اس کی تعریف بیان کرے تو وہ اس سے اپنی تعریف سنکر خوش ہو پس اس وجہ سے خدا سے دوری پکڑتا ہے۔ پس خوف کرنیوالا ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہے کہ وہ خطرہ کے محل سے دور رہے اور اسی کوشش میں طالب کو دو خطرے پیش آتے ہیں ایک خلقت کے حجاب کا خوف اور دوسرا کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ جس سے لوگ گناہ کی خرابی میں پڑیں اور اس پر ملامت کی زبان کھولیں، اور اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ان میں رتبہ پانیسے آرام پائے اور نہ ہی اس کا ارادہ لوگوں کو ملامت اور گناہ میں آلودہ کرنیکا ہوتا ہے پس ملامتی کو چاہیئے کہ پہلے دنیاوی اور عاقبت کا جھگڑا خلقت سے جدا کرے ان کی جو مرضی ہو

اس سے کہیں اور دل کی نجات کیلئے ایسا کام کرے کہ وہ نہ تو شریعت میں کبیرہ ہو اور
نہ صغیرہ یہانتک کہ لوگ اس کو نفرت سے دیکھیں الغرض اس کا خوف معاملات میں قدریہ
کے خوف کی مانند ہونا چاہیئے اور اس کی امید ملامت کنندوں میں مانند مرجیوں کے
چاہیئے۔ اور خوب سمجھ لو کہ دوستی کی حقیقت میں کوئی چیز ملامت سے زیادہ خوش نہیں
اس لئے کہ دوست کے دل میں دوست کی ملامت سے کچھ خطرہ نہیں۔ اور دوست
کا گذر دوست کے کوچہ کے علاوہ اور کسی طرف نہ ہوگا اور نہ ہی دوست کے دل پر
غیروں کا گذر ہوگا۔ اَجِدُ الْمَلَامَۃَ فِیْ ھَوَاکَ لَذِیْذَۃً لِاَنَّ الْمَلَامَۃَ رَوْضَۃُ الْعَاشِقِیْنَ
وَنُزْھَۃُ الْمُحِبِّیْنَ وَرَاحَۃُ الْمُشْتَاقِیْنَ وَسُرُوْرُ الْمُرِیْدِیْنَ یعنی عاشق خدا کو مخاطب
کر کے عرض کرتا ہے کہ مجھے تیرے عشق میں ملامت کی لذت حاصل ہوتی ہے اسلئے کہ
ملامت عاشقوں کا باغ ہے اور محبوں کی تازگی اور مشتاقوں کی خوشبو اور مریدوں کی
خوشی ہے اور یہ لوگ دل کی سلامتی کیلئے ملامت اختیار کرنے میں دونوں جہان سے مخصوص
ہیں اور کسی شخص کو فرشتوں اور کروبیوں اور روحانیوں سے یہ درجہ حاصل نہیں ہے اور
پہلی امتوں کے تمام زاہدوں اور عابدوں اور راغبوں اور طالبوں کو یہ درجہ نہیں ملا گر یہ
درجہ ملا ہے تو اس امت کے ان سالکوں کو ملا ہے جو اپنا دل غیروں سے ہٹائے ہوئے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک ملامت کی طلب عین ریا ہے اور ریا عین نفاق ہے اسلئے
کہ ریاکار اس راہ پر تکلف سے چلتا ہے، تاکہ مخلوقات اس کو قبول کرے اور ایسے ہی ملامتی
بھی اس راہ کو بسبب تکلف کے اختیار کرتا ہے، تاکہ مخلوق اس کو رد کرے اور یہ دونوں
مخلوقات میں پھنسے رہینگے ان سے باہر نہیں ہوں گے یہانتک کہ ایک گروہ نے ان میں ظہور
پایا اور دوسرے گروہ نے معاملت میں ظہور پایا اور درویش کے دل میں خود بخود مخلوق
کی بات کا گذر نہیں ہوتا جب دل مخلوق سے توڑ لیتا ہے اس وقت ان دونوں معنوں
سے خالی ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز اسکی پابند نہیں ہوتی۔ اور ایک وقت مجھکو ماوراء النہر کے
ملامتیوں سے ایک کیساتھ صحبت کا اتفاق ہوا جب وہ خوش ہوا تو میں نے کہا کہ اے میرے
بھائی تیری مراد اس شوریدہ حالی سے کیا ہے اس نے کہا کہ مخلوقات سے خلاصی حاصل کرنیکی

ہے۔ میں نے کہا کہ مخلوق بہت ہے اور تیری عمر کم ہے اور تو اس تھوڑی سی عمر میں اتنی مخلوق سے کسطرح خلاصی حاصل کریگا اگر مخلوق سے خلاصی کرنیکا تیرا ارادہ ہے تو تو خود مخلوق سے خلاصی حاصل کر تاکہ تجھے مخلوق سے فراغت حاصل ہو۔ اور ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ خود خلقت کیطرف مشغول ہوتا ہے اور دل میں گمان کر لیتا ہے کہ مخلوق اس کیطرف مشغول ہے۔ پس تجھے کوئی نہیں دیکھیگا تو اپنے آپ کو مت دیکھ جب زمانہ کی آفت تجھ سے پیدا ہو رہی ہے تو تجھے غیر سے کیا کام اور جس شخص کو شفا بھوک سے ہوتی ہو۔ اگر وہ کھانا کھالے تو اسکا شمار مردوں سے نہیں ہوگا۔ اور ایک گروہ ریاضت کیلئے نفس کو ملامت کرتا ہے۔ تاکہ مخلوقات کے ذلیل کرنیسے ان کا نفس راہ راست پر آجائے اور اس سے اپنی داد چاہتے ہیں! اسلئے کہ ان کی خوشی کا وہی وقت ہوتا ہے کہ جسوقت ان کا نفس بلا اور خواری میں مبتلا ہو اور حضرت ابراہیم ادہم کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ کبھی آپ نے اپنے نفس کی مراد پوری ہوتی ہوئی دیکھی۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ ہاں دو مرتبہ مجھے موقع ملا اور میں کامیاب ہوا ایک دفعہ تو میں کشتی میں سوار تھا اور کسی شخص نے بسبب میرے کپڑے پرانے ہونیکے اور بال بڑھے ہوئے ہونیکے میری شناخت نہ کی اور میں ایسے حال پر تھا کہ تمام کشتی والے مجھ پر افسوس اور ہنسی کرتے تھے اور کشتی میں ہمارے ساتھ ایک مسخرہ بھی تھا جسوقت میرے پاس آتا میرے بال کھینچتا اور نوچتا اور اپنے مسخرہ پن سے میری توہین میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کرتا تھا! اور میں اپنے آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب پاتا تھا اور نیز اس لباس میں اپنے آپ کو خوش پاتا تھا اور ایک روز میری خوشی انتہا کو پہنچی اور اسکا سبب یہ تھا کہ وہ مسخرہ اٹھا اور اس نے میرے سر پر موت دیا۔ اور دوسری مرتبہ کا واقعہ اسطرح ہے کہ ایک دفعہ سخت سردی کے موسم میں بارش شروع ہوئی اور میں اس میں قابو آیا اور میرے اوپر جو گدڑی تھی وہ مینہ کے پانی سے تر ہو کر نچڑ رہی تھی آخر کار سردی سے مجبور ہو کر ایک مسجد میں آیا مگر اس میں بھی کسی نے رہنے نہ دیا اور پھر ایک اور مسجد میں گیا وہاں بھی کسی نے رہنے نہ دیا آخر تیسری مسجد میں گیا وہاں سے بھی پیرا د واپس ہوا بالآخر میں عاجز ہو گیا اور سردی نے میرے دل پر غلبہ کر لیا اور میں نے اپنا منہ ایک

حمام کی بھٹی میں دے دیا اور اس کے دھوئیں کیوجہ سے میرے کپڑے اور منہ کالا ہوا
اس رات کو بھی میں نے اپنی مُراد حاصل کر لی تھی۔ اور میں جو علی بیٹا عثمان جلالی کا ہوں مجھے
ایکدفعہ ایک مشکل پیش آئی میں نے اس مشکل کے حل ہو جانیکی امیدمیں بہت مجاہدے کئے
مگر مشکل حل نہ ہوئی۔ اس سے پیشتر بھی مجھے ایک مشکل پیش آئی تھی اور اس کے حل کرنے کیلئے
میں نے حضرت شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی مجاوری کی تھی اور میری مشکل وہاں حل بھی
ہوگئی تھی۔ اس دفعہ بھی میں نے یہی ارادہ کیا۔ اور برابر تین مہینہ تک قبر کا مجاور بنا رہا۔
ہر روز تین مرتبہ غسل کرتا رہا اور تیس دفعہ وضو کرتا رہا مگر وہ مشکل حل نہ ہوئی بالآخر میں نے خراسان
جانیکا ارادہ کیا اور اس ولایت میں رات کیوقت ایک خانقاہ میں ٹھیرا اور وہاں ایک
صوفیوں کی جماعت بھی تھی۔ اور مجھ پر ایک ٹاٹ کی کھردری اور موٹی گودڑی تھی اور ہاتھ میں
ایک عصا اور کوزہ تھا اس کے علاوہ اور کوئی رسمی سامان میرے پاس نہ تھا اور ان
صوفیوں نے مجھے بہت حقارت کی نظر سے دیکھا اور ان میں سے کسی نے مجھکو نہیں پہچانا
اور وہ اپنی رسم کیموافق ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ یہ ہم سے نہیں اور یہ بات ان کی سچی
تھی کیونکہ میں واقعی ان میں سے نہ تھا لیکن وہ رات وہاں پر گذارنی میرے لئے ضروری
تھی اور انہوں نے اسی خانقاہ کے ایک نیچے کے چوبارہ میں مجھے بٹھلا دیا اور آپ اس سے
اوپر کے چوبارہ میں جا بیٹھے۔ اور ایک خشک روٹی اور وہ بھی روکھی میرے آگے رکھکر چلے گئے اور
مجھے ان کے ان کھانوں کی خوشبو آرہی تھی جنہیں وہ کھا رہے تھے۔ اور اس چوبارہ سے بطور
طنز مجھ سے باتیں کرتے تھے جب وہ کھانیسے فارغ ہوئے تو خربوزے لیکر بیٹھ گئے اور
انہیں کھانا شروع کیا اور چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے۔ کیونکہ ان کی طبیعت کی خوشی اس وقت میری
توہین پر موقوف تھی۔ اور میں دل میں کہتا تھا کہ بارِ خدایا اگر میں نے تیرے دوستوں کا
لباس نہ پہنا ہوا ہوتا تو میں ضرور ان سے کنارہ اختیار کرتا۔ اور جسقدر وہ طعن و ملامت
مجھ پر زیادہ کرتے تھے میں بہت خوش ہوتا تھا یہانتک کہ اس طعن کا بوجھ اٹھانیسے میری وہ
مشکل حل ہوگئی اور اسی وقت مجھکو معلوم ہوگیا کہ مشائخ رحمہم اللہ.... جاہلوں کو اپنے میں کیوں
رہنے دیتے ہیں اور ان کا بوجھ کس لئے اٹھاتے ہیں اور تحقیقی طور پر ملامت کے تمام

احکام یہی ہیں جن کو میں نے اللہ پاک کی مدد و توفیق سے ظاہر کر دیا ہے۔

باب اس امر کا کہ صوفیائے کرام کے پیشوا صحابہؓ سے کون کون ہیں

اے طالب صادق! اب قدرے بیان کرتا ہوں ان کے اماموں کا احوال اور یہ بھی کہ صحابہ میں سے ان کا کون سا صحابی معاملات میں پیشوا اور احوال میں پیشرو ہوا ہے تاکہ تیری مراد اُن سے ثابت ہو۔ ایک ان میں سے شیخ الاسلام ہیں جو کہ اہل تجرید کے امام اور خلیفہ ہیں اور نیز ارباب تفرید کے شاہنشاہ ہیں اور تمام انسانی آفتوں سے دور ہیں۔ جن کا نام نامی حضرت امیر المؤمنین ابوبکر عبداللہ صدیق بن عثمان رضی اللہ عنہ ہے جن کی بیشمار کرامتیں مشہور ہیں اور معاملات اور حقیقتوں میں ان کے نشان اور دلائل ظاہر ہیں۔ اور تصوف کے باب میں قدرے ان کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اور مشائخ نے ان کو صاحبان مشاہدہ میں مقدم رکھا ہے اسلئے کہ ان کی روایات اور حکایات بہت تھوڑی ہیں اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بسبب سختی اور کارکنی کے صاحبانِ مجاہدہ میں مقدم رکھا ہے۔ اور اہل علم کے نزدیک صحیح حدیثوں میں لکھا ہوا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھتے تو قرآن کو آہستہ پڑھتے اور جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو نماز میں قرآن پڑھتے تو بلند آواز سے پڑھتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب پوچھا کہ اے ابوبکر آپ قرآن کو آہستہ کیوں پڑھتے ہیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا۔ اَسْمَعُ مَنْ اُنَاجِیْہِ یعنی میں اس کو سناتا ہوں جسکی میں مناجات کرتا ہوں یعنی وہ بہت اچھا سننے والا ہے۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے غائب نہیں ہے اور اس کے نزدیک بلند اور آہستہ پڑھنا ایک جیسا ہے اور حضور علیہ السلام نے جب عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کی اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ اِی النَّائِمَ وَاَطْرُدُ الشَّیْطٰنَ یعنی بیدار کرتا ہوں سوئے ہوؤں کو اور دور کرتا ہوں شیطان کو یعنی حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کو مجاہدہ کا نشان بتایا اور انہوں نے نشانِ مشاہدہ۔ اور مجاہدہ کا مقام مشاہدہ کے مقام کے سامنے ایسا ہے جیسا ایک قطرہ مقابلِ دریا اسی بنا پر حضور علیہ السلام نے فرمایا ھَلْ اَنْتَ اِلَّا حَسَنَۃٌ مِّنْ

حَسَنَاتِ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی اے عمرؓ ابوبکرؓ کی تمام نیکیوں سے تو ایک نیکی کے مرتبہ پر ہے۔ اے
طالبِ صادق! سمجھ لے کہ جب عمرؓ باوجود عزتِ اسلام ہونیکے حضرت ابوبکرؓ کی نیکیوں میں
سے ایک نیکی کے برابر ہیں تو دیکھ کہ تمام جہان انکے مقابلہ پر کس درجہ میں ہوگا اور حضرت ابوبکرؓ
کے مقولوں سے ایک مقولہ یہ ہے۔ دَارُنَا فَانِیَةٌ وَاَحْوَالُنَا عَارِیَةٌ وَاَنْفَاسُنَا مَعْدُوْدَةٌ
وَکَسْلُنَا مَوْجُوْدَةٌ کہ ہمارا مقام فانی ہے اور ہمارا احوال اس میں عاریۃً ہے اور ہمارے
سانس گنے ہوئے ہیں اور ہماری سستی اسی طرح موجود پس فانی گھر کی تعمیر میں مشغول ہونا از
قبیلِ جہالت ہے اور عاریتی احوال پر بھروسہ کر لینا حماقت کی دلیل ہے اور چند سانسوں
پر دل کو لگانا غفلت ہے اور کاہلی کو دین کہتے ہیں ٹوٹا ہے کیونکہ جو چیز عاریت کے طور
پر لیجائے اس سے اس کا مالک واپس لے لیتا ہے اور جو گذرنیوالی ہو وہ نہیں رہتی۔
اور جو چیز گنتی میں آتی ہے بالآخر وہ ختم ہو جاتی ہے اور سستی کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ اور
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو اس سے اس امر کا نشان دیا کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں
میں مشغول نہیں ہونا چاہیے جس وقت تو فانی کی تحصیل میں مشغول ہوگا باقی محجوب ہو جائیگا چونکہ
نفس اور دنیا خدا کے دوستوں کیلئے حجاب واقع ہوئے ہیں اس لئے ان دونوں سے اعراض
کرنا چاہیئے کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ دنیا عاریت کی چیز ہے اور عاریتی شئے پر
مالک کے اذن کے بغیر تصرف نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت ابوبکرؓ سے یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ
اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ ابْسُطْ لِیَ الدُّنْیَا وَزَھِّدْنِیْ عَنْھَا اے اللہ میرے
لئے دنیا کو فراخ کر اور مجھ کو اس کی آفت سے بچا۔ اس مناجات میں آپ نے سب سے پہلے
یہ ارشاد فرمایا کہ اے اللہ دنیا مجھ پر فراخ کر اور پھر فرمایا مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ اس میں ایک عجیب
رمز ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے دنیا عطا فرما تاکہ میں آپ کا شکر ادا کروں اور پھر اس
سے منہ موڑنے کی بھی مجھے توفیق عطا فرما تاکہ درجہ شکر اور انفاق فی سبیل اللہ کا مجھے حاصل
ہو جائے اور نیز صبر کا مقام بھی مجھے دستیاب ہو۔ تاکہیں بسبب فقر کے مجھ پر حالت
اضطراری وارد نہ ہو جائے کیونکہ فقر اختیاری ہو جائے گا اور اس معنی میں تردید ہے اس
پیرِ معلن کی جس نے کہا کہ جس کا فقر بالاضطرار ہو گا۔ وہ کامل تر ہے بہ نسبت اس کے جس

کا فقر اختیاری ہو۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ فقر اضطراری محض فقیر کی صنعت ہے
اور فقر اختیاری اس کے فقر کی صنعت ہے۔ جب اس کا فقر فقر کی کشش سے جدا ہو جائے
تو وہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ساتھ تکلف کے اس کو حاصل کرے اور ہم کہتے ہیں
کہ فقر کی صنعت اس وقت ظاہر ہو گی جب وہ غنا کی حالت میں اپنے دل پر فقر کو غلبہ عطا کر یگا
اس کو اتنا عمل کرنا چاہیئے کہ وہ اس کو آدمؑ اور اس کی اولاد کے محبوب یعنی دنیا سے حاصل
کرے اور نہ یہ کہ فقر کی حالت میں غنا کو مانگے اور غنا اس کے دل پر غلبہ اس حد تک
اختیار کرے کہ وہ اس کی تلاش میں ظالم بادشاہوں کے دربار میں گھومتا ہوا نظر
آوے اور فقر کی صنعت یہ ہے کہ غنا سے فقر میں پڑے نہ یہ کہ فقر سے غنا میں پڑے
اور حضرت صدیق اکبرؓ بعد انبیاء علیہم السّلام کے اس صنعت میں سب سے مقدم ہیں
اور کسی کیلئے لائق نہیں کہ ان سے آگے قدم رکھے اور یہ کہے کہ فقر اضطراری فضیلت
والا ہے فقر اختیاری سے اور صوفیوں کے تمام مشائخ نے سوا اس پیر مذکور کے
مذہب پر اتفاق کیا ہے، اور اس پیر مرد کے تمام دلائل کو بھی میں نے بیان کر دیا اب
صدیق اکبرؓ کے ایک قول سے اس کو مؤکد کرتا ہوں اور یہ قول مشائخ کے مذہب پر
واضح دلیل ہو گی۔ امام زہری حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں جب
آپ سے لوگوں نے خلافت پر بیعت کی تو آپ منبر پر خطبہ پڑھنے کیلئے جلوہ گر
ہوئے آپ نے اپنے خطبہ میں یہ بات بھی بیان کی وَاللّٰہِ مَا کُنْتُ حَرِیْصًا عَلَی
الْاِمَارَۃِ یَوْمًا وَّ لَا لَیْلَۃً قَطُّ وَ لَا کُنْتُ فِیْھَا رَاغِبًا وَ لَا سَاَلْتُھَا اللّٰہَ قَطُّ فِیْ سِرٍّ
وَّ عَلَانِیَۃٍ وَمَا لِیْ فِی الْاِمَارَۃِ مِنْ رَّاحَۃٍ قسم ہے خدا کی کہ میں امارت پر حریص نہیں
ہوں اور نہ ہوا ہوں اور نہ ہی کبھی میں دن اور رات میں اس پر حریص ہوا ہوں اور نہ ہی میں
اس پر رغبت کرنیوالا ہوں اور میں نے خدا تعالیٰ سے پوشیدہ اور علانیہ طور پر کبھی اس
کے متعلق سوال نہیں کیا۔ ور مجھے امارت میں کوئی خوشی نہیں۔ اور جب بندہ کو اللہ عزوجل
کمال صدق عطا فرماتا ہے اور عزت کے محل میں اس کو بٹھا دیتا ہے تو وہ خدا کے حکم کا
منتظر رہتا ہے جس صفت سے اللہ عزوجل اس کو موصوف فرما دے اسی پر راضی ہو جاتا

ہے۔ اگر فقیر ہونیکا حکم آوے تو فقیر ہو جاتا ہے، اور اگر امیر ہو جانیکا حکم ہو جائے تو امیر ہو جاتا ہے۔ اس میں اپنی طرف سے تصرف اور اختیار کسی قسم کا نہیں کرتا۔ ایسے ہی صدیق اکبرؓ نے جیسے ابتدا میں تسلیم کے درجہ کو اختیار کیا ویسے ہی انتہا میں اختیار کیا۔ پس اس طائفہ کی اقتدا تجرید اور تمکین اور فقر پر حریص ہونے میں اور ریاست کی خواہش ترک کرنے میں ان کیساتھ ہے اسلئے آپ کہ تمام عامہ مسلمین کے دین میں امام ہیں اور خاص مسلمانوں کے طریقت میں امام ہیں، اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اہل ایمان کے چوبدار اور اہل احسان کے صعلوک یعنی شیخ اور اہل حقیقت کے امام اور خدا کی محبت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ابو حفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی کرامت شہرت پذیر ہوئیں اور اپنی فراست اور دانش کیساتھ مخصوص ہیں اور آپ کے اس راستہ میں نکات ہیں اور اس معنی میں باریکیاں ہیں اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ کہ حق عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر کلام کرتا ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا قَدْ كَانَ فِي الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَّكُ مِنْهُمْ فِيْ اُمَّتِيْ فَعُمَرُ کہ پہلی امتوں میں محدث ہوتے ہیں اگر اس امت میں ہوگا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے اور آپ کی اس راستہ میں بہت سی لطیف رمزیں ہیں اور یہ کتاب ان کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر آپ فرماتے ہیں اَلْعُزْلَةُ رَاحَةٌ مِنْ خُلَطَاءِ السُّوْءِ یعنی گوشہ نشینی میں بری ہمنشینی کی نسبت آرام ہوتا ہے، اور گوشہ نشینی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو مخلوقات سے روگردان ہونا اور دوسرا ان سے تعلق چھوڑ دینا اور خلقت سے منہ موڑ کر کسی علیحدہ مکان میں بیٹھنا اور بظاہر اپنے ہمجنسوں کی صحبت سے بیزار ہونا اور اپنے کاموں کے عیب دیکھکر آرام پانا اور لوگوں میں خلا ملا، ہونیسے اپنی خلاصی ڈھونڈتا ہے اور مخلوق کو اپنے ہاتھ کی ایذا سے بیخوف کرتا ہے لیکن مخلوقات سے قطع تعلق دل میں رکھنا چاہیئے اور دل کی صفت کا ظاہر میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جب کسی شخص کا دل مخلوقات سے علیحدہ ہو تو اس کو ان کی خبر نہیں ہوتی اسلئے کہ اس کے دل پر خداوند کریم کی محبت نے غلبہ کیا ہوا ہوتا ہے اس وقت یہ شخص اگرچہ مخلوقات میں رہے مگر مخلوق سے علیحدہ ہوتا ہے

اور اسکا ارادہ ان سے علیحدہ ہوتا ہے اور یہ مقام بہت بلند اور سید ھا ہے اور اس صفت میں سب سے زیادہ عمر رضی اللہ عنہ بڑھے ہوئے ہیں۔ آپ بظاہر مخلوقات میں امارت اور خلافت کا کام کرتے تھے مگر باطن میں ان سب دھندوں سے علیحدہ تھے اسی لئے آپ نے عزلت کو راحت فرمایا۔ اور یہ دلیل واضح ہے اس امر کی کہ بندگان خدا اگرچہ ظاہر میں مخلوق سے ملے جلے ہوں مگر ان کا دل خدا کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرنیوالے ہوتے ہیں اور وہ جس قدر صحبت مخلوق سے رکھتے ہیں اللہ عزوجل کیطرف سے اس کو بلا سمجھتے ہیں اور مخلوق سے حق تعالیٰ کی طرف بھاگتے ہیں اور دنیا دوستان خدا کے لیئے مصفا بے کدورت نہیں اور اس کا حال انہیں گوارا نہیں ہے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا دَارٌ اُسِّسَتْ عَلَی الْبَلْوٰیِ بِلَا بَلْوٰیِ مُحَالٌ یعنی اس مکان کا بغیر مصیبتوں کے ہونا محال ہوگا کہ جس کی بنیاد مصیبتوں پر رکھی گئی ہو اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اصحاب میں سے تھے اور آپ کے تمام افعال جناب ایزدی میں مقبول تھے یہانتک کہ جس روز آپ مشرف باسلام ہوئے اسی روز جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی قَدِ اسْتَبْشَرَ یَا مُحَمَّدُ اَھْلُ السَّمَاءِ الْیَوْمَ بِاِسْلَامِ عُمَرَ کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج کے روز تمام اہل آسمان عمر کے مسلمان ہونے کی بشارت دیتے ہیں پس اس طائفہ نے گودڑی پہننے اور دین پر سختی سے عمل کرنیسے انہی کی اقتدا کی کیونکہ یہ تصوف کی تمام قسمیں ہیں۔

اور ان میں سے حیا و شرم کا خزانہ اور صوفیوں سے بڑھکر عابد اور رضا کی درگاہ کے ملازم اور مصطفیٰ کے راستہ کو طرح طرح کی زیبائش سے آراستہ کرنیوالے ابو عمر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں آپ کے فضائل و مناقب تمام معانی میں ظاہر و باہر ہیں اور عبد اللہ بن رباح اور ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حرب الدار کے روز ہم حضرت عثمان رضی کے پاس تھے جب غل غپاڑہ کرنیوالے آپ کے دروازہ پر اکٹھے ہوئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ جو غلام ہتھیار نہ پکڑے میں اس کو اللہ عزوجل کی راہ میں آزاد کر دوں گا ادھر ہم لوگ اپنی جان بچانے کیلئے باہر آئے حسنؓ بیٹا علیؓ کا ہم کو راستہ میں ملا اس کے ساتھ ہم پھر لوٹ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ اس جانے سے ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ ہم دیکھیں کہ حضرت حسنؓ بن علی رضی اللہ عنہما حضرت عثمانؓ کے پاس کیوں واپس گئے ہیں۔ جب امام حسنؓ اندر تشریف لے گئے تو آپ نے بعد از سلام اس مصیبت پر افسوس کا اظہار کیا۔ اور عرض کی کہ اے امیر المومنین میں آپ کے فرمان کے بغیر مسلمانوں پر تلوار نہیں چلا سکتا اور آپ امام برحق ہیں آپ مجھے حکم دیجئے تاکہ میں اس بلا کو آپ سے دفع کروں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ یَا ابْنَ اَخِیْ اِرْجِعْ وَاجْلِسْ فِیْ بَیْتِكَ حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِیْ اِهْرَاقِ الدِّمَاءِ کہ اے میرے بھائی کے بیٹے واپس چلے جاؤ اور گھر میں جا کر بیٹھو یہاں تک کہ اللہ عزوجل کا حکم پورا ہو جائے اور مجھے خون بہانے کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ علامت خلیل کیلئے اس کی خُلت کے آزمانے کیلئے بلا کے وارد ہونے کے نتیجے مسلّم ہے، جیسا کہ نمرود لعنتی نے آگ جلائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گوپیا میں اس ارادے پر رکھا کہ اس سے آگ میں ڈالا جائے، جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا۔ کہ میں تجھ سے کوئی حاجت نہیں رکھتا جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اچھا خدا سے مانگ تو آپ نے فرمایا حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ کہ مجھے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ میرے سوال کو مجھ سے بہتر جانتا ہے اور نیز مجھ سے بہتر جانتا ہے کہ میری بھلائی و اصلاح کس امر میں ہے، پس اے طالب صادق! عثمان رضی اللہ عنہ بمنزلہ خلیل کے تھے گوپیا میں اور لوگوں کا غوغا بمنزلہ آگ کے تھا اور امام حسن بمنزلہ جبرئیل تھے مگر حضرت عثمانؓ اور ابراہیم علیہ السلام میں فرق صرف اسی قدر ہے، کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو اس بلا سے نجات مل گئی مگر حضرت عثمانؓ اس بلا میں ہلاک ہوئے اور یہ بھی خوب سمجھ لو کہ نجات کا تعلق بقا کیساتھ ہے اور ہلاک کا فنا کیساتھ اور اس معنی میں پہلے بھی ہم کچھ

بیان کر آتے ہیں پس اس طائفہ کی اقتدار کرنی صرفِ مال و جان میں اور امور کی تسلیم میں اور
عبادت کے اخلاص میں حضرت عثمان کی اقتدا ہے اور وہ درحقیقت سچے امام ہیں کیا شریعت میں
اور کیا حقیقت میں اور دوستی میں اس کے راستہ میں تربیت ظاہر ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور ان میں سے ہے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی اور مصیبت کے دریا کا غریق
اور محبت کی آگ کا حریق اور تمام اولیاء اور اصفیاء کا مقتدا حضرت ابوالحسن علی بن ابی
طالب کرم اللہ وجہہ ہے آپ کی اس راستہ میں بہت بڑی شان ہے اور بہت ہی بڑا
درجہ ہے اور حقیقت کے اصول کی عبارتوں کی توضیح کرنے میں بےنظیر ہیں۔ یہانتک کہ آپ
کی شان میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔ شَیْخُنَا فِی الْاُصُوْلِ
وَالْبَلَاءِ عَلِیُّ الْمُرْتَضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْهَهٗ کہ ہمارے شیخ اصول اور مصیبتوں میں علی مرتضیٰ
کرم اللہ وجہہ ہیں یعنی ہمارے امام معاملات اور طریقت کے علم میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اور جاننا چاہیئے کہ
علم طریقت کو اہل طریقت علم اصول کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور طریقت کے تمام معاملات میں بلا
کھینچنی ہے۔ آپکے تذکروں میں آتا ہے۔ کہ ایک شخص نے آپکو کہا کہ اے امیر المومنین آپ مجھے کوئی
وصیت فرماویں آپ نے فرمایا۔ لَا تَجْعَلَنَّ اَکْبَرَ شُغْلِكَ بِاَهْلِكَ وَوَلَدِكَ فَاِنْ
یَّكُنْ اَهْلُكَ وَوَلَدُكَ مِنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَا یُضِیْعُ اَوْلِیَاءَهٗ
وَاِنْ كَانُوْا اَعْدَاءَ اللّٰهِ فَمَا هَمُّكَ وَشُغْلُكَ لِاَعْدَاءِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ کہ اپنے اہل اولاد
کے شغل کو بہت بڑا شغل نہ ہونے نہ کرنا اس لئے کہ اگر تیرے اہل وعیال اللہ کے دوستوں
سے ہیں۔ تو خوب سمجھ لے کہ اللہ عزوجل اپنے دوستوں کو کبھی ضائع نہیں فرمائیگا اور اگر
وہ اللہ کے دشمنوں سے ہیں تو تیری اللہ کے دشمنوں سے غمخواری کرنی کسی طرح
درست نہیں اے طالب صادق! خوب سمجھ لے کہ اس مسئلہ کا تعلق حق تعالیٰ کے ماسوا
سب چیزوں سے دل منقطع کر لینے کیساتھ ہے یعنی وہ جس حال میں اپنے بندوں کو رکھے
اسی حال میں رہیں گے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بیٹی کو مشکلترین
وقت میں علیحدہ کیا اور خود خدا کی بات تسلیم کرنیکے درپے ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو اٹھایا اور ایسے جنگل میں چھوڑ آئے جہاں کسی قسم کی زراعت

نہ تھی اور انہیں خدا کے سپرد کیا اور ان کو اپنے دل کا مشغلہ نہ ٹھیرایا اور اپنا دل ان سے ہٹا کر خدا کیطرف لگالیا اور ان کی دونوں جہان کی مُراد بیمرادی کی حالت میں پوری ہوئی۔ اور انہوں نے اپنے سب کام اللہ عزوجل کے حوالے کئے۔ اور اسی کی مانند ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وہ مقولہ جو اس سائل کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا جس نے آپ سے پوچھا کہ سب کسبوں سے پاکیزہ کسب کونسا ہے آپ نے فرمایا غِنَاءُ الْقَلْبِ بِاللّٰہِ کہ جس کا دل اللہ عزوجل کیساتھ غنی ہوگا اس کو دنیا کی نیستی غمناک نہیں کرسکتی۔ اور نہ ہی دنیا کی ہستی اس کو خوش کرسکتی ہے۔ اور اس معنی کی حقیقت ہی فقر اور صفوت کیطرف واپس لاتی ہے جس کا ذکر پہلے گذرچکا ہے، پس اہل طریقت کیلئے لازم ہے کہ عبارات کی حقیقتوں اور اشارات کی باریکیوں اور دنیا اور آخرت کی تجرید اور خدا کی تقدیر کے نظارہ میں اس کی اقتدا کریں اور اس کے کلام کے بھی نکات اس قدر ہیں کہ احاطہ میں نہیں آسکتے۔ اور میرا مذہب اس کتاب میں اختصار سے کام لینے کا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

چھٹا باب (۶)

اُن حضرات اہلبیت کے ذکر میں ہے جو کہ طریقت والوں کے امام ہوئے ہیں۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت میں سے جو کہ ازلی طہارت سے مخصوص ہیں ہر ایک کو ان معانی میں کاملہ دسترس تھی اور سب کے سب اس طائفہ کے امام و پیشوا تھے۔ چاہے وہ خاص ہوں اور چاہے عام اور میں ان میں سے ایک گروہ کا احوال تحریر کروں گا اگر اللہ عزوجل نے چاہا۔ ان میں سے ایک تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے اور مرتضیٰ کے دل کی خوشبو اور فاطمۃ الزہرا کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ جن کا نام نامی ابو محمد حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہے، آپ کو اس طریقہ پر نظر کامل تھی اور اس معنی کی عبارتوں کے دقائق میں آپ کو حظ وافر ملا ہوا تھا آپ کے وصیت نامہ میں لکھا ہوا ہے۔ عَلَیْکُمْ بِحِفْظِ السَّرَائِرِ فَاِنَّ اللّٰہَ مُطَّلِعٌ عَلَی الضَّمَائِرِ

کہ تم اپنے بھیدوں کو پوشیدہ رکھو اس لئے کہ اللہ عزوجل تمام پوشیدہ بھیدوں سے واقفیت رکھتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ بھیدوں کی حفاظت کرنے کیواسطے جیسے مامور ہے، ویسے ہی اپنے دلوں کے بھیدوں کی حفاظت کیلئے مامور و مخاطب ہے پس بھیدوں کی حفاظت غیروں کی طرف توجہ نہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور ضمیروں کی حفاظت حیا کی مخالفت سے کس طرح حاصل ہو گی۔ اور مذکور ہے کہ جب قدریوں نے غلبہ حاصل کیا اور معتزلہ کا مذہب دنیا میں بہت پھیل گیا تو اسوقت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف خط لکھا جس کا مضمون لفظ بہ لفظ یہ ہے، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ قُرَّۃَ عَیْنِہٖ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّکُمْ مَعَاشِرَ بَنِیْ ھَاشِمٍ کَالْفُلْکِ الْجَارِیَۃِ فِیْ بَحْرٍ لُجِّیٍّ وَمَصَابِیْحُ الدُّجٰی وَاَعْلَامُ الْھُدٰی وَالْاَئِمَّۃُ الْقَادَۃُ الَّذِیْنَ مَنْ تَبِعَھُمْ نَجٰی کَسَفِیْنَۃِ نُوْحٍ الْمَشْحُوْنَۃِ الَّتِیْ یَؤُلُ اِلَیْھَا الْمُؤْمِنُوْنَ وَیَنْجُوْا فِیْھَا الْمُتَمَسِّکُوْنَ فَمَا قَوْلُکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ حَیْرَتِنَا فِی الْقَدْرِ وَاخْتِلَافِنَا فِی الْاِسْتِطَاعَۃِ لِتُعَلِّمَنَا بِمَا تَاکَّدَ عَلَیْہِ رَأْیُکَ فَاِنَّکُمْ ذُرِّیَّۃٌ بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ بِعِلْمِ اللّٰہِ عَلِمْتُمْ وَھُوَ الشَّاھِدُ عَلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ شُھَدَآءُ اللّٰہِ عَلَی النَّاسِ وَالسَّلَامُ۔

(ترجمہ) خدا کا سلام تم پر ہو اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے اور ان کی آنکھوں کے نور اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر ہوں کہ تم سب کے سب بنی ہاشم ان کشتیوں کی طرح ہو جو کہ نہایت گہرے دریا میں چل رہی ہوں۔ اور چمکنے والے ستارے اور ہدایت کے علم اور دین کے امام ہو۔ جو شخص تمہاری فرمانبرداری کریگا نجات پائیگا جیسے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونیوالوں کی نجات ہوئی تھی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے آپ ہمارے اس تحیّر میں جو کہ ہمیں قدر اور استطاعت کے اختلاف میں واقع ہو رہا ہے کیا فرماتے ہیں۔ تاکہ ہم معلوم کریں کہ آپ کی اس میں کیا روش ہے اور آپ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں آپ کا علم کبھی نہ منقطع ہو گا اور آپ

کا علم اللہ عزوجل کی تعلیم سے ہے اور آپ کا محافظ اللہ عزوجل ہے، اور آپ اللہ عزوجل کے حکم سے مخلوقات کے محافظ ہیں۔ اور جب یہ نامہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے یہ جواب لکھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدِ انْتَهٰى اِلَيَّ كِتَابُكَ عِنْدَ حَيْرَتِكَ وَحَيْرَةِ مَنْ زَعَمْتَ مِنْ اُمَّتِنَا وَالَّذِيْ عَلَيْهِ رَاْيِيْ اِنَّ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ حَمَلَ الْمَعَاصِيَ عَلَى اللّٰهِ فَقَدْ فَجَرَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُطَاعُ بِاِكْرَاهٍ وَلَا يُعْصٰى بِغَلَبَةٍ وَلَا يُمْهِلُ الْعِبَادَ فِيْ مُلْكِهٖ لٰكِنَّهُ الْمَالِكُ لِمَا يَمْلِكُهُمْ وَالْقَادِرُ عَلٰى مَا عَلَيْهِ قَدَرَهُمْ فَاِنِ ائْتَمَرُوْا بِالطَّاعَةِ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اِخْتِيَارًا وَلَا لَهُمْ عَنْهَا مُثَبِّطًا وَاِنْ اَتَوْا بِالْمَعْصِيَةِ وَشَاءَ اَنْ يَّمُنَّ عَلَيْهِمْ فَيَحُوْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهَا فَعَلَ وَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ هُوَ عَمَلُهُمْ عَلَيْهَا اِجْبَارًا وَلَا اَلْزَمَهُمْ اِكْرَاهًا اِيَّاهَا بِاحْتِجَاجِهٖ عَلَيْهِمْ اِنْ عَرَّفَهُمْ وَمَكَّنَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمُ السَّبِيْلَ اِلٰى اَخْذِ مَا دَعَاهُمْ اِلَيْهِ وَتَرْكِ مَا نَهَاهُمْ عَنْهُ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ وَالسَّلَامُ

یعنی جو کچھ تو نے اپنی حیرت سے تحریر کیا ہے اور نیز ہماری امت کے متعلق قدر کے مسئلہ میں تحریر فرمایا ہے انہیں میری پختہ اور صحیح رائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ عزوجل کی طرف سے نیکی اور برائی کا مقدر ہونا تسلیم نہ کرے تو وہ کافر ہے اور جو گناہوں اور نافرمانیوں کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرے وہ کھلم کھلا بدکار ہے۔ یعنی تقدیر کا انکار قدریوں کا مذہب ہے اور گناہوں اور نافرمانیوں کو خدا کیطرف منسوب کرنا مذہب جبریوں کا ہے، اور بندہ کو حق جل و علا کیطرف سے جسقدر توفیق ملی ہے اسی کے موافق اپنے کسب میں اختیار دیا گیا ہے! اور ہمارا مذہب قدر اور جبر کے درمیان ہے اور میری مراد اے طالب صادق! اس نامہ سے بجز ایک کلمہ کے اور نہ تھی مگر میں نے سب کو اس لئے تحریر کیا کہ بہت ہی عمدہ تھا! اور اس جملہ کو میں اس لئے لایا ہوں کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حقائق اور اصول کے علم میں اسدرجہ پر تھے۔ کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اشارات اور علم میں کامل ہونے کے باوجود ان کا دسواں حصہ

بھی نہ رکھتے تھے۔

اور میں نے حکایات میں لکھا پایا ہے کہ ایک اعرابی جنگل سے آیا اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور یہ مکان کوفہ میں تھا اس اعرابی نے آتے ہی ماں باپ کی آپ کو گالیاں دینی شروع کیں آپ نے فرمایا اے اعرابی کیا تجھے بھوک لگی ہوئی ہے یا پیاس یا تجھے کیا آزار پہنچا ہے، اور وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ تو ایسا تیرے ماں باپ ایسے تجھے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلام کو فرمایا کہ اس اعرابی کو وہ بدرہ روپیوں کا لا کر دیدو۔ اور فرمایا کہ لے اعرابی تو مجھے معذور تصور کر کہ ہمارے گھر میں بجز اس کے اور کوئی روپیہ نہیں ورنہ میں تجھ سے دریغ نہ رکھتا جب اعرابی نے یہ کلام سُنا تو جھٹ کہا اَشْھَدُ اَنَّکَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ہے۔ اور میں اسی لئے تیرے حلم کی آزمائش کیلئے آیا تھا۔ اور یہ صفت سچے محبان خدا کی ہوتی ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک مخلوقات کا بھلا بُرا کہنا ایک جیسا ہو جاتا ہے وہ ان کے بُرا کہنے سے کبھی خفا نہیں ہوتے۔

اور انہیں سے ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی شمع اور تمام تعلقات سے علیحدہ اپنے زمانہ کے سردار ابو عبداللہ الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ شاندار اولیاء سے ہیں اور اہل بلا کے قبلہ ہیں اور کربلا کے قتیل ہیں۔ اور اہل طریقت ان کے حال کی درستی پر اتفاق رکھتے ہیں اسلئے کہ جبتک حق ظاہر رہا آپ اس کے پیرو رہے اور جب حق گم ہوا آپ نے تلوار نکال لی اور جبتک اپنی پیاری جان کو خداوند کریم کے راستہ میں قربان نہ کر دیا آرام نہ لیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ میں بہت نشانیاں تھیں جن سے آپ مخصوص تھے جیسا کہ عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ نے حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی پشت پر بٹھایا ہوا ہے اور ایک دھاگہ اپنے منہ میں لیکر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو چلاتے اور آپ

گھٹنوں کے بل چلتے تھے جب میں نے آپ کو دیکھا تو کہا نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللہِ یعنی اے حسینؓ تیرا اونٹ بہت اچھا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نِعْمَ الرَّاکِبُ ھُوَ یَا عُمَرُ اے عمر سوار بھی بہت اچھا ہے! اور حق کے طریق میں آپ کا کلام بہت ہی ہے اور اس میں بیشمار رمزیں اور اچھے معاملات ہیں! اور آپ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اَشْفَقُ الْاِخْوَانِ عَلَیْکَ دِیْنُکَ کہ تیرے بھائیوں سے بڑھکر تیرا دین شفقت کرنیوالا ہے اسواسطے کہ مرد کی نجات دین کی پیروی میں ہوتی ہے، اور اس کی ہلاکت اس کی مخالفت میں ہے پس عقلمند آدمی وہ ہوتا ہے کہ جو شفقت کرنے والوں کا حکم مانے اور ان کو اپنا شفیق جانے اور ان کی پیروی سے بالکل باہر نہ جائے اور بھائی وہ ہوتے ہیں کہ جو نصیحت کریں اور شفقت کا دروازہ بند نہ کریں"!

اور میں نے حکایات میں پایا کہ ایک روز ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے عرض کی کہ اے بیٹے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے میں ایک درویش مرد ہوں اور چھوٹے چھوٹے میرے بچے ہیں۔ آج رات کی خوراک آپ سے چاہتا ہوں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ میرا رزق چلا آرہا ہے جب آئیگا تو میں تجھے رخصت کرونگا اتنے میں ہی پانچ تھیلیاں سرخ دینار کی بھری ہوئی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آئیں۔ ہر تھیلی میں ہزار دینار تھے اور لانیوالوں نے عرض کی کہ معاویہ آپ سے عذر خواہی کرتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ آپ اپنے خدمت گذاروں پر اس کو خرچ کریں پھر اس سے زیادہ مال بھیجا جائیگا امام حسین علیہ السلام نے اس درویش کو وہ پانچوں تھیلیاں اٹھا لینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی عذر خواہی کی کہ میں نے آپ کو بہت دیر بٹھایا آپ مجھے معاف کریں اگر مجھے معلوم ہوتا کہ پانچ ہی تھیلیاں آئینگی تو میں کبھی اس کے انتظار میں آپ کو نہ بٹھلاتا چونکہ ہم اہل بلا ہیں اسلیئے آپ ہمیں معذور رکھئے ہم نے تو دنیا کی تمام خوشیاں ترک کر دی ہیں اور اپنی مرادیں بھی کم کر دی ہیں اور ہم نے اپنی زندگی دوسروں کی مراد پورا کرنے میں وقف کی ہوئی ہے۔ آپکے مناقب بیشمار ہیں امت سے پوشیدہ نہیں اللہ عزوجل ان سب سے راضی ہو! اور اہل بیت سے ابوالحسن علی زین العابدین

بن حسین بن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں جو کہ نبوت کے وارث اور اُمت کے چراغ اور سردارِ مظلوم اور امامِ مرحوم اور بندوں کی زینت اور اوتادوں کی شمع ہیں اور نیز تمام زمانہ کے لوگوں سے زیادہ عبادت کرنیوالے ہیں آپ حقائق کے کشف اور باریکیوں کے بیان کرنے میں مشہور ہیں۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ نیک بخت کون ہے۔ آپ نے فرمایا مَنْ اِذَا رَضِیَ لَمْ یَحْمِلْهُ رِضَاهُ عَلَى الْبَاطِلِ وَاِذَا سَخَطَ لَمْ یُخْرِجْهُ سَخَطُهُ مِنَ الْحَقِّ کہ وہ شخص ہے کہ جس وقت راضی ہو تو وہ باطل پر راضی نہ ہو اور جب غصہ میں آئے تو حق سے باہر نہ ہو اور یہ معنی کمال راستی پر چلنے والوں کے اوصاف سے ہیں۔ اس لئے کہ باطل پر راضی ہونا باطل ہے اور غصہ کی حالت میں حق سے نکلنا بھی باطل ہے اور مومن باطل باتوں کا کبھی گرویدہ نہیں ہوتا۔ اور حکایات بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حسینؓ بن علیؓ کو فرزندوں سمیت کربلا میں کوفیوں نے شہید کیا تو آپ کے سوا کوئی نہیں بچا تھا جو عورتوں پر محافظ ہو مگر آپ بیمار تھے اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو علی اصغر کہا کرتے تھے جب ان کو ننگے اونٹوں پر چڑھا کر یزید بن معاویہ عَلَيْهِ مَا يَسْتَحِقُّ اَخْزَاهُ اللّٰهُ دُوْنَ اَبِيْهِ کے روبرو پیش کیا ان میں سے ایک نے آپ سے کہا كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا عَلِيُّ وَيَا اَهْلَ بَيْتِ الرَّحْمَةِ قَالَ اَصْبَحْنَا مِنْ قَوْمِنَا بِمَنْزِلَةِ قَوْمِ مُوْسٰى مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَهُمْ فَلَا نَدْرِيْ صَبَاحَنَا مِنْ مَسَاۗئِنَا مِنْ حَقِيْقَةِ بَلَاۗئِنَا۔ اے علی تو نے صبح کس حالت میں کی اے رحمت کے گھر کے اہل آپنے جواب دیا کہ ہماری صبح اپنی قوم کے ظلم میں ویسی ہی ہے جیسی کہ موسیٰ کی قوم کی صبح فرعون کی قوم کی بلا سے ہوئی تھی کہ انہوں نے ان کے فرزندوں کو مار ڈالا تھا اور ان کی عورتوں کو بردہ بنالیا تھا یہاں تک کہ ہم نہ صبح کو جانتے ہیں اور نہ ہی شام کو اور یہ ہماری بلا کی حقیقت ہے اور ہم اللہ عزوجل کا شکریہ ادا کرتے ہیں اسکی نعمتوں پر اور صبر کرتے ہیں اسکی آئی ہوئی بلاؤں پر۔ اور حکایات میں ہے کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان ایک سال حج کرنیکے لئے آیا اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود کو چومنے کیلئے آگے بڑھا خلقت کے ہجوم

کیونکہ ہجوم سے بوسہ نہ دے سکا اس وقت منبر کے اوپر خطبہ کیلئے کھڑا ہوا اسی وقت حضرت زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم مسجد میں اجلے کپڑوں اور چمکتے ہوئے چہرے سے تشریف لائے آپ کے کپڑے عطر کی خوشبو سے مہک رہے تھے آپ نے آتے ہی طواف شروع کیا جب آپ حجر اسود کو بوسہ دینے کیلئے بڑھے تمام لوگوں نے از روئے تعظیم حجر اسود کا گرد چھوڑ دیا جبتک آپ نے اس کو بوسہ نہیں دے لیا اسوقت تک سب لوگ پیچھے ہٹے رہے شام کے رہنے والوں سے جب ایک آدمی نے آپ کی یہ ہیبت دیکھی تو اس نے ہشام سے ذکر کیا کہ اے امیر المومنین ان لوگوں نے حجر اسود کا راستہ تیرے لئے تو خالی نہ کیا حالانکہ تو امیر المومنین ہے مگر جب وہ جوان خوبصورت آیا تو ان سب نے اس کیلئے حجر اسود کو خالی چھوڑا۔ ہشام نے کہا کہ میں اس کو نہیں پہچانتا اور اس کی مراد یہ تھی کہ اہل شام ان سے نا آشنا ہیں اور کہیں ان کے دل میں ان کی محبت نہ ہو جائے اور یا اس محبت میں آ کر کہیں ان کو امارتِ سلطنت کیلئے تیار نہ کر دیں فرزدق شاعر وہاں پر کھڑا تھا اس نے کہا کہ میں اس کو خوب پہچانتا ہوں انہوں نے کہا کہ اے ابوفراس یہ کون ہے ہم کو ضرور خبر دو وہ بہت ہی خوبصورت بارعب جوان ہے فرزدق نے کہا خوب دھیان سے سنو اسکا حسب اور صفت بیان کروں گا فَاَنْشَا دَ فَرَزْدَق یَقُوْلُ اتنی بات کہہ کر فرزدق نے شعر کہنے شروع کئے

قَصِیْدَہ

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْاَتَہٗ وَالْبَیْتُ یَعْرِفُہٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

یہ وہ ہے کہ جس کے قدموں کے نشان کو مکہ معظمہ اور حل و حرم شناخت کرتے ہیں۔

هٰذَا ابْنُ خَیْرِ عِبَادِ اللّٰہِ کُلِّھِمْ هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

یہ خدا کے بندوں سے بہترین کا فرزند ہے یہ متقی اور پاکیزہ اور صاف صاحب نشان ہے

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَۃَ الزَّهْرَاءِ اِنْ کُنْتَ جَاهِلَہٗ بِجَدِّهٖ اَنْبِیَاءُ اللّٰہِ قَدْ خُتِمُوْا

اگر تو اس کو نہیں جانتا تو سن لے کہ یہ فاطمہ زہرا کا فرزند ہے اس کے جد بزرگوار پر تمام نبیوں کا خاتمہ ہوا ہے،

یُبِیْنُ نُوْرُ الدُّجیٰ عَنْ نُوْرِ طَلْعَتِہٖ

اس کی پیشانی کی چمک سے ظلمتیں دور ہوتی ہیں

کَالشَّمْسِ مُنْجَابُ عَنْ اَشْرَاقِہَا الظُّلَمُ

جیسے کہ آفتاب کے طلوع ہونیسے اندھیرا بل چھٹ جاتی ہیں

یُغْضِیْ حَیَاءً وَیُغْضٰی مُہَابَۃً

آنکھیں بسبب حیا کے نیچی رکھتا ہے اور اس کی ہیبت سے لوگ آنکھیں نیچے کر لیتے ہیں

فَمَا یُکَلَّمُ اِلَّا حِیْنَ یَبْتَسِمُ

اں اسے اسوقت بات کرتے ہیں کہ جسوقت وہ ہنس رہے ہوں

اِذَا رَاَتْہُ قُرَیْشٌ قَالَ قَائِلُھَا

جسوقت قریش کا قبیلہ آپکو دیکھ پاتا ہے تو انکا کہنے والا کہتا ہے

اِلٰی مَکَارِمِ ھٰذَا یَنْتَھِی الْکَرَمُ

کہ تمام بخششوں اور خصائل حمیدہ کا اسپر خاتمہ ہوا ہے

یَنْمِیْ اِلٰی ذُرْوَۃِ الْعِزِّ الَّتِیْ قَصُرَتْ

وہ ان عزت کی چوٹیوں پر چڑھا ہے کہ جس پر

عَنْ نَیْلِھَا عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ

عرب و عجم کے مسلمان چڑھنے سے قاصر رہے ہیں

مَنْ جَدُّہٗ وَاِنَّ فَضْلَ الْاَنْبِیَاءِ لَہٗ

اس کا جد امجد وہ ہے کہ جس کی فضیلت تمام نبیوں سے بڑھی ہوئی ہے

وَفَضْلُ اُمَّتِہٖ وَاُنْتَ لَہُ الْاُمَمُ

اور نیز اس کی اُمت کی بزرگی سب امتوں سے بڑھی ہوئی ہے حالانکہ تو بھی ان کی اُمت سے ایک فرد ہے۔

یَکَادُ یُمْسِکُہٗ عِرْفَانَ رَاحَتِہٖ

قریب ہے کہ اسکی ہاتھ کی خوشبو کو رکن حطیم یعنی حجر اسود چوم لے

رُکْنُ الْحَطِیْمِ اِذَا مَا جَاءَ یَسْتَلِمُ

جبکہ وہ اس کے چومنے کے لیے آگے بڑھتا ہے

فِیْ کَفِّہٖ خَیْزُرَانٌ رِیْحُہٗ عَبِقٌ

اسکے ہاتھ میں بید مشک کی چھڑی ہے اسکی خوشبو نہایت خوشگوار

مِنْ کَفِّہٖ اَرْوَعُ فِیْ عِرْنِیْنِہٖ شَمَمُ

اسکی ہتیلی سے خوشبو چاروں طرف گھوم رہی ہے اور اسکی ناک میں بلندی

سَھْلُ الْخَلِیْقَۃِ لَا یُخْفٰی بَوَادِرُہٗ

نرم خو والا ہے پوشیدہ نہیں ہیں اس کی خصلتیں

یُزَیِّنُہٗ اِثْنَانِ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالشِّیَمُ

اس کو دو چیزوں نے زینت دی ہے ایک تو عمدہ خوبی دوسرے خوش خلقی

مُشْتَقَّۃٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ نَبْعَتُہٗ

اسکی صفتیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نکالی گئی ہیں

طَابَتْ عَنَاصِرُہٗ وَالْخِیَمُ وَالشِّیَمُ

بہت عمدہ ہیں اسکے عناصر اور خوئیں اور خصلتیں

فَلَیْسَ قَوْلُکَ مَنْ ھٰذَا بِضَائِرِہٖ

پس تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے اس کو نقصان دینے والا نہیں

اَلْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْکَرْتَ وَالْعَجَمُ

عرب اور عجم خوب پہچانتا ہے کہ تو نے کس کا انکار کیا

کِلْتَا یَدَیْہِ غِیَاثٌ عَمَّ نَفْعُھُمَا

اسکے دونوں ہاتھ موسلا دھار بارش ہیں جنکا فیض عام ہے

تَسْتَوْکِفَانِ وَلَا یَعْرُوْھُمَا الْعَدَمُ

جو بخشش کرتی رہتی ہیں اور مال کا نہ ہونا انکو کبھی خالی نہیں کرتا

عَمَّ الْبَرِيَّةَ بِالْاِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ — عَنْهَا الْغِيَايَةُ وَالْاِمْلَاقُ وَالظُّلَمُ

مخلوقات پر ان کا احسان عام ہے — پس دور ہوتی مخلوقات سے گمراہی اور تنگدستی اور ظلم

لَا يَسْتَطِيعُ جَوَادٌ بُعْدَ غَايَتِهِمْ — وَلَا يُدَانِيهِمْ قَوْمٌ وَاِنْ كَرُمُوا

کوئی جوانمرد سخاوت کرنے میں ان جیسی طاقت نہیں رکھ سکتا — اور کوئی قوم درجے میں انکے قریب نہیں ہو سکتی اگرچہ کتنے ہی سخاوت بخش

هُمُ الْغُيُوثُ اِذَا مَا اَزْمَةٌ اَزَمَتْ — وَالْاُسْدُ اُسْدُ الشَّرٰى وَالنَّاسُ مُحْتَدِمُ

وہ زور کا مینہ ہیں جس وقت لوگ خشک سالی میں مبتلا ہوں — اور وہ شیر بیشہ ہیں کہ جس وقت لوگ لڑائی کے میدان میں آگ جلانیوالے ہوں

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِيْنٌ وَبُغْضُهُمْ — كُفْرٌ وَقُرْبُهُمْ مُنْجٍ وَمُعْتَصَمُ

وہ اس گروہ سے ہیں کہ جنکی محبت دین ہے اور ان کا بغض — کفر ہے اور ان کا قرب خلاصی دینے والا ہے اور پناہ کی جگہ ہے

اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ — وَقِيْلَ مَنْ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ قِيْلَ هُمُ

اگر متقی لوگوں کا شمار کیا جائے تو یہ ان کے امام ہیں — اور اگر سوال کیا جائے کہ سب لوگوں سے افضل کون ہیں تو جواب ملیگا یہی ہیں

سِيَّانِ ذٰلِكَ اِنْ اَثْرَوْا وَاِنْ عَدِمُوْا — لَا يَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِنْ اَكُفِّهِمِ

ان کا صاحب ثروت اور نادار ہونا دونوں برابر ہیں — ان کے ہاتھوں کی فراخی کو تنگی کم نہیں کر سکتی

اَللّٰهُ فَضَّلَهٗ كَرَمًا وَّشَرَّفَهٗ — جَرٰى بِذٰلِكَ لَهٗ فِي اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اللہ عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے اسکو بزرگی اور شرف دیا ہے — لوح و قلم میں بسبب اس کے حکم جاری ہیں

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذِكْرُهُمُ — فِيْ كُلِّ بَدْءٍ وَّمَخْتُوْمٌ بِهِ الْقَلَمُ

ان کا ذکر اللہ کے ذکر کے پیچھے مقدم ہوا ابتدا اور انتہا میں — اور ان کی بزرگی کے سبب قلم لوح محفوظ پر چلائی گئی

مَنْ يَعْرِفُ اللّٰهَ يَعْرِفُ اَوَّلِيَّتَهٗ — وَالدِّيْنُ مِنْ بَيْتِ هٰذَا نَالَهُ الْاُمَمُ

جو شخص اللہ کو پہچانتا ہے وہ اسکو بدرجہ اولیٰ پہچانتا ہے — اور دین امت کو انہیں کے گھرانے سے دستیاب ہوا ہے

اَيُّ قَبَائِلَ لَيْسَتْ فِيْ رِقَابِهِمِ

وہ کون سے قبیلے ہیں کہ جن کی گردنوں میں

لِاَوَّلِيَّةِ هٰذَا اَوْ لَهٗ نِعَمُ

اس کے پہلوں کی یا اس کی نعمتیں نہیں ہیں

اور اس کی مثل اور بھی بہت سے شعر فرزدق نے کہے حضرت زین العابدینؓ اور تمام اہلبیت کی خوب تعریف کی۔ہشام بہت غصے میں آیا اور حکم دیا کہ اس کو عسفان میں قید رکھو عسفان ایک جگہ مدینہ اور مکہ کے درمیان ہے اور یہ خبر بعینہٖ حضرت زین العابدینؓ کی درگاہ میں پہنچی آپ نے فرمایا کہ بارہ ہزار درہم و دینار فرزدق کو دیدو اور لے جانیوالے کو کہا کہ ہماری طرف سے کہنا کہ اے ابوفراش ہم معذور اور محتاج ہیں اگر اس سے زیادہ ہمارے پاس مال ہوتا تو وہ بھی ہم تجھے دیتے۔فرزدق نے وہ چاندی اور سونا واپس کر دیا اور عرض کی کہ میں نے آپ کی مدح اس غرض کیلئے نہیں کی تھی بلکہ اسلئے کی تھی کہ میں بادشاہوں سے انعام حاصل کرنے کیلئے بہت جھوٹ ملا کر ان کی مدح سرائی کرتا رہا آج حضور کی مدح کر کے میں نے قدرے کفارہ ادا کر دیا ہے اور میں خدا ہی کیلئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں کا دوست ہوں۔جب یہ پیغام حضرت زین العابدینؓ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ان روپیوں کو واپس بھیجا اور ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ اے ابوفراش اگر تجھے ہم سے سچی محبت ہے تو جو چیز ہم نے بھیجی ہے اس کو قبول کر کیونکہ ہم نے اسکو اپنے ملک سے نکال دیا ہے واپس نہیں لے سکتے۔اسوقت فرزدق نے وہ درہم و دینار رکھ لئے واپس نہ کئے۔اور اس سیّد عالیشان کے مناقب بیشمار ہیں احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے۔

اور اہلبیت سے ابو جعفر محمد بن علیؓ بن حسینؓ بن علیؓ ابی طالب ہیں آپ کو امام باقرؓ بھی کہتے ہیں آپ معاملت کی حجت اور ارباب مشاہدہ کے برہان اور نبیؐ کی اولاد کے امام اور علیؓ کی نسل سے برگزیدہ ہیں آپ علوم کی باریکیوں اور خدا تعالیٰ کی کتاب کے لطیف اشاروں کے بیان کرنے میں مخصوص تھے آپ کی کرامات مشہور اور روشن ہیں کہتے ہیں کہ ایکدفعہ خلیفہ نے آپ کو مار ڈالنے کے ارادے پر طلب کیا آپ فرستادہ کے ساتھ دربار میں گئے تو اس نے آپ کی بیحد تعظیم کی اور عذر خواہی کرنیکے بعد آپ کو ہدیہ دیا اور بہت ہی حسن سلوک سے آپ کو رخصت کیا سب درباریوں نے کہا کہ اے بادشاہ آپ نے تو ہلاک کر دینے کے ارادے پر ان کو بلایا تھا اور آپ کا یہ سلوک و خاطرداری دیکھکر ہم حیران ہیں اس کی کیا وجہ ہے بادشاہ نے کہا کہ امام موصوف جب میرے نزدیک پہنچے تو آپ کیساتھ آپ

کی دونوں طرف ایک ایک شیر تھا اور وہ مجھ سے کہہ رہے تھے اگر تو نے آپ کیساتھ کوئی بُرا سلوک
کیا تو ہم فی الفور تجھے ہلاک کر دینگے ۔ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے خدا کے قول
فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ کی تفسیر اسطرح کی قَالَ کُلُّ مَنْ شَغَلَکَ عَنْ مُطَالِعَۃِ
الْحَقِّ فَھُوَ طَاغُوْتُکَ یعنی جو تجھ کو خدا سے ہٹانیوالا ہے وہ تیرا طاغوت ہے اے طالب
صادق تو خیال کر کہ تجھے کونسی چیز خداوند کریم کے مطالعہ کرنیسے روکتی ہے پس جو چیز نظر
آئے وہی پردہ ہے اس کو جبتک نہ ہٹائیگا اندر نہ پہنچیگا ہاں اس کو ہٹانیکے بعد ممنوع اور
محجوب نہ ہوگا اور ممنوع کیلئے کسی صورت سے لائق نہیں کہ دعویٰ قربت کا کرے آپ
کے ملازموں میں سے ایک ملازم خاص آپ سے روایت کرتا ہے کہ جب تھوڑی سی رات
گذرتی اور آپ اپنے اوراد سے فارغ ہو جاتے تو آپ خدا کی مناجات بلند آواز سے کرتے
اور کہتے اے میرے معبود اے میرے سردار رات آئی بادشاہوں کے تصرف کی ولایت
ختم ہوئی ستارے آسمان پر ظاہر ہوئے اور تمام مخلوق سوتی اور ناپید ہوئی اور آدمیوں
کی آوازوں نے سکون پکڑ لیا ہے اور ان کی آنکھیں سو گئی ہیں اور آدمی مخلوق کے دروازوں
سے بھاگ گئے ہیں اور بنو امیہ آرام کئے ہوئے ہیں اور اپنی کارآمد اشیاء انہوں نے چھپا لی
ہیں اور انہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے ہیں اور چوکیدار دروازوں پر پہرہ دے
رہے ہیں اور جو لوگ ان سے اپنی حاجتیں وابستہ کئے ہوتے ہیں انہوں نے اپنی حاجتیں
چھوڑ دی ہیں اے پروردگار تو زندہ ہے قائم ہے جاننے والا ہے غنودگی نیند آپ
پر طاری نہیں ہوتی اور نہ ہی آپ کیلئے روا ہے اور وہ شخص جو آپ کو اس صفت کے
ساتھ شناخت نہیں کرتا وہ کسی نعمت ملنے کے لائق نہیں اے وہ ذات کہ تجھ کو کوئی چیز کسی
دوسری سے منع نہیں کر سکتی آپ کی بقا میں رات دن ایک جیسے ہیں کسی قسم کا خلل پیدا
نہیں کر سکتے آپ کی رحمت کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اس شخص کیلئے جو آپ کو
پکارتا ہے اور آپ کے تمام خزانے اسپر فدا ہیں جو آپ کی ثناء کہتا ہے، آپ وہ خدا ہیں کہ
آپ پر سوالیوں کے سوال کا رد کرنا جائز نہیں اور مومنوں سے جو بندہ آپکے دروازے
پر سوال کیلئے پکارے تو وہ کبھی محروم نہیں جائیگا۔ زمین و آسمان سے جو مانگے سو آپ

کے ہاں سے ملیگا.... بار خدایا جب میں قبر اور موت اور حساب کو یاد کرتا ہوں تو میں دل کو دنیا سے کس طرح خوش رکھوں اور جب موت کے فرشتہ کو یاد کرتا ہوں تو دنیا سے کس طرح نفع حاصل کروں پھر میں تمام چیزیں آپ ہی سے مانگتا ہوں اور آپ ہی کی ذلت کو ایک سمجھتا ہوں آپ کی بارگاہ اقدس میں جو عرض پیش کرتا ہوں اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ مرنے کیوقت مجھے ایسی خوشی عطا فرما کہ مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور حساب کے وقت بھی مجھے ایسی خوشی عطا کر کہ مجھے اس میں کوئی تکلیف نہ ہو اسی طرح ہر روز دعا مانگتے اور گریہ وزاری فرماتے بالآخر ایک روز میں نے عرض کی کہ اے میرے سردار اور میرے ماں باپ کے سردار آپ کبتک گریہ اور خروش فرماتے رہینگے آپ نے فرمایا اے دوست! یعقوب علیہ السلام نے ایک فرزند گم کیا تھا وہ اتنے روئے کہ بالآخر نابینا ہوگئے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں اور بصارت کی سیاہی جاتی رہی اور میں نے اٹھارہ اشخاص اپنے باپ حسین رضی اللہ عنہ اور قتیلان کربلا کیساتھ گم کئے ہیں ان سے کم نہیں کہ ان کے فراق میں اپنی آنکھیں سفید نہ کروں! اور یہ مناجات عربی زبان میں نہایت فصیح ہے مگر کتاب کے طویل ہوجانے کے باعث میں نے اس کا مطلب فارسی میں ادا کیا تاکہ مکرر نہ ہوجائے اگر اللہ عزوجل نے چاہا تو میں اس دعا کو دوسری جگہ بیان کرونگا۔

اوران اہلبیت سے سُنّت کے یوسف اور طریقت کا جمال اور معرفت کا تعبیر کنندہ اور تصوف کا آراستہ کرنیوالا حضرت ابو محمد جعفر بن محمد صادق بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم ہیں آپ بلند حال اور نیک سیرت ہوئے ہیں۔ آپ کی خصلتیں باطن اور ظاہر سے آراستہ تھیں آپ کے اشارات خوبصورت ہیں تمام علموں میں! اور مشائخ رحمہم اللہ میں رقت کلام اور وقوف معنیٰ کی وجہ سے آپ مشہور ہیں نیز طریقت کے بیان میں آپ کی کتابیں مشہور ہیں آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مَنْ عَرَفَ اللہَ اَعْرَضَ عَمَّا سِوَاہُ کہ جو شخص عارفِ الٰہی ہوتا ہے وہ ضرور غیر اللہ سے منہ موڑے ہوئے ہوتا ہے اور نیز تمام اسباب کو ترک کئے ہوئے ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے غیر کی معرفت اس کی معرفت کا انکار ہے، پس عارف الٰہی مخلوقات

اور اس کے فکر سے علیحدہ ہوتا ہے، اور خدا ہی کی ذات سے ملا ہوا ہوتا ہے اس کے دل میں غیر کی کچھ قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ تاکہ ان کی طرف وہ التفات کرے اور باوجود ان کے اتنی خطرے والی بات نہیں جو دل میں ان کا ذکر لایا جائے اور آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لَا تَصِحُّ الْعِبَادَةُ اِلَّا بِالتَّوْبَۃِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدَّمَ التَّوْبَۃَ عَلَی الْعِبَادَۃِ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ یعنی عبادت بجز توبہ درست نہیں ہوتی۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم ذکر کیا ہے۔ اس لئے کہ توبہ ابتدائی مقام ہے اور عبودیت انتہائی مقام ہے جب اللہ عزوجل نے نافرمانوں کا ذکر کیا تو ساتھ ہی توبہ کا بھی ذکر فرمادیا اور کہا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا۔ تو عبودیت کیساتھ یاد کیا اور کہا فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی پس وحی کی اللہ نے اپنے عبد کی طرف وہ جو وحی کی اور ہیں نے حکایات میں لکھا پایا ہے کہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس آئے اور کہا اے رسول اللہ کے فرزند مجھے کوئی نصیحت فرمائیے تاکہ میرے دل کی سیاہی جاتی رہے۔ آپ نے فرمایا اے ابا سلیمانؒ تو اپنے زمانے کا یکتا زاہد ہے تم کو مجھ سے نصیحت حاصل کرنیکی کیا ضرورت ہے۔ داؤد طائیؒ نے کہا کہ اے پیغمبر خدا کے فرزند آپ کی تمام مخلوق پر بزرگی ہے آپ کا ہم کو نصیحت کرنا ضروری ہے آپ نے فرمایا اے ابا سلیمانؒ میں اس سے خوف کھاتا ہوں کہ کہیں قیامت کو میرے جدِ بزرگوار مجھے اس پر نہ پکڑیں کہ تو نے میری پیروی پوری کیوں نہیں کی تھی اور یہ کام نسب و نسبت سے درست نہیں ہوتا بلکہ اس کام کی درستی معاملت کے اچھا ہونے پر موقوف ہے۔ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے رونا شروع کیا اور اسی دوران میں کہا کہ۔۔۔۔ بارخدایا جس کا خمیر نبوت کے پانی سے گوندھا گیا ہے اور جسکی طبیعت کی ترکیب برہان اور حجت کے اصول سے تیار ہوئی ہے جسکے نانا رسولؐ پاک ہیں اور جسکی ماں بتول ہے یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا جب وہ حیران ہے تو داؤد طائی کون ہے جو وہ اپنے معاملات میں فخر کرنیوالا ہو۔ اور آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ ایک روز اپنے غلاموں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ

نے فرمایا آؤ ہم سب ملکر ایک دوسرے سے اس امر کا عہد اور بیعت کریں کہ قیامت کے دن بھی ہم سے بخشا جائے تو وہ دوسروں کی شفاعت کرے غلاموں نے عرض کی کہ اے پیغمبرِ خدا کے بیٹے آپ کو ہماری شفاعت کی کیا حاجت ہے آپ کے جدِّ بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام مخلوقات کے شفیع ہوں گے آپ نے فرمایا کہ میں اپنے عملوں کی وجہ سے شرم کے مارے قیامت کے روز اپنے جدّ امجد کو دیکھ بھی نہیں سکوں گا اور یہ سب کی سب باتیں اپنے نفس کے عیوب دیکھنے پر ہیں اور یہ صفت کامل صفوں میں سے ایک وصف ہے اور سب انبیاء اور اولیاء اور رسول اسی صفت کیساتھ متصف ہوئے ہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اَبْصَرَهٗ بِعُيُوْبِ نَفْسِهٖ یعنی جب خدا تعالیٰ کسی بندے پر بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تبارک تعالیٰ اس کو اس کے عیوب سے آگاہ کر دیتا ہے۔ جو شخص عجز وانکساری سے عبودیت کا سر خدا کے سامنے جھکا دیتا ہے تو اللہ عزوجل اس کا کام دونوں جہان میں پورا فرما دیتا ہے۔

اور اگر تمام اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا میں تذکرہ لکھوں اور ہر ایک کے مناقب معرض تحریر میں لاؤں تو یہ کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس مقدار پر اکتفا کرتا ہوں اور اتنے ہی سے ان لوگوں کو ہدایت ہو جائیگی جو عقل وادراک کا لباس پہنے ہوئے ہیں خواہ وہ اہل طریقت کے ارادتمندوں سے ہوں یا منکروں سے"

اب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب صفہ کا ذکر اس کتاب میں مختصر طور پر کرتا ہوں اور اس سے پہلے بھی میں نے ایک کتاب انہیں کے مناقب میں مفصلاً تصنیف کی تھی جس کا نام منہاج الدین رکھا گیا۔ مگر اس جگہ ان کے نام اور کنیتیں اور سفر وغیرہ کا ذکر کرتا ہوں تاکہ تیرا مقصود کہ اللہ عزوجل تجھے عزت دے حاصل ہو جائے واللہ اعلم وباللہ التوفیق۔

یہ باب اہل صُفّہ کے بیان میں ہے

جان لو کہ تمام اُمّت اس امر پر متفق ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص

اصحاب اہل صُفّہ تھے جن کی بود و باش ہمیشہ مسجد میں تھی اور ہمیشہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے اور دنیا سے بالکل دل اٹھائے ہوئے تھے اور نیز دنیا کے تمام کاموں سے اعراض کئے ہوئے تھے اور خداوند جلّ و علا نے ان کے سبب اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب کیا اور فرمایا وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ یعنی ان کو اپنی مجلس سے نہ نکالو جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی رضا مندی چاہتے ہیں اور خدا کی کتاب ان کے فضائل پر شاہد ہے اور جناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث ان کے فضائل میں بہت ہیں اور ہم تھوڑا سا ان سے اس کتاب میں لاتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی اَصْحَابِ الصُّفَّۃِ فَرَاٰی فَقْرَھُمْ وَجُھْدَھُمْ وَطِیْبَ قُلُوْبِھِمْ فَقَالَ اَبْشِرُوْا یَا اَصْحَابَ الصُّفَّۃِ فَمَنْ بَقِیَ مِنْ اُمَّتِیْ عَلَی النَّعْتِ الَّذِیْ اَنْتُمْ عَلَیْہِ رَاضِیًا بِمَا فِیْہِ فَاِنَّھُمْ رُفَقَاءِیْ فِی الْجَنَّۃِ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر گذر ہوا ان کو دیکھا کہ وہ اپنے فقر اور مجاہدے کے باوجود خوش دل ہیں۔ فرمایا تم کو اور جو تمہاری صفت پر تمہارے پیچھے آوینگے بشارت ہو یعنی تمہارے پیچھے جو لوگ مجاہدہ اور فقر کے باوجود خوش باش رہیں گے ان کو اور تمہیں خوشخبری ہو کہ وہ میرے رفیق جنت میں ہوں گے ایک تو ان میں سے خدائے جبار کی بارگاہ کا برگزیدہ منادی ہے جس کا نام محمد مختار بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور دوسرا خداوند کریم کا دوست اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا محرم جس کا نام نامی ابوعبداللہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور تیسرا مہاجرین و انصار کا سردار اور خداوند کریم کی رضا کا دلدادہ ہے جس کا نام نامی ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح ہے اور چوتھا اصحاب اور ارباب زینت کا برگزیدہ ہے جس کا نام ابوالتفیطان عمار بن یاسر ہے اور پانچواں علم کا خزانہ اور علموں کا گنجینہ ابومسعود عبداللہ بن مسعود ہزلی رضی اللہ عنہ ہے اور چھٹا عیب سے پاک اور عزت کی درگاہ کا تمسک کرنیوالا عتبہ بن مسعود برادر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ اور ساتواں تنہائی کے راستہ کا سالک

اور ذلت اور عیبوں سے منہ پھیرنے والا مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ اور آٹھواں تقویٰ کے مقام کی دعوت دینے والا اور بلوی اور بلا کے ساتھ راضی ہونیوالا خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور نواں رضامندی کی درگاہ کا قاصد اور بقا کی بارگاہ کا فنا میں طلب کرنیوالا صہیب بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور دسواں سعادتمندی کا موتی اور قناعت کے دریا کا بے بہا دُر ہے جس کا نام نامی عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور گیارہواں فاروق اعظم کا بھائی اور تمام جہان ومخلوقات سے منہ موڑنیوالا زید بن الخطاب رضؓ ہے اور بارہواں مشاہدات کی جستجو میں مجاہدوں کا مالک ابو کبشہؓ موالی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تیرہواں عزیز اور تائب اور کل مخلوقات سے حقتعالیٰ کیطرف رجوع کرنیوالا ہے جس کا نام نامی ابو المرثد کنانہ حصین عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ اور چودھواں تواضع کے راستہ کی تعمیر کرنیوالا اور محبت قطعیہ کے راستہ کا طے کرنیوالا سالم موالی حذیفہ یمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور پندرہواں خدا کے عذاب سے خوف کرنیوالا اور مخالفت کے راستہ سے بھاگنے والا عکاشہ بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور سولھواں مہاجرین اور انصار کی زینت اور بنی وقار کا سردار مسعود بن ربیع قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ اور سترہواں زہد میں عیسیٰ صفت اور شوق میں موسیٰ صفت ابو ذر جندب بن جنادہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ اور اٹھارہواں اثقال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نگہبان اور سب بھلائیوں میں لائق عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ اور انیسواں استقامت میں قائم رہنے والا اور متابعت میں سیدھا رہنے والا صفوان بن بیضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور بیسواں ارادے کا مالک اور تہمت سے خالی ابو درد اعویم بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ اور اکیسواں امید کی درگاہ سے تعلق اور رسولوں کے بادشاہ کا برگزیدہ ابو لبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور بائیسواں شرافت کے دریا کا کیمیا اور توکل کی سیپی کا موتی عبد اللہ بن بدر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور اللہ عزوجل ان سب سے .... اور ان کے جمیع محبین سے راضی ہو۔ اور اگر میں ان سب کا اس کتاب میں ذکر کروں تو کتاب

بہت لمبی ہو جائیگی اور شیخ ابو عبد الرحمٰن محمد بن حسین سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ طریقت کے اُٹھانیوالے اور مشائخ کے کلام کو دوسروں تک پہنچانیوالے ہیں انہوں نے ایک تاریخ اصحاب صفہ کے مناقب اور فضائل اور ناموں اور کنیتوں کے متعلق لکھی ہے اور انہی میں مسطح بن ثابت بن عباد کو بھی درج کیا ہے مگر میں دل سے اس کو دوست نہیں رکھتا اس لئے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے افک کی ابتداء اسی کی طرف سے ہوئی تھی۔ لیکن ابو ہریرہ اور ثوبان اور معاذ بن حارث دستان اور خلاب اور ثابت بن ودیعت اور ابو عیسیٰ ادیم بن مساعد اور سالم بن عمر بن ثابت اور ابو اللیث کعب بن عمر اور ذہب بن معقل اور عبد اللہ بن انس اور حجاج بن عمر اسلمی اللہ عزوجل ان سب سے راضی ہو یہ سب اصحاب صفہ کے زمرہ میں تھے مگر کبھی کبھی اسباب کیساتھ تعلق رکھتے تھے لیکن سب کے سب ایک ہی درجہ میں تھے اور حقیقت میں صحابہ کا زمانہ سب زمانوں سے ہر لحاظ میں اچھا تھا۔ وہ ہر وقت اپنے زمانے میں سب مخلوقات سے بہتر اور فضیلت والے تھے۔ اور ان کے پیچھے وہ لوگ بھی اپنے زمانے میں ہر طرح سے بہتر تھے جنہوں نے اصحاب کی صحبت اختیار کی تھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تمام عیبوں کی بریّت کی ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ الخ یعنی سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے متصل جو زمانہ ہے یعنی صحابہ تابعین، اور تبع تابعین کا زمانہ سب زمانوں سے بہتر ہے اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ یعنی سب سے پہلے مہاجرین اور انصار اور جنہوں نے ان کی پیروی احسان کے ساتھ کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اب بعض تابعین کا ذکر اس کتاب میں ثبت کرتا ہوں تاکہ فائدہ پورا پورا ہو جائے اور نیز زمانے ایک دوسرے کے ساتھ مل جاویں

اس باب میں ان تابعین کا بیان ہے جو طریقت والوں کے امام ہوئے ہیں!

ان میں سے اُمت کے آفتاب اور دین اور ملت کی شمع حضرت اویس قرنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ ہیں مشائخ تصوف کے اہل کبار سے ہوئے ہیں یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانے میں تھے مگر دو وجہوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے رہ کے گئے
تھے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ کہیں حضور کے دیدار کے غلبۂ شوق سے ہلاک نہ ہو جائیں اور دوسری
وجہ والدہ کے حق خدمت کی بجا آوری منظور تھی۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا تھا۔ کہ قرن میں اویس نام ایک مرد ہے وہ قیامت کے روز
میری امت کے اشخاص کی بقدر قبیلہ ربیعہ اور مضر کی بھیڑوں کے بالوں کے شفاعت کرائیگا
اور اتنی بات فرما کر آپ نے روئے سخن علی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف کیا اور فرمایا تم
اس کو دیکھو گے وہ ایک مرد ہے میانہ قد اور لمبے لمبے بالوں والا اس کے بائیں پہلو پر بمقدار
درم سفید داغ ہے مگر وہ برص کی قسم سے نہیں اور اس کے ہاتھ اور ہتھیلیوں پر بھی ویسا ہی
نشان ہے! ور میری اُمت کیلئے قبیلۂ مضر اور ربیعہ کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر شفاعت
کرنے کا حق ہو گا جب تم اُسے دیکھو تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میری امت کے حق میں
دعا کرے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پیچھے جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت علیؓ کیساتھ مکہ معظمہ میں تشریف لائے تو آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا یَا اَھْلَ نَجْدٍ
قُوْمُوْا اے اہل نجد کھڑے ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص قرن سے ہے انہوں نے
کہا کہ ہاں۔ انہوں نے قرن کے کچھ آدمیوں کو آپ کے آگے کیا حضرت عمرؓ نے ان سے
پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اُویس نام ایک دیوانہ ہے جو آبادیوں میں نہیں آتا اور کسی کی صحبت
میں نہیں بیٹھتا اور لوگ جو کچھ کھاتے ہیں وہ نہیں کھاتا اور غم اور خوشی کو بھی نہیں جانتا جب
لوگ ہنستے ہیں۔ وہ روتا ہے جب وہ روتے ہیں وہ ہنستا ہے حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اس
سے ملنا چاہتا ہوں انہوں نے کہا کہ وہ جنگل میں ہمارے اونٹوں کے پاس ہی رہتا ہے دونوں
امیر کبیر اُٹھے اور حضرت اُویسؓ کے پاس گئے آپ نماز میں بیٹھے ہوئے تھے جب فارغ
ہوئے تو انہیں سلام کیا اور اپنے ہاتھ اور پہلو کا نشان دکھلایا تاکہ وہ پہچان لیں انہوں نے
دُعا کی درخواست کی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا اور اُمت کے حق میں
دُعا کی وصیت کا پیغام دیا۔ اور تھوڑی دیر اُن کے پاس بیٹھے رہے یہانتک کہ آپ نے

فرمایا تمہیں تکلیف ہوئی ہے اب واپس جاؤ قیامت قریب آگئی اس موقع پر ہمیں دیدار ہوگا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا اب میں قیامت کے راستہ کا توشہ تیار کرنے میں مشغول ہوتا ہوں۔ جب اہل قرن ان دونوں سرداروں کیساتھ واپس ہوئے توان میں اویسؓ کی قدر و منزلت بڑھی اور وہ آپ کی بہت عزت کرنے لگے اور آپ اس جگہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے گئے اور ہرم بن حبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو ایک مرتبہ دیکھا اس کے پیچھے آپ کو کسی نے نہیں دیکھا یہانتک کہ آپ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کیطرف سے دوسری مدمقابل افواج کیساتھ لڑائی کرتے رہے بالآخر آپ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ عَاشَ حَمِیْدًا وَمَاتَ شَہِیْدًا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یعنی آپ نے زندگی حمیدہ گذاری۔ اور شہادت کی حالت میں وفات پائی۔ آپ سے روایت ہے آپ نے فرمایا اَلسَّلَامَۃُ فِی الْوَحْدَۃِ یعنی سلامتی تنہائی میں ہے یعنی جس کا دل تنہا ہو وہ غیر کے فکر سے خلاصی یافتہ ہوتا ہے اور اُسے اپنے تمام احوال میں خلقت سے خلاصی پائے ہوئے ہوتی ہے اور اس کو ان سے کوئی امید نہیں ہوتی۔ یہانتک کہ ان کی تمام آفتوں سے سلامتی پا جاتا ہے اور یک سوئی پا لیتا ہے۔

اگر کوئی شخص معلوم کرے کہ وحدت میں تنہا رہنا محال ہوتا ہے اسلئے کہ جبتک شیطان کا کسی شخص کے دل پر اثر ہوتا ہے نفس کی اس کے دل میں ضرور حکومت ہوتی ہے اس لئے کہ جبتک دنیا اور آخرت کی فکر کسی کے دل میں ہوگی اور مخلوقات کے فکر کا دل میں گذر ہوگا۔ تب تک وحدت نہیں کہلا سکتی۔ اسلئے کہ ساتھ عین کے آرام ہوگا اور ان دونوں کی بابت اندیشہ ہونا ایک ہے پس خلاصہ یہ ہے کہ جو موحد ہوتا ہے وہ اگرچہ صحبت اختیار کرے اس کی صحبت اس کی وحدت میں مُخل نہیں اور وہ مشغول ہوتا ہے اسکا گوشہ نشین ہونا دل کی فراغت کا سبب نہیں ہوسکتا پس لوگوں سے علیحدہ ہونا محبت الٰہی کے سوا نہیں ہوسکتا۔ اور جس کی محبت خدا سے ہو اور بظاہر لوگوں کا میل جول اختیار رکھتا ہو تو اس کو یہ میل جول نقصان نہیں دیتا۔ اور وہ شخص جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہو اور محبت الٰہی کا اس کے دل پر گذر نہ ہو اس کو خدا کی محبت سے ذرہ بھر خبر نہیں ہوتی لِاَنَّ الْوَحْدَۃَ

صِفَۃُ عَبْدٍ صَافٍ سَمِیْعٍ قَالَ اللہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَلَیْسَ اللہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اس لئے کہ وحدت صاف سننے والے بندہ کی صفت ہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

اور ان سے صفا کا مخزن اور وفا کی کان ہرم بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ ایک بزرگان طریقت سے ہوئے ہیں اور معاملت میں نصیب کامل رکھتے تھے۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کی صحبت اختیار کی آپ نے اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا قصد کیا قرن میں تشریف لیگئے مگر حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے کوفہ کیطرف چلے گئے تھے آپ ناامید ہوکر واپس مکہ معظمہ تشریف لائے۔ وہاں سے پتہ ملا کہ وہ کوفہ میں ہیں آپ کوفہ میں آئے وہاں بھی کوئی پتہ نہ چلا عرصہ دراز تک وہاں مقیم رہے جب آپ نے بصرہ کیطرف جانا چاہا۔ تو راستہ میں فرات کے کنارے پر حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت اویس قرنی گودڑی پہنے ہوئے وضو کر رہے تھے جب آپ کنارہ سے نیچے اترے تو آپ نے اپنی ریش مبارک میں کنگھی کرنی شروع کی حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور سلام عرض کی آپ نے فرمایا اے ابن حیان وعلیک السلام ہرم بن حیان نے فرمایا آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا کہ میں ہرم ہوں آپ نے فرمایا عَرَفَتْ رُوْحِیْ رُوْحَکَ یعنی میری روح نے تیری روح کی شناخت کرلی ہے۔ تھوڑی دیر بیٹھے رہے پھر آپ نے حضرت ہرم کو واپس کر دیا۔ ہرم ابن حیانؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے امیرین یعنی علی کرم اللہ وجہہ اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ باتیں کہیں آپ نے فرمایا کہ عمر و علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ فرمایا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَلِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُہٗ اِلَی اللہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُہٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِلَی امْرَاَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ (ترجمہ) کہ سوا اس بات کے نہیں کہ اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی پس جس شخص کی ہجرت اللہ و رسول کیطرف ہے تو اسکی ہجرت اللہ و رسول کیطرف شمار ہوگی اور جسکی ہجرت دنیا کی طرف ہے تاکہ اسے پالے یا جسکی

ہجرت کسی عورت کی طرف نکاح کرنیکے ارادے سے ہے پس اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی یعنی جسوقت حضرت اویسؓ نے اس حدیث کو امیرؓ سے روایت کیا اسوقت آپنے مجھے فرمایا عَلَیْكَ بِقَلْبِكَ کہ اپنے دل کو غیر کے فکر سے بچائے رکھو اور اس کلام کے دو معنی تھے۔ ایک یہ کہ دل کو مجاہدہ کیساتھ حق کے تابع رکھو اور دوسرے یہ ...... کہ اپنے آپ کو دل کے تابع رکھو اور یہ دو اصل قوی ہیں۔ ایک تو دل کو حق کے تابع کرنا مخلص مریدوں کا کام ہوتا ہے تاکہ بسبب اس کے کثرتِ شہوت اور حرص سے ہٹا ہے اور ناموافق فکروں سے بچا ہے اور نیز اس کا دل صحیح تدبیروں اور کاموں کی محافظت میں لگا ہے اور اپنی نظر حقانی نشانوں میں لگائے رکھے تب ان سب کاموں کے بعد وہ دل محبت کا محل ہو جائیگا اور اپنے آپ کو دل کے تابع رکھنا کاملوں کا کام ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ان کے دل کو اپنے جمال کے نور سے منوّر کیا ہے۔ اور سب علتوں سے رہائی دلائی اور اعلیٰ درجے پر پہنچایا اور قُرب کا خلعت ان کے زیب تن کیا اور اپنی مہربانیوں کیساتھ ان کو صاحب تجلی فرمایا اور اپنے مشاہدہ اور قربت کیساتھ ان کو ولایت عطا کی اور اس کے بعد ان کا بدن موافقِ دل ...... کیا پس پہلا گروہ صَاحِبُ الْقُلُوْبِ ہوتا ہے اور انہیں مَالِكُ الْقُلُوْبِ بَاقِیْ الصِّفَت بھی کہتے ہیں اور دوسرا اگر وہ مَغْلُوْبُ الْقُلُوْبِ فَانِیْ الصِّفَتْ ہو تو اس مسئلہ کی حقیقت بھی ادہر ہی ہوگی جو اللہ عزوجل نے فرمایا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔ اور اس میں دو قرآتیں ہیں مخلِصین ساتھ زیر لام کے اور مخلَصین ساتھ زبر لام کے یعنی مخلص بصیغہ فاعل اگر تلاوت کیا جائے تو اس کے معنی باقی الصّفت کے ہوتے ہیں اور اگر مخلص بصیغہ مفعول تلاوت کرو۔ تو اس کے معنی فانی الصفت ہوتے ہیں۔ اور اس مسئلہ کو اس سے زیادہ تشریح کے ساتھ بیان کرونگا اگر اللہ عزوجل نے چاہا۔ اور حقیقت میں جو لوگ فانی الصّفت ہوتے ہیں وہ بزرگ ہوتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ لوگ بدن کو دل کے موافق کر لیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے دل جناب الٰہی کے سپرد کئے گئے ہیں۔ اور اس کے مشاہدہ میں قائم رہتے ہیں اور وہ لوگ جو باقی الصّفت ہوتے ہیں وہ دل کو تکلّف کے ساتھ امر کے موافق کر لیتے ہیں۔ اور

اس مسئلہ کی بنیاد ہوش اور بیہوشی اور مشاہدہ اور مجاہدہ پر موقوف ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے زمانے کے پیشوا اور وقت کے یگانہ ابو علی حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ کی کنیت ایک گروہ نے ابو محمدؐ بیان کی ہے اور ایک گروہ نے ابو سعید اہل طریقت کے نزدیک آپ کی قدر و منزلت بہت بڑھی ہوئی ہے اور علم معاملت میں آپ کے اشارے لطیف ہیں اور میں نے حکایتوں میں پایا ہے کہ ایک اعرابی آپ کی خدمت میں آیا اور صبر کی بابت سوال کیا آپ نے فرمایا صبر دو طرح پر ہے ایک تو مصیبتوں اور بلاؤں میں ہوتا ہے اور دوسرا جن باتوں کے کرنے سے ہمیں خدا نے منع کیا ہے ان سے رک جانا اعرابی نے کہا اَنْتَ زَاهِدٌ مَارَأَيْتُ اَزْهَدَ مِنْكَ کہ تو زاہد ہے۔ میں نے تجھ سے بڑھکر کوئی زاہد نہیں دیکھا اور نہ ہی تجھ سے بڑھکر کوئی صابر دیکھا۔ کہا اے اعرابی لیکن میرا زہد سب کا سب رغبت ہے اور میرا صبر جزع اعرابی نے کہا کہ میرا اعتقاد مذبذب ہو گیا ہے آپ اس کی تفسیر بیان فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا صبر مصیبتوں کے قبول کرنے میں میرے اس خوف پر دلالت کرتا ہے جو مجھے دوزخ کی آگ سے پیدا ہو رہا ہے اور یہی جزع یعنی بیقراری ہے اور میرا زہد دنیا میں آخرت کی رغبت کرنا عین رغبت ہے۔ اور خوشی کی بات تو یہ ہے کہ اپنی غرض نکال دے تاکہ صبر خالص خدا کیلئے ہو نہ کہ اپنے بدن کو دوزخ سے بچانے کیلئے اور زہد بھی خالص خدا کیلئے ہونا چاہیئے نہ کہ اپنے آپ کو بہشت میں پہنچانے کیلئے۔ اور یہ علامت اخلاص کی درستی کی ہے۔ اور نیز آپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا اِنَّ صُحْبَةَ الْاَشْرَارِ تُوْرِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالْاَخْيَارِ یعنی جو شخص اس گروہ کے برے لوگوں میں بیٹھتا ہے وہ اس گروہ کے نیک بزرگوں سے بھی بد گمان ہو جاتا ہے اور یہ کلام بہت یقینی ہے اور یہ بات اس وقت کے ان لوگوں کے موافق حال ہے جو خدا کی درگاہ کے پیاروں کے منکر ہیں اور یہ اسلئے ہے کہ یہ لوگ رسمی اور بناوٹی صوفیوں کی مجلس میں بیٹھکر برے کام دیکھتے ہیں اور ان کے فعلوں میں خیانت دیکھتے ہیں اور ان کی زبان جھوٹ اور غیبت پر چلتی ہوئی دیکھتے ہیں اور ان کی کوشش لغو اور جھوٹی باتوں کے سننے پر ملاحظہ کرتے ہیں اور ان کی آنکھیں اور شہوت پر پڑتی ہوئی

دیکھتے ہیں اور ان کا ارادہ حرام اور مشتبہ مال کے جمع کرنے میں لگا ہوا دیکھتے ہیں پس ان باتوں سے معلوم کر لیتے ہیں کہ صوفیوں کا معاملہ صرف اسی قدر ہے۔ یا ان کا مذہب یہ ہے ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ ان کے تمام کام حق کی فرمانبرداری کے ہیں اور ان کی زبان پر حق کا کلام ہے اور نیز حق کی محبت کا ثمرہ ہے اور ان کا سر خدا کی محبت کی جگہ اور ان کے کان درحقیقت حق کی سماعت کا محل اور ان کی آنکھیں مشاہدہ حق کے جمال کے مقام ہیں اور جو ان کے گروہ میں ان کی خیانت پکڑنے کیلئے آئے تو اس کی کوشش ناکارہ ہو جائے۔ بلکہ اسکا وبال ضرور اس پر لوٹے اور وہ گروہ نہایت ہی شریف اور نجیب ہے پس اگر کوئی شخص شریر قوم کی مجلس اختیار کرے اور اس سے محبت بھی کرے تو یہ خود اس کی شرارت ہے اگر اس میں نیکی اور بھلائی کا مادہ ہوتا تو وہ بدوں کی صحبت سے منحرف ہو کر نیکوں کی صحبت میں بیٹھتا پس ہر ایک کی علامت اس کی اپنی ذات پر ہے اسلئے کہ اس نے نالائق اور غیر جنس کی صحبت اختیار کی اور نیک لوگوں کے منکر خدائے عزوجل کی مخلوق کے رذیل ترین اور شریر ترین گنے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی صحبت شریروں اور رذیلوں کی رہی ہے، یا اپنی خواہش پوری نہ ہونیکے باعث ان کے منکر ہوئے ہیں یا نیکوں کی پیروی کرنے کا خیال نہ ہوگا اور اس وجہ سے ہلاکت میں مبتلا ہوئے۔ یا انہوں نے خداوند کریم کے عزیزوں اور نیک لوگوں کے علاوہ ان لوگوں کی پیروی کی ہوگی کہ جو رضا کی آنکھ کیساتھ خدا کے بندوں کو نہیں دیکھتے ہیں اے طالب صادق! تیرے لیے لازم ہے کہ تو نیک صوفیوں کی مجلس جان و دل سے حاصل کر کے سب جہان سے ان کے طریقہ پر عمل کرے۔ اور ان کی برکتوں کی تحصیل سے دونوں جہان کے مقصود حاصل کرے اور نیز تمام جہان سے قطع تعلق ہو۔

شعر۔ فَلَا تَحْقِرَنَّ نَفْسِیْ وَاَنْتَ حَبِیْبُھَا + فَکُلُّ مَرِئٍ یُّصْبِیْ اِلٰی مَنْ یُّجَانِس۔

پس تو میرے نفس کو حقیر نہ سمجھ جب کہ تو اسکا دوست ہے، پس ہر مرد اپنے ہمجنس کو پا لیتا ہے۔

اور ان سے عالموں کے سردار اور فقہا کے فقیہہ سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ

علیہ میں آپ کی شان بہت بڑی ہے، اور مرتبہ بلند ہے آپ اپنی قوم کے عزیز اور جمیل الصدر تھے تفسیر۔ شعر۔ حدیث۔ فقہ۔ لغت۔ توحید اور حقائق وغیرہ کے علموں میں آپ کے مناقب بہت بڑے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آپ بظاہر عیار مرد تھے۔ اور باطن میں پارسا اور یہ طریقہ قابل تعریف ہے، اور بالخصوص اس قصہ میں آپ سب مشائخ کے نزدیک محمود تھے، اور آپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اِرْضِ بِالْیَسِیْرِ مِنَ الدُّنْیَا مَعَ سَلَامَۃِ دِیْنِکَ کَمَا رَضِیَ قَوْمٌ بِکَثِیْرِھَا مَعَ ذِھَابِ دِیْنِہِمْ۔ یعنی اپنے دین کے سلامت رہنے کیساتھ تھوڑی دنیا پر راضی رہ جیسا کہ لوگ اپنے دین کے چلے جانے کیساتھ کثرتِ مال سے راضی ہوتے ہیں۔

یعنی فقر دین کی سلامتی کیساتھ بہتر ہے اس غنا سے جو غفلت کیساتھ ہو اس لئے کہ فقیر جب دل کی طرف توجہ کرتا ہے تو اپنے دل میں زیادہ فکر نہیں پاتا۔ اور جب ہاتھ کیطرف دیکھتا ہے تو اس کو قناعت والا پاتا ہے۔ اور غنی جب اپنے حال پر غور کرتا ہے تو اس کا فکر بڑھتا ہے اور جب ہاتھ کی طرف دیکھتا ہے تو دنیا کا مال پاتا ہے (اور ہاتھ سے مراد اس عبارت میں وہ مال ہے جو کہ قبضہ میں ہو) پس خدا کے دوستوں کی رضا خداوند کریم کی رضامندی پر ہے جو بغیر غفلت کے ہو وہ بہتر ہے اس دنیا پر غرور اور غفلت کرنیوالوں کی رضا سے۔ اور آفت اور حسرت اور ندامت بہتر ہے ذلت اور معصیت سے پس جب بلا آتی ہے تو غافل کہتے ہیں الحمد للہ یعنی شکر ہے جو ہمارے بدن پر بلا نہیں آتی اور جب خدا کے دوستوں پر مصیبت آتی ہے، تو وہ الحمد للہ کہتے ہیں کہ.... یار خدایا تیرا شکر ہے ہمارے دین پر تو کوئی بلا نہیں آئی۔ اس لئے کہ بدن کا شمار بلا میں ویسے ہی ہوتا ہے جیسے دل میں بقا کا ہوتا ہے۔ بلا کا بدن پر وارد ہونا اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ دل پر غفلت وارد ہو۔ اگر کسی کے دل میں غفلت ہو اور ظاہری جسم عیش میں ہو تو وہ عیش و نعمت سراسر خواری و ذلت ہے۔ اور حقیقت میں تھوڑی دنیا کیساتھ خدا کی رضا کا طالب رہنا دنیا کی زیادتی اور خدا کی خلاف مرضی چلنے سے بہت دنیا کا حاصل کرنا ہیچ ہے یعنی بہت دنیا مانند تھوڑی کے ہوتی ہے اور تھوڑی مانند زیادہ

کے ہوتی ہے اور آپ سے روایت ہے کہ آپ مکہ معظمہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے عرض کی کہ مجھ کو اس حلال سے خبر دو جس میں حرام نہیں اور اس حرام سے خبر دو جس میں حلال نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ذِکْرُ اللّٰہِ حَلَالٌ لَیْسَ فِیْہِ حَرَامٌ وَذِکْرُ غَیْرِہٖ حَرَامٌ لَیْسَ فِیْہِ حَلَالٌ۔ کہ خدا کا ذکر حلال ہے جس میں حرام نہیں اور غیر خدا کو یاد کرنا حرام ہے جس میں حلال نہیں اسلئے کہ خدا کے ذکر میں نجات ہے اور اس کے غیر کے ذکر میں ہلاکت ہے۔ وباللہ التوفیق۔ وہو المعین۔

اس باب میں ان ائمہ دین کا بیان ہے جو آجتک تبع تابعین سے ہوئے ہیں

ان میں سے ایک تو طریقت کے شجاع اور شریعت میں مضبوط حبیب العجمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو کہ عالی ہمت اور گرامی قدر مرد ہوئے ہیں۔ جو مرتبہ والے بزرگوں میں بڑے عالی درجہ بزرگ تھے۔ ابتداء میں آپ نے توبہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر کی۔ اور ابتداء عمر میں ہر قسم کی ریاکاری اور فساد میں لگے رہتے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے نصوح کی خاص توبہ کی آپ کو توفیق دی خدا کی طرف واپس آئے قدرے علم و معاملہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا۔ آپ کی زبان عجمی تھی عربی زبان پر دسترس نہ پا سکتے تھے خداوند تعالیٰ نے آپ کو کرامات کی مدد سے مخصوص فرمایا آپ اس درجہ کے باکرامت ہوئے ہیں کہ ایک روز حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ شام کیوقت آپ کی عبادت گاہ کے دروازہ پر آئے آپ شام کی نماز کی اقامت کہکر نماز پڑھ رہے تھے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اندر آئے۔ اور آپ کی اقتداء نہ کی اسلئے کہ آپ عربی زبان میں قرآن کریم نہ پڑھ سکتے تھے۔ جب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ رات کو سوئے تو خواب میں اللہ عزوجل کو دیکھا پوچھا کہ.... بار خدایا آپ کی رضا کس چیز میں ہے حکم ہوا کہ اے حسن میری رضا تو نے پائی تھی مگر اس کی تو نے قدر نہ کی عرض کی.... بار خدایا وہ کیا تھی حکم ہوا کہ تو اگر حبیب عجمی کے پیچھے بلا انکار بصحت نیت نماز کی اقتدا کر لیتا تو میں تجھ سے راضی ہو جاتا۔ الغرض اس گروہ میں مشہور ہوئے ہیں جب حسن بصری رضی اللہ عنہ حجاج ظالم کے ظلم سے بھاگ کر حضرت حبیب

عجمی کے معبد میں آکر چھپے تو وہ ظالم بھی عقب میں پہنچا اور حبیب عجمیؒ سے دریافت کیا کہ اے حبیبؒ تم نے یہاں پر حسن بصریؒ کو دیکھا آپ نے فرمایا معبد میں چھپا ہوا ہے وہ اندر گیا مگر آپ کو نہ دیکھ سکا اور باہر آکر حبیب عجمیؒ کو کہنے لگے کہ آپ نے جھوٹ کیوں بولا ہے آپ نے فرمایا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا وہ اندر ہی ہیں بالآخر وہ تین دفعہ اندر گیا اور تلاشی میں کوئی دقیقہ اُس نے فروگذاشت نہ کیا مگر آپ اُسے نظر نہ آئے آخر کار وہ چلا گیا تو حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر نکلے اور فرمایا کہ اے حبیبؒ میں نے معلوم کر لیا ہے کہ حق جل و علا نے تیری برکت کے سبب مجھے گرفتار ہونے سے بچا لیا ہے حضرت حبیبؒ نے فرمایا میری برکت سے نہیں بلکہ میرے سچ کا یہ ثمرہ ہے اگر میں جھوٹ بولتا تو ہم دونوں کو وہ رسوا کرتا۔ اور آپ کی اس جنس کی بہت کرامتیں ہیں۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ خدا کی رضا کس چیز میں ہے آپ نے فرمایا فِیْ قَلْبٍ لَیْسَ فِیْہَا غُبَارُ نِفَاقٍ یعنی خدا کی رضا اس دل میں ہے کہ جس میں نفاق کا غبار نہیں اس لئے کہ نفاق موافقت کے خلاف ہے اور رضا عین موافقت ہے اور محبت کا نفاق سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اسکا محل خداوند کریم کی رضا ہے۔ پس رضا دوستوں کی صفت ہے اور نفاق دشمنوں کی صفت اور یہ کلام بہت ہی بلند رتبہ ہے اگر اللہ نے چاہا تو دوسری جگہ اس کا ذکر کرونگا۔ و باللہ التوفیق ومنہ العون۔

ان میں سے اہل انس کے نقیب اور تمام جن و انس کی زینت مالک دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوست تھے۔ آپ اس طریقت کے بزرگوں سے ہوئے ہیں۔ آپ کی کرامتیں مشہور ہیں اور ریاضتوں میں آپ کی خصلتیں مذکور ہیں اور آپ کا باپ دینار غلام تھا اور یہ باپ کی غلامی ہی میں پیدا ہوئے تھے اور اس کے توبہ کی ابتداء اسطرح ہوئی۔ کہ ایک رات بہ مستوں کے ایک گروہ میں بطور لہو و لہب مشغول ہوئے جب سب سو گئے تب اسوقت اس عود سے کہ جس کو وہ بجا رہے تھے آواز آئی کہ یَا مَالِکُ مَالَکَ اَنْ لَّا تَتُوْبَ کہ اے مالک تجھے کیا ہے کہ توبہ نہیں کرتا۔ اسیوقت اُٹھے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ کی خدمت میں پہنچکر سچی توبہ کی

آپ اس مرتبہ کے بزرگ تھے۔ کہ ایک دفعہ آپ کشتی میں سوار ہوئے ایک موتی کسی سوداگر کا غائب ہوا اور آپ سب سے بیخبر تھے۔ آپ پر اس کے چرانے کی تہمت لگی آپ نے ایک گھڑی سر آسمان کی طرف کیا تھوڑی ہی دیر میں دریا کی تمام مچھلیاں اپنے موہوں میں ایک ایک موتی لیکر پانی کی سطح پر آ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے ایک مچھلی کے منہ سے ایک موتی لیکر تہمت لگانیوالے کو دے دیا اور کشتی سے اتر کر قدم مبارک پانی کی سطح پر رکھکر چلنا شروع کیا اور دریا کو اسی طرح عبور کر کے کنارے پر پہنچے۔ آپ سے روایت ہے کہ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ عَلَی الْاِخْلَاصِ فِی الْاَعْمَالِ کہ سب اعمالوں سے محبوب ترین وہ عمل ہے کہ جبکی بنا اخلاص پر ہو۔ اسلئے کہ عمل اخلاص ہی سے عمل ہوتا ہے۔ اور اخلاص عمل کیلئے اس درجہ پر ہے کہ جس درجہ پر بدن کیلئے روح ہے جیسے بدن بے روح نکما ہے ویسے ہی عمل بے اخلاص بیقدر ہے لیکن اخلاص تمام عملوں کا باطن ہے اور طاعت کرنی تمام عملوں کی ظاہر ہے اور اعمالِ ظاہری اعمالِ باطنی سے مل کر پورے ہوتے ہیں۔ اور ایسے ہی اعمال باطنی اعمالِ ظاہری سے ملکر قدر و قیمت پاتے ہیں اگر کوئی ہزار سال دل میں مخلصی رکھے جبتک اس کے اخلاص کیساتھ عمل مقرون نہ ہوگا وہ اخلاص نہ ہوگا۔ اور ایسے ہی اگر کوئی ہزار سال تک عمل کرے جبتک اس کا عمل اخلاص سے مضموم نہیں ہوگا وہ عمل نہیں کہلائیگا۔ اور نہ ہی اسے فرمانبرداری کے نام سے موسوم کیا جائیگا۔

ان میں سے بزرگ عظیم اور تمام اولیاء کے سردار ابوحلیم حبیب بن اسلم راعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ مشائخ میں رتبۂ عظیم رکھتے ہیں۔ آپ کے تمام احوال میں نشانات اور دلائل بہت ہیں اور آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحب تھے آپ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ حبیب رضی اللہ عنہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور فرات کے کنارہ پر بود و باش رکھتے آپ کا طریقہ گوشہ نشینی تھا مشائخ رحمہم اللہ سے ایک صاحب روایت کرتے ہیں کہ میرا ایک دفعہ آپ پر گذر ہوا میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور ایک بھیڑیا آپ کی بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے میں نے

دل میں کہا اس بزرگ کی زیارت کرنی چاہیئے مجھے اس میں بزرگی کی علامتیں نظر آرہی ہیں۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے میں نے سلام علیک عرض کی آپ نے فرمایا بیٹے کس طرح آئے ہو کہا حضور کی زیارت کیلئے آیا ہوں آپ نے فرمایا جزاک اللہ میں نے کہا اے شیخ میں بھیڑ بیے کی بکریوں سے موافقت دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ان کو چھوڑ جب خداوند کریم کے موافق ہے تو بھیڑیا بکریوں کے موافق کیوں نہ ہو آپ نے اتنی بات کی کہ ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو رکھا اس پتھر سے دو چشمے نکلے ایک دودھ کا اور ایک شہد کا آپ نے فرمایا پیو میں نے کہا اے شیخ یہ درجہ آپ نے کس طرح پایا آپ نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے پھر فرمایا اے بیٹے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کیلئے باوجود ان کے مخالف ہونیکے پتھر سے پانی کا چشمہ نکلتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ پر نہ تھے۔ جب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا موافق ہوں تو مجھے پتھر شہد اور دودھ کیوں نہ دے حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ... ... موسیٰ علیہ السلام سے بڑھا ہوا ہے۔

میں نے کہا کچھ نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا لَا تَجْعَلْ قَلْبَكَ صُنْدُوْقَ الْحِرْصِ وَبَطْنَكَ وِعَاءَ الْحَرَامِ یعنی دل کو حرص کا محل نہ بناؤ اور پیٹ کو حرام کا ظرف نہ بناؤ اسلیئے کہ مخلوقات کی ہلاکت ان دو چیزوں میں ہے اور مخلوقات کی نجات ان دو چیزوں کی نگہبانی کرنے میں ہے۔ اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں تنگی وقت سے ان کو چھوڑتا ہوں اور مجھے یہ بہت دقت پیش آرہی ہے کہ میری کتابیں غزنی میں ہیں اور میں ملک ہندوستان کے ایک گاؤں بھنور میں ہوں جو کہ ملتان کے گردو نواح میں واقع ہے، اور بالکل غیر جنسوں میں گرفتار ہوں۔ والحمد علی السراء والضراء

اور ان میں سے پیر صالح ابو حازم مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ بعض مشائخ کے مقتدا ہوتے ہیں آپ معاملات میں کامل نصیب اور بزرگ مرتبہ رکھتے ہیں آپ فقر میں صادق قدم اور مجاہدے میں کامل روش رکھتے تھے اور عمرو بن عثمان مکی آپ کی

حکم کی تعمیل میں جد و جہد کرتے رہتے ہیں۔ آپ کا کلام اہل دل میں مقبول ہے اور بہت سی کتابوں میں مسطور ہے۔ اور یہی عمرو بن عثمان آپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کسی نے پوچھا مَا الْكَمَالُ قَالَ الرِّضَا عَنِ اللّٰهِ وَالْغِنٰى عَنِ النَّاسِ کہ آپ کمال کیا ہے آپ نے فرمایا کمال اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور مخلوقات سے بے نیازی اور یہ ضروری ہے کہ جو خداوند جل و علا کے ساتھ راضی ہوتا ہے وہ مخلوقات سے مستغنی ہوتا ہے اور مرد کیلئے خداوند کریم کی رضا بہت بڑا خزانہ ہے اور غنا سے اشارہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے پس جو شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ غنی ہوگا وہ غیر سے مستغنی ہوگا اور اس کی درگاہ کے سوا اور کوئی راستہ نہیں جانتا ہوگا اور خلوت و جلوت میں اس کے سوا کسی کو نہیں پکارتا ہوگا۔ مشائخ میں سے ایک شیخ کہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس آیا آپ سوئے ہوئے تھے۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ آپ بیدار ہوئے تو آپ نے مجھے فرمایا کہ میں نے اسوقت خواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے میرے ذریعے تجھے پیغام بھیجا ہے کہ والدہ کا حق نگاہ رکھنا حج کرنے سے بہتر ہے۔ میں وہیں سے واپس ہوا اور حج کرنے کیلئے مکہ معظمہ نہ گیا۔ اس سے زیادہ باتیں آپ کی طرف سے میرے سننے میں نہیں آئیں۔

اور ان میں سے اہل مجاہدہ کی دعوت دینے والے اور مشاہدہ میں قائم محمد بن واسع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپکا آپکے وقت میں کوئی مثیل نہ تھا۔ اور آپ بہت سے تابعین کی صحبت سے مستفیض تھے۔ اور آپ نے متقدمین مشائخ کے ایک گروہ کو بھی دیکھا ہے اور اس طریقت میں حظ وافر رکھتے تھے اور طریقت کی حقیقتوں میں انفاس بلند اور اشارے کامل رکھتے تھے آپ نے فرمایا مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللّٰهَ فِيهِ یعنی میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس میں میں نے خدا کو نہ دیکھا ہو۔ اور یہ مقام مشاہدہ کا ہوگا۔ اس لئے کہ بندہ فاعل کی دوستی کے غلبہ میں اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ جب اس کے فعل میں نظر کرتا ہے تو اس کا فعل نہیں دیکھتا بلکہ فاعل کو دیکھتا ہے۔ جیسے کہ تصویر کا نظارہ کرنے سے مصور کا نظارہ ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت میں یہ کلمہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے چاند اور سورج اور ستاروں کو دیکھ کر کہا هٰذَا رَبِّيْ

یعنی یہ میرا پروردگار ہے اور یہ کلام غلبۂ شوق کی حالت کا ہے یعنی جو کچھ دیکھتے ہیں تمام اپنے محبوب کی صفت دیکھتے ہیں۔ اسلئے کہ جب دوست دیکھتے ہیں تو تمام جہان کو اس کے قہر سے مقہور دیکھتے ہیں۔ اور اس کی بادشاہی کے قیدی اور تمام موجودات کا وجود فاعل کی قدرت کے پہلو میں تلاش کرتے ہیں اور ممکن میں ناچیز تکوین کو جب شوق کی نظر سے دیکھتے ہیں تو مقہور کو نہیں دیکھتے بلکہ قاہر کو دیکھتے ہیں مفعول کو نہیں دیکھتے فاعل کو دیکھتے ہیں اور مخلوق کو نہیں دیکھتے بلکہ خالق کو دیکھتے ہیں اور اس کا ذکر اگر خدا کو منظور ہوا تو مشاہدہ کے باب میں کروں گا۔ اور اس جگہ ایک گروہ غلطی میں پڑ گیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا ہے رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ اور یہ مکان تجزیہ اور حلول کا مقتضی ہے اور خالص کفر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مکان اور اس میں رہنے والا ہمیشہ ایک جنس سے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مکان کو مخلوق کی جنس سے مانے تو تمام ممکنات کو مخلوق کی جنس سے ماننا پڑیگا اور اگر متمکن یعنی اس مکان میں قیام کرنے والے کو مان لو کہ قدیم ہے تو مکان کو بھی قدیم ماننا پڑیگا۔ اس قول سے دو فساد عظیم الشان لازم آتے ہیں۔ یا تو مخلوق کو قدیم ماننا پڑیگا۔ یا خالق کو حادث کہنا پڑے گا اور یہ دونوں باتیں کفر کی ہیں پس اس کی یہ رؤیت چیزوں میں انہیں معنوں کی بنا پر ہے جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے اور اس میں لطیف رمزیں ہیں جو اپنی جگہ پر انشاء اللہ الرحمٰن لاؤں گا۔

اور ان تبع تابعین سے اماموں کے امام اہلسنت والجماعت کے مقتدا فقہا کے شرف علماء کی عزت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت خراز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ کا مجاہدوں اور عبادتوں میں قدم درست ہے آپ اس طریقت کے اصول میں بڑی شان رکھتے ہیں اور شروع ہی میں آپ نے گوشہ نشینی کا قصد کیا اور تمام مخلوق سے بیزاری ظاہر کی اور آپ نے چاہا کہ مخلوقات سے باہر ہو جائیں اسلئے کہ دل کو مخلوق کے مرتبہ و ریاست سے پاک کئے ہوئے تھے۔ اور نفس کو خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہونے کے قابل تیار کر رہے تھے یہاں تک کہ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیوں کو آپ کی لحد مبارک سے جمع کر رہے ہیں اور بعض ہڈیوں کو بعض سے پسند کر رہے ہیں۔ اس

خواب کی ہیبت سے آپ بیدار ہوئے اور حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی
سے اس کا ذکر کیا اور خواب کی تعبیر پوچھی انہوں نے کہا کہ تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور
سنت کی حفاظت میں اس درجہ کو پہنچو گے کہ صحیح کو سقیم سے جدا کرو گے آپ نے دوسری
مرتبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابوحنیفہ
تجھ کو میری سنت کے زندہ کرنے کے لئے اللہ عزوجل نے پیدا کیا ہے گوشہ
نشینی کا قصد نہ کر۔ مشائخ میں سے آپ کے استاد بہت ہوئے ہیں۔ جیسے ابراہیم ادہم
فضیل بن عیاض اور داؤد طائی اور بشر حافی رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے علاوہ اور
بھی استاد ہیں جو علماء کے نزدیک مشہور ہیں اور انہوں نے اپنی تصنیفوں میں آپ کا نام
درج کیا ہے اسی زمانہ میں ابوجعفر منصور خلیفہ وقت نے تدبیر کی کہ چار شخصوں میں سے
ایک کو قاضی یعنی جج مقرر کرنا چاہیئے ایک ان میں سے ابوحنیفہؒ ہیں اور دوسرے سفیانؒ
ثوری اور تیسرے صلہ بن اشیم اور چوتھے شریکؒ۔ اللہ عزوجل کی ان سب پر رحمت ہو اور
یہ چاروں کامل علماء میں سے تھے کسی شخص کو بھیجا تاکہ سب کو جمع کیا جائے راستہ میں چلتے
ہوئے امام نے سب سے کہا کہ میں تمہیں اپنی فراست سے ایک ایک بات بتاتا ہوں جو نہایت
ہی درست بیٹھے گی آپ نے فرمایا میں کسی نہ کسی حیلہ سے عہدہ قضا کو اپنے سے دفع کروں
گا اور صلہ اپنے آپ کو دیوانہ بنا لے اور سفیانؒ بھاگ کر کہیں چلا جائے اور شریکؒ قضا
کے عہدہ کو قبول فرمائے۔ سفیانؒ تو ایک کشتی میں جا چھپے اور کشتی والوں سے کہا کہ مجھے
چھپا لو کچھ لوگ مجھے ذبح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کلام سے آپ کی مراد یہ
تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ
سِکِّیْنٍ یعنی جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا ملاحوں نے آپ کو کشتی میں بٹھا
لیا اور چھپا لیا ان تینوں کو منصور کے پاس لے گئے۔ سب سے پہلے منصور نے امام ابوحنیفہؒ
کو کہا آپ کو قضا قبول کرنی چاہیئے آپ نے فرمایا اے امیر میں عربی نہیں ہوں بلکہ ان کے دوستوں
سے ہوں اور عرب کے سردار میرے حاکم بننے پر راضی نہ ہوں گے ابوجعفر نے کہا کہ اس
کام کی نسبت نسب کے ساتھ نہیں ہے اس کام میں علم کے مقدم ہونے کی ضرورت ہے

اور تم علماء زمانہ سے علم میں بڑھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کام کو کرنا نہیں چاہتا
اور فرمایا یہ جو میں نے کہا کہ میں اس کام کو نہیں چاہتا اس میں یا میں جھوٹا ہوں یا سچا اگر میں سچا
ہوں تو اس کام کو نہیں کر سکتا اگر جھوٹا ہوں تو جھوٹ بولنے والا مسلمانوں کی قضا کے
لائق نہیں اور آپ جو خلیفہ بنائے گئے ہیں آپ کو روا نہیں رکھنا چاہیئے کہ جھوٹ بولنے
والے کو اپنا نائب بنائیں۔ اور مسلمانوں کے اموال اور خون پر اس کا بھروسہ کریں یہ کہکر آپ
نے تو خلاصی پائی۔ بعدازاں صلہ رحمۃ اللہ علیہ پیش ہوئے آپ نے منصور کا ہاتھ پکڑ کر کہا
کہ تو کس طرح ہے اور تیرے فرزند اور چوپائے کس حالت میں ہیں منصور نے کہا۔ یہ تو
دیوانہ ہے اس کو باہر نکالو پھر حضرت شریک کی باری آئی منصور نے کہا آپ کو قضا
کرنی چاہیئے آپ نے فرمایا میں سوداوی آدمی ہوں اور میرا دماغ سست ہے منصور
نے کہا موافق اشیا کے رس اور شربت شیرے وغیرہ سے علاج کرو تاکہ آپ کی عقل کامل
ہو جائے۔ اس وقت قضا کا عہدہ اہل دربار نے شریک رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا
اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ہمیشہ کیلئے علیحدہ کر دیا اور اس سے کبھی
کلام نہ کیا اور یہ علامت دونوں معنوں کی رو سے آپ کے کمال کی ہے ایک تو ان کی
فراست سچی نکلی یعنی ہر ایک کے متعلق جو جانچ پڑتال کر چھوڑی تھی ویسے ہی ہوا اور دوسرا
اپنے لئے صحت وسلامتی کا راستہ اختیار کر لینا اور مخلوقات کو اپنے سے دور کرنا اور ان
کے مرتبہ سے مغرور نہ ہونا اور یہ اس امر پر قوی برہان ہے کہ مخلوقات سے دور رہنا
سلامتی کی صحت کی دلیل ہے مگر آجکل تمام علماء قضا کے عہدہ کے خواستگار ہیں اور اچھا
سمجھتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے دل ہوائے باطل کیطرف مائل ہیں اور حق کے
راستہ سے بھاگنے والے ہیں۔ اور انھوں نے امیروں کے گھروں کو اپنے دل کا قبلہ
بنا رکھا ہے اور جفاپیشہ لوگوں کے گھر دل کو اپنا بیت المعمور یعنی آبادی کا گھر قرار دے رکھا
ہے اور جابروں کے بچھونوں کو قاب قوسین او ادنیٰ سمجھے ہوئے ہیں اور جو ان کی
مرضی کے ناموافق ہو ان سب کا انکار کر دیتے ہیں۔ ایک وقت غزنی شریف میں کہ
التماس کو ہر بلا سے محفوظ رکھے ایک علم و امامت کے مدعی نے کہا کہ گودڑی پہننی

بدعت ہے۔ میں نے کہا کہ حشیشی اور دبیقی لباس جو خالص ریشم کا ہوتا ہے اور اسکا پہننا
مردوں پر خالص حرام ہے۔ اور پھر ظالموں سے بصد منت و سماجت لیا ہی غصب حرام
ہے۔ اور پھر ظالموں کا ملک بھی مطلق حرام ہوتا ہے۔ اس کو لیکر تم پہن لیتے ہو اور اسے
بدعت نہیں کہتے ہو جب تمہاری یہ حالت ہے تو کسطرح حلال کپڑا حلال پیسوں سے
خریدا ہوا آپ کے نزدیک بدعت ہو جائے گا اگر آپ پر طبیعت کی رعونت اور نفس کی
ضلالت قابو پائے ہوئے نہ ہوتی۔ تو آپ کوئی پختہ بات کہتے خوب سمجھ لو کہ عورتوں
کو ریشم پہننا حلال ہوتا ہے اور مردوں کو حرام اور دیوانوں کو مباح اگر آپ ان دونوں
باتوں کا اقرار کرنیوالے ہیں تو معذور ہیں۔ نعوذ باللہ من عدم الانصاف پس ہم اللہ عزوجل
سے اس بے انصافی پر پناہ مانگتے ہیں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب
نوفل بن حبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا
ہے اور تمام مخلوق حساب گاہ میں کھڑی ہے میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ
حوض کے کنارے کھڑے ہیں اور آپ کے دائیں اور بائیں میں نے بہت سے مشائخ
کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ اور ایک خوبصورت سفید بالوں والے بوڑھے مرد کو بھی دیکھا
کہ وہ حضور علیہ السلام کے رخساروں پر منہ رکھے ہوئے ہے۔ اور آپ کے سامنے میں نے
نوفل کو دیکھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا میرے پاس آیا اور سلام کیا میں نے کہا مجھے پانی
پلاؤ۔ نوفل نے کہا کہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لوں حضور علیہ السلام نے انگلی
کیساتھ اشارہ فرمایا کہ پانی پلا دو۔ اس نے مجھے پانی دیا اور میرے ماننے والوں کو بھی دیا۔
سب نے پی لیا مگر اس پیالہ کا پانی جیسے کا ویسا رہا اس میں سے کچھ کم نہ ہوا میں نے
کہا اے نوفل حضور کی دائیں طرف جو بوڑھے آدمی کھڑے تھے وہ کون ہیں اس نے کہا حضرت
ابراہیم علیہ السلام ہیں اور آپ کے بائیں پہلو پر حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ جیسے میں پوچھتا
جاتا تھا ویسے ہی اپنی انگلیوں کی گرہوں پر شمار کرتا جاتا تھا ٹھیک سترہ آدمیوں کی بابت
میں نے پوچھا جب میں بیدار ہوا تو ٹھیک سترہ عدد ہاتھ کی انگلیوں پر گنے ہوئے تھا۔
اور یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو

خواب میں دیکھا میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی اَیْنَ اَطْلُبُکَ قَالَ عِنْدَ عِلْمِ اَبِیْ
حَنِیْفَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ یا رسول اللہ آپ کو کہاں ڈھونڈوں آپ نے فرمایا مجھ کو امام ابوحنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تلاش کرو اور آپ کے پارسائی میں بہت سے طریقے ہیں اور
آپ کے مناقب بے شمار ہیں یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور میں جو علی بن عثمان جلابی کا
ہوں ملک شام میں حضرت بلال موذن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرقد پر سویا ہوا تھا میں نے
اپنے آپ کو خواب میں مکہ معظمہ میں دیکھا کیا دیکھتا ہوں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی
شیبہ کے دروازے کے اندر تشریف لائے اور ایک بوڑھے کو مثل اطفال کے بغل میں دبائے
ہوئے قدم رنجہ فرما رہے ہیں۔ اور میں محبت کی رو سے دوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر
ہوا۔ اور آپ کے پاؤں کو میں نے بوسہ دیا۔ اور میں اس تعجب میں تھا کہ وہ بڈھا کون ہے
تب حضور علیہ السلام نے معجزانہ طاقت سے میرے باطن اور فکر پر اطلاع پائی آپ نے
فرمایا کہ یہ تیرے امام ہیں۔ اور تیری ولایت کے ہیں یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں اور
مجھ کو اس خواب سے بڑی امید ہوئی اور اپنے شہر کے لوگوں پر بھی بڑی امید ہوئی اور اس
خواب سے یہ بات مجھ پر درست بیٹھی کہ آپ ان لوگوں میں سے ایک ہیں کہ جن کی طبیعت
کے فانی اوصاف احکام شریعت کے ساتھ باقی [illegible] اور [illegible] قائم
ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے لیجانیوالے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ہیں۔ اگر وہ خود جاتے
باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے یا مصیب جب اس کے لے
جانیوالے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تو وہ فانی الصفت ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
کی صفت کے بقا کیساتھ قائم ہوئے اور جیسے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا صادر
نہیں ہو سکتی ویسے ہی ان سے خطا صادر نہیں ہو سکتی جو کہ آپ کی صفت کے ساتھ قائم
ہوں۔ اور یہ لطیف رمز ہے اور کہتے ہیں کہ جب داؤد طائی رحؒ نے علم حاصل کیا اور اپنے
زمانے کے مقتدا عالم ہوئے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور عرض کی کہ اب کیا کروں امام ابوحنیفہ رحؒ نے فرمایا عَلَیْکَ بِالْعَمَلِ فَاِنَّ الْعِلْمَ بِلَا عَمَلٍ
کَالْجَسَدِ بِلَا رُوْحٍ یعنی تجھ کو علم پر عمل کرنا چاہیئے اسلئے کہ جو علم بغیر عمل کے ہو اسکی مثال

بندگی کی ہے جیسے ... ہو اس لئے کہ علم جب تک عمل سے ملا ہوا نہ ہوگا صافی نہ ہوگا اور یہی حالت محض صافہ پیدا ہوگی اور جو شخص محض علم پر قناعت کرتا ہے وہ بھی عالم نہ ہوگا اسلئے کہ عالم کو صرف علم پر قناعت نہیں ہوتی۔ کیونکہ عین علم عمل کو چاہتا ہے جیسا کہ عین ہدایت مجاہدہ کو چاہتی ہے۔ اور جیسا کہ مشاہدہ مجاہدہ کے بغیر نہیں ہوتا ویسے ہی علم عمل کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ علم عمل کا وارث ہے اور عمل کا کشف اور اس کی برکت عمل ہوتی ہیں اور کسی معنی کے لحاظ سے علم کو عمل سے جدا نہیں کر سکتے جیسا کہ آفتاب کا نور اسکا عین ہوتا ہے اور علم کا باب جو کتاب کے آغاز میں ہے میں نے اس میں اس کا مختصراً بیان کر دیا ہے۔
وباللہ التوفیق۔

ان تابعین میں سے زاہدوں کے سردار اور اوتادوں کے پیشوا عبداللہ بن مبارک مروزی ہیں آپ صوفیوں کے شاندار بزرگ گزرے ہیں اور طریقت اور شریعت کے اسباب اور اقوال اور احوال کے عالم ہوئے ہیں آپ اپنے وقت کے امام ... اور تیز بزرگ مشائخ کی صحبتوں کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کی تصنیفیں مذکور اور کرامتیں مشہور ہیں۔ اور علم کے ہر فن میں ماہر تھے۔ اور ان کے توبہ کی ابتدا اسطرح سے ہے آپ ایک ایسی کنیز پہ عاشق تھے کہ جس کا حسن فتنہ پیدا کرنیوالا تھا ایک رات مستوں کے گروہ سے ایک کو اپنے ساتھ لیکے اور معشوقہ کی دیوار کے نیچے کھڑے ہوئے اور معشوقہ چھت پہ چڑھ آئی فجر کی نماز تک دونوں ایک دوسرے کے مشاہدہ میں محو رہے جب فجر کی اذان کی آواز کان میں پڑی تو یہی سمجھے کہ عشا کی نماز کیلئے اذان ملی ہے جب روز روشن ہوا تو جان لیا کہ تمام رات معشوقہ کے مشاہدہ ہی میں نکل گئی ہے۔ اور معشوقہ کے مشاہدہ ہی میں رات بھر غرق رہا ہوں اس معنی سے آپ کو تنبیہ ہوئی اور آپ اپنے آپ میں شرمسار ہوئے اور کہنے لگے کہ اے مبارک کے بیٹے آج کی رات سب کی سب تو نے نفسانی خواہش کی پیروی میں پاؤں پر کھڑے ہو کر نکال دی اور پھر کرامات کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور اگر امام نماز میں لمبی سورت پڑھے تو تو دیوانہ ہو جاتا ہے کیا تیرے مومن ہونیکی یہی دلیل ہے اسی وقت آپنے توبہ کی اور علم اور اسکی طلب میں مشغول ہوئے اور زہد اور دینداری اختیار کی

آپ اسد ربعہ کے بزرگ ہوئے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کی والدہ نے آپ کو باغ میں سویا ہوا
پایا دیکھا کہ ایک سانپ منہ میں ریحان کی ٹہنی لیکر مگس رانی کر رہا ہے اس وقت آپ نے
مرو سے کوچ کیا اور بغداد میں عرصہ دراز تک مشائخ کی صحبت میں رہے اور آپ چند
روز تک مکہ معظمہ میں مجاور بھی رہے ہیں اس کے بعد پھر مرو میں تشریف لے آئے تمام
باشندگان آپ کے دوست اور مددگار ہوئے انہوں نے وہیں اقامت اختیار کی
اور اس وقت مرو میں دو قسم کے آدمی تھے آدھے حدیث پڑھتے تھے اور آدھے طریقت
کا علم حاصل کرتے تھے۔ آج کے دن تک آپ کا لقب لوگ رضی الفریقین پکارتے ہیں اس
کی وجہ یہ ہے کہ آپ دونوں فریق سے موافقت رکھتے تھے اور دونوں فریق آپ کو اپنا
خیال کرتے تھے اور آپ نے وہاں پر دو کمرے بنائے تھے۔ ایک کمرہ تو اہل حدیث کے
واسطے اور دوسرا اصحابِ طریقت کیواسطے آج تک وہ دونوں وہیں اصلی قاعدہ پر چل رہے
ہیں۔ آپ وہاں سے پھر حجاز تشریف لائے اور مجاوری اختیار کی۔ آپ سے کسی
نے پوچھا کہ آپ نے زمانہ کے عجائبات سے کیا دیکھا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے
ایک راہب کو دیکھا جو کہ مجاہدہ سے کمزور اور خدا کی عبادت سے اپنی کمر کو مثل کمان
کئے ہوئے تھا۔ میں نے اس راہب سے پوچھا کہ اے راہب کَیْفَ الطَّرِیْقُ اِلَی اللّٰہِ
قَالَ لَوْ عَرَفْتَ اللّٰہَ لَعَرَفْتَ الطَّرِیْقَ اِلَیْہِ فَقَالَ اَعْبُدُ مَنْ لَا اَعْرِفُہٗ وَتَعْصِیْ
مَنْ تَعْرِفُہٗ میں نے پوچھا خدا کی طرف راستہ کونسا ہے اس نے کہا اگر تو اس کو پہچانتا
ہے بھی تو اس کا راستہ دریافت کرتا ہے پھر اس نے کہا کہ میں اس کی عبادت کرتا ہوں کہ
جس کو میں نہیں پہچانتا اور تو اس کی نافرمانی کرتا ہے جس کو تو پہچانتا ہے یعنی معرفت خوف
کو چاہتی ہے اور تجھ کو بے خوف دیکھتا ہوں۔ اور کفر اور جہل میں مبتلا دیکھتا ہوں اس میں
اپنے آپ کو خوف کرنیوالا پاتا ہوں اور عبداللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے کلام سے نصیحت
ہوئی اور بہت سے ناکردنی کاموں سے بچ گیا۔ آپ سے روایت ہے اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ
عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِیَائِہٖ اس کے دوستوں کے دل ہرگز آرام نہیں کرتے اسلئے کہ دنیا
میں اس قوم پر آرام کرنا حرام ہے اور دنیا میں تو چونکہ حق سے غائب ہوتے ہیں اس لئے

آرام نہیں پکڑتے اور عقبیٰ میں حضور حق اور جلوۂ دیدار سے ان پر قرار اور سکون روا نہیں ہوتا۔ پس دُنیا ان کیلئے مثل عقبیٰ کے ہے اور عقبیٰ مثل دنیا کے ہے۔ اسلئے کہ دل کا سکون یعنی آرام پانا دو چیزوں کو چاہتا ہے یا مقصود کا پانا یا مراد سے بیخبر رہنا۔ اور اسکا حاصل ہونا دنیا و عقبیٰ میں روا نہیں تاکہ دوستوں کا دل محبت کے نقصان (دھڑکن) سے آرام پکڑے اور غفلت اس کے دوستوں پر حرام ہے اسلئے کہ دل مطلوب کی جستجو میں آرام پذیر ہوتا ہے۔ لوگ محققوں کے طریق میں یہ اصل قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے حضوری والوں کے بادشاہ اور وصل کی بارگاہ کے شہنشاہ ابو علی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ درویشوں کی قوم سے بہت بڑے درجہ والے ہوئے ہیں۔ اور آپ کا حقیقتوں اور معاملات میں بہت بڑا حصہ ہے اور طریقت میں مشہور ترین لوگوں کے فردِ فرید ہیں تمام مذہبوں و ملتوں والے آپ کی تعریف کرتے ہیں آپ کا احوال سچائی سے معمور ہے، آپ ابتدائے عمر میں عیار پیشہ تھے مرد اور مادر کے درمیان ڈکیتی کی وارداتوں سے لوگوں کا مال لوٹا کرتے تھے۔ باوجود ان باتوں کے آپ میں صلاحیت کا مادہ موجود تھا اور ہمیشہ آپ کی طبیعت میں جوانمردی اور ہمت رہتی تھی چنانچہ قافلہ کی ہر عورت سے علیحدہ رہتے بالکل اس کے گرد نہ ہوتے جس کا سرمایہ کم ہوتا اس کے اسباب سے مزاحمت نہ کرتے۔ اور ہر ایک کے پاس موافق سرمایہ کے رہنے دیتے یہاں تک کہ ایک سوداگر مرد سے چلنے لگا تو لوگوں نے کہا کہ سرکاری آدمیوں کا دستہ اپنے ہمراہ لیے جاؤ راستہ پر فضیل ڈاکو موجود ہے اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ آدمی خدا ترس ہے ایک قاری کو سرد سے اپنے ہمراہ لے لیا اور اس کو ایک اونٹ پر بیٹھا لیا رات دن قاری صاحب راستہ میں قرآن کریم پڑھتے۔ جب قافلہ اس موقع پر پہنچا جہاں فضیل گھات لگائے بیٹھا تھا اتفاقاً قاری نے یہ آیت پڑھی اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ یعنی کیا مسلمانوں پر ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور اس کی کتاب کی طرف جھک جائیں جب یہ آیت فضیل نے سنی اس کے دل میں نرمی پیدا ہوئی اور عنایت ازلی نے اس کے دل پر ظاہری غلبہ پکڑا اور اس شغل سے آپ نے سچی

توبہ کی اور جن کا مال لوٹا ہوا تھا ان کے نام سب لکھے ہوئے تھے۔ سب کو خوش کیا اور ان کا مال انہیں واپس دے دیا اور آپ مکہ معظمہ میں پہنچکر عرصہ دراز تک مجاور رہے اور بہت سے اولیاء اللہ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ اور پھر کوفہ میں آکر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت اختیار کی آپ حدیثوں کے راوی ہیں۔ اور آپ کی روایتیں محدثین میں مقبول ہیں اور معرفت اور تصوّف کے حقائق میں آپ کا کلام بلند مرتبہ ہے آپ سے روایت ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ عَبَدَہٗ بِکُلِّ طَاقَتِہٖ یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کو اسکی معرفت کے حق کیساتھ شناخت کرتا ہے۔ وہ تمام طاقتوں کیساتھ اسکی پرستش کرتا ہے اسواسطے کہ جو کوئی اسکی شناخت کرتا ہے انعام اور احسان سے کرتا ہے اور جب رحمت اور شفقت کیساتھ شناخت کر لیتا ہے تو اسکی دوستی اختیار کرتا ہے، جب دوستی اختیار کرتا ہے تو فرمانبرداری کی طاقت رکھتا ہے اسلئے کہ اس وقت میں دوستی کا فرمان بجالانے میں کوئی مشکل نہ ہوگی پس جو شخص دوستی میں زیادتی اختیار کریگا اسکی فرمانبرداری پر حرص بڑھے گی۔ اور دوستی کا بڑھنا معرفت کی حقیقت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضہ روایت کرتی ہیں۔ کہ ایک دفعہ رات کیوقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور مجھ سے غائب ہوئے اور میرے دل میں خیال ہوا کہ آپ کسی دوسرے حجرہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ میں اٹھی اور آپ کے پاؤں کی آہٹ سے آپ کا پیچھا کر رہی تھی۔ یہانتک کہ میں مسجد میں پہنچی اور وہیں آپ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا آپ صبح کی نماز تک روتے رہے یہانتک کہ بلال آیا اور اس نے بانگ دی آپ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر جب حجرہ مبارک میں تشریف لاتے تو میں نے آپ کے دونوں قدم مبارک پر ورم دیکھا اور اور نیز پاؤں کے دونوں انگوٹھے پھٹے ہوئے تھے جن سے زرد پانی بہ رہا تھا میں نے روکر غرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکے تو حق جل و علا نے پہلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ پھر آپ اتنی تکلیف کیوں روا فرماتے ہیں۔ اور اتنی مشقت تو وہ کرتا ہے جس کو عاقبت کے انجام کی خبر نہ ہو۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ یہ تو سب میرے رب کا فضل اور احسان ہے اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا یعنی کیا میں شکر گذار بندہ

نہ ہوں جب اس نے اپنی بخشش اور سرداری سے مجھکو سرافراز فرمایا اور تیز بخشش کی خوشخبری مجھکو دی تو کیا تم یہ کہتی ہو کہ مجھے اس کی بندگی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور موافق طاقت کے آئی ہوئی نعمت پر شکر نہیں کرنا چاہیئے

اور معراج کی رات بھی پچاس نمازوں کو آپ نے قبول فرمایا اور آپ کو گراں نہ معلوم ہوئیں یہانتک کہ موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سننے سے آپ واپس ہوئے۔ اور پانچ نمازوں کا حکم ملا اور پچاس نمازوں کا شروع میں قبول کرلینا اس لئے تھا کہ آپ کی طبیعت میں خدا کی مخالفت سے سروکار نہ تھا لاَنَّ الْمَحَبَّۃَ ھِیَ الْمُوَافَقَۃُ اسلئے کہ محبت موافقت ہی کا نام ہے اور نیز آپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اَلدُّنْیَا دَارُ الْمَرْضٰی وَالنَّاسُ فِیْھَا مَجَانِیْنُ وَلِلْمَجَانِیْنِ فِیْ دَارِ الْمَرْضٰی اَلْغُلُّ وَالْقَیْدُ یعنی دنیا بیماری کا گھر ہے اور لوگ اس میں بمنزلہ مجنوں کے ہیں اور مجنونوں یعنی دیوانوں کیلئے ہسپتال میں قید اور بیڑیاں ہوتی ہیں۔ ہمارے نفس کی خواہش بمنزلہ بیڑی کے ہے اور ہماری نافرمانی قید ہے فضل بن ربیع روایت کرتے ہیں کہ میں ہارون الرشید کے ساتھ مکہ معظمہ میں گیا جب ہم حج سے فارغ ہوچکے تو ہارون الرشید نے مجھ سے کہا کہ اسجگہ کوئی مرد خدا کے بندوں میں سے ہے تاکہ ہم اس کی زیارت کریں۔ میں نے کہا کہ ہاں عبد الرزاق صنعانی اس جگہ موجود ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے آپ کے پاس لے چلو جب ہم ان کے پاس گئے تو تھوڑی سی باتیں کرنیکے بعد رخصت ہوئے ہارون الرشید نے مجھ سے کہا کہ ان سے دریافت کرو کہ آپ کے سر پر کوئی قرضہ بھی ہے۔ میں نے پوچھا تو آپ نے مجھے جواب دیا کہ میرے سر پر قرضہ ہے۔ آخر ہارون الرشید نے اس قرضے کے اتارنے کا حکم دیا جب ہم وہاں سے نکلے تو ہارون الرشید نے کہا کہ اے فضل میرے دل میں کسی اور بزرگ کے دیکھنے کی تمنا ہے جو اس سے بڑا ہو میں نے کہا کہ سفیان بن عیینہ بھی یہاں پر موجود ہیں۔ اس نے کہا کہ چلو وہاں چلیں۔ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تھوڑی دیر تک باتیں کیں اور پھر چلنے کا قصد کیا۔ پھر خلیفہ نے مجھے اشارہ کیا کہ ان سے پوچھو میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ ہاں میرے سر پر قرض ہے تب ان کا قرضہ بھی اتارا گیا اس جگہ سے جب باہر نکلے تو خلیفہ

نے مجھ سے کہا کہ ابھی میرا مقصود حاصل نہیں ہوا میں نے کہا کہ مجھے یاد آیا ہے کہ فضیل بن عیاضؒ بھی اس جگہ رہتے ہیں۔ میں خلیفہ کو آپ کے پاس لیگیا تو وہ جھروکے میں تشریف فرما تھے اور ایک آیت قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میں نے دستک دی آواز آئی کہ کون ہے میں نے کہا امیر المومنین ہیں آپ نے فرمایا مَالِیْ وَلِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی میرا امیر المومنین سے کیا کام ہے۔ میں نے عرض کی سُبحان اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے جو آپ نے فرمایا لَیْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَہٗ فِیْ طَاعَۃِ اللہِ یعنی نہیں ہے واسطے انسان کے کہ اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفس کو ذلیل کرے قَالَ بَلٰی اَمَّا الرِّضَا فَھُوَ عِنْدَ اَھْلِہٖ حضرت فضیل نے کہا کہ ہاں رضا اسکے اہل کیلئے عزت ہے اسوقت آپ نیچے تشریف لائے اور دروازے کو کھولکر چراغ کو گل کر دیا اور مکان کے ایک کونے میں جا کھڑے ہوئے ہارون الرشید نے آپ کو دروازہ سے تلاش کرنا شروع کیا یہانتک کہ ہارون الرشید کا ہاتھ آپ کے ہاتھ کو لگا تو کہا افسوس ہے کہ ایسا نرم ہاتھ دوزخ کی آگ میں جلے اور اگر خداوند تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاوے تو بہت ہی اچھا ہے ہارون الرشید اس بات کو سنتے سنتے روتے روتے بیہوش ہو گیا جب ہوش میں آیا کہا اے فضیل مجھے کچھ نصیحت فرماؤ آپ نے فرمایا اے امیر المومنین تیرا باپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اس نے درخواست کی تھی کہ یا رسول اللہ مجھے قوم کا سردار بنا دیجئے آپ نے فرمایا کہ اے میرے چچا تیرے ایک ایک سانس کو تیرے بدن پر میں نے سرداری عطا کی ہے تیرا خدا کی فرمانبرداری میں ایک سانس لینا بہتر ہے مخلوقات کی ہزار سال کی فرمانبرداری سے لِاَنَّ الْاِمَارَۃَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ النَّدَامَۃُ اس لئے کہ امیری قیامت کے روز بجز ندامت کے کچھ نہ ہوگی۔ ہارون نے کہا کہ آپ اس سے زیادہ مجھے نصیحت کریں آپ نے فرمایا کہ جب عمر بن عبد العزیز کو سب نے خلیفہ بنایا تب آپ نے سالم بن عبد اللہ اور رجا بن حیوۃ اور محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہم کو بلایا اور کہا کہ میں ان بلاؤں میں مبتلا ہو گیا ہوں مجھے کوئی تدبیر بتلا دو۔ تاکہ میں ان بلاؤں سے جو مشاہدہ میں ہیں رہائی حاصل کروں اگرچہ لوگ مجھے صاحب نعمت

خیال کرتے ہیں۔ ایک نے ان میں سے کہا کہ اگر تو قیامت کے روز خدا کے عذاب سے خلاصی حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلمانوں کے تمام بوڑھوں کو اپنے باپ کی مثل سمجھو اور ان کے جوانوں کو مثل حقیقی بھائیوں کے اور ان کے لڑکوں کو مثل فرزندوں کے، اُن کے ساتھ ایسا معاملہ اختیار کرو جیسا کہ اپنے گھر میں اپنے باپوں اور بھائیوں اور فرزندوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور یہ سب اہل اسلام کا ملک تیرا گھر ہے اور اس کے رہنے والے تیرے عیال ہیں زُرْ اَبَاکَ وَ اَکْرِمْ اَخَاکَ وَ اَحْسِنْ عَلٰی وَلَدِکَ اپنے ماں باپ کی زیارت کر اور اپنے بھائی کی عزت کر اور فرزندوں کے حق میں نیکی کر۔ پھر فضیل نے کہا کہ اے امیر المومنین میں ڈرتا ہوں کہ مبادا آپ کا خوبصورت چہرہ دوزخ کی آگ میں جھلسا جائے خدا سے ڈر اور اس کا حق اس سے بہتر گذار پس ہارون نے کہا کہ آپ پر کچھ قرضہ بھی ہے کہا ہاں خداوند کریم کی فرمانبرداری کا قرضہ میری گردن پر ہے اگر مجھے بسبب اس کے پکڑا گیا تو مجھ افسوس ہے۔ ہارون الرشید نے کہا اے فضیل میری مراد دنیا کا قرضہ ہے آپ نے فرمایا اس عزوجل کا ہزار بار شکر ہے کہ جس نے بہت سی نعمتوں سے سرافراز فرمایا میں اس کا کوئی گلہ یاد نہیں رکھتا جو کہ مخلوق کے سامنے بیان کروں۔ ہارون الرشید نے ہزار دینار کی تھیلی نکال کر آپ کے سامنے رکھی اور کہا اس کو اپنے کسی کام میں صرف کرو فضیل رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المومنین میری نصیحتوں نے آپ پر کچھ اثر نہیں کیا۔ تو مجھے ظلم میں گرفتار کرتا ہے۔ اور ظلم کا پیشہ تو نے اختیار کیا ہارون الرشید نے کہا میں نے ظلم کا پیشہ کونسا اختیار کیا ہے فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں تجھ کو نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تو مجھ کو بلا میں گرفتار کر رہا ہے تو کیا یہ تیری بے انصافی نہیں ہارون الرشید اور فضل رحمہما اللہ دونوں روتے ہوئے آپ کے پاس سے باہر آئے اور مجھ سے ہارون نے کہا اے فضل بن ربیع حقیقت میں فضیل بادشاہ ہے، اور یہ سب دلیل اس کے دُنیا کو چھوڑ دینے کی ہے، اور دنیا کی زینت اس کے دل میں حقیر ہے اور اہل دُنیا کی تواضع کرنی بھی اس نے اسی واسطے ترک کر رکھی ہے، اور آپ کے مناقب عبارت میں آنے سے زیادہ ہیں یعنی زبانوں میں اتنے لفظ ہی نہیں کہ جن سے آپ کے مناقب بیان کر

سکیں۔

اور ان میں سے کرامت اور تحقیق کی کشتی اور ولایت میں بزرگی کی تلوار ابوالفیض ذوالنون بن ابراہیم مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ نوبی نژاد تھے اور آپ کا نام نامی ثوبان تھا اور آپ بہترین قوم سے ہیں اور اہل طریقت کے بزرگوں اور دانشمندوں سے گئے ہیں۔ آپ بلا کے راستے پر چلتے اور ملامت کے طریق کو پسند فرماتے تھے اور مصر کے تمام لوگ آپکی شان کے اظہار میں متحیر اور عاجز تھے۔ اور آپ کے زمانہ میں آپکا انکار کرنیوالے بہت تھے۔ موت تک آپ کے حال اور جمال کی کسی نے مصر میں شناخت نہ کی۔ اور جس رات کو آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی تھی اسی رات ستر اشخاص کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں ملے اور فرمایا کہ خدا کا دوست ذوالنون مصری آنا چاہتا ہے میں اس کے استقبال کیلئے آیا ہوں جب آپ نے وفات پائی۔ آپ کی پیشانی پر لوگوں نے لکھا ہوا پایا کہ هٰذَا حَبِیْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰهِ قَتِیْلُ اللّٰهِ یعنی یہ خدا کا دوست ہے اس نے اللہ کی محبت میں وفات پائی ہے اور یہ اللہ کا قتیل ہے جب لوگوں نے آپ کا جنازہ اٹھایا تو طائران ہوا پرے باندھکر ہوا میں سایہ کرتے ہوئے آپ کے جنازہ کیساتھ ہو لئے جب اہل مصر نے یہ معاملہ دیکھا تو سب پشیمان ہوئے اور ان مظالم سے توبہ کی جو انہوں نے آپ پر کئے تھے۔ آپ کے طرق بہت ہیں اور علموں کی حقیقتوں میں ان کے نکتے بہت اچھے ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں اَلْعَارِفُ کُلَّ یَوْمٍ اَخْشَعُ لِاَنَّهٗ فِیْ کُلِّ سَاعَةٍ مِّنَ الرَّبِّ اَقْرَبُ یعنی عارف ہر روز زیادہ خشوع کرتا ہے اس لئے کہ وہ ہر ساعت میں خدا کے نزدیک ہوتا جاتا ہے وہ جس وقت زیادہ قریب ہوتا ہے لامحالہ اس کا خشوع اور حیرت بڑھتی جاتی ہے اسواسطے خدا کے دبدبہ کی ہیبت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور پھر خدا کا جلال اسکے دل پر غلبہ پا لیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے دور دیکھتا ہے اور اس کے وصل کیطرف منہ نہیں کرتا اور انکساری پر انکساری زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مکالمہ کے وقت عرض کی یارب اَیْنَ اَطْلُبُکَ قَالَ عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ کہ..... اے خدایا میں آپ کو کہاں تلاش کروں فرمایا مجھے

شکستہ دلوں میں تلاش کرو یعنی اُن دلوں میں تلاش کرو جو اپنے اخلاص سے نا امید ہوئے ہوں۔ عرض کی بار خدایا کسی کا دل مجھ سے زیادہ نا امید اور شکستہ نہیں اللہ عزوجل نے فرمایا بس میں اسی جگہ ہوں جہاں تو ہے۔ پس معرفت کا دعویٰ کرنیوالا بدون عجز و خوف کے جاہل ہوتا ہے عارف نہیں ہوتا۔ اور معرفت کی حقیقت کی نشانی سچا ارادہ ہے اور سچا ارادہ اسباب کا قطع کرنے والا ہے اور بندہ کی نسبت کا بھی قاطع ہے۔ ہاں سچی ارادت خدا سے ضرور وصل کرا دینے والی ہے جیسا کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلصِّدْقُ سَیْفُ اللّٰہِ فِیْ اَرْضِہٖ مَا وُضِعَ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا قَطَعَہٗ یعنی راستی خدا کی تلوار ہے خدا کی زمین میں جس چیز پر پڑتی ہے اس کو کاٹ ڈالتی ہے اور صدق یعنی سچائی مسبب کے دیکھنے کا نام ہے سبب کے دیکھنے کا نام نہیں جب مسبب ثابت ہو گیا صدق یعنی راستی کا حکم جاتا رہا۔

اور میں نے آپ کی حکایات میں پایا ہے کہ آپ ایک دن اپنے مریدوں کے ہمراہ کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے اور دریائے نیل کا نظارہ کر رہے تھے جیسا کہ اہل مصر کی عادت ہوتی ہے سامنے سے ایک دوسری کشتی آئی کہ جس میں خوشی منانیوالے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور فساد اور شرارتیں کر رہے تھے۔ مریدوں نے کہا اے شیخ ان لوگوں کے حق میں بد دعا کیجئے تا کہ خدا تعالیٰ ان سب کو غرق کر دے تا کہ ان کی نحوست مخلوق سے علیحدہ ہو جائے اسی وقت ذوالنون مصری کھڑے ہو کر دعا مانگنے لگے کہ بار خدایا اس گروہ کو جیسے آپ نے دنیا میں خوشی عطا کی ہوئی ہے ویسے ہی آخرت میں ان کو خوش رکھنا۔ مرید آپ کے کلام سے متعجب ہوئے جب کشتی سامنے آئی اور ان کی آنکھیں ذوالنون پر پڑیں تو سب نے رونا شروع کیا اور عذر خواہی شروع کی اور عود توڑ دیئے۔ اور انہوں نے سچی توبہ کی اور سب نے خدا کی طرف مراجعت کی آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ اس جہان کا عیش اس جہان کی توبہ بھی تم نے دیکھ لیا کہ سب کی مراد پوری ہو گئی اور ہم دونوں فریق بلا تکلف اپنی مراد کو پہنچے ہوا اور یہ کلام اس پیر کی انتہائی شفقت پر دلالت کرتی ہے جو اس کو مسلمانوں پر تھی، اور اس بات میں اس نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیروی اختیار کی۔ ہر چند کافر آپ کو تکلیف پہنچاتے ظلم کرتے اور زیادتی کرتے مگر آپ متغیر نہ ہوتے اور ہمیشہ یہی فرماتے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں بیت المقدس سے آرہا تھا اور مصر کو جارہا تھا دورِ راستہ میں مجھے آتا ہوا ایک آدمی نظر پڑا اور میں نے دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ ہو نہ ہو اس سے ضرور سوال کروں گا جب میرے نزدیک آیا وہ ایک بوڑھیا عورت تھی۔ جس کے ہاتھ میں کوزہ اور عصا تھا اور پشم کا جبّہ پہنے ہوئے تھی میں نے کہا مِنْ اَیْنَ قَالَتْ مِنَ اللّٰہِ قُلْتُ اِلٰی اَیْنَ قَالَتْ اِلَی اللّٰہِ یعنی تو کہاں سے آتی ہے اس نے کہا کہ خدا کیطرف سے میں نے کہا کہ کہاں جاؤ گی۔ اس نے کہا خدا کیطرف میں نے اپنی ضرورت کیلئے ایک دینار رکھا ہوا تھا نکال کر اس کو دینا چاہا تو اس نے ایک تھپڑ مجھے رسید کیا اور کہا اے ذوالنون یہ صورت جو تو نے اپنے دل میں ٹھہرائی ہے تیری عقل کی خفت پر دلالت کرتی ہے۔ پس میں خدا ہی کیلئے کام کرتی ہوں اور بجز اس کے اور کسی سے کوئی چیز طلب نہیں کرتی ہوں۔ جیسے اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتی ویسے ہی اس کے سوا اور کسی سے کچھ نہیں لیتی۔ اور اتنی بات کہکر وہ بوڑھیا مجھ سے علیحدہ ہوگئی۔ اس حکایت میں ایک عجیب رمز ہے یعنی اس بوڑھیا نے جو یہ کہا کہ میں کام اسی کیلئے کرتی ہوں۔ تو یہ دلیل سچی محبت کی تھی۔ اسلئے کہ مخلوق معاملت میں دو قسم پر ہے ایک تو وہ لوگ ہیں۔ کہ کام اپنے واسطے کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خدا کیلئے کر رہا ہوں ہر چند اسکی خواہش اس سے علیحدہ ہوتی ہے مگر دوسرے جہان میں ثواب ملنے کی ضرور اسے خواہش ہوتی ہے، اور دوسرا وہ شخص ہے کہ اس جہان کے ثواب اور عذاب اور اس جہان کے ریا اور غیبت وغیرہ سے بالکل علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو خدائی معاملہ ادا کرنے میں بالکل ان باتوں کا خیال نہیں ہوتا۔ اور جو کام بھی کرتے ہیں۔ خدا کے فرمان کی تعظیم بجا لانے کیلئے کرتے ہیں اور نیز خدا کی محبّت انہیں اس کام پر برانگیختہ کرتی ہے اپنا حصہ اس کے فرمان کی تعمیل میں چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں! اور اس گروہ کی کچھ ایسی صورت بندھی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں آخرت کا توشہ جمع کرتے ہیں۔ اور انہیں خوب معلوم ہے

کہ فرمانبرداری میں فرمانبردار کو اس سے زیادہ حصہ ملتا ہے جتنی نافرمانی میں نافرمان کو ایک گھڑی خوشی ملتی ہے۔ اور فرمانبرداری کی خوشی دائمی ہوتی ہے اور خداوند تعالیٰ کو مخلوقات کے مجاہدہ سے نہ تو کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی نقصان ہے اگر تمام جہان صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا صدق حاصل کر لے تو اسکا فائدہ انہی کو ہوگا اور اگر سب جہان فرعون جیسا جھوٹ حاصل کر لے تو اس کا نقصان انہیں کو ہوگا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا یعنی اگر تم نیکی کرتے ہو تو محض اپنے لیئے اور اگر تم بدی کرتے ہو تو محض اپنے لئے۔ اور یہی ارشاد فرمایا وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ یعنی جو مجاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کیلئے کرتا ہے بیشک اللہ عزوجل تمام جہان کے لوگوں سے بے پرواہ ہے۔ اور جو لوگ عاقبت کیلئے نیکی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کیلئے کی ہیں تو وہ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ مگر دوستی کے راستہ کو طے کرنا دوسری بات ہے، ان کا خیال محض خدا کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور کسی بات کیطرف ان کی توجہ نہیں ہوتی اور اس کتاب کے باب الاخلاص میں ان جیسی باتوں کا ذکر ہوگا اگر اللہ عزوجل نے چاہا۔

اور ان میں سے امیر الامرا ور ملاقات کے راستہ کے راہرو ابو اسحاق ابراہیم بن ادہم منصور رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ اپنے وقت کے یگانہ تھے اور اپنے زمانہ میں اپنے زمانے کے لوگوں کے سردار تھے۔ اور آپ خضر علیہ السلام کے مُرید ہوئے ہیں۔ اور بہت سے قدیم مشائخ کی صحبت کے پروردہ تھے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے آپ سے کچھ علم پڑھا تھا۔ اور ابتدائے حال میں آپ بلخ کے بادشاہ تھے ایک روز شکار کیلئے نکلے اور لشکر سے علیحدہ ہوئے ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال رکھا تھا وہ ہرن اللہ عزوجل کے حکم سے گویا ہوا اور نہایت فصیح زبان کے ساتھ اس نے کہا اَلِهٰذَا خُلِقْتَ اَمْ بِهٰذَا اُمِرْتَ یعنی کیا تیرے پروردگار نے تجھے اسی لئے پیدا کیا ہے اور تجھے اسی کام کا حکم دیا ہے اور اس بات نے آپ کو توبہ کیطرف راہنمائی کی تمام چیزوں سے دل

برداشتہ ہوئے اسیوقت سے آپ نے زہد اور اتقاء کا طریق اختیار کیا اور فضیل بن عیاض اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما کی مجلس میں رہے۔ اور آپ نے توبہ کیوقت سے اپنی بقیہ عمر میں بجز اپنی ہاتھ کی کمائی کے اور کچھ نہ کھایا۔ آپ کا معاملہ ظاہر ہے اور آپ کی کرامتیں مشہور ہیں۔ اور تصوف کی حقیقتوں میں آپ کے کلمے عمدہ اور نکات نفیس ہیں۔ جُنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مَفَاتِیْحُ الْعُلُوْمِ اِبْرَاھِیْمُ اس طریقت کے سب علموں کی چابی حضرت ابراہیم ہیں۔ اور آپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اِتَّخِذِ اللّٰہَ صَاحِبًا وَّذَرِ النَّاسَ جَانِبًا کہ خدا کو اپنا دوست بنا اور مخلوقات کو ایک طرف چھوڑ اور اس قولہ کی مُراد یہ ہے کہ جب بندہ کا معاملہ حق جل وعلا سے درست ہو اور اللہ عزوجل کی دوستی میں مخلص ہو تو خداوند کریم کیساتھ توجہ صحیح ہونا چاہیئے اور مخلوقات سے رو گردانی ضروری ہے اسلئے کہ مخلوقات کی صحبت کو مخلوقات کی باتوں سے کچھ نسبت نہیں اور خدا تعالیٰ کی صحبت اسکا حکم بجالانے میں خلوص پر ہے اور خلوص فرمانبرداری میں مخلصانہ محبت سے ہے، اور خدا کی محبت کا خلوص نفسانی خواہش کی مخالفت سے پیدا ہوتا ہے اور جو شخص نفس کی ہوا و حرص سے دل لگاتا ہے۔ وہ خدا سے جدا ہو جاتا ہے اور جو شخص نفس کی خواہش سے قطع تعلق رکھتا ہے۔ وہ خدا کی ذات کے وصل سے آرام پاتا ہے پس تو اپنے حق میں بمنزلہ تمام مخلوق کے ہے جب تو اپنے سے منہ موڑیگا تو گویا تو نے سارے جہان سے منہ موڑ لیا اور جو شخص مخلوقات سے تو رخ پھیرے اور اپنے آپ کیطرف توجہ کرے وہ ظلم پیشہ ہے اس لئے کہ تمام مخلوق جس حال میں ہے خدا کے حکم اور تقدیر سے ہے اور تیرا کام تجھی پر موقوف ہے۔ اور طالب حق کے ظاہر اور باطن کی استقامت دو چیز پر موقوف ہے ایک تو ان کی شناخت کرنی ہے اور دوسرے کام کرنا ہے شناختن کا یہ مطلب ہے کہ تمام جہان میں خیر و شر کو خدا کی تقدیر سے شناخت کرے اور تمام جہان میں ہر حرکت کرنیوالی چیز کی حرکت اسی کے حکم سے جانے کہ کوئی متحرک ساکن نہیں ہوتا اور کوئی ساکن متحرک نہیں ہوتا مگر اسی سکون و حرکت سے جو اللہ عزوجل نے اس میں پیدا کر رکھی ہے اور جو کردنی یعنی کام کرنیکی بات ہے۔ اسکا مطلب خدا کا حکم بجالانا ہے۔ اور

معاملہ کا صحیح ہونا اور تکلیفی امور کی نگہبانی اور بھی جو کچھ ہے سب اس کے حکم سے ہے۔ اور کسی حال میں خداوندی فرمان کے ترک کو دلیل نہیں ٹھہرایا بس مخلوقات سے روگردان ہونا ٹھیک نہیں آئیگا جبتک تو اپنے آپ سے روگردانی اختیار نہ کریگا اور جب تو اپنے سے منہ موڑیگا تو جہان سے موڑیگا۔ اور سچی مراد حاصل کرنیکے لئے مخلوقات سے نفرت کرنی ضروری ہے اور جب تو پروردگار عالم کیطرف رجوع کریگا تو خداوند کریم کے امر پر قائم رہنے کیلئے تجھے آرام چاہیئے پس مخلوقات کیساتھ آرام نہ پکڑو اگر اللہ عزوجل کی ذات کے سوا کسی اور چیز سے تو آرام اختیار کرنا چاہتا ہے تو غیر سے آرام ترک کرنا تیرے لئے ضروری ہے اسلئے کہ غیر سے آرام پکڑنا توحید کے چھوڑنے کا ذریعہ ہے۔ اور اپنے سے آرام پانا بیکار رہنے کا ثبوت ہے۔ اور اسی سبب سے شیخ ساباعہ ابوالحسن رحمہ اللہ مرید سے کہا کرتے تھے کہ بلی کے حکم میں ہونا اس سے بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کا حکم مانے اسلئے کہ غیر کی صحبت خدا کیلئے ہوتی ہے اور اپنے نفس کی صحبت خواہش کے پالنے کے لئے ہے اور اس معنی میں اگر خداوند کریم نے چاہا تو کلام آئیگا اور ابراہیم ادہم کی حکایتوں میں مذکور ہے کہ جب میں بیابان میں پہنچا تو ایک بوڑھا مرد نمودار ہوا اسنے کہا کہ اے ابراہیم کیا تو جانتا ہے۔ کہ یہ کونسی جگہ ہے جہاں تو بغیر خرچ کے چل رہا ہے۔ میں نے جان لیا کہ یہ شیطان ہے چاندی کے چار دانگ اسوقت میری جیب میں تھے۔ اور وہ چار دانگ اس زنبیل کی قیمت تھی جسے میں نے کوفہ میں بیچا تھا پس انہیں نکالکر میں نے پھینک دیا اور میں نے شرط کی کہ ہر میل پر چار سو رکعت نماز گذاروں گا۔ اسیطرح چار سال میں نے اس جنگل میں گذارے اور خداوند کریم وقت پر بلا تکلف مجھے کھانا عطا فرماتا رہا۔ اور انہیں دنوں میں خضر علیہ السلام نے میری صحبت اختیار کی اور مجھے اللہ عزوجل کا اسم اعظم انہوں نے سکھایا اس وقت سے میرا دل دفعتہً غیر سے خالی ہوا اور آپ کے مناقب بہت ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

اور ان میں سے معرفت کا تخت اور اہل معاملت کا تاج بشر بن حافی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ مجاہدہ میں بڑی شان اور رہنمائی کے مالک تھے۔ اور نیز خدا کے معاملہ میں پورا پورا حصہ رکھتے تھے۔ اور حضرت فضیل کی صحبت پائے ہوئے تھے۔ اور آپ اپنے خالو

بوعلی حشرم کے مرید تھے علم اصول اور فروع کے عالم ہوتے ہیں اور ان کی توبہ کی ابتدا اس طرح ہے کہ ایک روز آپ مستی میں آرہے تھے راستے میں آپ نے ایک کاغذ پڑا ہوا پایا اس کو بسبب تعظیم کے آپ نے اٹھا لیا اس پر لکھا ہوا تھا بسم اللہ الرحمن الرحیم آپ نے اس کو معطر کرکے پاک جگہ پر رکھ چھوڑا اسی رات کو آپ نے خواب میں اللہ عزوجل کو دیکھا اللہ عزوجل نے فرمایا یَا بِشْرُ طَیَّبْتَ اِسْمِیْ فَبِعِزَّتِیْ لَاُطَیِّبَنَّ اِسْمَکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یعنی اے بشر تو نے میرے نام کو میری تعظیم کی وجہ سے خوشبودار کیا میں تیرے نام کو دنیا و آخرت میں خوشبودار کروں گا یعنی جو شخص تیرا نام سنے گا اسکے دل میں خوشی پیدا ہوگی اس وقت آپ نے توبہ کی اور زہد و ریاضت کا طریقہ شروع کیا اور خدا تعالیٰ کے مشاہدہ میں شدت غلبہ سے کوئی چیز اپنے پاؤں میں نہ پہنتے تھے۔ اور اسکا سبب ایک روز کسی نے پوچھا تو کہا زمین خدا کا فرش ہے اور میں اس امر کو جائز نہیں رکھتا کہ اس کے فرش اور اپنے پاؤں کے درمیان کسی چیز کو حائل کروں اور اس کے فرش کو جوتوں سے لتاڑوں خلاصہ یہ ہے کہ اس کے فرش پر بدون واسطہ کے پھرنا چاہتا ہوں اور یہ ان کے عجیب معاملات سے ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے میں ان کو جوتا اور نعل حجاب معلوم ہوتا ہے۔ اور آپ کا یہ بھی مقولہ ہے کہ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّکُوْنَ عَزِیْزًا فِی الدُّنْیَا وَشَرِیْفًا فِی الْاٰخِرَۃِ فَلْیَجْتَنِبْ ثَلَاثًا لَا یَسْاَلُ اَحَدًا حَاجَۃً وَلَا یَذْکُرُ اَحَدًا بِسُوْءٍ وَلَا یُجِیْبُ اَحَدًا اِلٰی طَعَامِہٖ یعنی جو شخص یہ چاہتا ہو کہ دنیا میں عزیز اور آخرت میں شریف ہو تو اس کو تین چیزوں سے پرہیز چاہیئے۔ ایک تو مخلوقات سے حاجت نہیں مانگنی چاہیئے اور دوسرے کسی کو برا نہیں کہنا چاہیئے اور تیسرے کسی کا مہمان نہیں ہو چاہیئے۔ یعنی جو شخص خداوند تعالیٰ کو جانتا ہے وہ کسی سے اپنی حاجت کی درخواست نہیں کرتا اسلئے کہ مخلوقات سے حاجت چاہنا عدم معرفت کی دلیل ہے اگر انسان قاضی الحاجات سے اپنا تعلق و البتہ رکھتا ہو تو وہ کبھی اپنے جیسوں سے حاجت نہ مانگے لِاَنَّ اسْتِعَانَۃَ الْمَخْلُوْقِ بِالْمَخْلُوْقِ کَاسْتِعَانَۃِ الْمَسْجُوْنِ اِلَی الْمَسْجُوْنِ اسلئے کہ مدد مانگنا مخلوق کا مخلوق سے ایسا ہے جیسا کہ مدد مانگنا قیدی کا قیدی سے ہے۔ مگر جو شخص کسی کو برا کہتا ہے اس کا برا کہنا خدا کے حکم میں تصرف کرنا

ہے اسلئے کہ وہ شخص اور اس کا فعل دونوں خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور فعل پر عیب لگانا فاعل پر عیب لگانے کے برابر ہے ہاں کفار کو برا کہنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ کفار کو برا کہنا خدا کا حکم ماننا ہے۔ مگر وہ جو کہا کہ مخلوقات کے کھانے سے پرہیز کرنا چاہیئے اسکی وجہ یہ ہے کہ رازق اس کا اسمیں خدا تعالیٰ ہے اگر تو مخلوقات کو روزی کا سبب گردانے گا تو اسکو نہ دیکھیگا اور یہ خوب جان لے کہ وہ روزی تیری ہے جو حق تعالیٰ نے تجھ تک پہنچائی۔ اس مہمانی کرنیوالے کیطرف سے نہیں۔ اور اگر وہ یہ جانے کہ وہ روزی اسکی طرف سے ہے اور بسبب اس کے تجھ پر احسان رکھتا ہے تو اس کو کبھی قبول نہ کرو اسلئے کہ روزی میں کسی شخص کا احسان تجھ پر نہیں ہے۔ البتہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک تیری روزی غذا ہے اور معتزلہ کے نزدیک تیرا ملک ہے، اور خلقت کو اللہ عزوجل غذا کیساتھ پالتا ہے مخلوقات نہیں پالتی۔ اور اس قول کے جواز کی یہ دوسری وجہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان میں سے معرفت کا آسمان اور محبت کا فلک ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ بزرگ مشائخ سے ہیں۔ آپکا حال سب سے بڑا اور آپ کی شان سب سے بزرگ تھی یہانتک کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَبُوْ یَزِیْدَ مِنَّا بِمَنْزِلَةِ جِبْرَئِیْلَ مِنَ الْمَلٰئِکَةِ ابویزید ہم میں ایسے ہیں جیسے جبرئیل فرشتوں میں ہیں آپ کا دادا مجوسی تھا اور بسطام کے بزرگوں سے ایک آپکے والد تھے اور انکی بیان کردہ روایتیں جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عالی ہیں۔ اور تصوف کے دس مشہور اماموں سے ایک یہ ہیں۔ اور کسی کو ان سے پیشتر اس علم کی حقیقتوں میں اتنا ملکہ نہ تھا اور تمام حالتوں میں علم دوست اور تعظیم کرنیوالے ہوتے ہیں۔ بخلاف اس گروہ مردود کے جنہوں نے بسبب الحاد کے شریعت کے خلاف کرنیکو اپنا موضوع بنا لیا ہے۔

آپ کے زمانہ کی ابتدا ریاضت اور مجاہدہ پر مبنی تھی۔ آپ کا قول ہے کہ عَمِلْتُ فِی الْمُجَاهَدَةِ ثَلٰثِیْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَیْئًا اَشَدَّ عَلَیَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَتِهٖ وَلَوْلَا اخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ لَبَقِیْتُ وَاخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اِلَّا فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ

ہیں نے تیس سال مجاہدہ کیا علم اور اسکی پیروی سے بڑھکر کوئی چیز سخت ترین معلوم نہ ہوئی اگر علماء کا اسمیں اختلاف نہ ہوتا تو اسی پر جما رہتا اور علماء کا اختلاف رحمت ہے مگر توحید میں اختلاف کرنا رحمت نہیں اور ایسا ہی اسکی تجرید میں اختلاف کرنا رحمت نہیں۔ اور حقیقت میں بات یوں ہے کہ طبع جہالت کیطرف زیادہ مائل ہوتی ہے اسلئے کہ بعلم بہت کام بسبب جہالت کے بغیر تکلیف کے نہیں کرسکتا۔ اور شریعت کا راستہ دوسرے جہان کی پلصراط سے بھی زیادہ باریک اور پرخطر ہے پس چاہیئے کہ تو تمام احوال میں ایسا رہے کہ اگر بلند احوال اور بزرگ مقامات سے رہجائے تو شریعت کے میدان میں گرے اگر تمام چیزیں تجھ سے چلی جائیں تو معاملہ تو تیرے ساتھ رہے کیونکہ مرید کی بڑی آفتوں سے معاملہ کا ترک کرنا ہے اور مدعیوں کے تمام دعوے شریعت کے کاموں میں تلاش کیے جاتے ہیں۔ اور تمام اہل زبان اس کے مقابل میں ہیچ ہیں۔ اور آپ کا ارشاد ہے اَلْجَنَّۃُ لَا خَطَرَ لَھَا عِنْدَ اَھْلِ الْمَحَبَّۃِ وَاَھْلُ الْمَحَبَّۃِ مَحْجُوْبُوْنَ بِمَحَبَّتِھِمْ کہ جنت کی کوئی بزرگی محبت والوں کے نزدیک نہیں اور اہل محبت اپنی محبت کے سبب حجاب (پردہ) میں یعنی محجوب ہیں یعنی بہشت مخلوق ہے اگرچہ بہت بڑی چیز ہے اور اس کی محبت اس کی صفت غیر مخلوق ہے اور جو شخص غیر مخلوق سے مخلوق کی طرف ہٹے وہ بیعزت اور بیقدر ہوتا ہے پس مخلوق دوستوں کے نزدیک عزت نہیں رکھتی اور دوست دوستی میں پردہ ڈالے گئے ہیں اسواسطے کہ دوستی کا وجود دوئی کو چاہتا ہے اور توحید کی اصل میں دوئی اثر پذیر نہیں ہوتی۔ اور دوستوں کا راستہ وحدانیت سے وحدانیت کی طرف ہوتا ہے، اور دوستی کی راہ میں دوستی علت ہوتی ہے، اور سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ دوستی میں مریدی اور مراد چاہتا ہے یا تو حقتعالیٰ کا ارادہ رکھنے والا ہو اور مراد بندہ کی مرید کرنا ہو اور یا خدا کے عرفان کا حاصل کرنا مقصود ہو اور اپنی مراد کی خواہش کرے اگر خداوند جل و علا کا ارادتمند ہو اور مراد بندہ کی اپنی ہو تو حق کی مراد میں بندہ کی ہستی ثابت ہوئی اگرچہ ارادت کرنیوالا بندہ تھا اور ارادہ کیا گیا خدا تھا۔ اور مخلوق کی ارادت کو اس کیطرف راہ نہیں پس یہاں دونوں حال میں محب میں ہستی کی آفت باقی رہتی ہے، پس محب کی فنا محبت کی

بقامیں کاملتر ہے اس لئے کہ اس کی فنا محبت کی بقا کیساتھ ہے، اور اللہ کی ان پر رحمت ہو ان کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ مکہ معظمہ میں گیا فقط میں نے گھر ہی گھر کو دیکھا اور گھر والا نظر نہ آیا تو میں نے سمجھا کہ میرا حج قبول نہیں ہوا اسلئے کہ میں نے اس قسم کے بہت سے پتھر دیکھے ہیں دوسری دفعہ گیا تو گھر کو بھی دیکھا اور گھر والا بھی دکھائی دیا میں نے کہا کہ ابھی توحید کی حقیقت کی میں نے راہ نہیں پائی۔ تیسری دفعہ گیا تو گھر والے کو دیکھا گھر مجھے نظر نہ آیا تو مجھے میرے اندر سے آواز آئی کہ اے ابویزید اگر اپنے آپ کو دیکھے تو مشرک ہو جائیگا اسوقت میں نے توبہ کی اور توبہ سے بھی توبہ کی اور نیز اپنی ہستی دیکھنے سے بھی میں نے توبہ کی، اور ان کے حال کی صحت میں یہ حکایت لطیف ہے اور نیز صاحبانِ احوال کیلئے بھی عمدہ نشان ہے

اور ان میں سے فنون کا امام اور ظنون کا جاسوس ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اصول اور فروع میں عالم تھے۔ اور اپنے وقت کے تمام اہل علم کا مرجع تھے آپ نے ایک کتاب تصوف کے حصول میں بنام رغائب تصنیف کی تھی اسکے علاوہ آپ کی اور بہت سی تصانیف ہیں ہر فن میں عالی حال اور بزرگ ہمت ہوئے ہیں اور اپنے وقت میں بغداد کے شیخ المشائخ تھے - آپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپنے فرمایا اَلْعَالِمُ بِحَرَكَاتِ الْقُلُوْبِ فِيْ مُطَالِعَةِ الْغُيُوْبِ اَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحَرَكَاتِ الْجَوَارِحِ یعنی جو علم ہیں سے دل کی حرکات کیساتھ غیب کا مطالعہ ہو اس عمل سے بہتر ہے جو جوارح یعنی اعضائے ظاہری کے ساتھ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ علم کمال کا محل ہے اور جہالت طلب کا محل ہے اور علم حضوری جہالت کی بارگاہ سے اچھا ہے اسلئے کہ علم مرد کو کمال کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے، اور جہالت بارگاہ سے گذرنے نہیں دیتی، اور حقیقت میں علم بہت بڑا ہے عمل سے اسواسطے کہ حق تعالیٰ کی شناخت علم سے ہو سکتی ہے اور عمل کیساتھ حقتعالیٰ کو نہیں پا سکتے۔ اور اگر عمل بیعلم سے اسکی راہ ملتی ہوتی تو نصاریٰ اور راہب بوجہ سخت مجاہدوں کے اس کا مشاہدہ حاصل کر لیتے۔ اور ساتھ عمل کے مومن نافرمان بھی مغائبہ میں مشاہدہ حاصل کر لیتے

پس عمل بندہ کی صفت ہے اور علم اللہ عزوجل کی صفت ہے اس قول کے بعض راوی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اور دونوں جگہ عمل ہی کو روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں اَلْعَمَلُ بِحَرَکَاتِ الْقُلُوْبِ اَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحَرَکَاتِ الْجَوَارِحِ اور یہ محال ہے اس لئے کہ بندہ کا عمل دل کی حرکات کیساتھ تعلق نہیں پکڑتا اور اگر اس معنی کے ساتھ فکر اور احوال باطن کا مراقبہ مراد رکھتا ہو تو کچھ تعجب نہیں ہوگا اسلئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سِتِّیْنَ سَنَۃً یعنی ایک گھڑی فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، اور حقیقت میں باطنی اعمال جوارح کے اعمال سے زیادہ فضیلت والے ہیں اور باطن کے افعال اور احوال کی تاثیر حقیقت میں ظاہری اعمال کی تاثیر سے زیادہ کامل ہے اسلئے کہ انہوں نے کہا ہے نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَۃٌ وَسَھْرُ الْجَاھِلِ مَعْصِیَۃٌ یعنی عالم کا سونا عبادت ہوتا ہے اور جاہل کا جاگنا گناہ ہوتا ہے اسلئے کہ خواب اور بیداری میں اسکا بھید مغلوب ہوگا۔ اور جب سر یعنی بھید مغلوب ہوگا تو بدن بھی مغلوب ہوگا پس سر مغلوب غلبہ حق کیساتھ بہتر ہوگا اس نفس سے جو کہ بسبب مجاہدہ کے ظاہری حرکات پہ غالب ہو۔ اور آپ سے منقول ہے کہ ایک دن آپ نے ایک درویش سے کہا۔ کُنْ لِلّٰہِ وَاِلَّا فَلَا تَکُنْ یعنی خداوند کریم کا ہوجا ورنہ خود بھی نہ ہو یعنی ساتھ حق کے رہ یا اپنے وجود سے ہی فانی ہوجا یعنی ساتھ صفائی کے دلجمعی رکھ یا ساتھ فقر کے پراگندہ ہوجا ساتھ حق کے باقی ہو یا اپنے سے بھی فانی یا بغیر صفت کے ہوجا۔ اسلئے کہ حقتعالیٰ فرماتا ہے اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ یعنی اے فرشتو آدمؑ کو سجدہ کرو اور یا اس صفت کے ساتھ ہو۔ کہ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔ یعنی کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر تو اپنے اختیار کیساتھ خدا کا ہوجائے تو قیامت کو اپنے ساتھ ہوگا۔ اور اگر اپنے اختیار کیساتھ نہ ہوگا تو قیامت کو خدا کے ساتھ ہوگا اور یہ معنی لطیف ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے خلقت سے روگردانی کرنیوالے امام اور ریاست کی خواہش سے علیحدہ ہونیوالے ابوسلیمان داوٗد ابن طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اہل تصوف کے

سرداروں اور اس کے بڑے مشائخوں میں سے ہوئے ہیں۔ اپنے زمانہ میں بےنظیر تھے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہوئے ہیں۔ اور فضیل اور ابراہیم ادہم وغیرہ ہم کے ہمزمانہ ہیں اور طریقت میں حبیب راعیؒ کے مرید ہیں اور تمام علوم میں وافر حصہ رکھتے تھے عالی درجہ ہوئے ہیں اور فقہ میں فقیہوں کے استاد ہوئے ہیں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کی اور ریاست سے روگردانی کی اور زہد اور پرہیزگاری کا طریقہ اختیار کیا آپ کے مناقب بہت ہیں اور آپ کے فضائل کتابوں میں مذکور ہیں اور آپ حقیقتوں میں کامل اور معاملات میں عالم ہوئے ہیں۔ اور انکی بابت روایت ہے کہ آپنے اپنے مریدوں میں سے ایک مرید سے کہا۔ اِنْ اَرَدْتَ السَّلَامَۃَ سَلِّمْ عَنِ الدُّنْیَا وَاِنْ اَرَدْتَ الْکَرَامَۃَ کَبِّرْ عَلَی الْاٰخِرَۃِ کہ اے لڑکے اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو دنیا کو غالب ہونے سے وداع کر اور اگر تو بزرگی چاہتا ہے تو آخرت پر موت کی تکبیر کہہ یعنی یہ دونوں محل حجاب ہیں اور تمام فراغتیں ان دو چیزوں میں بند ہی ہوئی ہیں۔ اور جو شخص بدن سے فارغ ہونا چاہتا ہے اس سے کہو کہ دنیا سے روگردانی اختیار کرے۔ اور جو شخص دل کو فارغ کرنا چاہتا ہے اسے کہہ دو کہ ارادہ آخرت کا دل سے نکال ڈالے اور حکایات میں مشہور ہے کہ آپ ہمیشہ محمد بن حسنؒ کے ساتھ اختلاط یعنی ملے جلے رہا کرتے تھے۔ اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیتے تھے۔ کچھ لوگوں نے آپ سے کہا کہ یہ دونوں علم میں برابر ہیں کیوں آپ ایک کو دوست رکھتے ہیں اور دوسرے کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتے آپ نے فرمایا اسوجہ سے کہ محمد بن حسنؒ نے دنیا کا مال و نعمت دے کر علم حاصل کیا ہے اور اسکا علم دین کی عزت کا سبب ہے اور نیز دنیا کی ذلت کا سبب ہے اور ابو یوسفؒ نے درویشی اور ذلت کی حالت میں علم پڑھا ہے اسیوجہ سے اس نے علم کو اپنے عزت اور مرتبے کا سبب بنالیا ہے پس محمد اس کی مانند نہیں، اور معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو دنیا اسکی نظر میں داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھکر حقیر ترین ہو اور تمام دنیا اور اس کے اہل کو اپنے نزدیک کچھ نہیں سمجھتے تھے اور فقرا میں کمال کی نظر سے توجہ فرماتے تھے اگرچہ آفت زدہ ہوں، اور آپ کے مناقب

بہت ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اوران میں سے اہل حقائق کے شیخ اور تمام علائق سے علیحدہ ابوالحسن سری بن مغلس سقطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے خالو تھے۔ اور تمام علموں میں عالم تھے اور تصوّف میں آپ کی بہت بڑی شان ہوئی ہے اور مقامات کی ترتیب اور احوال کے کھولنے میں جس نے سب سے پہلے ابتدا کی یہی ہیں اور عراق کے بہت سے مشائخ آپ کے مرید ہوئے ہیں۔ اور آپ نے حبیب راعی کی بھی زیارت کی۔ ... تھی۔ اور آپ کی صحبت کے بھی تربیت یافتہ تھے۔ اور معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بھی تھے اور آپ بغداد کے بازار میں کباڑی کی دوکان کھولے ہوئے تھے۔ جب بغداد کا بازار جلا تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ تیری دوکان بھی جل چکی آپ نے کہا کہ میں اسکی فکر سے آزاد ہوا جب لوگوں نے دیکھا تو آپ کی دوکان جلی ہوئی نہ تھی اور اس دوکان کے چاروں طرف دوکانیں جل چکی تھیں جب آپ نے ایسا حال دیکھا تو اس دوکان میں جو کچھ تھا وہ درویشوں پر تقسیم کر دیا اور تصوف کا راستہ اختیار کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ ابتدا میں آپ کی حالت کیسی تھی کہا کہ ایک دن حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ کا میری دوکان سے گذر ہوا تو میں نے چند ٹکڑے روٹیوں کے آپ کو درویشوں کی خاطر دیئے آپ نے مجھ سے فرمایا خیرک اللہ کہ اللہ عزوجل تجھے خیر دے جس روز سے اس دعا نے میرے کان میں بازگشت لگائی میں اسی روز سے دنیا کے مال سے بیزار ہوا اور اس سے میں نے خلاصی پائی اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ مَھْمَا عَذَّبْتَنِیْ بِہٖ مِنْ شَیْءٍ فَلَا تُعَذِّبْنِیْ بِذُلِّ الْحِجَابِ لیے بار خدا اگر تو مجھے کسی چیز سے عذاب دینا چاہتا ہے تو حجاب کی ذلت کیساتھ مجھے عذاب فرمائیو اسواسطے کہ اگر حجاب کیا گیا نہ ہوں گا تو تیرے عذاب اور بلا سے تیرے مشاہدہ اور ذکر کیساتھ آسانی میں رہوں گا جب تجھ سے محجوب ہوں گا تب تیری نعمتیں بھی حجاب کی ذلت سے میری ہلاکت کا باعث ہوں گی پس وہ بلا جو مشاہدہ کی حالت میں واقع ہو بلا نہ ہوگی ولیکن بلا وہ نعمت ہوتی ہے جو کہ حجاب میں واقع ہو اور دوزخ میں کوئی عذاب حجاب سے زیادہ سخت اور مشکل نہیں ہے اس لئے کہ اگر دوزخی دوزخ

یں اللہ عزوجل کے مکاشفہ سے بہرہ ور ہوتے تو ہرگز عاصی ایمانداروں کو بہشت
یاد نہ آتا کیونکہ حق جل وعلا کا دیدار جانوں کو اسقدر خوشی عطا کرنیوالا ہے کہ جس کی وجہ
سے جسم کو عذاب اور بدن کو بلا کی خبر نہیں ہو سکتی۔ اور بہشت میں کوئی نعمت کشف
سے زیادہ کامل نہیں ہے اسلئے کہ اگر وہ تمام نعمتیں اور اس سے سو گنی اس کے حق
یں حاصل کی گئی ہوتیں اور وہ خداوند کریم سے پردہ کئے گئے ہوتے تو یہ سب
نعمتیں ان کے لئے موجب ہلاکت ہوتیں اور وہ اس سے باہر نکل آتے پس اللہ عزوجل
کا دستور یہی ہے کہ تمام احوال میں دوستوں کے دل کو اپنے ساتھ بینا رکھتا ہے یہاں تک
کہ تمام مشقتیں اور ریاضتیں اور بلائیں بشریت کی وہ کھینچ سکتے ہیں لاجرم ان کی تمام عاصی
اس فہم کی ہوں گی کہ تمام عذابوں کو بہ نسبت تیرے حجاب کے ہم دوست رکھتے ہیں۔ اس
لئے کہ تیرا جمال جب ہمارے دلوں پر کھولا جاتا ہے ہم کسی بلا سے اندیشہ نہیں کرتے
واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے اہل بلوی اور بلا کا سپاہی اور تقوای اور زہد کی پونجی ابو علی
شقیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ ان کی قوم کے دوست اور پیشوا ہوئے ہیں۔ شریعت
اور معاملت اور حقیقت کے تمام علموں کے عالم تھے۔ اس علم کے فن میں آپ کی
تصانیف بہت ہیں آپ ابراہیم بن ادہم کے مرید اور شاگرد اور بہت سے مشائخ
کی صحبت سے سرافراز تھے آپ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا جَعَلَ اللّٰہُ اَھْلَ
طَاعَتِہٖ اَحْیَاءً فِیْ مَمَاتِہِمْ وَاَھْلَ الْمَعَاصِیْ اَمْوَاتًا فِیْ حَیٰوتِہِمْ یعنی اللہ عزوجل
نے اہل طاعت کو ان کی موت کے حال میں زندہ رکھا ہے اور اہل معاصی کو ان کی زندگی
یں مردہ شمار کیا ہے۔ یعنی اطاعت کرنیوالا اگرچہ مردہ ہو زندہ ہوتا ہے اسلئے کہ ملائکہ اس
کی فرمانبرداری پر اس کو قیامت تک آفرین کہتے رہتے ہیں۔ اور اس کا ثواب ہمیشہ ہوتا
ہے پس وہ موت کی فنا میں باقی ہوتا ہے ساتھ اس جزا کے جو کہ باقی رہنے والی ہے
آپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک بوڑھا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ اے
شیخ میں گناہ بہت رکھتا ہوں۔ اور میں توبہ کرنی چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ دیر

سے آئے ہو اس نے کہا نہیں بہت جلد آیا ہوں آپ نے فرمایا تیرا جلد آنا کس بنا پر ہے پیر مرد نے کہا جو موت سے پہلے آجائے وہ جلدی آنے والا ہے اگرچہ دیر لگا کر آیا ہو اور کہتے ہیں کہ آپ کی توبہ کی ابتدا اسطرح تھی کہ ایک دفعہ بلخ میں ایک سال زوروں کا قحط پڑا آدمیوں نے ایک دوسرے کو کھانا شروع کیا اور تمام مسلمان غم میں عاجز ہو رہے تھے ایک غلام بازار میں ہنستا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ اے غلام بوجہ قحط تمام مسلمان غم میں پڑے ہوتے ہیں۔ اور تو بڑا خوش ہو رہا ہے کچھ شرم کرنی چاہیئے اس غلام نے کہا مجھے کوئی غم نہیں اس سے کہ میرا مالک ایک گاؤں کا مالک ہے، اور اس میں اور کوئی شریک نہیں اس نے میرا شغل میرے دل سے مٹا دیا ہے شقیق کو اسیوقت خیال آیا کہ اے بار خدایا یہ غلام اس خواجہ کا ہے کہ جس کے ملک میں صرف ایک گاؤں ہے اور یہ اتنی خوشی کر رہا ہے اور تو مالک الملک ہے اور ہماری روزی تیرے اختیار میں ہے اور ہمارے دل پر اتنے غم ہیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں بس یہ خیال آتے ہی دُنیا کے شغل سے آپ نے منہ موڑا اور حق کے راستہ کو طے کرنا شروع کیا اور اس کے پیچھے کبھی آپ نے روزی کا غم نہ کھایا آپ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ میں غلام کا شاگرد ہوں اور میں نے جو کچھ بھی پایا اسی سے پایا اور یہ آپ کی تواضع کا ظہور تھا آپ کے مشہور مناقب بہت ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

اور ان میں سے اپنے وقت کا شیخ اور حق کے راستہ کا یکہ و تنہا ابو سلیمان عبدالرحمٰن عطیہ درانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ قوم کے عزیز اور دلوں کی خوشبو ہوتے ہیں سخت ریاضتوں اور مجاہدوں سے مخصوص ہیں۔ آپ اپنے وقت کے عالم تھے نفس کی آفتوں کی پہچان اور اس کی مقدار کیساتھ تبصرہ فرمانے والے ہیں۔ جوارح کی حفاظت اور دلوں کی نگہبانی اور معاملات میں آپ کا کلام کمال لطافت والا ہے آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اِذَا غَلَبَ الرَّجَاءُ عَلَی الْخَوْفِ فَسَدَ الْوَقْتُ کہ جب امید خوف پر غالب ہو جاتی ہے تو وقت میں خلل واقع ہو جاتا ہے کیونکہ وقت

حال کی رعایت ہوتا ہے، اور بندہ اسوقت تک حال کی نگہبانی کرنیوالا ہوتا ہے، جبتک اسکا خوف دل پر غلبہ پکڑے ہوئے ہو جب وہ اُٹھ جاتا ہے تو وہ رعایت یعنی حفاظت کو ترک کر دیتا ہے، اور اس کے وقت میں خلل پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر خوف امید پر غلبہ پکڑے تو اسکی توحید باطل ہو جاتی ہے، اسلئے کہ خوف کا غلبہ نا امیدی سے ہوتا ہے اور نا امیدی خدا کے شرک سے ہوتی ہے پس توحید کی حفاظت بندہ کی امید کی درستی میں ہوگی اور اس کے خوف کی صحت میں وقت کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور جب دونوں برابر ہو جاویں تو توحید اور وقت دونوں محفوظ ہونگے، اور بندہ توحید کی حفاظت سے ایماندار ہوتا ہے، اور وقت کی حفاظت سے مطیع ہوتا ہے اور امید کا تعلق محض مشاہدہ سے ہوتا ہے اسلئے اسمیں اعتماد ہی اعتماد ہے اور خوف کا تعلق محض مجاہدہ کیساتھ ہوتا ہے اسلئے کہ اس میں اضطراب یعنی بیقراری ہی بیقراری ہے۔ اور مشاہدہ مجاہدہ کا مورث ہے یعنی وارث ہے اور اسکے معنی یہ ہیں کہ تمام امیدیں نا امیدی سے ظاہر ہوتی ہیں اور جو شخص اپنے کاموں کی خلاصی سے نا امید ہوتا ہے، تو وہ نا امیدی اس کیلئے موجب خلاصی ہوتی ہے اور حقتعالیٰ کی بخشش کی طرف رجوع کرتی ہے اور اس کو راہ دکھلاتی ہے اور اس پر خوشی کا دروازہ کھولتی ہے۔ اور اسکے دل کو تمام آفتوں سے باہر لاتی ہے، اور تمام ربانی بھید اسپر منکشف ہوتے ہیں۔ اور احمد بن ابو الحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں رات کی تنہائی میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اور اسوقت مجھے بہت خوشی تھی دوسرے روز میں نے ابو سلیمان کی خدمت میں اسکا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ تو ضعیف مرد ہے۔ اسلئے کہ تجھ کو ابھی مخلوق درپیش ہے خلوت میں تیری اور حالت ہے اور ظاہر میں اور حالت ہے، اور بندہ کو دونوں جہان میں اس سے بڑھکر کوئی خطرہ نہیں کہ وہ حق سے روکا جائے اور جب دولہا کو مخلوق کے سامنے جلوہ آرائی کیلئے کرتے ہیں۔ تو اس سے غرض یہی ہوتی ہے تاکہ سب اسکو دیکھ لیں اور مخلوق کے دیدار کر لینے سے اسکی عزت بڑھے۔ مگر اسکے واسطے لائق نہیں کہ اپنے مقصود کے سوا کسی اور طرف توجہ کرے اسلئے کہ غیر کے دیدار سے اسکی ذلت ہوتی ہے، اگر تمام خلقت مطیع کی اطاعت کی عزت کو دیکھے اسکو نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن اگر وہ اپنی عزت کو دیکھے

تو ہلاک ہوجاتا ہے۔ عیاذاً باللہ منہا۔

اوران میں سے رضا کی درگاہ سے تعلق رکھنے والے اور علی بن موسیٰ کے پروردہ ابوالمحفوظ معروف بن فیروز کرخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ قدیم مشائخ سادات سے تھے ... جوانمردی کیساتھ مشہور رہتے ہیں۔اور رجوع الی اللہ اور پرہیزگاری میں مشہور ہیں۔آپ کا ذکر اس ترتیب میں پہلے چاہیئے تھا لیکن میں دو پہلے پیروں کی موافقت پر چلا ہوں ایک تو صاحب نقل ہیں اور دوسرے صاحب تصرّف ہیں ایک کا نام نامی شیخ مُبارک ابوعبدالرحمٰن سلمی ہے ان کی کتاب میں اسی طرح ہے اور دوسرا استاد ابوالقاسم قشیریؒ ہیں آپکی کتاب کے آغاز میں بھی اسیطرح ہے، میں نے اس موقع پر ویسے ہی لکھدیا اسواسطے کہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید ہوئے ہیں ابتدائے عمر میں بیگانہ یعنی بیدین تھے علی بن موسیٰ رضاؒ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور آپ کو یہ بہت پیارا لگتا تھا اور ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔اور آپکے مناقب اور فضائل بہت ہیں۔ اور علم کے فنون میں قوم کے مقتدا ہوئے ہیں اور ان سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لِلْفُتُیَانِ ثَلٰثُ عَلَامَاتٍ وَّفَاءٌ بِلَاخِلَافٍ وَمَدْحٌ بِلَاجُوْدٍ وَعَطَاءٌ بِلَاسُؤَالٍ کہ علامتین جوانمردوں کی تین ہوتی ہیں۔ ایکؔ وفا بخلاف دوسؔرا تعریف بلا بخشش اور تیسرؔا عطا بے سوال لیکن وفا بخلاف وہ ہے، کہ بندہ عبودیت کے عہد میں مخالفت اور نافرمانی کو اپنے اوپر حرام رکھے۔اور مدح بے بخشش یہ ہوتی ہے۔کہ جس شخص سے نیکی نہ دیکھی گئی ہو اس کو نیک کہے۔اور بغیر سوال کے عطا کرنیکے یہ معنی ہیں۔کہ جب اس کے پاس مال ہو تو وہ اس کو دینے میں مسلم غیر مسلم اپنے اور بیگانہ کی تمیز نہ کرے اور جب کسی کا حال معلوم ہو تو سوال کی ذلت کے بغیر اس کو عطا کرے اور یہ تمام حال مخلوق سے معاملہ کرنیکا ہے اور تمام مخلوق میں یہ تینوں عاریت کے طور پر ہیں۔اور حقیقت میں یہ تینوں صفتیں اللہ عزوجل کی ہیں۔اور بندوں پر اسکا یہ فعل ہیں۔اور حقیقت میں یہ صفت اسکی حقیقی ہے اسواسطے کہ وفا میں دوستوں کے خلاف نہیں ہے ہرچند کہ مخلوق اپنی وفا کے خلاف چلتی ہے مگر اسکی طرف سے مہربانی اور لطف زیادہ بڑھتا رہتا ہے، اور اس کی

وفا کی علامتیں یہ ہیں کہ بندہ نیک کام کئے بغیر جب اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کو اس کے برُے کام کی بدولت اپنی بارگاہ سے نہیں دھتکارتا اور ہیچ بجود و بخشش سوا اس کے کوئی نہیں کرتا اس لیئے کہ وہ بندہ کے کام کا محتاج نہیں اور بندہ کے تھوڑے کام پہ اس کی تعریف فرماتا ہے اور بغیر سوال کے بھی وہی دیتا ہے اسلئے کہ وہ کریم ہے۔ ہر ایک کے حال کو جانتا ہے، اور مقصد ہر ایک کا بغیر سوال کے حل کرتا ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ اسپر مہربانی کرتا ہے تو اس کو بزرگ کر دیتا ہے، اور اپنے قرب سے اس کو نوازتا ہے اور اس کے ساتھ یہ تینوں معاملے کرتا ہے اور جو شخص کوشش اور اپنی طاقت کے موافق یہ تینوں معاملے مخلوق کے ساتھ کرتا ہے تو اسوقت مخلوقات اسکو جوانمرد کہتی ہے اور جوانمردوں کے زمرہ میں اسکا نام ثبت ہو جاتا ہے اور یہ تینوں صفتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہیں۔ اپنی جگہ پر اس کا بیان آئے گا۔ اگر اللہ عزوجل کو منظور ہوا۔

اور ان میں سے بندوں کی زینت اور اوتادوں کے جمال ابو عبدالرحمن حاتم بن عنوان اصم رحمۃ اللہ علیہ ہیں بلخ کے اہل حشمت سے ہوتے ہیں اور خراسان کے قدیم مشائخ میں آپکی شمولیت ہے، اور حضرت شفیق رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہوتے ہیں اور اپنے تمام احوال میں ابتدا سے انتہا تک ایک قدم بھی آپ نے طریقت کے خلاف نہیں رکھا یہانتک کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صِدِّیْقُ زَمَانِنَا حَاتِمُ الْاَصَمّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ یعنی ہمارے زمانے کے صدیق حاتم اصم ہیں نفس کی آفتوں کی رویت کے دقیقوں میں اور نیز طبیعت کی رعونت کے دقیقوں میں آپ کا کلام عالی مرتبہ ہے اور آپ کی تصنیفات علمِ معاملات میں مشہور ہیں۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلشَّھْوَۃُ ثَلٰثَۃٌ شَھْوَۃٌ فِی الْاَکْلِ وَشَھْوَۃٌ فِی الْکَلَامِ وَشَھْوَۃٌ فِی النَّظَرِ فَاحْفَظِ الْاَکْلَ بِالْیَقِیْنِ وَاللِّسَانَ بِالصِّدْقِ وَالنَّظَرَ بِالْعِبْرَۃِ یعنی شہوت تین طرح پر ہے ایک طعام میں اور دوسرے دیکھنے میں اور تیسرے کلام میں پس نگاہ رکھ اپنے کھانے کو یقین اور اللہ کے بھروسے پر اور زبان کو نگاہ رکھ سچ بولنے کے ساتھ اور آنکھوں کو نگاہ رکھ عبرت کے ساتھ دیکھ کر پس جو شخص کھانے میں توکل اختیار کرتا ہے وہ کھانے کی حرص سے خلاصی

پا جاتا ہے۔اور جو شخص ..... زبان سے سچ بولتا ہے وہ زبان کی شہوت سے خلاصی پا جاتا ہے اور جو شخص آنکھ سے درست دیکھتا ہے وہ آنکھ کی شہوت سے خلاصی پا جاتا ہے اور توکل کی حقیقت سچ جاننے سے ہے اسلئے کہ جو شخص اسکو راستی کیسا نہ جانتا ہے اور نیز جو شخص روزی دینے میں اسپر اعتقاد کر لیتا ہے تو اسوقت اپنی دانش اور راستی سے عبادت کرتا ہے۔ پھر راستی سے اپنی معرفت دیکھے۔یہانتک کہ اسکا کھانا اور پینا بجز محبت و دوستی کے نہ ہو اور اسکی عبادت بجز وجد کے نہ ہو۔اور اسکی نظر سوا مشاہدہ کے نہ ہو۔اور جب کھانا اور پیتا ہو تو اس کا کھانا اور پینا سوا دوستی کے نہ ہو۔اور جب سچ کہیگا اس کا ذکر کریگا اور جب ٹھیک ٹھیک دیکھیگا تو اس کو دیکھیگا۔اسلئے کہ اسکا دیا ہوا اسکی اجازت کے بغیر کھانا حلال نہیں اور اس کے ذکر کے سوا اور کا ذکر زبان پر لانا جائز نہیں اور موجودات میں اس کے جمال اور جلال کے سوا نظارہ کرنا درست نہیں ہے اور جب تو اس سے پائے اور اسکی اجازت کے سوا نہ کھائے تو شہوت نہ ہوگی اور جب تو نے اس سے گویائی پائی اور نیز اسکی اجازت کے بغیر کلام کریگا تو شہوت نہ ہوگی اور جب تو اسکے کام کو اسکی اجازت سے دیکھے تو یہ دیکھنا شہوت نہ ہوگا۔اگرچہ تو اپنی شہوت سے حلال کھائے مگر حلال نہ ہوگا شہوت ہی کہلائیگا اور جب تو اپنی شہوت سے بولیگا اگرچہ وہ ذکر الٰہی کیوں نہ ہو شہوت اور جھوٹ کہلائیگا اور جب تو اپنی خواہش سے دیکھیگا اگرچہ وہ دیکھنا خداوندکریم کی صفات پر دلالت کرنیوالا ہو۔وبال اور شہوت ہوگا واللہ اعلم بالصّواب۔

اور ان میں سے امام مطلبی .... ابوعبداللہ بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے وقت کے بزرگوں سے ہوئے ہیں اور تمام علوم میں امام مشہور ہیں۔اور جوانمردی اور تقوٰی میں آپ کے مُناقب مشہور ہیں۔اور آپ کا کلام عالی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہوئے ہیں جبتک مدینہ میں رہے اور جب عراق میں آئے تو محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ملے جلے رہے اور آپ کی طبع مبارک میں گوشہ نشینی کی خواہش رہتی۔اور اس طریق کی تحقیق کی طلب میں رہتے یہانتک کہ ایک

گروہ نے آپ پر اتفاق کر کے آپ کو اپنا امام بنا لیا اور احمدؒ بن حنبل بھی اسی گروہ میں سے تھے۔ پھر رُتبہ کی طلب اور امامت کی تربیت میں مشغول ہوئے۔ اور کچھ مدّت کے بعد اس سے بھی ہٹ گئے۔ آپ تمام حالتوں میں اچھی خصلتوں والے تھے۔ اور ابتدائے حال میں آپ کے دل میں صوفیوں کیطرف سے کچھ سختی تھی۔ آپ نے شیبان راعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی اور آپ کا تقرب حاصل کیا اور اسکے پیچھے آپ جہاں بھی تشریف لیجاتے حقیقت کی طلب کے خواہاں ہوتے آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اِذَا رَاَیْتَ الْعَالِمَ یَشْتَغِلُ بِالرُّخَصِ وَالتَّاوِیْلِ فَلَنْ تَجِیْئَ مِنْہُ بِشَیْئٍ یعنی جب تو کسی عالم کو دیکھے کہ چکنی چپڑی باتوں اور تاویلوں میں مشغول ہے تو خوب جان لو کہ اس سے کوئی چیز بن نہ آئے گی یعنی علماء ہر قسم کی مخلوقات سے پیشرو ہوتے ہیں اور یہ کسی صورت سے جائز نہیں کہ کوئی شخص ان کے آگے قدم رکھ سکے یعنی کسی معنی میں ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور خداوند کریم کا راستہ کبھی طے نہیں ہو سکتا جبتک مجاہدہ میں احتیاط اور مبالغہ سے کام نہ لے اور علم میں رُخصت طلب کرنیکے یہ معنی ہیں۔ کہ کام میں تخفیف اور مجاہدہ سے نفرت کرے پس رخصت کا طلب کرنا عوام کا درجہ ہوتا ہے، مگر اسوقت تک کہ شریعت کے دائرہ سے باہر نہ جائے۔ اور مجاہدہ اختیار کرنا خاص کا درجہ ہوتا ہے جبتک اسکا ثمرہ اپنے اندر پائیں۔ اور علماء خواص ہیں جب کہ خواص کو درجہ عوام پر رضا ہو تو ان سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور نیز خدا کے حق میں رخصت طلب کرنی خدا کے فرمان کو خفیف سمجھنے کی علامت ہے، اور حق جل و علا کے دوست علماء ہیں اور دوست دوست کے فرمان کو خفیف نہیں سمجھتے اور خفت یعنی ہلکاپن کو دوست نہیں رکھتے اور اس میں احتیاط کرتے ہیں مشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک رات میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ سے ایک روایت پہنچی کہ زمین میں حق جل و علا کے اوتاد اور اولیا اور ابرار رہتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے راوی نے میری طرف سے یہ حدیث جو بیان کی ہے وہ اس کے بیان کرنے میں بالکل سچا ہے۔ میں نے عرض کی ان میں سے ایک کے دیکھنے کی میں خواہش رکھتا ہوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا ان میں سے ایک محمد بن ادریس شافعی ہیں۔ اور آپ کے اس کے علاوہ بہت مناقب ہیں۔

اور ان میں سے سُنّت کے شیخ اور اہل بدعت پر قہر کرنیوالے ابو محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ تقوٰی اور ورع یعنی پرہیزگاری میں مخصوص ہیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے حافظ ہوئے ہیں اور صوفیائے کرام کا طبقہ ہر حال میں فریقین سے ان کو مبارک سمجھے ہوئے ہے اور مشائخ کبار کی آپ نے صحبت اختیار کی ہوئی تھی مثلاً ذوالنون مصری اور بشر حافی اور سری سقطی اور معروف کرخی رحمہم اللہ وغیرہ ہم کی۔ آپ کی کرامت ظاہر اور فہم صحیح تھا۔ اور وہ جو بعض لوگ ان کو مشبہ قرار دیتے ہیں یہ ان کا آپ پر بہت بڑا بہتان ہے اور بالکل بناوٹی بات ہے۔ اور آپ ان تمام افتراؤں سے بری ہیں آپ کا اعتقاد دین و مذہب کے اصول میں سب علما کا پسندیدہ اور مسلّمہ ہے جب بغداد میں آپ پر معتزلیوں نے غلبہ کیا تو انہوں نے مجلس مشاورت میں یہ بات طے کی کہ امام کو تکلیف دیکر قرآن کے مخلوق ہونے پر دستخط کرانے چاہئیں آپ بوڑھے اور کمزور تھے آپ کے ہاتھ انہوں نے پیچھے باندھے اور آپ کو ہزار تازیانہ لگایا گیا۔ تاکہ آپ قرآن کو مخلوق کہیں آپ نے ایسا نہ فرمایا اور اسی دوران میں آپ کا ازار بند کھل گیا اور آپ کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے غیب سے دو ہاتھ نمودار ہوئے اور ان غیبی ہاتھوں نے آپ کا ازار بند باندھا جب معتزلیوں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو انہوں نے آپکو چھوڑ دیا۔ اور آپ انہیں زخموں سے جان بحق تسلیم ہوئے یعنی اس جہان سے آپ رخصت ہوئے آپ کی وفات کے آخری دم ایک قوم آپ کے پاس آئی۔ اور انہوں نے کہا کہ آپ اس قوم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ جنہوں نے آپکو اس حد تک زخمی کیا اور مارا آپنے فرمایا کہ میں کیا کہوں انہوں نے مجھے خدا کی راہ میں مارا ہے اور انہوں نے گمان کیا کہ میں باطل رستے پر ہوں اور وہ حق پر ہیں۔ محض زخموں کے متعلق تو میں قیامت کے روز ان سے خصومت نہ کروں گا آپ کا کلام معاملات میں عالی ہے اور آپ سے جو کوئی مسئلہ پوچھتا تو اگر وہ معاملہ کی قسم سے ہوتا تو جواب دیتے اور اگر حقائق کے قبیل سے ہوتا تو بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

رجوع کرنیکی وصیت فرماتے۔ جیسا کہ آپ سے روایت ہے کہ ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مَا الْاِخْلَاصُ یعنی اخلاص کیا ہے آپ نے فرمایا اَلْاِخْلَاصُ هُوَ الْخَلَاصُ مِنْ اٰفَاتِ الْاَعْمَالِ یعنی اخلاص یہ ہے کہ تو اعمال کی آفتوں سے نجات حاصل کرے یعنی تیرا عمل بغیر ریا اور سمعت کے ہو اور اسمیں آفت نہ ہو اُس شخص نے عرض کی مَا التَّوَکُّلُ یعنی توکل کیا ہے آپ نے فرمایا اَلثِّقَةُ بِاللّٰہِ کہ اپنی روزی پہنچانے میں خدا پر بھروسہ رکھنا پھر اس نے عرض کی مَا الرِّضَاءُ یعنی رضا کیا ہے آپ نے فرمایا تَسْلِیْمُ الْاُمُوْرِ اِلَی اللّٰہِ یعنی تمام کاموں کو خدا کیطرف سپرد کرنا پھر اس نے عرض کی۔ مَا الْمُحَبَّةُ یعنی محبت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ بات بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو۔ جبتک آپ زندہ ہیں میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام حالات میں آزمائے گئے ہیں۔ اپنی حیات میں تو معتزلہ کے ہاتھ سے اور اپنی وفات میں مشبہ کی تہمتوں سے یہاں تک کہ اہل سنت والجماعت نے بھی آپ کے حالات پر آگاہی نہ پائی۔ اور آپ پر تہمت لگائی۔ حالانکہ آپ ان تمام تہمتوں سے پاک و بری ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے وقت کے سراج اور آفتوں کے عذاب کے اٹھانے میں مہذب ابوالحسن احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ شام کے بزرگترین مشائخ میں سے تھے۔ اور تمام مشائخ آپ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا احمد بن ابوالحواری شام کی خوشبو ہیں۔ اس طریقت کے علم کے فنون میں آپ کا کلام عالی اور اشارے لطیف ہیں۔ اور آپ کی روایات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سب کی سب صحیح ہیں۔ اور اہل وقت کا رجوع ان واقعات میں آپ کی طرف تھا آپ ابوسلیمان درانی کے مرید تھے اور سفیان بن عیینہ اور مروان بن معاویہ قاری کی صحبت کے تربیت یافتہ ہیں۔ آپ بہت بڑے سیاح تھے۔ اور ہر قسم کے آدمی سے ادب اور فائدہ آپنے پایا ہے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَلدُّنْیَا مَزْبَلَةٌ وَ مَجْمَعُ الْکِلَابِ وَاَقَلُّ مِنَ الْکِلَابِ مَنْ عَکَفَ عَلَیْھَا فَاِنَّ الْکَلْبَ یَاْخُذُ مِنْھَا

حَاجَتَهٗ وَیَنْصَرِفُ وَالْمُحِبُّ لَهَا لَا یَزُوْلُ عَنْهَا وَلَا یَتْرُکُهَا بِحَالٍ فرمایا دنیا پاخانہ پھینکنے کی جگہ ہے اور نیز کتوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے اور وہ شخص کتوں سے بھی کمتر درجہ میں ہے جو کہ دنیا کے مال پر قائم رہے اس سبب سے کہ کتا اپنی حاجت گندگی کی جگہ سے پوری کر لیتا ہے اور اپنا پیٹ بھر لیتا ہے تو واپس ہو جاتا ہے مگر دنیا کا دوست ہرگز دنیا اور اس کا مال جمع کرنے سے باز نہیں آتا اور اس جوانمرد کے نزدیک دنیا بالکل حقیر ترین چیز ہے اس لئے کہ دنیا کو گندگی کے ڈھیر کی مانند سمجھتا ہے اور دنیا والوں کو کتوں سے بھی زیادہ حقیر خیال کرتا ہے، اور اس کا سبب یہ بیان کرتا ہے کہ کتا جب اپنا حصہ گندگی کے ڈھیر سے کھا لیتا ہے۔ تو اپنا منہ اس سے ہٹا لیتا ہے مگر اہل دنیا ہمیشہ اس کے جمع کرنے میں منہمک اور اس کی محبت میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور کبھی دنیا سے علیحدہ نہیں ہوتے اور یہ سب علامتیں اس امر کی ہیں کہ وہ دنیا اور اس کے اہل سے بکلی جدا اور منہ پھیرنیوالا تھا۔ اور اس طریقت کے اہل کو دنیا سے قطع تعلق کرنا خوشی کا محل اور خرمی کا گلزار ہے اور آپ نے ابتدا میں علم کی طلب کی۔ اور ائمہ کے درجہ پر پہنچے۔ پھر وہ اپنی کتابیں اٹھا کر دریا برد کر دیں اور کہا۔ نِعْمَ الدَّلِیْلُ اَنْتَ وَاَمَّا الْاِشْتِغَالُ بِالدَّلِیْلِ بَعْدَ الْوُصُوْلِ اِلَی الْمَدْلُوْلِ مُحَالٌ یعنی تو ہمارے لئے اچھی دلیل ہے لیکن مقصود کو پا لینے کے بعد ساتھ دلیل کے مشغول ہونا محال ہے اسلئے کہ دلیل کی اسوقت ضرورت ہے جبکہ مرید راہ میں ہو۔ مگر جب مقصود تک پہنچا تو راستہ دکھلانیوالے کی کیا ضرورت ہے، اور وہ جو آپ نے کہا وَصَلْتُ فَقَدْ فَصَلَ یعنی میں پہنچ گیا پس تحقیق جدا ہوا جبکہ پہنچا باز رہنا ہوتا ہے، پس شغل شغل ہوتا ہے اور فراغت فراغت اور اصول کا اصول شغل اور فراغت میں نسبتی ہے اسلئے کہ یہ دونوں صفتیں بندہ کی ہیں اور فصل اور وصل عنایت حق اور ارادہ ازلی ہے جس سے حق تعالیٰ بندہ کی بھلائی چاہتا ہے۔ اور یہ بندہ کے فراغت اور شغل میں نہیں آیا پس اس کے وصول کو اصول نہیں۔ اور قرب اور مجاورت یعنی ہمسائگی کا اتحاد اسیر جائز نہیں اور وصل اسکا بندہ کی عزت ہے، اور اسکا ہجر بندہ کی توہین ہے اور اسکی صفات

میں تغیر جائز نہیں اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں کہ لفظ وصول سے مراد
پیر کے ارادہ سے خدا کی راہ کا پالینا ہو سکتا ہے۔ اسواسطے کہ کتابوں میں خدا کی راہ نہیں کیونکہ
ان میں عبارتیں ہیں جب راستہ کھل گیا عبارت جدا ہوگئی۔ اس لئے کہ عبارت میں
اتنی قوت ہی نہیں جتنی مقصود کے غائب ہونے میں ہوتی ہے، جب مشاہدہ حاصل
ہوتا ہے عبارتیں پراگندہ ہو جاتی ہیں۔ جب معرفت کی صحبت میں زبانیں گونگی ہیں
تو کتابوں کی عبارتیں اکثر ضائع ہوں گی اور دوسرے مشائخ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے
جیسا کہ شیخ المشائخ ابو سعید فضل اللہ بن محمد مہینی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے علاوہ اور بھی
بہت سے بزرگوں نے اپنی اپنی کتابیں ڈبو دیں اور رسمی صوفیوں کے ایک گروہ نے
بسبب جہالت اور سستی کے ان آزاد لوگوں کی پیروی کی ہے اور ضرور ان آزاد
لوگوں نے کتابوں کے غرق کر دینے سے تعلقات کے چھوڑ دینے کے سوا اور کوئی ارادہ
نہیں کیا اور ہم سے دل کی فراغت اور توجہ کا ترک کر دینا ہے نہ کہ حق تعالیٰ سے
اور یہ سکر اور مستی کی ابتدائی حالت ہے اور بچپن میں درست ہے اور اس کے ماسوا
جائز نہیں۔ اس لئے کہ مکان پر پہنچنے والے کو جب دونوں جہان محجوب نہیں کرتے تو
بیچارہ کاغذ کا پرزہ کس طرح اس کے لئے حجاب کا سبب بن سکتا ہے، جب دل اسباب
سے علیحدہ ہوا تو کاغذ کے ٹکڑے کی وہاں... کیا قیمت ہو گی، مگر جو لوگ کتاب دھونے
کے معنی عبارت کی نفی مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے کہا بس زیادہ بہتر یہ ہے کہ عبارت
زبان سے محو ہو جائے اس واسطے کہ کتاب میں لکھا گیا ہے اور زبان پر عبارت جاری ہے
اور کوئی عبارت کسی معنے سے اچھی نہیں ہوتی۔ اور میرے نزدیک یہ صورت بھی
ہو سکتی ہے کہ احمد بن ابو الحواری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حال کے غلبہ میں کوئی سننے
والا نہ پایا ہو اور اپنے حال کی شرح کاغذوں پر لکھی ہو جب بہت سے کاغذ جمع ہو
چکے ہوں تو کسی کو اس کے دیکھنے کا اہل نہ پایا ہو کہ جس پر وہ ظاہر کرتا بالآخر اس کو پانی میں
ڈبو ڈالا ہو۔ اور کہا ہو کہ تو اچھی دلیل ہے جب مراد تجھ سے پوری ہوئی تو مشغول ہونا
تیری طرف محال ہوا اور یہ احتمال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ حبیب آپ کے پاس بہت

سی کتابیں جمع ہو چکی ہوں اور آپ کو وردوں اور معاملات سے ہٹاتی ہوں اور اپنی طرف آپ کو مشغول رکھتی ہوں تو آپ نے اس شغل کو پانی میں ڈبو کر اپنے دل کیلئے فراغت حاصل کرلی ہو تاکہ آپ معنی کی طرف متوجہ ہوں اور عبارتوں کو ترک کریں واللہ اعلم بالصواب ونعوذ باللہ من السفہ۔

اور ان میں سے جوانمردوں کے سپاہی اور خراسان کے آفتاب ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ وقت کے بزرگ اور بلند حال اور اپنے زمانہ میں اپنی قوم کے پیشوا اور خاص و عام میں پسندیدہ ہوئے ہیں۔ اور ملامت کا راستہ اختیار کئے ہوئے تھے اور اپنا لباس فوجی رکھتے تھے۔ اور آپ کی بیوی فاطمہ بلخ کے امیر کی لڑکی اس طریقت میں بڑی شان والی تھیں۔ جب اس نے توبہ کی تو احمدؒ کی طرف کسی کے ذریعے کہلا بھیجا کہ وہ میرے باپ سے میری درخواست کریں مگر آپ نے اس بات کو قبولیت کا شرف عطا نہ فرمایا اور دوسری مرتبہ بارہ شخص فاطمہ کی طرف سے احمدؒ کے پاس گئے اور کہلا بھیجا کہ اے احمدؒ میں اس سے زیادہ تجھ کو بہادر سمجھتی تھی۔ کہ تو خدا کے راستہ میں ایک عورت کا راہبر بنے نہ کہ راہ زن۔ تب احمدؒ نے کسی کو اس کے باپ کے پاس بھیج کر درخواست کی فاطمہ کے باپ نے اس امر کو برکت کا موجب سمجھ کر قبول فرمالیا اور فاطمہ احمد کی زوجیت سے مشرف ہوئی۔ اور فاطمہ نے دنیا کے مشغلہ اور شغل کی ترک کی۔ اور احمد کے ساتھ خلوت اختیار کر کے آرام پکڑا ایک دفعہ احمد کو بایزید کی زیارت کا قصد ہوا تو فاطمہ بھی ساتھ گئی جب فاطمہ ابایزید کے روبرو ہوئیں تو منہ سے نقاب الٹ دیا اور ابویزید سے گستاخی کا رویہ اختیار کیا احمد کو اس سے سخت تعجب ہوا۔ اور غیرت نے دل میں جوش مارا اور کہا اے فاطمہ یہ کیا گستاخی ہے جو تو نے بایزید کے ساتھ کی اس کی وجہ مجھے معلوم ہونا ضروری ہے فاطمہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ تو میری طریقت کا محرم نہیں بلکہ طبیعت کا محرم ہے اور وہ میری طریقت کا محرم ہے میں تجھ سے تو اپنی خواہش نفسانی کو پہنچتی ہوں اور اس سے خدا کو پاتی ہوں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ وہ صحبت سے بے نیاز ہے اور تو میری صحبت کا محتاج ہے الغرض فاطمہ ہمیشہ بایزید

سے گستاخی کیا کرتی تھی یہانتک کہ ایک روز بایزید کی نظر فاطمہ کے ہاتھوں پر پڑی۔ اور دیکھا کہ ہاتھ مہندی سے رنگین ہیں فرمایا کہ اے فاطمہ ہاتھ پر تو نے مہندی کیوں لگا رکھی ہے۔ فاطمہ نے کہا کہ اے بایزید جب تک تیری آنکھ نے میرے ہاتھ کی حنا کو نہ دیکھا مجھے آپ کے ساتھ گستاخانہ کلام کرنے میں بڑی خوشی تھی اب جس صورت میں تیری آنکھ مجھ پر پڑی تیری صحبت مجھ پر حرام ہوتی پھر اس جگہ سے واپس ہوئے اور نیشاپور تشریف لے گئے اور اسی جگہ بود و باش اختیار کی۔ باشندگانِ نیشاپور اور اس جگہ کے جمیع مشائخ آپ پر خوش تھے اور جب یحییٰ بن معاذ رازی نیشاپور میں آئے اور بلخ کا قصد کیا احمد نے ان کی دعوت کرنے کا ارادہ کیا اور فاطمہ سے مشورہ لیا۔ کہ یحییٰ کی دعوت کس طرح ہونی چاہیئے فاطمہ نے جواب میں کہا۔ کہ اتنی گائیں اور اتنی بکریں اور اتنا فلاں سامان اور اتنی شمعیں اور اتنا عطر ہونا چاہیئے۔ اور باوجود اس سب سامان کے بیس راس گدھے بھی چاہیئے تاکہ ہم انہیں بھی ذبح کریں احمد نے کہا کہ گدھوں کے مارنے میں کیا حکمت ہے فاطمہ نے کہا کہ جب کوئی سخی مہمان سخی کے گھر میں مہمان ہوتا ہے تو اس کے ہمراہ محلہ کے بہت سے کتے بھی آ جاتے ہیں۔ بایزید نے فرمایا ہے مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنَ الرِّجَالِ مَخْتُوْمٌ تَحْتَ لِبَاسِ النِّسْوَانِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی فَاطِمَۃَ یعنی جو شخص عورت کے لباس میں خدا کے مردوں میں سے کسی مرد کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھ لے ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لَوْلَا اَحْمَدُ ابْنُ خِضْرَوِیَہْ مَاظَهَرَتِ الْفُتُوَّۃُ کہ اگر احمد بن خضرویہ پیدا نہ ہوتا تو فتوت اور جوانمردی پیدا نہ ہوتی۔ آپ کا کلام عالی اور آپ کے معانی عمدہ ہیں اور آپ کی تصانیف ہر فن کے معاملات اور آداب میں مشہور ہیں اور نیز ان میں حقیقتوں کے نکات بھی مذکور ہیں اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَلطَّرِیْقُ وَاضِحٌ وَالْحَقُّ لَائِحٌ وَالدَّاعِیْ قَدْ اَسْمَعَ فَمَا التَّحَیُّرُ بَعْدَ هَا اِلَّا مِنَ الْعَمٰی۔ یعنی راستہ ظاہر ہے اور حق واضح ہے۔ اور نگاہبان سننے والے ہیں۔ پس اس محل میں حیرانی اندھےپن کے سوا نہ ہوگی یعنی راہ ڈھونڈنا خطا ہے کیونکہ خدا کا راستہ مثل آفتاب کے روشن ہے تو اپنے آپ کو ڈھونڈتا ہے

کہ تو کہاں ہے اور جب تو نے اپنے آپ کو پالیا تو راہ پر آیا۔ اس لئے کہ جب طلب طالب کے راہ میں آجائے تو طلب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس نے فرمایا ہے اُسْتُرْ عِزَّ فَقْرِكَ یعنی اپنے فقر کی عزت کو تو چھپائے رکھ یعنی تو مخلوق پہ ظاہر نہ کر کہ میں درویش ہوں ہاں جس وقت مخلوق پر خود بخود آشکارا ہوجائے تو یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اس کی بڑی کرامت ہے، اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک درویش نے رمضان المبارک کے مہینہ میں ایک دولتمند کی دعوت کی۔ اور گھر میں سوا خشک روٹی کے اور چیز نہ تھی۔ جب دولتمند دعوت سے فارغ ہوکر اپنے گھر گیا تو ایک تھیلی سنہری سکوں کی درویش کے مکان پر بھیجی۔ اور درویش نے وہ تھیلی اس کی طرف واپس کردی اور کہا کہ یہ سزا اس شخص کی ہے جو کہ اپنا بھید تیرے جیسے انسان کے آگے ظاہر کرے یا غنی کو فقر کی عزت والا کرے اور یہ کلام اس کے صحیح صدق اور فقر پہ دلالت کرتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے متوکلین زمانہ اور اہل زمانہ کے برگزیدہ عسکر بن حسین بخشی نسفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ خراسان کے اجلہ مشائخ سے ہوتے ہیں۔ اور زہد اور پرہیزگاری میں جوانمرد گذرے ہیں۔ آپ کی کرامات بیشمار اور عجائب بہت ہیں۔ جو جنگلوں میں اور ہر جگہ دیکھی گئی ہیں۔ اور صوفی مردوں مسافروں سے جوانمرد ہوتے ہیں اور جنگل میں یکہ و تنہا رہا کرتے تھے آپ کی وفات بصرہ کے جنگل میں ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد کئی سالوں کے بعد ایک آدمیوں کا گروہ ادھر سے گذرا انہوں نے دیکھا آپ پاؤں پر کھڑے ہوئے ہیں اور آپکا منہ قبلہ کی طرف ہے، آپ کے سامنے کوزہ پانی والا اور عصا رکھا ہوا ہے اور خود جان بحق تھے اور کوئی درندہ آپ کے پاس تک نہ پھٹکا تھا اور نہ ہی کسی چیز کا آپ پر گذر ہوا۔ اور آپ کے پاؤں زندہ کی طرح زمین پر گڑے ہوئے تھے۔ اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا۔ اَلْفَقِيْرُ قُوْتُهُ مَا وَجَدَ وَلِبَاسُهُ مَا سَتَرَ وَمَسْكَنُهُ حَيْثُ نَزَلَ یعنی فقیر کی روزی وہی ہے جو کہ بغیر اختیار کے پائے اور فقیر کا لباس وہی ہے جو کہ اس کے جسم کو ڈھانپے اور وہ خود

اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کرے اور اس کا مکان وہی ہے کہ جس جگہ اتر پڑے اور خود جگہ نہ بنائے اور ان تینوں میں تصرف کرنا مشغولی کا سبب ہوتا ہے، اور تمام جہان ان تین چیزوں کی بلا میں مبتلا ہے اس لئے کہ وہ اس میں تکلف سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ گفتگو از قبیل معاملت ہے، مگر تحقیق کی رو سے درویش کی غذا وجد ہوتی ہے اور اس کا لباس پرہیزگاری اور اس کا مسکن غیب ہوتا ہے، اس واسطے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ وَاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا یعنی اگر طریقت پر قائم رہیں تو ہم انہیں صاف پانی پلائیں گے۔ اور نیز فرمایا ---- وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ" اور پرہیزگاری کا لباس اچھا ہے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْفَقِيْرُ وَطَنُ الْغَيْبِ یعنی فقیر غیب کا وطن ہے پس جب غذا اور پانی قربت کے شربت سے ہوگا اور نیز اس کا لباس تقویٰ اور پرہیزگاری اور مجاہدہ ہوگا اور اس کا وطن غیب اور انتظار ہوگا تو ضرور اس کے فقر کا راستہ واضح ہوگا اور معاملات کا راستہ بھی اس پر روشن ہوگا اور یہی کمالیت کا درجہ ہے"

اور ان میں سے محبت اور وفا کی زبان اور دوستی کے طریقہ کی زینت ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ عالی ہمت اور نیک سیرت ہوئے ہیں۔ اور امید کی حقیقت میں حقتعالیٰ کی طرف کامل قدم رکھتے تھے۔ یہانتک کہ حضرمی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کے دو یحییٰ ہوئے ہیں۔ ایک انبیاء سے اور دوسرا اولیا سے اور یحییٰ بن زکریا علیہ السّلام نے خوف کے راستہ کو ایسے طے کیا کہ تمام نجات کے مدعی ان کے خوف کرنے کے سبب ناامید ہوگئے۔ اور یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امید کا ایسا طریق اختیار کیا کہ تمام مدعی لوگوں کا ہاتھ ان کی امید کے سبب مضبوط ہوگیا۔ لوگوں نے حضرمی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی کہ ہمیں یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا حال تو معلوم ہوگیا۔ مگر حال اس یحییٰ کا کس طرح کا ہے آپ نے فرمایا کہ آپ کبھی اور کسی حال میں جاہل نہیں رہے۔ اور آپ نے کبھی کبیرہ گناہ نہیں کیا تھا۔ اور معاملات اور ان کے عمل میں اس حد کو پہنچے ہوئے تھے۔ کہ ہر شخص اس کی طاقت

نہیں رکھ سکتا۔ آپ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد نے آپ سے دریافت کیا کہ اے شیخ آپکا مقام تو امید کا مقام ہے اور معاملہ خائفین کا سا معاملہ ہے آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے خوب سمجھ لے کہ عبادت کا ترک گناہ اور گمراہی ہوتا ہے، اور خوف اور امید اور استقامت نشانِ ایمان ہے محال ہے کہ کوئی شخص ایمان کے رکنوں پر عمل کرتا ہوا گمراہی میں پڑے خالف عبادت کرتا ہے جدائی ہو جانے کے خوف سے اور امید والا وصل کی امید پر عبادت کرتا ہے اس لئے کہ جب تک عبادت ٹھیک نہ ہو خوف درست نہیں ہو سکتا اور جب عبادت سے دوستی ہو جاتی ہے تو امید اور خوف سب تمام و کمال عبادت ہو جاتا ہے اور جہاں عبادت چاہیئے وہاں پر محض عبارت کوئی فائدہ نہیں دکھا سکتی۔

اور آپ کی تصنیفات بہت ہیں۔ اور نیز نکات اور اشارے عمدہ عمدہ ہیں۔ اور اس مشائخ کے گروہ سے جو سب سے پہلے منبر پر بیٹھا وہ آپ ہی ہیں۔ اور میں ان کے کلام کو بہت ہی محبوب رکھتا ہوں اس لئے کہ طبیعت میں رقت پیدا کرنیوالے اور کانوں میں لذت پیدا کرنیوالے ہیں۔ اور اصل میں دقیق اور مراد پورا کرنے میں مفید ہیں آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلدُّنْیَا دَارُ الْاِشْتِغَالِ وَالْاٰخِرَۃُ دَارُ الْاَھْوَالِ وَلَا یَزَالُ الْعَبْدُ بَیْنَ الْاَشْغَالِ وَالْاَھْوَالِ حَتّٰی یَسْتَقِرَّ بِہِ الْقَرَارُ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ یعنی دنیا شغل کا مقام ہے اور عقبیٰ خوف کی جگہ ہے اور بندہ ہمیشہ خوف اور امید کے درمیان مشغول رہتا ہے اس وقت تک کہ ایک پر قرار پکڑے یا تو ساتھ نعمتوں کے آرام پائے اور یا دوزخ کی آگ میں پڑا ہوا آہ و زاری کرے، اس دل کو خوشی ہو جو شغلوں سے خلاصی پائے ہوئے ہو۔ اور تمام خوفوں اور غموں سے بے خوف اور بے غم ہو اور دونوں جہان سے توجہ علیحدہ کئے ہوئے ہو۔ اور حق تعالیٰ سے ملا ہوا ہو اور آپ کا مذہب غنا کو فقر پر بزرگی دینے کا تھا۔ اور جب رَے میں آپ پر بہت قرضہ ہو گیا تو آپ نے خراسان کا ارادہ کیا۔ جب آپ بلخ میں پہنچے تو آپ کو لوگوں نے روک لیا تو آپ نے کچھ مدت تک

وہاں وعظ و نصیحت فرمائی تو لوگوں نے آپ کو لاکھ درہم دیئے جب آپ واپس آنے کی طرف لوٹے تو چوروں نے راستہ میں ڈاکہ ڈال کر وہ تمام رقم آپ سے لوٹ لی۔ آپ خالی ہاتھ نیشاپور میں تشریف فرما ہوئے آپ کی وفات بھی نیشاپور میں ہوئی ہے اور آپ تمام احوال میں اچھے اور مخلوقات میں عالی مرتبہ ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے خراسان کے شیخ المشائخ اور زمین و زمان کے نادر ابوحفص عمر بن سالم نیشاپوری حدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ قوم کے سرداروں اور بزرگوں سے تھے ہیں۔ اور تمام مشائخ کے ممدوح ہیں اور ابوعبداللہ لابیوردی کے مصاحب اور احمد خضرویہ کے رفیق تھے اور شاہ شجاع کرمان سے آپ کی زیارت کے لئے آئے۔ اور آپ بغداد کی طرف مشائخ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ مگر آپ عربی زبان سے ناواقف تھے۔ جب بغداد میں پہنچے تو تمام ارادتمندوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کہا کہ بہت بڑے شیخ تشریف لاتے ہیں۔ خراسان کے شیخ الشیوخ کو ترجمانی کے لئے مقرر کرنا چاہیئے، اور آپ کے کلام سے مستفیض ہونا چاہیئے جب آپ شونیزیہ کی مسجد میں تشریف لائے۔ تو تمام مشائخ وہاں پر جمع ہوتے آپ ان سے فصیح عربی میں کلام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ سب مشائخ عربی زبان میں آپ کی فصاحت سے عاجز آگئے۔ آپ سے انہوں نے سوال کیا مَا الْفُتُوَّۃُ یعنی جوانمردی کیا ہے آپ نے فرمایا پہلے تم سے ایک شخص جواب دے جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ اَلْفُتُوَّۃُ عِنْدِیْ تَرْکُ الرُّؤْیَۃِ وَاِسْقَاطُ النِّسْبَۃِ یعنی جوانمردی میرے نزدیک یہ ہے کہ جوانمردی کو تو نہ دیکھے اور جو کچھ تو نے کیا ہے اپنی طرف اس کی نسبت بھی نہ کرے یعنی یہ نہ کہو کہ میں نے کیا ہے، ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مَا اَحْسَنَ مَا قَالَ الشَّیْخُ وَلٰکِنَّ الْفُتُوَّۃَ عِنْدِیْ اَدَاءُ الْاِنْصَافِ وَتَرْکُ مُطَالَبَۃِ الْاِنْصَافِ کہ شیخ نے جو کچھ فرمایا بہت اچھا فرمایا ہے ولیکن میرے نزدیک جوانمردی انصاف کا دینا اور انصاف کے مطالبہ کا چھوڑنا ہے جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قُوْمُوْا یَا اَصْحَابَنَا فَقَدْ زَادَ اَبُوْ

حَفِصٍ عَلَیٰ اٰدَمَ وَذُرِّیَّتِہٖ یعنی کھڑے ہو جاؤ اے میرے دوستو! تحقیق ابو حفص آدمؑ اور اس کی اولاد سے جوانمردی میں بڑھ گیا۔

اور بیان کرتے ہیں کہ آپ کی توبہ کی ابتدا اس طرح سے ہوئی۔ کہ آپ ایک کنیزک پر عاشق ہوئے تھے وہ آپ کے قبضہ میں نہیں آتی تھی آپ کو لوگوں نے کہا کہ نیشاپور کے شارستان محلہ میں ایک یہودی رہتا ہے اس کے پاس آپ کے اس شغل کا حیلہ اور علاج ہے وہ اپنی ساحرانہ قوت سے ضرور ملاپ کرا دے گا۔ آپ اس کے پاس پہنچے۔ اور اپنا تمام حال بیان کیا۔ اس یہودی نے کہا کہ چالیس روز تک نماز چھوڑ دو۔ اور بالکل بھول کر بھی خدا کا نام زبان پر نہ لو اور کسی اچھے کام کی نیک نیت کو بھی زبان اور دل پر پھٹکنے نہ دو بعد ازاں میں حیلہ کروں گا جس سے تیری مراد پوری ہو جائیگی۔ آخر کار چالیس روز پورے ہوئے اور یہودی نے اپنا طلسم جاری کیا اور آپ کی مراد پوری نہ ہوئی۔ یہودی نے کہا کہ ضرور تو نے کوئی نیک کام کیا ہے ابو حفص نے کہا کہ مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں نے کوئی اچھا عمل کیا ہو۔ نہ تو ظاہر میں اور نہ ہی باطن میں۔ مگر ایک روز چلا آرہا تھا راستہ میں میں نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا اس کو اس نیت سے میں نے راستہ سے ہٹا دیا کہ کسی آنے جانے والے کو اس سے ٹھوکر نہ لگ جائے۔ اس وقت یہودی نے کہا کہ تو اس خداوند پاک کو آزار مت دے کہ جس کا حق چالیس دن کا تو نے ضائع کیا مگر اس نے تیرے ایک نیک عمل کو ضائع نہیں کیا۔ یہ سنتے ہی آپ نے توبہ کی اور وہ یہودی بھی مشرف باسلام ہوا اور آپ نے لوہار کا کام شروع کر دیا آپ باورد میں گئے اور ابو عبد اللہ باوردی کے مرید ہوتے اور جب آپ نیشاپور واپس تشریف لائے تو ایک دن بازار میں ایک نابینا قرآن کریم کی تلاوت بلند آواز سے کر رہا تھا اور آپ دوکان پر بیٹھے لوہار کا کام کر رہے تھے۔ قرآن کریم کی آواز سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہوا اور آپ اپنے آپ میں نہ رہے .... اور اسی حالت میں آپ نے اپنا ہاتھ آگ میں بغیر سنڈاسی کے ڈال کر گرم لوہا بھٹی سے نکال کر پکڑ لیا جب شاگرد نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو اس کے ہوش و حواس

جاتے رہے۔ جب ابوحفص کو ہوش آیا تو اپنے کسب کو چھوڑ دیا اور اس کے پیچھے پھر کبھی دوکان کی طرف نہ آئے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تَرَکْتُ الْعَمَلَ ثُمَّ رَجَعْتُ اِلَیْهِ ثُمَّ تَرَکَنِی الْعَمَلُ فَلَمْ اَرْجِعْ اِلَیْهِ یعنی میں نے کام سے ہاتھ اُٹھالیا۔ پھر میں نے اس کی طرف رجوع کیا پھر کام نے مجھ کو چھوڑا پھر میں نے اس کو اختیار نہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کا ترک کرنا بندہ کے فعل اور کسب سے ہوتا ہے تو وہ ترک فضیلت والا نہیں ہوتا اس فعل کے ترک سے یعنی فعل کا اس کو چھوڑ دینا فضیلت والا ہوتا ہے، اور اصل میں یہ قاعدہ صحیح ہے کہ تمام کام آفتوں کے محل ہیں اور قدر وقیمت اس کام کی ہوتی ہے جو کہ بلا تکلف غیب سے نمودار ہو اور جس محل میں بھی ہو بندہ کا اختیار اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے، اور حقیقت کا لطیفہ اس سے علیحدہ رہتا ہے پس ترک اور اخذ کسی چیز پر بندہ کے لئے درست نہیں اس لئے کہ عطا کرنا یا لے لینا حق جل وعلا سے ہے، اور اس کی تقدیر سے اس کا ظہور ہوتا ہے، جب عطا آئی تو حق تعالیٰ کی طرف سے اخذ بھی آیا اور جب زوال آیا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ترک بھی آیا۔ اور جب ایسا ہوگا تو ان معنی کی قدر وقیمت ہوگی جن کے ساتھ اخذ اور ترک کا قیام ہوگا اس لئے کہ بندہ اپنے اجتہاد سے اس کا کھینچنے والا اور دور کرنے والا ہوگا۔ پس اگر مرید ہزار سال جناب باری میں قبولیت کے لئے عرض کرتا ہے تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ کہ خداوند کریم اس کو ایک لمحہ کے لئے قبول کرے اس لئے کہ اللہ عزوجل کا قبول کرنا ازل ہی سے مقرر ہو چکا ہے، اور ہمیشگی کی خوشی پہلی سعادت میں ہے اور بندہ کو اپنی خلاصی کے لئے سوا خلوص عنایت کے کوئی راستہ نہیں ہے پس وہ بندہ عزیز ہوگا۔ کہ مسبب نے اس کے ذلیل اسباب کو اس سے دور فرمایا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے اہل ملامت کے مقتدا اور سلامتی کی بلا دیتے ہوئے ابو صالح حمدون رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام عمارۃ القصار تھا۔ آپ قدیم شیوخ سے ہیں۔ ان سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں اور آپ فقہ اور علم میں اعلیٰ پائے کے شمار کئے گئے ہیں۔ اور آپ مذہب ثوری کا رکھتے تھے۔ اور طریقت میں ابوتراب بخشی

کے مُرید تھے اور نیز علی نصیر آبادی کے خاندان سے ہیں۔ اور معاملات میں آپکے رموز اور مجاہدوں میں آپ کا کلام دقیق ہے۔ چونکہ آپکی شان علم میں بڑھی ہوئی تھی اس لئے نیشاپور کے تمام ائمہ اور بزرگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو وعظ نصیحت فرمایا کریں تاکہ مخلوق کو آپ کے وعظ سے فائدہ ہو آپ نے فرمایا کہ میں وعظ کہنے کے ابھی قابل نہیں ہوا انہوں نے دریافت کیا کہ کیوں آپ نے فرمایا کہ ہنوز میرا دل دنیا کی عزّت و مرتبت سے فارغ نہیں ہوا اسلئے میرا سخن لوگوں کے لئے سُود مند نہ ہوگا اور دلوں میں اثر نہ کرے گا۔ اور جو سخن دلوں میں اثر نہ کرے وہ علم پر ہنسی کرانا ہوتا ہے اور نیز اس سے علم کی بیقدری ہوتی ہے اور نیز وعظ و پند کہنا اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کی خاموشی سے دین میں خلل ہوجانے کا اندیشہ ہو۔ اور جب وہ کلام کرے وہ خلل دین سے نکل جائے، آپ سے انہوں نے پوچھا کہ ..... سلف صالحین کا سخن ہماری نسبت کیوں دلوں میں کامل تاثیر کرتا تھا آپ نے فرمایا لِاَنَّھُمْ تَکَلَّمُوْنَ بِعِزِّ الْاِسْلَامِ وَنَجَاتِ النُّفُوْسِ وَرِضَاءِ الرَّحْمٰنِ وَنَحْنُ نَتَکَلَّمُ لِعِزِّ النَّفْسِ وَطَلَبِ الدُّنْیَا وَقُبُوْلِ الْخَلْقِ اس لئے کہ وہ سخن اسلام کی عزّت اور نفسوں کی خلاصی اور رحمان کی رضامندی کے لئے کرتے تھے بخلاف ہمارے کہ ہم کلام کرتے ہیں تو اپنے نفسوں کی عزّت کے لئے اور دنیا کی طلب اور مخلوقات کی قبولیّت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے۔ پس جو شخص خدا کی مُراد اور اس کے رضی کرنے کیلئے بات کرے اس کے سخن میں دبدبہ ہوتا ہے، اور وہ شریروں پر اپنا اثر دکھلاتا ہے اور جو شخص اپنی خود غرضی کے لئے سخن کہے۔ تو اس کے کلام میں اہانت اور ذلت ہوتی ہے اور مخلوق کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور اس کے کہنے سے نہ کہنا بہتر ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنی مُراد سے ضرور خالی اور بیگانہ رہتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے شیخ ذی وقعت اور بزرگ دل اور صاحب بھید ابوالسری منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ درجہ میں بزرگ مشائخ سے ہیں اور رتبہ میں عراق

کے بزرگوں سے فوقیت رکھتے ہیں اور نیز اہل خراسان کے بزرگوں کے نزدیک آپ مقبول ہیں۔ آپ کا کلام بہت اچھا اور آپ کی زبان بیان کرنے میں سب سے عمدہ تھی اور آپ لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے اور آپ علم کے جمیع فنوں کی روایات اور درایات اور احکام اور معاملات میں عالم ہوتے ہیں۔ اور بعض صوفیوں نے آپ کے معاملہ میں بہت مبالغہ کیا ہے، آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ قُلُوْبَ الْعَارِفِيْنَ اَوْعِيَةَ الذِّكْرِ وَقُلُوْبَ الزَّاهِدِيْنَ اَوْعِيَةَ التَّوَكُّلِ وَقُلُوْبَ الْمُتَوَكِّلِيْنَ اَوْعِيَةَ الرِّضَاءِ وَقُلُوْبَ الْفُقَرَاءِ اَوْعِيَةَ الْقَنَاعَةِ وَقُلُوْبَ اَهْلِ الدُّنْيَا اَوْعِيَةَ الطَّمْعِ۔ یعنی پاک ہے وہ ذات کہ جس نے عارفوں کے دل کو ذکر کا محل بنایا۔ اور زاہدوں کے دلوں کو توکل کا گھر بنایا اور متوکلین کے دلوں کو رضا کا محل بنایا۔ اور فقرا کے دلوں کو رضا کا سرچشمہ بنایا۔ اور درویشوں کے دلوں کو قناعت کا پیرہن۔ اور اہل دنیا کے دلوں کو طمع کی جگہ بنایا اور اس میں عبرت ہے کہ اللہ عزوجل نے جو عضو اور حس پیدا فرمائی اس میں اس کے ہمجنس معنی رکھا جیسا کہ ہاتھوں کو پکڑنے کیلئے اور پاؤں کو چلنے کے لئے اور آنکھوں کو دیکھنے کے لئے اور کانوں کو سننے کے لئے اور زبان کو بولنے کے لئے پیدا فرمایا اور ان کی پیدائش اور ظہور کے اسباب میں کوئی زیادہ اختلاف نہ تھا۔ اور پھر دلوں کو پیدا فرمایا۔ اور ہر ایک میں مختلف معنی رکھے اور مختلف ارادے اور مختلف خواہشیں رکھیں کسی دل کو تو معرفت کا محل بنایا اور کسی دل کو گمراہی کی جگہ اور کسی دل کو قناعت کا مقام اور کسی دل کو طمع و حرص کی جگہ بنایا اور مانند اس کے اور بھی بہت سی خواہشوں کے دل کو محل بنایا۔ اور خداوند کریم کے تمام فعلوں میں کسی فعل میں دل کی اعجوبہ نمائیوں سے بڑھکر عجوبہ نمائی نہیں ہے، اور نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَلنَّاسُ رَجُلَانِ عَارِفٌ بِنَفْسِهٖ نَشْغَلُهٗ فِی الْمُجَاهِدَاتِ وَالرِّيَاضَةِ وَعَارِفٌ بِرَبِّهٖ وَشَغَلُهٗ بِخِدْمَتِهٖ وَعِبَادَتِهٖ وَمَرْضَاتِهٖ یعنی آدمی دو قسم کے ہیں یا تو اپنے نفس کی پہنچان کرنے والے ہیں۔ اور یا خدا کی شناخت کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنے عارف ہوتے ہیں ان کا شغل مجاہدہ اور ریاضت ہوتی ہے

اور جو خدا کے عارف ہوتے ہیں ان کا شغل خدمت اور عبادت اور رضا کی طلب ہوتی ہے پس اپنے آپ کے عارف تو عبادت اور ریاضت میں شاغل رہتے ہیں اور عارفانِ حق کیلئے عبادت سرداری ہوتی ہے، یہ عبادت تو رتبہ کی زیادتی کے لئے کرتا ہے اور وہ عبادت کرتا ہے کہ خود اس نے سب کچھ پالیا ہے۔ فَشَتَّانَ مَابَیْنَ الرُّتْبَتَیْنِ پس دونوں رتبوں میں اختلاف ہے، ایک تو مجاہدہ میں قائم ہے اور دوسرا مشاہدہ میں واللہ اعلم۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا اَلنَّاسُ رَجُلَانِ مُفْتَقِرٌ اِلَی اللّٰہِ فَھُوَ فِیْ اَعْلَی الدَّرَجٰتِ عَلٰی لِسَانِ الشَّرِیْعَۃِ وَالْاٰخَرُ لَا یَرٰی اِلَّا فْتِقَارَ لِمَا عَلِمَ مِنْ فَرَاغِ اللّٰہِ مِنَ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ وَالْاَجَلِ وَالْحَیٰوۃِ وَالسَّعَادَۃِ وَالشَّقَاوَۃِ وَھُوَ فِیْ اِفْتِقَارِہٖ اِلَیْہِ وَاسْتِغْنَائِہٖ بِہٖ عَنْ غَیْرِہٖ یعنی آدمیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو خداوند تعالیٰ کے محتاج اور ظاہری شریعت کے حکم میں بڑے درجے والے ہیں اور دوسرے وہ ہیں کہ جنہوں نے محتاجی کو دیکھا ہی نہیں۔ اس واسطے کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ازل میں مخلوقات کا رزق اور موت اور زندگی اور نیک بختی اور بدبختی تقسیم کر دی ہے اور یہ سوا اس کے نہیں کہ مخلوقات عین اس کی محتاج ہے، اور اس کے سوا اور کسی کی پروا نہیں رکھتی پس اس گروہ کے اشخاص اپنی محتاجی میں تقدیر کے دیکھنے سے محتاجی کی رویت کے ساتھ چھپائے گئے ہیں اور یہ گروہ اپنی محتاجی دیکھنے کے ترک میں اپنی محتاجی کے ساتھ مکاشف ہیں اور مستغنی ہیں پس ایک ساتھ نعمت کے اور دوسرے نعمت دینے والے کے ساتھ اور وہ شخص جو ساتھ نعمت کے ہے وہ نعمت دیکھنے میں اگرچہ غنی ہے مگر فقیر ہے، اور وہ شخص جو نعمت دینے والے کے ساتھ مشاہدہ اور رویت میں ہے وہ اگرچہ فقیر ہے مگر غنی ہے۔

اور ان میں سے اولیاء کے ممدوح اور اہل رضا کے پیشوا ابو عبداللہ احمد بن عاصم انطاکی رحمۃ اللہ علیہ قوم کے سرداروں سے ہوئے اور علم شریعت میں اصول اور فروع اور معاملات کے عالم ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر بہت لمبی تھی۔ اور قدیم لوگوں اور تبع تابعین کی صحبت پائے ہوئے تھے۔ اور بشر اور سری سقطی کے ہمعصر اور حارث

محاسبی کے مُرید تھے اور حضرت فضیل کی زیارت اور ان کی صحبت کے فیض یافتہ تھے۔ اور سب کے نزدیک قابلِ تعریف تھے اس قوم کے علم کے فنون میں آپ کا کلام عالی اور لطائف شافی تھے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَنْفَعُ الْفَقْرِ مَا كُنْتَ بِهٖ مُتَجَمِّلًا وَبِهٖ رَاضِيًا یعنی فقر زیادہ نفع دینے والا وہ ہوتا ہے کہ تو اس کے ساتھ ذی جمال ہو اور راضی ہو یعنی تمام مخلوقات کا جمال اسباب کی موجودگی میں ہے، اور فقر کی خوبصورتی عدم اسباب میں ہے اور نیز فقر کی خوبصورتی مسبب کے ثابت کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے اور اس کے احکام سے راضی ہونے میں ہے اس لئے کہ فقر سبب کے گم ہونے کا نام ہے اور غنا سبب کے پائے جانے کا نام ہے اور فقر بغیر اسباب کے حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور غنا اسباب کے ساتھ خود بخود ہے پس سبب حجاب کا محل ہوا اور اسباب کا ترک کرنا کشف کا محل ہوا اور جمال دو جہان کا کشف اور رضا میں ہے اور نیز تمام جہان کا غضب حجاب میں ہے، اور یہ بیان واضح ہے اس مسئلہ میں کہ فقر غنا پر فضیلت رکھتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے پرہیز گاری اور تقوٰی کے سالک اور امت میں زاہد یحییٰ

ابو محمد عبداللہ بن خفیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ زاہدوں اور پرہیز گاروں کی قوم سے ہوئے ہیں تمام احوال میں آپ کی روایتیں عالی مرتبہ ہیں۔ حدیث میں ثوری کا مذہب رکھتے تھے اور آپ شاگردوں کے دیدار اور ان کی صحبت کی آرائش تھے۔ آپ کا کلام اس طریقت کے مقالوں اور معاملوں میں لطیف ہے آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّكُوْنَ حَيًّا فِيْ حَيٰوتِهٖ فَلَا يَسْكُنِ الطَّمَعُ فِيْ قَلْبِهٖ یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں زندہ رہے تو اس سے کہہ دو کہ اپنے دل کو طمع کا محل نہ بنائے، تاکہ وہ سب سے آزاد ہو جائے اس واسطے کہ طمع کرنے والا اپنی طمع میں مُردہ ہوتا ہے، پس طمع دل میں ایسی ہے جیسے کہ دل پر مُہر لگی ہوئی ہوتی ہے اور دل مُہر لگایا گیا لامحالہ مُردہ ہوتا ہے بہت ہی اچھا ہے وہ دل کہ ماسوا ذات الٰہی کے مُردہ ہو اور خدا کی ذات کے سوا زندہ ہو۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ نے دل کو عزت اور ذلت کا محل بنایا ہے اپنے ذکر کو تو دل کی عزت ٹھہرایا اور طمع کو

دل کی ذلت ٹھہرایا۔ جیسا کہ فرمایا خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی الْقُلُوْبَ مَسَاکِنَ الذِّکْرِ فَصَارَتْ مَسَاکِنَ الشَّهَوَاتِ مِنَ الْقُلُوْبِ اِلَّا خَوْفٌ مُزْعِجٌ اَوْ شَوْقٌ مُقْلِقٌ یعنی اللہ عزوجل نے دلوں کو ذکر کی جگہ پیدا فرمایا جب انہوں نے نفس کے ساتھ صحبت اختیار کی تب شہوت کا محل بن گئے سوا شوق بیقرار کرنے والے کے دل شہوتوں سے پاک نہیں ہو سکتا پس خوف اور شوق ایمان کے دو ستون ہیں۔ جب دل ایمان کی جگہ ہو تو اس کا مونس ذکر اور قناعت ہوتی ہے نہ کہ طمع اور غفلت۔ پس مومن کا دل طمع اور شہوتوں کے تابع نہیں ہوتا اس لئے کہ طمع اور شہوت وحشت کا نتیجہ ہوتی ہیں اور دل متوحش خدا اور ایمان سے کسی قسم کی خبر نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ ایمان کی محبت و الفت خدا کے ساتھ اور وحشت غیر خدا کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے اَلطَّامِعُ مُسْتَوْحِشٌ مِنْهُ كُلُّ وَاحِدٍ یعنی طمع کرنے والے سے ہر ایک چیز وحشت پکڑتی ہے۔

اور ان میں سے طریقت کے شیخ المشائخ اور شریعت کے امام الائمہ ابوالقاسم

جنید بن محمد بن جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو کہ اہل باطن اور ظاہر کے مقبول ہوئے ہیں اور علم کے فنون میں کامل اور اصول اور فروع اور معاملات میں مفتی اور امام تھے۔ آپ توری کے شاگردوں سے ہیں۔ آپ کا کلام یہاں تک عالی رتبہ ہے کہ تمام طریقت والوں نے آپ کو متفق طور پر اپنا امام مان لیا ہے اور کسی مدعی اور متصرف کو آپ سے انکار نہیں ہے۔ آپ سری سقطی کے بھانجے اور مرید تھے۔ ایک دن لوگوں نے سری سے پوچھا کہ کوئی مرید پیر سے بلند رتبہ ہوتا ہے کہ نہیں اس کی دلیل ظاہر ہے [illegible] کا درجہ مجھ سے بڑھا ہوا ہے اور یہ قول پیر صاحب کا تواضع پر محمول ہے [illegible] آپ نے فرمایا اور بلحاظ دانش فرمایا مگر [illegible] فوقیت کا دیکھنا [illegible] عملی کا دیکھنا عیانی درجہ ہے اور اس قول کی واضح دلیل یہ ہے [illegible] کہ جنید کا درجہ مجھ سے بڑھا ہوا ہے۔ آپ نے کہ جنید کو اپنے [illegible] درجہ [illegible] کا درجہ ہے اور مشہور ہے کہ سری سقطی کے [illegible] مریدوں نے آپ سے کہا [illegible]

رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں نے حضرت جنیدؒ سے کہا کہ آپ کچھ وعظ فرمایا کریں تاکہ ہمارے دلوں کو خوشی ہو۔ مگر مریدوں کی اس درخواست نے قبولیت کا شرف حاصل نہ کیا۔ اور فرمایا جب تک شیخ زندہ ہے میں وعظ نہ کہوں گا ایک رات آپ نے نیند کی حالت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حضور علیہ السلام نے فرمایا اے جنید مخلوق کو ضرور وعظ سنایا کر۔ تیرے وعظ کو اللہ عزوجل نے تمام جہان کی نجات کا موجب ٹھہرایا ہے جب بیدار ہوئے تو آپ نے خیال کیا کہ میرا درجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھا ہوا ہے تبھی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وعظ کی دعوت فرمائی ہے جب صبح ہوئی سریؒ نے ایک مرید جنیدؒ کے پاس بھیجا کہ جب جنیدؒ نماز سے فارغ ہو جائے اس سے کہہ دو کہ مریدوں کے کہنے کی بدولت بھی تم نے وعظ نہ کہا اور نہ ہی بغداد کے مشائخ کے فرمانے سے تو نے وعظ کہا نہ ہی میری سفارش اور پیغام سے وعظ کہا اب تو حضور علیہ السلام کا فرمان ہوا ہے اس کو ضرور قبول کر لینا۔ تب جنیدؒ نے کہا کہ برتری کا خیال جو میرے سر میں سمایا ہوا تھا یکلخت نکل گیا اور میں نے جان لیا کہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ تمام احوال میں میرے ظاہر اور باطن پر اطلاع رکھتے ہیں۔ اور آپ کا درجہ میرے درجہ سے اوپر ہے، کیونکہ آپ میرے بھیدوں کو جانتے ہیں اور میں آپ کے حالات سے بے خبر ہوں تب میں آپ کی خدمت میں گیا اور استغفار کی اور آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ میں نے پیغمبر خدا کو خواب میں دیکھا ہے اور آپ نے مجھے دعوت دی ہے، آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں اللہ عزوجل کو دیکھا اور اس نے فرمایا کہ میں نے اپنے رسول کو بھیجا ہے تاکہ جنید کو فرمائیں کہ وہ مخلوقات کو وعظ و نصیحت کیا کرے تاکہ باشندگانِ بغداد کی مراد آپ سے حاصل ہو۔ اور ان حکایات میں واضح دلیل ہے کہ پیر ہر حالت میں مریدوں کے حال سے خبر رکھتا ہے آپ کا کلام عالی اور رموز لطیف ہیں۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کَلَامُ الْاَنْبِیَاءِ نَبَاٌ عَنِ الْحُضُوْرِ وَکَلَامُ الصِّدِّیْقِیْنَ اِشَارَۃٌ عَیْنٍ مِنْہُ یعنی انبیاء کا کلام خدا کے حضور سے خبر دیتا ہے اور صدیقوں کا کلام مشاہدہ سے اشارہ کرتا ہے خبر کی تصحیح نظر سے ہوتی ہے اور مشاہدہ کی تصحیح فکر سے ہے خبر عین چیز سے دی جاتی ہے اور

اشارہ غیر کے سوا نہیں ہوتا پس صدیقوں کا کمال اور انتہا انبیاء کا ابتدائی حال ہے اور نبی اور ولی کے درمیان فرق واضح ہے! ور نبیوں کو ولیوں پر فضیلت ہے بخلاف ملاحدہ کے دو گروہ کے اس لئے کہ وہ فضیلت میں اولیا کو مقدم رکھتے ہیں اور نبیوں کو مؤخر۔ اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں ایک دفعہ شیطان کے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ایک دفعہ میں مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہوا تھا کہ ایک بوڑھا مرد آیا جس کے دیکھنے سے مجھے نفرت ہوئی جب میرے قریب آیا تو میں نے پوچھا کہ تو کون ہے میری آنکھیں دیکھنے کی تجھے طاقت نہیں اور تیرے دیکھنے سے میرے دل میں وحشت پیدا ہو رہی ہے اس نے کہا کہ میں وہی ہوں جس کے دیکھنے کی تجھے خواہش تھی میں نے کہا او ملعون تجھ کو کس امر نے اس بات پر برانگیختہ کیا کہ تو آدمؑ کو سجدہ نہ کرے اس نے کہا کہ اے جنیدؒ تیرے دل میں یہ کیا خیال پیدا ہوا کہ میں خدا کی ذات کے سوا غیر کو سجدہ کروں۔ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کے اس کلام سے حیران ہوا اور مجھے کوئی جواب نہ آیا اس کے پیچھے مجھے آواز آئی کہ قُلْ لَهٗ كَذَبْتَ لَوْ كُنْتَ عَبْدًا مَامُوْرًا لِمَا خَرَجْتَ مِنْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ فَسَمِعَ النِّدَاءَ مِنْ قَلْبِيْ فَصَاحَ وَقَالَ اَحْرَقْتَنِيْ بِاللّٰهِ وَغَابَ۔ یعنی اے جنیدؒ کہہ دو کہ تو جھوٹ بول رہا ہے کہ اگر تو خدا کا فرمانبردار بندہ ہوتا تو اس کے حکم سے باہر نہ نکلتا اور اس کی نہی سے تقرب نہ ڈھونڈھتا شیطان نے یہ آواز میرے اندر سے سنی اور چیخ کر کہا کہ قسم خدا کی اے جنیدؒ تو نے مجھ کو جلا دیا اور دفع ہو گیا اور یہ حکایت [illegible] کی عصمت کی حفاظت پر روشن دلیل ہے اس لئے کہ حق جل وعلا اپنے اولیاء کا نگہبان ہے اور تمام احوال میں شیطان کے فریبوں سے بچاتا ہے اور آپ سے ایک مرید [illegible] پہنچی اس کے دل میں آیا کہ میں بھی کسی درجہ پر پہنچا ہوں آپ سے منہ موڑ لیا۔ ایک دن کا تجربہ کرنے کیلئے آیا آپ نے اس کی مراد کو معلوم فرما لیا اس نے آپ سے سوال کیا۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جواب لفظی چاہتا ہے یا معنوی کہا دونوں چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر لفظی چاہتا ہے تو تو تجربہ کرنا چاہتا ہے اور نہ میرے تجربہ کی تجھے ضرورت نہ ہوتی یعنی جس شخص نے اپنا تجربہ کر لیا ہو تو اس کو دوسرے کے تجربہ کی ضرورت نہیں۔

اور تو اس جگہ محض تجربہ کے لئے آیا ہے اور اگر معنوی جواب کی خواہش ہے تو میں نے ولایت سے تجھے علیحدہ کر دیا۔ اسی وقت مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا اس نے آواز دینی شروع کی کہ میرے دل سے یقین کی خوشی کافور ہو گئی استغفار میں مشغول ہوا اور اس بیہودگی کو چھوڑ دیا اس وقت جنید رحمہ اللہ نے اس کو فرمایا کہ کیا تو یہ نہ جانتا تھا کہ خداوند کریم کے دوست بھیدوں کے والی ہوتے ہیں۔ تو ان کے زخم کی طاقت نہیں رکھ سکتا آپ نے اس پر دم کیا تو وہ دوبارہ اپنی مراد کو پہنچا اور مشائخ میں تصرف کرنے سے توبہ کی۔

اور ان میں سے طریقت میں شیخ المشائخ اور شریعت میں اماموں کے امام تصوف والوں کے بادشاہ اور تکلف کی آفت سے بیزار ابوالحسن احمد بن محمد خراسانی نوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ معاملات کے اچھے اور کلمات کے فصیح اور مجاہدات کے ظاہر کرنے والے ہوئے ہیں آپ کا مذہب تصوف میں خاص الخاص ہے اور صوفیوں کا نوری گروہ انہیں کی پیروی کرتا ہے اور صوفیوں کے کل بارہ گروہ ہیں جن میں سے دس مقبول اور دو مردود ہیں اور جو گروہ مقبول ہیں ان میں سے ایک گروہ محاسبی ہے اور دوسرا قصاری اور تیسرا طیفوری اور چوتھا جنیدی اور پانچواں نوری اور چھٹا سہیلی اور ساتواں حکیمی اور آٹھواں خرازی اور نواں خفیفی اور دسواں سیاری اور یہ سب گروہ محققان اہل سنت والجماعت سے ہوتے ہیں لیکن دو گروہ جو کہ مردود ہیں ان میں سے ایک تو حلولی ہے اور دوسرا حلاجی ہے۔ اور حلولی حلول اور امتزاج سے نسبت کیا گیا ہے اور سالمی اور مشبہ فرقہ کا بھی انہیں سے تعلق ہے۔ اور حلاجیوں کا طریقہ شریعت کا ترک اور الحاد کی راہ اختیار کرنی ہے اور یہ فرقہ رد کیا گیا ہے اور فرقہ اباحتی اور فارسی کا بھی ان سے تعلق ہے اور اس کتاب میں ایک باب مستقل طور پر ان فرقوں کے فرق میں انشاء اللہ لکھا جائیگا تاکہ کامل فائدہ ہو جائے اور نوری طریقہ قابل تعریف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے طریقہ میں مداہنت یعنی ان کا ترک اور عالی ہمتی کی بلندی اور مجاہدہ کا پابند ہے آپ سے روایت آتی ہے کہ میں جنید کے پاس گیا تو آپ مسند پر بیٹھے ہوئے تھے میں نے کہا یا ابا القاسم غششتہم فصدروک ونصحتہم فرمونی بالحجارۃ یعنی اے ابوالقاسم تو نے ان سے حق کو پوشیدہ رکھا تبھی تو

انہوں نے آپ کو صدر پر بٹھلایا اور میں نے ان کو نصیحت کی تھی تو انہوں نے مجھے سنگسار کیا اس لئے کہ مداہنت کی نفس سے موافقت ہے اور نصیحت کی نفس سے مخالفت ہے اور آدمی اس شخص کا دشمن ہوا کرتا ہے جو اس کی نفسانی خواہش کے مخالف امر کرے ، اور اس شخص کا دوست ہوتا ہے جو اس کی نفسانی خواہش کی موافقت کرے ، اور ابوالحسن نوریؒ جنید کے رفیقؒ تھے اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے ارادتمند اور آپ بہت سے مشائخ کی صحبت کے تربیت پائے ہوئے تھے ۔ اور احمد بن ابوالجواری کی بھی آپ نے زیارت کی تھی ۔ اور آپ کے طریقت اور تصوّف میں لطیف اشارے ہیں ۔ اور نیز عمدہ مقولے ہیں اور علم کے تمام فنون میں آپ کے بلند خیال نکلتے ہیں ۔ اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَلْجَمْعُ بِالْحَقِّ تَفْرِقَۃٌ عَنْ غَیْرِہٖ وَالتَّفْرِقَۃُ مِنْ غَیْرِہٖ جَمْعٌ بِالْحَقِّ یعنی اس کی ذات کے ماسوا حق کیساتھ جمع ہونا جدائی ہے اور اس کی ذات کے ماسوا سے جدائی کرنی حق کے ساتھ جمع ہونا ہے یعنی جس کا ارادہ خداوند کریم کے ساتھ جمع ہونے کا ہے وہ غیر سے جدا ہے اور جس کا ارادہ غیر کے ساتھ جمع ہونے کا ہے وہ خدا سے علیحدہ ہے پس ارادے کا جمع ہونا حق سے مخلوقات کے فکر سے علیحدہ ہونا ہے ۔ جب مخلوقات سے ترک ٹھیک ہوا تو اللہ عزوجل سے توجہ ٹھیک ہوئی ۔ اور حق سے توجہ درست بیٹھی تو مخلوقات کا ترک درست یعنی ٹھیک ہوا ۔ اس لئے کہ اَلضِّدَّانِ لَا یَجْتَمِعَانِ یعنی دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں میں نے حکایات میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ نوریؒ اپنے گھر میں ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر تین رات دن تک خروش کرتے رہے ۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مریدوں نے عرض گذاری آپ تشریف لائے آپ نے فرمایا اے ابوالحسن اگر تو جانتا ہے کہ اس شور سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے ۔ تو مجھے بھی حکم دے تاکہ میں بھی یہی طریق شروع کروں ۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ خروش کچھ فائدہ نہیں رکھتا ۔ تو دل رضا کی سپرد کرتا کہ تیرا دل خوش ہو ۔ نوریؒ خروش سے باز آئے اور فرمایا تو بہت اچھا معلم ہے اے ابوالقاسم ۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَعَزُّ الْاَشْیَاءِ فِیْ زَمَانِنَا شَیْئَانِ عَالِمٌ یَعْمَلُ بِعِلْمِہٖ وَعَارِفٌ یَنْطِقُ عَنِ الْحَقِیْقَۃِ سب چیزوں سے عزیز ترین اشیاء ہمارے زمانہ میں دو ہیں ۔ ایک عالم جو کہ اپنے علم پر عمل کرتا ہے اور دوسرا عارف

جو کہ اپنے حال کی حقیقت سے کلام کرتا ہے یعنی ہمارے زمانہ میں علم اور معرفت دونوں عزیز چیزیں ہیں۔ اس لئے کہ علم بے عمل خود علم نہیں ہوتا اور معرفت بے حقیقت خود معرفت نہیں ہوتی۔ اور اس پیر نے اپنے زمانہ کی علامت بیان فرما دی اور آپ ہر حال میں اچھے رہے ہیں اور آج کے دن بھی بہت محبوب ہیں اور جو عارف اس کے علم کی طلب میں مشغول ہو اس کا زمانہ پراگندہ ہو جائے گا۔ مگر نہ پائے گا۔ خود بخود مشغول ہونا چاہیئے تاکہ سب جہان کو عالم اور عارف دیکھے اور اپنی ہستی سے خدا کی طرف رجوع کرے تاکہ تمام جہان کو عارف دیکھے کیونکہ عالم اور عارف محبوب ہوتا ہے اور محبوب بہت مشکل سے دستیاب ہوتا ہے اور جس چیز کا ادراک مشکل ہو اس کا طلب کرنا وقت کا برباد کرنا ہوتا ہے اور علم اور معرفت کی خود بخود جستجو کرنی چاہیئے اور ایسے ہی علم اور حقیقت کی معرفت بھی خود بخود حاصل کرنی چاہیئے آپ سے روایت ہے مَنْ عَلِمَ عِلْمًا لَا شَيْئًا بِاللّٰهِ فَرَجُوْعُهٗ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَى اللّٰهِ اور جو شخص چیزوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے سمجھے تو تمام چیزوں میں اس کی بازگشت اسی کی طرف ہوگی اس لئے کہ ملک اور مُلک کی لذات مالک کے ساتھ ہوتی ہے، پس آرام خالق کے دیکھنے سے ہوتا ہے نہ کہ مخلوق کے دیکھنے سے اس لئے کہ اگر چیزوں کو افعال کا سبب گردانا جائے تو ہمیشہ آزردہ خاطر رہے گا۔ اور ہر چیز کی طرف اس کا رجوع کرنا شرک ہوگا۔ اس لئے کہ چیزوں کو جب فعلوں کا سبب سمجھے گا سبب خود قائم نہ رہے گا بلکہ اس کا قیام مسبب سے ہوگا جب مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرے گا اپنے شغل سے خلاصی پائے گا۔

اور ان میں سے سلف کا پہلا اور اپنے سلف کا پچھلا ابو عثمان سعید بن اسمٰعیل حیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ قدیم بزرگترین صوفیوں سے ہوئے ہیں اور اپنے زمانہ میں ایک ہی وجود تھے آپ کا مرتبہ تمام دلوں میں بلند ہے آپ کی ابتدائی صحبت یحییٰ بن معاذؒ کے ساتھ رہی ہے پھر آپ شاہ شجاع کرمانی کی صحبت میں عرصتک رہے ہیں اور آپ کے ہمراہ ابو حفصؒ کی زیارت کے لئے نیشاپور تشریف لائے۔ پھر ابو حفص ہی کی خدمت میں بقیہ عمر گذاری۔ آپ سے ثقہ آدمی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میرا دل بچپن میں بھی حقیقت کی دریافت میں لگا رہتا تھا اور نیز میں اہل ظاہر سے نفرت کیا کرتا تھا۔ اور

مجھے یقین تھا کہ ضرور ظاہر کی طرح شریعت کا باطن بھی ہے جب میں بالغ ہوا تو ایک دفعہ یحییٰ بن معاذ رازی کی مجلس میں شریک ہوا تب اس بھید کو میں نے پالیا اور مقصود پورا ہوا آپ کی صحبت سے تعلق رکھا۔ ایک روز ایک جماعت شاہ شجاع کرمانی کی باتیں کر رہی تھی اور آنی بھی وہیں سے تھی میرے دل میں ان کی زیارت کا شوق پیدا ہوا میں نے رَے نے سے کرمان کا ارادہ کیا اور شاہ کی صحبت کی جستجو میں نے چاہی مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ اور فرمایا کہ تیری طبیعت رجا کی پروردہ ہے اور تو نے یحییٰ کی صحبت اختیار کی ہوئی ہے اور اس کا مقام رجا کا مقام ہے اور جس کا مشرب رجا رہا ہو وہ طریقت کی راہ طے نہیں کر سکتا اس لئے کہ رجا کی پیروی کرنی کاہلی اور سستی کی مورث ہے فرماتے ہیں کہ میں نے بیس روز تک آپ کے بارگاہ میں عجز و انکساری کا طریق جاری رکھا آخر کار آپ نے اپنی صحبت میں رہنے کی اجازت دے دی اور میں عرصہ دراز تک آپ کی صحبت میں مقیم رہا۔ آپ بہت غیرت والے مرد تھے ایک دفعہ آپ نے ابو حفصؒ کی زیارت کرنے کے لئے نیشاپور کا قصد کیا اور میں آپ کے ہمراہ تھا جس روز ہم ابو حفصؒ کے پاس گئے۔ تو شاہ نے قبا پہن رکھی تھی ابو حفصؒ دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور آپ کے پاس گئے اور کہا وَجَدْتُ فِی الْقَبَاءِ مَا طَلَبْتُ فِی الْعَبَاءِ یعنی میں نے قبا میں وہ چیز پائی جس کو عبا میں طلب کرتا تھا ہم کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہے اور میرا ارادہ ادھر مصروف ہوا کہ ابو حفصؒ سے بھید معلوم کرنا چاہیئے اور بادشاہ کے دبدبہ نے ان کی خدمت کی میں رہنے سے مجھے روکا اور ابو حفص نے میرا ارادہ معلوم کر لیا اور میں اللہ عزوجل کے آگے تضرع اور عاجزی سے عرض کرتا تھا کہ یا اللہ ابو حفصؒ کی صحبت مجھے عطا فرما اور شاہ بھی مجھ سے آزردہ خاطر نہ ہو جس روز شاہ شجاع نے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو میں نے بھی آپ کی موافقت میں سفری لباس پہنا اور سارا دل ابو حفصؒ کے پاس چھوڑا ابو حفصؒ نے بادشاہ سے کہا کہ میری دل کی خوشی کے واسطے اس لڑکے کو یہیں چھوڑ دیجئے۔ کیونکہ میں اس کے ساتھ خوش رہتا ہوں شاہ نے میری طرف توجہ فرما کر کہا اَجِبِ الشَّیْخَ یعنی شیخ کی بات کو قبول کرو۔ شیخ چلے گئے اور میں آپ کی خدمت میں رہا اور میں نے وہ باتیں دیکھیں جو دیکھنی چاہتا تھا۔ آپ کی صحبت میں میں نے بہت

سے عجائب دیکھے اور آپ کا مقام شفقت کا تھا۔ اللہ عزوجل نے مجھ ابو عثمان کو تین پیروں کی برکت سے تین مقام عطا کرائیے اور یہ تینوں اشارے سے جو تو نے اس کی طرف کئے ہیں وہ خود اس میں موجود تھے۔ مقام رجا کا تو یحییٰ کی صحبت میں اور مقام غیرت کا شاہ شجاع کی خدمت میں اور مقام شفقت کا ابو حفص کی صحبت میں طے فرمایا اور جائز ہے کہ پیر پانچ یا چھ اور یا اس سے بھی زیادہ پیروں کی صحبت سے مقصود کی منزل کو پائے اور اس کا ہر پیر اس کو ایک ایک مقام کا مکاشفہ کرا دے، مگر بہت اچھی بات یہ ہے کہ پیروں کو اپنے مقام کے ساتھ آلودہ نہ کرے اور اس مقام میں ان کی انتہا کو ظاہر نہ کرے اور یہ کہے کہ میرا حصہ ان کی صحبت سے یہی کچھ تھا مگر وہ تو اس مقام سے بہت بلند ہیں۔ اور مجھے ان کے پاس سے اس سے زیادہ حصہ نہ تھا۔ اور یہ کلام ادب کے زیادہ نزدیک ہے اس واسطے کہ خدا کے راستہ کے پہنچنے والوں کو مقام اور احوال سے کچھ سروکار نہیں ہوتا اور نیشاپور اور خراسان میں تصوف کا اظہار آپ نے کیا اور جنیدؒ اور رویمؒ اور یوسفؒ بن حسینؒ اور محمدؒ بن فضل بلخی رحمہم اللہ کی صحبتوں کو پائے ہوئے تھے۔ اور مشائخ میں سے کسی نے پیروں کے دل سے وہ حصہ نہیں پایا جو آپ نے پایا اور اہل نیشاپور نے آپ کو منبر پر بٹھایا تاکہ آپ کی زبان سے تصوف کی باتیں سنیں آپ کی کتابیں اور روایتیں اس طریقت کے علم کے فنون میں عالی اور مضبوط ہیں۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا حَقٌّ لِمَنْ اَعَزَّهُ اللّٰهُ بِالْمَعْرِفَةِ اَنْ لَّا يُذِلَّهٗ بِالْمَعْصِيَةِ یعنی جس شخص کو اللہ عزوجل نے اپنی معرفت سے معزز فرمایا ہو اس کے لئے واجب اور لائق ہے کہ اپنے آپ کو معصیت کے ساتھ ذلیل و خوار نہ کرے اور اس کا تعلق بندہ کے کسب اور اس کے مجاہدہ اور ہمیشہ خدائی امور کی حفاظت کیا کرتا ہوتا ہے، اور اگر تو اسی راستہ کو طے کرے جو کہ لائق ہے اور یہ جان لے کہ اللہ عزوجل جس وقت کسی کو اپنی معرفت عطا کر کے محبوب بناتا ہے۔ تو اس کو معصیت کے ساتھ خوار و ذلیل نہیں کرتا۔ کیونکہ معرفت خدا کی بخشش ہے اور نافرمانی بندہ کا فعل اور جس کسی کو عزت کیساتھ خدا کی بخشش ہو تو اس کا اپنے فعل کے ساتھ ذلیل ہونا محال ہوگا۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کو جب اپنی معرفت سے عزیز کیا تو پھر اس کو

معصیت کے ساتھ ذلیل نہ کیا۔

اور ان ہی سے معرفت کی بلندی کا سہیل اور محبت کا قطب ابو عبد اللہ احمد بن یحییٰ بن جلالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ بزرگانِ قوم اور سادات وقت سے تھے۔ آپ کا طریقہ نیک اور خصلت قابلِ تعریف تھی۔ آپ جنید اور ابوالحسن نوری اور بڑوں کی جماعت کے مصاحب تھے حقیقتوں میں آپ کا کلام عالی اور اشارے لطیف ہیں۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ھِمَّۃُ الْعَارِفِ اِلٰی مَوْلَاہُ وَلَمْ یَعْطِفْ عَلٰی شَیْءٍ سِوَاہُ یعنی عارف کی ہمت خدا کی توفیق سے ہوتی ہے اور اس کے سوا اور کسی چیز کی طرف نہیں جھکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ عارف کو معرفت کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتا جب اس کے دل کا سرمایہ معرفت ہوتی ہے تو اس کے ارادہ کا مقصود رویت ہوتی ہے اس واسطے کہ ہمتوں کی پراگندگی غم لاتی ہے اور غم اس کو خدا کی درگاہ سے واپس کرتا ہے۔

اور آپ سے حکایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایک روز میں نے ایک ترسا کا خوبصورت نوجوان لڑکا دیکھا جس کا جمال دیکھ کر میں متحیر ہوا اور اس کے مقابل اس کو دیکھنے کے لئے کھڑا ہوا اتنے میں حضرت جنید کا مجھ پر گذر ہوا۔ آپ کی خدمت میں میں نے عرض کی کہ اے استاد کیا ایسے خوبصورت چہرہ کو خداوند کریم آگ میں جلائیگا انہوں نے جواب دیا کہ اے بیٹا یہ تیرے دل کا کھیل ہے جس نے تیرے دل کو ادھر متوجہ کر دیا ہے یہ تیرا نظارہ کرنا بطور عبرت نہیں اگر عبرت کی نظر سے نظارہ کرتا۔ تو عالم کے ہر ذرہ میں یہی عجوبہ باتیں تمہیں نظر آتیں اس لئے کہ عبرت سے دیکھنے والوں کے لئے یہ جہان عجائب خانہ ہے مگر اے احمد وہ زمانہ بہت ہی قریب ہے کہ تو اس کے سبب بے عزتی کا عذاب دیا جائے گا جب جنید تشریف لے گئے تو اسی وقت میں قرآن کریم کو بھول گیا کئی برس تک خدا سے میں نے مدد مانگی اور توبہ کی تو پھر قرآنِ کریم جو میرے حافظہ سے جاتا رہا تھا حافظہ میں واپس آیا۔ اس وقت سے اب تک مجھے اتنی تاب نہیں کہ موجودات کی کسی چیز کی طرف توجہ کروں اور اپنے وقت کو ان اشیاء کے نظارہ میں برباد کروں۔

اوران میں سے وحید عصر اور امام دہر ابو محمد رویم بن احمدؒ ہیں آپ بزرگ مشائخ سے ہوئے ہیں اور حضرت جنیدؒ کے راز وار تنا گرد تھے ۔ اور نیز اپنے زمانہ کے لوگوں کے مصاحب تھے ۔ داؤد کے مذہب میں فقیہہ الفقہاء تھے ۔ اور تفسیر اور حدیث اور قرأت میں کامل حصہ رکھتے تھے اور اس زمانہ میں علم کے فنون میں آپ کی مثل کوئی نہ تھا بلند حالی اور رفعت مقامی اور نیک سفروں میں یکہ وتنہا تھے اور سخت ریاضتوں میں مشہور تھے اور اپنی آخری عمر کو آپنے دنیا میں پوشیدہ کیا اور قضا کے عہدہ پر متعین ہوئے ۔ اور آپ کا درجہ اس سے بڑھا ہوا تھا جس سے آپ چھپے ہوئے تھے یہاں تک کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم مشغول فارغ ہیں اور رویم فارغ مشغول ہے اور آپ کی اس طریقت میں تصنیفیں بھی ہیں اور خاصکر ایک کتاب بنام فلطا لواجدین مشہور ہے میں اس کا عاشق ہوں روایت ہے کہ ایک روز کسی شخص نے آکر کہا کَیْفَ حَالُکَ یعنی تیرا حال کس طرح ہے آپ نے فرمایا کَیْفَ حَالُ مَنْ دِیْنُہٗ ھَوَاہُ وَھِمَّتُہٗ دُنْیَاہُ لَیْسَ ھُوَ بِصَالِحٍ تَقِیٍّ وَّلَا بِعَارِفٍ نَقِیٍّ یعنی اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کا دین اس کی خواہش ہو ۔ اور اس کی ہمت دنیا ہو اور نیکوکار نہ وہ ہوتا ہے جو پرہیز گار ہو مگر یہ تو نہ مخلوقات سے بھاگا ہوا نیکوکار ہے اور نہ ہی عارف حقانی ہے اور یہ اشارہ اپنے نفسوں کے عیبوں کی طرف کیا ہے اس لئے کہ دین نفس کے نزدیک خواہش کا نام ہے اور نفس کی پیروی کرنے والوں نے خواہش نفسانی کا نام دین رکھ لیا ہے ، اور اس کی فرمانبرداری کا نام شریعت پر عمل مقرر فرمالیا ہے ، جو شخص ان کی مراد پر چلے اگرچہ بدعتی ہو مگر اسے متدین یعنی دیندار کہیں گے اور جو شخص ان کے خلاف چلے اگرچہ دیندار ہو مگر وہ اسے بیدین اور زندیق کہیں گے ۔ اور یہ آفت ہمارے اس زمانہ میں بجائے دور ہونے کے کثرت سے پھیل رہی ہے پس جس شخص کی ایسی صفت ہو ہم اس سے اللہ کے نام کے ساتھ پناہ مانگتے ہیں ۔ مگر اس پیر نے سائل کے زمانہ کی تحقیق کی طرف اشارہ کیا ہے ، اور یہ بھی جائز ہے کہ اسی حال پہ سائل کو پایا ہو مگر اپنی ہستی کے وصف سے اس کو ظاہر کیا ہو ۔ اور اپنی حقیقت کی صفت کا اتصاف دیا ہو ۔ واللہ اعلم ۔

اوران میں سے زمانہ کے نادر اور بلند رتبہ ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی

اماماِن وقت کے بزرگوں سے ہیں اور قدیم مشائخ سے ہوتے ہیں۔ اور آپ نے عمر اچھی گذاری ذوالنون مصریؒ کے مرید تھے۔ بہت سے مشائخ کی صحبت پائے ہوتے تھے اور سب کی خدمت کرتے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اَذَلُّ النَّاسِ اَلْفَقِیْرُ الطَّمَّاعُ وَاَعَزُّھُمُ الْمُحِبُّ لِمَحْبُوْبِہٖ الصِّدِّیْقُ سب لوگوں سے زیادہ ذلیل تر فقیر طامع ہے جیسا کہ سب سے زیادہ شریف فقیر صادق ہوتا ہے اور فقیر کو طمع دو جہان کی ذلت میں ڈالتا ہے اس لئے کہ درویش پہلے ہی اہل دُنیا کی آنکھ میں ذلیل ہوتے ہیں۔ جب طمع کریں گے زیادہ حقیر ہو جائیں گے پس غنی اس فقیر سے زیادہ کامل ہے جو کہ طمع کی حرص سے آلودہ ہو کر ذلیل ہو رہا ہو اور طمع درویش کو خالص تکذیب کی طرف منسوب کرتی ہے، اور دوسرے محب اپنے محبوب کی نظر میں بہت ذلیل ہوتا ہے اس لئے کہ محب اپنے آپ کو اپنے محبوب کے مقابلہ میں بہت حقیر سمجھتا ہے اور اس کی تواضع کرتا ہے اور یہ تواضع بھی طمع کے نتائج سے ایک نتیجہ ہے جب طمع منقطع ہو جاتے تمام ذلتیں عزت ہو جاتی ہیں۔ جب تک زلیخا یوسفؑ کی طمع میں رہی ہر لحہ اس کی ذلت بڑھتی رہی جب اس نے طمع کو چھوڑا تو اللہ عزوجل نے جوانی اور جمال اس کو دوبارہ دیا، اور کچھ ایسا ہی قاعدہ مقرر ہے کہ جب مُحِب توجہ کریگا محبوب روگردانی کرے گا اور جب محب دوستی کو اختیار کرے اور محض دوستی کیساتھ دہشت سے یکسوئی اختیار کرے اور دوستی ہی کے ساتھ آرام پکڑے تو خواہ نخواہ دوست اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور درحقیقت مُحِب کے لئے عزت ہی عزت ہے جب تک وصال کی طمع پیدا نہ ہو جب محب کو وصال کی طمع درپیش آئے اور وہ میسر نہ ہو تو اس کی سب عزت ذلت سے بدل جاتی ہے اور جس محب کو دوستی کا وجود دوست کے وصال اور فراق سے نہ ہٹائے وہ محبت معلول ہوتی ہے یعنی اس محبت کی علت وصال یا فراق ہی ہوا کرتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے اہل محبت کا آفتاب اور اہل محبت کا برگزیدہ پیشوا ابوالحسن سمنون بن عبداللہ خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے اور محبت کے معاملہ میں عالیشان تھے اور تمام مشائخ آپ کی عزت فرماتے تھے اور آپ کو سمنون المحب کہتے

تھے اور آپ نے اپنا نام سمنون الکذاب رکھا ہوا تھا۔ مگر غلام الخلیل مکار درویش سے انہیں
تکلیف پہنچی تھی اور خلیفہ وقت کے سامنے ایسی شہادتیں دیں کہ جن کا صدور ان کے وجود
سے محال تھا۔ تمام مشائخ زمانہ اس سے رنج یافتہ تھے۔ اور یہ غلام الخلیل ایک مرد
ریاکار فریبی تھا۔ اور تصوف اور پارسائی کا مدعی تھا۔ اور خلیفہ اور درباریوں کے نزدیک اسکی بڑی
شہرت تھی۔ وہ دین کو دنیا کے معاوضہ میں فروخت کئے ہوئے تھا۔ جیسا کہ اس
زمانے میں بھی ہیں۔ اور پھر درویشوں اور مشائخ کی برائی بادشاہوں کے ذہنوں میں
ڈالتا رہتا تھا اور اس سے اس کی غرض یہ تھی تاکہ وہ ان کو چھوڑے رہیں۔ اور کوئی ان
کے پاس برکت کی تحصیل کے لئے نہ جائے اور اس کی عزت برقرار رہے۔ بہت ہی اچھا
تھا سمنون اور اس زمانے کے مشائخ جن کے عہد میں اس صفت کا ایک ہی آدمی
تھا مگر اس زمانہ میں ہر اہل حقیقت کے لئے ایک لاکھ غلام الخلیل کی صفت والے موجود
ہیں۔ مگر کچھ خوف نہیں اس لئے کہ مردار گدھوں کی بہترین خوراک ہے۔ جب سمنون
کا رتبہ بغداد میں بلند ہوا۔ اور ہر ایک شخص آپ سے برکت حاصل کرنے لگا۔ تب غلام الخلیل
کا رنج زور دل پر ہوا۔ اور اس نے آپ کو تکلیف پہنچانے کی کئی وضعیں تراشیں۔ ایک
خوبصورت عورت کو سمنون کے پاس اس نے بھیجا جب سمنون کی نگاہ اس پری پیکر کے
چہرہ پر پڑی تو اس نے اپنے کو پیش کیا مگر آپ نے منظور نہ کیا۔ اور صاف انکار کر دیا وہ
جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی اس نے کہا کہ آپ سمنون کو فرمائیں کہ مجھے اپنے نکاح میں
لے لے جنیدؒ اس کی اس بات سے ناخوش ہوئے اور جھڑک کر نکال دیا عورت غلام الخلیل
کے پاس آئی اور تہمت لگانی شروع کی مثل ان عورتوں کی جن کی مراد کسی سے پوری نہ ہو تو
پھر رنج میں تہمت کا راستہ اختیار کر لیتی ہیں۔ الغرض اس نے سمنون پر زنا کی تہمت
لگائی اور غلام الخلیل نے دشمنی کے رنگ میں وہ تہمت سنی اور چغلی اور برا کہنا شروع کیا خلیفہ
کو اس نے غصہ دلایا یہاں تک کہ خلیفہ نے قتل کا حکم دے دیا جب جلاد کو قتل کرنے کیلئے
لائے، اور اس نے خلیفہ سے حکم لینے کی درخواست کی خلیفہ نے حکم دینا چاہا تو اس کی زبان
بند ہو گئی جب اس رات کو سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ تیرے ملک کا زوال سمنون

کی جان کے زوال میں ہے۔ دوسرے دن خلیفہ نے معذرت طلب کی۔ اور بڑی عزت کے ساتھ آپ کو واپس کیا اور محبت کی حقیقت میں آپ کا کلام عالی اور اشارات دقیق ہیں۔ اور اس کا نمونہ یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ حجاز سے آ رہے تھے۔ اہل فید نے وعظ کہنے کی درخواست کی آپ نے ان کی درخواست کو قبولیت کا درجہ دیا۔ اور وعظ کہنا شروع کیا مگر وہ لوگ توجہ سے نہیں سنتے تھے۔ آپ نے مسجد کی قندیلوں کی طرف منہ کر کے کہا کہ میں تمہیں کہتا ہوں اسی وقت مسجد کی تمام قندیلیں نیچے گر پڑیں اور چکنا چور ہو گئیں آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لَا يُعَبَّرُ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا بِمَا هُوَ أَدَقُّ مِنْهُ وَلَا شَيْءَ أَدَقُّ عَنِ الْمَحَبَّةِ فَبِمَ يُعَبَّرُ عَنْهَا یعنی کسی چیز سے تعبیر نہیں کی جاتی۔ مگر اس سے کہ وہ اس سے زیادہ رقیق ہوتی ہے اور محبت سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ رقیق نہیں تو اس کو کس چیز کیساتھ تعبیر کیا جائے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ عبارتِ محبت علیحدہ ہے اس لئے کہ عبارت معبر کی صفت ہوتی ہے، اور محبت محبوب کی صفت ہوتی ہے پس عبارت کیساتھ اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے شاہ شجاع جن کے زمانہ سے تغیر علیحدہ کیا گیا ہے ابوالفوارس شاہ شجاع کرمانی تھا ہوں کی اولاد سے ہیں، اپنے زمانہ میں بلند تھے ابو تراب نخشبی کی صحبت اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور بہت سے مشائخ کو پائے ہوئے تھے ابو عثمان حیری کے تذکرہ میں آپ کا کچھ تھوڑا حال بیان کیا گیا ہے، آپ کے تصوف میں مشہور رسالے ہیں آپ نے کتاب بنام مراۃ الحکماء لکھی ہے، آپ کا کلام بلند رتبہ ہے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لِأَهْلِ الْفَضْلِ فَضْلٌ مَا لَمْ يَرَوْهُ فَإِذَا رَأَوْهُ فَلَا فَضْلَ لَهُمْ وَلِأَهْلِ الْوِلَايَةِ وِلَايَةٌ مَا لَمْ يَرَوْهَا فَإِذَا رَأَوْهَا فَلَا وِلَايَةَ لَهُمْ یعنی جب تک اہل فضل اپنی فضیلت کو نہ دیکھیں اس وقت تک ان کے لئے بزرگی ہوتی ہے اور جب اپنی فضیلت کو دیکھ لیں تو ان کی بزرگی نہیں ہوتی۔ اور اہل ولایت کیلئے اس وقت تک ولایت ہے کہ جب تک وہ اپنی ولایت کو نہ دیکھیں اور جب دیکھ لیں ولایت ان کی بھی نہ رہے گی۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ فضل اور ولایت ہوگی وہاں سے رویت ساقط ہو جائے گی۔ اور جب رویت ساقط ہوتی تو معنی بھی ساقط ہوئے اسلئے

کہ فضیلت ایک صفت ہے اور رویت فضیلت نہیں اور ایسے ہی ولایت ایک صفت ہے اور رویت ولایت نہیں جب کوئی شخص کہے کہ میں فضیلت والا ہوں یا ولی ہوں تو وہ نہ فاضل ہے اور نہ ہی ولی اور آپ کی حکایتوں میں لکھا ہوا ہے کہ آپ چالیس سال تک نہ سوئے جب چالیس برس کے بعد سوئے تو اللہ عزوجل کو خواب میں دیکھا۔ تو عرض کی کہ اے میرے پروردگار میں تو آپ کو بیداری میں ڈھونڈ رہا تھا۔ مگر میں نے آپ کو خواب میں پایا حکم ہوا کہ اے شاہ آپ نے اس بیداری کی بدولت ہم کو خواب میں پایا اگر آپ بیدار نہ رہتے تو مجھے خواب میں نہ پاتے واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے دلوں کے سرور اور پوشیدہ بھیدوں کے نور عمر بن عثمان مکی ہیں۔ آپ سادات اہل طریقت سے ہوئے ہیں۔ اس علم کی حقیقتوں میں آپ کی تصنیفیں مشہور ہیں اور اپنی ارادتمندی کی نسبت حضرت جنیدؒ کی طرف کیا کرتے تھے بعد ازاں ابوسعیدؒ خراز کو آپ نے دیکھا تھا اور ساتجد ناجی کے مجلس صحبت اختیار کی تھی اور اصول یعنی علم حقیقت میں امام وقت ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں لَا یَقَعُ عَلٰی کَیْفِیَّۃِ الْوَجْدِ عِبَارَۃٌ لِاَنَّہٗ سِرُّ اللّٰہِ عِنْدَ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی دوستوں کی وجد کی کیفیت پر عبارت کا اطلاق نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مومنوں کے نزدیک ایک بھید ہے۔ اور جس چیز میں بندہ کی عبارت تصرف کر سکے وہ خدا کا بھید نہیں ہو سکتا اس لئے کہ بندہ کا تصرف اور تکلف بکلی خدا کے بھیدوں سے علیحدہ ہوتا ہے" کہتے ہیں کہ جس وقت عمر اصفہان میں آیا ایک جوان اسکی صحبت میں شامل ہوا۔ اور اسکا باپ اسکی صحبت سے اسکو منع کرتا تھا۔ یہانتک کہ وہ بیمار ہوا جب کچھ عرصہ اسے بیمار رہتے ہوئے گذرا تو ایک روز شیخ کچھ آدمیوں کی معیت میں اسکی عیادت کو گئے۔ اس جوان نے شیخ کو اشارہ قوال بلانے کا کیا تاکہ قوال چند بیت پڑھے عمر نے قوال کو بلایا اور اس نے یہ شعر پڑھے

مَالِیْ مَرِضْتُ فَلَمْ یَعُدْنِیْ عَائِدٌ ۔ مِنْکُمْ وَیَمْرَضُ عَبْدُکُمْ فَاَعُوْدُ۔

یعنی مجھے کیا ہے کہ جب میں بیمار ہوا تو کسی نے تم میں سے میری عیادت نہ کی اور جب کوئی تم سے بیمار ہوتا ہے تو میں عیادت کرتا ہوں۔ بیمار نے جب یہ سنا تو اٹھا اور بیٹھا! وہ اسکی بیماری کی شدت میں کمی واقع ہوئی اور اس نے کہا زِدْنِیْ یعنی اس پر بڑھاؤ۔ قوال نے دوسرا بیت پڑھا

وَاَشَدُّ مِنْ مَّرَضِیْ عَلَیَّ صَدُّ وُدُکُمْ ۔ وَصُدُوْدُحَبِیْبِکُمْ عَلَیَّ شَدِیْدٌ ۔
یعنی مجھ کو بیماری سے تمہاری رکاوٹ بہت سخت ہے اور بیمار پرسی سے تمہاری رکاوٹ کرنی مجھ پر اس سے بھی زیادہ سخت ہے، یہ سنتے ہی بیمار اٹھا۔ اور بیماری رخصت ہوئی۔ اور اس کے باپ نے اس کو عمر کی صحبت میں سپرد کیا اور وہ فکر جو اس کے دل میں تھا اس سے توبہ کی اور وہ جوان بزرگانِ طریقت میں سے ایک جوان ہوا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے دلوں کا مالک اور عیبوں کا مٹانے والا ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری وقت کے پیر تھے۔ تمام لوگوں کے نزدیک قابل تعریف تھے آپ کے معاملات اچھے اور ریاضتیں بہت ہیں۔ اور افعال کے عیوب اور اخلاص میں آپ کا کلام لطیف ہے، اور علماء ظاہر فرماتے ہیں۔ هُوَ جَمَعَ بَیْنَ الشَّرِیْعَۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ یعنی وہ شریعت اور حقیقت میں توفیق دینے والا ہے اور یہ کلام ان کی خطا پر محمول ہے، اسلئے کہ کسی نے فرق نہیں بیان کیا کہ شریعت ما سوا حقیقت کے کچھ اور چیز ہے اور حقیقت شریعت سے کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ اور ان کے مقولہ کی محض یہ وجہ ہے کہ اس پیر کا کلام نہایت سہل ہے طبیعتیں اس کو اچھی طرح سمجھ لیتی ہیں۔ اور خوب پالیتی ہیں اور جب اللہ تعالے نے شریعت اور حقیقت کو ایک بیان کیا ہے تو کسی دلیل کا ان میں فرق نکالنا محال ہوگا اور یہ ضروری بات ہے کہ جب فرق ظاہر کیا تو ایک کا رد کرنا اور دوسرے کا قبول کرنا ہوا۔ اور شریعت کا رد کرنا بے دینی ہے، اور حقیقت کا رد کرنا کفر اور شرک ہے اور وہ فرق جو کہ بیان کرتے ہیں معنی کی تفریق کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت کے ثابت کرنے کیلئے کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حَقِیْقَۃٌ وَّمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ شَرِیْعَۃٌ یعنی لا الٰہ الا اللہ حقیقت ہے اور محمد رسول اللہ شریعت ہے اگر کوئی شخص ایمان کی صحت کی حالت میں ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اور اس کی خواہش باطل صحت ہوتی ہے، ہر حالت میں حقیقت کی فرع شریعت ہوتی ہے جیسا کہ توحید کا اقرار معرفت کی حقیقت ہے۔ اور فرمان معنی کا قبول کرنا شریعت ہے، پس ان ظاہریوں کی طبیعت میں جو بات نہ آسکے اس کے منکر ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کے راستہ کے اصول سے کسی اصل کا انکار کرنا پر خطر ہوتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَی الْاِیْمَانِ ۔ اور آپ سے روایت کی گئی

ہے کہ آپ نے فرمایا مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَ لَا غَرَبَتْ عَلٰی وَجْہِ اَھْلِ الْاَرْضِ اِلَّا وَ ھُمْ جُھَّالٌ بِاللّٰہِ اِلَّا مَنْ یُّؤْثِرُ اللّٰہَ عَلٰی نَفْسِہٖ وَ رُوْحِہٖ وَ دُنْیَاہُ وَ اٰخِرَتِہٖ یعنی زمین کے رہنے والوں سے کسی پر آفتاب نہ تو طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا مگر وہ اللہ سے جاہل ہوتے ہیں مگر وہ شخص (جاہل نہیں) جو حقتعالیٰ کو اپنی جان و بدن اور دنیا اور آخرت پر برگزیدہ کرلیوے یعنی جو شخص اپنے نصیب کی آغوش میں اپنے ہاتھ رکھتا ہے تو وہ اس کے جاہل بخدا ہونے پر دلیل ہے اسلئے کہ اس کی معرفت ترکِ تدبیر کو چاہتی ہے، اور ترکِ تدبیر تسلیم ہوتا ہے اور تدبیر کا ثابت کرنا تقدیر سے بسبب جہالت کے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان میں سے اہل حرمین کے پسندیدہ اور تمام مشائخ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ابو محمد عبداللہ بن فضل بلخی بزرگ مشائخ سے ہیں اہل خراسان اور عراق کے پسندیدہ ہیں اور محمد بن خضرویہ کے مرید ہوئے ہیں۔ اور ابو عثمان حیری کو آپ سے بہت رغبت تھی۔ اور بوجہ عشق کے متعصب لوگوں نے آپ کو بلخ سے نکال دیا آپ سمرقند کو تشریف لیگئے اور اسی جگہ عمر گذاری۔ آپ نے فرمایا ہے۔ اَعْرَفُ النَّاسِ بِاللّٰہِ اَشَدُّھُمْ مُجَاھَدَۃً فِیْ اَوَامِرِہٖ وَ اَتْبَعُھُمْ لِسُنَّۃِ نَبِیِّہٖ۔ کہ سب سے زیادہ اللہ کا عارف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کے اوامر اور اسکے نبی کی سنت کے اتباع میں بہت ہی مجاہدہ کرے اور جو شخص خدا کیساتھ نزدیک ہوتا ہے وہ اس کے امر کا زیادہ دلدادہ ہوتا ہے اور جو شخص خدا سے بہت دور رہتا ہے وہ اسکے رسول کی متابعت کا منکر ہوتا ہے اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا عَجِبْتُ لِمَنْ یَّقْطَعُ الْبَوَادِیَ وَالْقِفَارَ وَالْمَفَاوِزَ حَتّٰی یَصِلَ اِلٰی بَیْتِہٖ وَ حَرَمِہٖ لِاَنَّ فِیْہِ اٰثَارُ اَنْبِیَآئِہٖ کَیْفَ لَا یَقْطَعُ بَادِیَۃَ نَفْسِہٖ وَ ھَوَاہُ حَتّٰی یَصِلَ اِلٰی قَلْبِہٖ لِاَنَّ فِیْہِ اٰثَارُ مَوْلَاہُ کہ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص سے کہ جو جنگلوں اور بیابانوں کو طے کرتا ہوا خدا کے گھر اور حرم تک پہنچتا ہے جس میں اس کے نبیوں کے نشان ہیں وہ کیوں نفس کے جنگلوں اور حرص کے دریاؤں کو عبور نہیں کرتا تاکہ اپنے دل تک پہنچ جائے کیونکہ اس میں اسکے خدا کے نشان ہیں،، یعنی دل جو خدا کی معرفت کا گھر ہے اور کعبہ سے بڑا ہے اسلئے کہ کعبہ کی خدمت کا قبلہ وہ ہے کہ جس کیطرف نظر بندہ کی ہمیشہ رہے اور دل وہ ہے کہ جس کیطرف ہمیشہ حق کی نظر ہو۔ اور جس جگہ میرے دوست کا دل اور اسکا حکم ہو میری مراد

اسی جگہ ہے اور جس جگہ میرے نبیوں کے آثار کے نشان ہوں میرے دستوں کا قبلہ اسی جگہ ہے
اور ان میں سے شیخ صاحب دل اور صفات بشریہ سے فانی محمد بن علی ترمذی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ علم کے فنون میں کامل اور امام ہیں۔ اور بڑے والے شیخ المشائخ ہوئے ہیں۔
ہر ایک کتاب کے بیان میں صاحب کرامات ہیں۔ جیساکہ ختم الولایت اور کتاب النہج اور نوادر
الاصول اور سوا ان کے اور کتابیں بھی بہت اچھی اور عظمت والی ہیں اور میرے دل کا ان سب
کتابوں نے شکار کیا ہوا ہے جیساکہ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ محمد ترمذی ایک
دُرِ یتیم ہے جس کی مثال زمانہ نہیں رکھتا۔ اور ظاہری علوم میں بھی آپ کی کتابیں ہیں۔ اور احادیث
میں آپ کی اسناد اعلیٰ پایہ کی ہے۔ اور تفسیر لکھنی آپ نے شروع کی مگر زندگی نے اسکے ختم کرنے پر
وفا نہ کی اور جسقدر آپ نے لکھی ہے اتنی اہل علم میں مشتہر ہے۔ اور فقہ آپ نے امام ابوحنیفہؒ
کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد سے حاصل کی تھی۔ اور آپ کو ترمذ میں حکیم ترمذی کے
نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس ولایت کے صوفی حکیموں نے آپکی اقتدا کی ہے، آپ کے
مناقب بہت ہیں۔ جن لوگوں نے خضر علیہ السلام کی صحبت اختیار کی ہوئی تھی ان میں سے
ایک آپ ہیں خضر علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے
واقعات پوچھا کرتے تھے آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ مَنْ جَهِلَ بِأَوْصَافِ الْعُبُوْدِيَّةِ
يَكُوْنُ اَجْهَلَ بِاَوْصَافِ الرَّبُوْبِيَّةِ وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْ طَرِيْقَ مَعْرِفَةِ النَّفْسِ لَمْ يَعْرِفْ طَرِيْقَ
مَعْرِفَةِ الرَّبِّ بِاَنَّ الظَّاهِرَ مُتَعَلِّقٌ بِالْبَاطِنِ وَالتَّعَلُّقُ بِالظَّاهِرِ بِلَا بَاطِنٍ مُحَالٌ وَدَعْوَى
الْبَاطِنِ بِلَا ظَاهِرٍ مُحَالٌ فَمَعْرِفَةُ اَوْصَافِ الرَّبُوْبِيَّةِ فِي تَصْحِيْحِ اَرْكَانِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَلَا
يَصِحُّ ذَالِكَ اِلَّا بِالْاَدَبِ یعنی جو شخص علم شریعت اور بندگی کر نیکے اوصاف سے جاہل ہوتا
ہے۔ اور جو شخص ظاہر میں نفس کی معرفت کی راہ نہیں جانتا وہ خدا تعالیٰ کی معرفت کو بھی بالکل
نہیں جانتا اور جو شخص بشریت کی صفتوں کی آفتوں کو نہیں پہنچاتا وہ خدا تعالیٰ کی صفتوں کے
لطیفوں کو بھی شناخت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ ظاہر باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور
تعلق ظاہر کیساتھ بغیر باطن کے محال ہے اور جو شخص بغیر باطن کے ظاہر کا دعویٰ کرتا ہے
تو یہ بھی محال ہوگا۔ پس ربوبیت کے اوصاف کی معرفت عبودیت کے ارکان کی صحت میں

مفید ہے، اور بغیر اس کے درست نہیں ہوتی۔ اور یہ کلمہ علمِ حقیقت میں بہت مفید ہے، اپنی جگہ پر اس کا کامل بیان کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

اور ان میں سے اُمّت کے زاہدوں کے شرف اور اہلِ فقر اور صفوت کے تزکیہ کرنیوالے ابوبکر محمد بن عمر وراق رضی اللہ عنہ ہیں بزرگ مشائخ اور زاہدوں سے ہوئے ہیں۔ اور احمد خضرویہ کو دیکھے ہوئے تھے۔ اور محمد علی ترمذی کی صحبت کے فیض یافتہ تھے۔ آپ کی کتابیں معاملات اور آداب میں بہت ہیں اور مشائخ انہیں مؤدّب الاولیاء کہتے ہیں۔ آپ حکایت بیان فرماتے ہیں، کہ مجھے ایک دفعہ محمد بن علی ترمذی نے کئی من چیزیں لکھی ہوئی کاغذوں کی دیں اور فرمایا اسے دریائے جیحوں میں پھینک آؤ۔ میرے دل نے مجھے اجازت نہ دی کہ میں انہیں دریائے جیحوں میں پھینکوں میں نے وہ کتابیں گھر میں رکھ دیں۔ اور واپس آکر عرض کر دیا کہ پھینک آیا ہوں آپ نے فرمایا کہ تو نے کچھ دیکھا بھی ہے میں نے کہا کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے کتابیں نہیں پھینکی جاؤ پھینک کر آؤ۔ میں اپنے دل میں وسواس لیتا ہوا واپس ہوا اور ان کاغذوں کو میں نے دریا میں پھینک دیا پانی پھٹکر دو حصے ہو گیا اور اس میں سے ایک صندوق ظاہر ہوا۔ جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ جب وہ اجزاء اس میں جا پڑے۔ تو اس کا منہ بند ہو گیا اور پانی اوپر سے مل گیا اور صندوق گم ہو گیا۔ میں واپس آیا تو سارا ماجرا ذکر کیا آپ نے سُن کر فرمایا اب تو پھینک آیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ اے شیخ اس بات کا بھید مجھ پر ظاہر فرماؤ۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اصول اور تحقیق میں یہ کتابیں تصنیف کی تھیں جس کا سمجھنا عقل پر مشکل تھا میرے بھائی خضر علیہ السّلام نے مجھ سے مانگیں اور اس پانی کو اللہ عزّوجلّ نے حکم دیا تھا تاکہ اس کتاب کو اس تک پہنچا دے ابوبکرؓ وراق سے آتا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَلنَّاسُ ثَلٰثَةٌ اَلْعُلَمَاءُ وَالْاُمَرَآءُ وَالْفُقَرَآءُ فَاِذَا فَسَدَ الْعُلَمَآءُ فَسَدَ الطَّاعَةُ وَالشَّرِیْعَةُ وَاِذَا فَسَدَ الْاُمَرَآءُ فَسَدَ الْمَعَاشُ وَاِذَا فَسَدَ الْفُقَرَآءُ فَسَدَ الْاَخْلَاقُ۔ کہ آدمی تین گروہ پر منقسم ہیں ایک علماء اور دوسرے اُمراء اور تیسرے فقراء جب اُمراء تباہ ہوتے ہیں تو مخلوق کی معیشت کا سامان تباہ ہو جاتا ہے۔ اور جب علماء تباہ ہوتے ہیں تب شریعت اور اطاعت کا معاملہ مخلوق پر تباہ ہو جاتا ہے۔ اور جب

فقراء بگڑتے ہیں تو مخلوقِ خدا کے اخلاق فاسد ہو جاتے ہیں پس تباہی امراء اور سلاطین کی ظلم کے ساتھ ہوگی۔ اور علماء کو طمع و حرص برباد کر دیتی ہیں۔ اور فقراء کو عزت و ریاست کی طلب تباہ کر دیتی ہے" اور جبتک بادشاہ علماء سے منہ نہ موڑے علماء تباہ نہیں ہوسکتے اور جبتک علماء بادشاہی صحبت اختیار نہ کریں تباہ نہ ہونگے۔ اور فقراء کو جب تک ریاست طلبی کی خواہش دامنگیر نہ ہو تب تک تباہ نہیں ہو سکتے۔ ان کی وجوہ حسب ذیل ہیں (۱) بادشاہ کا ظلم پیشہ ہونا بسبب بےعلمی کے ہوتا ہے (۲) اور علماء کی طمع بددیانتی سے بڑھ جاتی ہے (۳) اور فقراء میں ریاست کی طمع خدا کی ذات پر بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، پس بادشاہ بےعلم اور عالم بے پرہیز اور فقیر بے توکل قریب قریب شیطان کے ہوتے ہیں۔ اور تمام مخلوقات کا بگڑنا ان تینوں کے بگڑنے پر موقوف ہے"۔

اور ان میں سے توکل اور رضا کی کشتی اور فنا کی طریق کے طے کرنے والے ابو سعید

احمد بن خراز ہیں جو کہ مریدوں کے حالات کی زبان اور طالبوں کے اوقات کی دلیل تھے اور سب سے پہلے جس شخص نے فنا اور بقا کے راستہ کی اصلاح بیان فرمائی وہ یہی ہیں، آپکے مناقب مشہور اور ریاضتیں عمدہ اور نکتے ذکر کئے گئے اور تصنیفیں چمکنے والی اور کلام اور رموزیں بلند ہیں آپنے ذوالنون مصری کو پایا تھا اور نیز بشر اور سری سقطی رحمہما اللہ کی صحبت سے فیض اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں آتا ہے جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْهَا قَالَ وَعَجَبًا لِمَنْ لَمْ یَرَ مُحْسِنًا غَیْرَ اللّٰہِ کَیْفَ لَا یَمِیْلُ بِکُلِّیَّتِهٖ اِلَی اللّٰہِ یعنی دلوں کو اس شخص کی دوستی پر پیدا کیا ہے جو اس کے ساتھ نیکی کرتا ہے یعنی جو شخص کسی کیلئے نیکی کرتا ہے ضرور وہ شخص دل سے اس نیکی کرنے والے کو دوست رکھتا ہے ابو سعیدؒ نے فرمایا تعجب ہے اس شخص پر جو تمام جہان میں خدائے پاک کے سوا تو کسی کو بھی محسن نہیں جانتا تو پھر کیوں اسکا دل سب کا سب اسکی طرف نہیں جھکتا۔ اسلئے کہ احسان حقیقت میں وہی ہوتا ہے جو کہ ملک الاعیان کرے اسلئے کہ احسان نیکی کرنا ہوتا ہے اسکے حق میں جو نیکی کا محتاج ہو اور وہ شخص جو غیر سے احسان پاتا ہے وہ کسی دوسرے کیساتھ کسطرح احسان اور نیکی کر سکتا ہے پس ملک اور ملک اللہ عزوجل کا ہے، اور وہ غیر سے بے نیاز ہے جب

خدا کے دوستوں نے بیہ معنی معلوم کر لئے تو انہوں نے انعام اور احسان کے ضمن میں منعم اور محسن کو دیکھا۔ اور ان کے دل پورے پورے اسکی محبت میں گرفتار ہوئے۔ اور اس کے غیر سے انہوں نے اعراض کیا۔

اور ان میں سے محققوں کے بادشاہ اور مریدوں کی دلیل ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ علی بن سہل مشائخ سے ہوئے ہیں اور حضرت جنید کی آپ سے خط وکتابت بہت عمدہ ہے۔ اور عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ آپ کی زیارت کیلئے اصفہان آئے۔ اور نیز آپ ابوتراب کے مصاحب تھے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق تھے۔ آپ عمدہ طریقہ کیساتھ مخصوص تھے اور رضا اور ریاضت کیساتھ آراستہ اور فتنہ اور بلا سے محفوظ اور حقیقتوں میں خوش زبان اور معاملت میں خوش بیان۔ اور وقائق اور اشارات میں عمدہ بیان۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَلْحُضُوْرُ اَفْضَلُ مِنَ الْیَقِیْنِ لِاَنَّ الْحُضُوْرَ وَطَنَاتٌ وَالْیَقِیْنَ خَطَرَاتٌ یعنی خدا کی حضوری خدا کے یقین سے زیادہ فضیلت والی ہے اسلئے کہ حضوری کا قیام دل ہے، اور غفلت دل میں جائز نہیں اور یقین ایک آنے جانے والی چیز ہے کبھی آتا ہے اور کبھی نہیں آتا پس حضوری والے حضور میں ہوتے ہیں اور یقین رکھنے والے درگاہ پر۔ اور غیبت اور حضور میں ایک باب علیحدہ اس کتاب میں درج کروں گا اگر خدا کو منظور ہوا اور آپ نے یہ بھی فرمایا۔ مِنْ وَقْتِ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ النَّاسُ یَقُوْلُوْنَ اَلْقَلْبُ اَلْقَلْبُ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَرٰی رَجُلًا یَصِفُ اِلَیَّ اَیْشٍ الْقَلْبُ اَوْکَیْفَ الْقَلْبُ فَلَا اَرٰی کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے تا بقیامت لوگ کہتے رہیں گے میرا دل میرا دل! میں ایک ایسے آدمی کا دیکھنا محبوب رکھتا ہوں جو میرے سامنے بیان کرے اور کہے کہ دل کیا ہے اور کسطرح ہے، اور میں کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھتا اور عوام الناس گوشت کے ٹکڑے کو دل کہتے ہیں۔ اور وہ تو دیوانوں اور بچوں اور مغلوبوں کیواسطے بھی ہوتا ہے مگر وہ بھی بیدل ہوتے ہیں۔ پس دل کیا ہوا پس بجز اس کی عبارت کے اس کے معنی کا مفہوم ہماری سمجھ میں نہیں آتا اگر عقل کو دل کہوں تو وہ دل نہیں اور اگر روح کو دل کہوں تو وہ بھی دل نہیں اور اگر اس کے علم کو دل کہوں تو وہ بھی دل نہیں یعنی حق کے تمام شواہد کا تعلق دل سے ہے اور بجز اس کے

دل کا لفظ ہے اور کچھ نہیں ہے ۔ یعنی دل ایک ایسا لفظ ہے جس کا مفہوم غیر معلوم ہے ۔

اور ان میں سے اہل تسلیم کے پیر اور محبت کے طریق میں مستقیم ابوالحسن محمد بن اسمٰعیل خیر نساج رحمہا اللہ ہیں ۔ آپ نے بہت عمر پائی ہے، اور شبلی اور ابراہیم خواص رحمہم اللہ نے آپکی مجلس میں توبہ کی تھی ۔ آپ بزرگانِ مشائخ سے ہوئے ہیں اور آپ اپنے وقت میں معاملات میں وعظ اچھا فرماتے تھے ۔ اور آپکی عبارات مہذب تھیں ، اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کی حرمت کی حفاظت کیلئے آپنے شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو جنیدؒ کیطرف بھیجا ۔ آپ سری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوتے ہیں ۔ اور جنید اور ابوالحسن رحمہما اللہ کے ہمعصر تھے ۔ اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ واجب الاحترام تھے اور ابوحمزہ بغدادی نے آپ کی دعوت کو کراہتہً قبول کیا اور روایت ہے کہ آپ کو خیر النساج اسلئے کہتے تھے کہ جب آپ اپنی ولادت کی جگہ سے سامرہ تشریف لیگئے تو آپکا بارادہ حج کوفہ سے گذر ہوا تو کوفہ کے دروازہ پہ آپکو ایک ریشم باف نے پکڑ لیا اور کہا کہ تو میرا غلام ہے اور تیرا نام خیر ہے آپنے یہ معاملہ خدا کیطرف سے دیکھا اور اسکے بیان کیخلاف زبان نہ ہلائی کئی برس تک اسکا کام کرتے رہے جب وہ آپ کو کہتا اے خیر تو آپ فرماتے لبیک یعنی میں حاضر ہوں ۔ یہانتک کہ وہ مرد اپنے کئے سے پشیمان ہوا اس نے کہا میں نے غلطی کی تھی آپ تشریف لے جائیے آپ میرے غلام نہیں ۔ آپ وہاں سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور آپ اس درجہ پر پہنچے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خَیْرٌ خَیْرُنَا یعنی خیر ہم سے بہتر ہیں ۔ اور جو شخص آپ کو خیر کہتا تھا آپ اسے بہت محبوب رکھتے ۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس کو جائز نہیں رکھتا کہ ایک مرد مسلمان میرا نام رکھے اور میں اس کو بدل دوں ۔ اور روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا ۔ شام کی نماز کا وقت تھا جب آپ موت کی بیہوشی میں مبتلا ہوتے تو آپ نے آنکھیں کھولیں ۔ اور ملک الموت فرشتہ کیطرف دیکھا ۔ اور فرمایا قِف عافاک اللہ فَاِنَّمَا اَنْتَ عَبْدٌ مَامُوْرٌ اَنَا عَبْدٌ مَامُوْرٌ وَمَا اُمِرْتَ بِہٖ لَایَفُوْتُکَ وَمَا اُمِرْتُ بِہٖ فَھُوَ شَیْءٌ یَفُوْتُنِیْ فَدَعْنِیْ اَمْضِیْ فِیْمَا اُمِرْتُ بِہٖ ثُمَّ اَمْضِ بِمَا اُمِرْتَ بِہٖ یعنی ٹھہرا رہ اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے کہ تو بندہ فرمانبردار ہے اور میں

بھی بندہ فرمانبردار ہوں جو تجھے فرمان ملا ہے وہ تجھ سے فوت نہیں ہوتا یعنی جان لینے کا اور وہ جو مجھے فرمان دیا ہے وہ مجھ سے فوت ہو رہا ہے یعنی شام کی نماز مجھے پڑھنے دے تاکہ میں خدائی حکم بجالاؤں پھر میں تجھ کو اجازت دوں گا کہ اپنا حکم بجالا ۔ پھر آپ نے پانی منگوایا اور وضو کر کے نماز پڑھی اور جان کو بحوالہ خدا کیا یعنی فوت ہو گئے اور اسی رات آپ سے خواب میں آپ کے مریدوں نے پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا ہے آپ نے فرمایا لَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ ھٰذَا وَلٰکِنِ اسْتَرَحْتُ مِنْ دُنْیَاکُمْ یعنی مجھ سے یہ بات مت پوچھو لیکن تمہاری دنیا سے میں نے خلاصی پالی ہے ، اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنی مجلس میں فرمایا شَرَحَ اللّٰہُ صُدُوْرَ الْمُتَّقِیْنَ بِنُوْرِ الْیَقِیْنِ وَکَشَفَ بَصَائِرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِنُوْرِ حَقَائِقِ الْاِیْمَانِ ۔ یعنی متقی کو بجز یقین کوئی چارہ نہیں اسلئے کہ عقل کی آنکھیں نورِ ایمان کے ساتھ منوّر ہیں ۔ پس جس جگہ ایمان ہوتا ہے وہاں یقین بھی ہوتا ہے اور جہاں یقین ہوتا ہے وہاں تقویٰ ہوتا ہے اسلئے کہ یہ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اس طرح کہ ایک دوسرے کے تابع ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

اور ان میں سے داعیٔ عصر اور وحیدِ دہر ابو حمزہ خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خراسان کے قدیم مشائخوں سے ہوتے ہیں ۔ اور ابو تراب کی آپ صحبت پائے ہوئے تھے اور حضرت خراز رحمۃ اللہ علیہ کی بھی آپ نے زیارت فرمائی ..... تھی اور توکل میں اعلیٰ پایہ کے تھے ۔ اور حکایت میں مشہور ہے کہ آپ ایک روز چلتے چلتے ایک کنوئیں میں گر پڑے تین روز کے بعد خراز کے سیاحوں کا ایک گروہ بھی وہاں اترا میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ان کو آواز دوں کہ مجھے باہر نکالو مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ غیر سے مدد مانگنی اچھی نہیں اور یہ شکایت ہوگی کہ اگر میں انہیں کہوں کہ میرے خدا نے مجھے کنوئیں میں ڈال دیا ہے اب تم لوگ مجھے نکالو ۔ اتنے میں وہ لوگ خود بخود آنکلے انہوں نے دیکھا کہ راستہ میں کنواں ہے جس پر آنے والے اور اس کے درمیان نہ تو کوئی روک ہے اور نہ ہی کوئی پردہ شاید کوئی جاننے والا یا نہ جاننے والا اس میں گر پڑے ، آؤ تاکہ ہم ثواب کی رو سے اس کنوئیں کو اوپر سے ڈھانک دیں تاکہ کوئی شخص اس میں گر پڑے ۔ اور یہ بات ان کی سنتے ہی میرا جی گھبراہٹ میں آیا ۔ اور اپنی جان سے ناامید ہوا ۔

جب ان لوگوں نے کنوئیں پر چھت ڈال دی اور واپس ہوئے میں نے حق جل وعلا کی مناجات شروع کر دی اور دل مرنے پر رکھا۔ اور تمام مخلوق سے میں ناامید ہوا جب رات کا وقفہ ہوا تو کنوئیں کی چھت جنبش میں آئی میں نے اچھی طرح دیکھا کہ دیکھوں چھت کو کون حرکت دے رہا ہے اور کس نے چھت کو کھولا ہے۔ ایک بہت بڑے جانور کو میں نے دیکھا جس کی ہیئت اژدہا کے مشابہ تھی کہ وہ نیچے اتر رہا ہے میں نے اسی وقت معلوم کر لیا کہ میری نجات اسکی بدولت ہو گی اور اسے خدا نے بھیجا ہے۔ میں نے اسکی دم کو مضبوط پکڑ لیا اور اس نے مجھے کھینچ کر باہر نکال دیا غیب سے آواز آئی۔ کہ اے ابوحمزہ تیری نجات بہت اچھی ہے کہ ایک مارنے والی چیز کو تیری خلاصی کا سبب بنایا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ غریب کون ہے آپ نے فرمایا۔ اَلْمُسْتَوْحِشُ مِنَ الْاِلْفِ کہ غریب وہ شخص ہے کہ جس کو محبت نے وحشی بنا دیا ہو یعنی جس کی تمام محبتیں وحشت ہو جاویں وہ غریب ہوتا ہے اسلئے کہ درویش کا دنیا اور عقبیٰ میں گھر نہیں۔ اور الفت بغیر وطن کے وحشت ہوتی ہے، اور جب درویش کی محبت جہان سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ تو وہ سب سے وحشت طلب ہو جاتا ہے اور یہ درجہ بہت ہی بلند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے اللہ عزوجل کے حکم سے مریدوں کو دعوت دینے والے ابوالعباس احمد بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خراسان کے جلیل القدر بزرگوں سے ہوئے ہیں۔ اور تمام اولیاء کا اتفاق ہے کہ آپ زمین کے اوتادوں میں سے ایک اوتاد ہیں۔ اور آپ کو قطب مدار علیہ سے صحبت تھی۔ آپ سے مریدوں نے پوچھا کہ قطب کون ہے آپ نے جواب نہ دیا مگر آپ نے اشارتاً حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو قطب فرمایا۔ اور آپ نے چالیس دبدبہ والے آدمیوں کی خدمت کی ہوئی تھی۔ اور اُن سے فائدہ اخذ کیا ہوا تھا۔ اور آپ تمام ظاہری اور باطنی علوم میں کمال رکھتے تھے، آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مَنْ کَانَ سُرُوْرُہٗ بِغَیْرِ الْحَقِّ فَسُرُوْرُہٗ یُوْرِثُ الْهُمُوْمَ وَمَنْ لَّمْ یَکُنْ اُنْسُهٗ فِیْ خِدْمَةِ رَبِّهٖ فَاُنْسُهٗ یُوْرِثُ الْوَحْشَةَ یعنی جو شخص ماسوا حق تعالیٰ کے خوش رہتا ہے سو اس کی خوشی غم ہے اور جس شخص کو خداوند تعالیٰ کی خدمت کے ساتھ محبت نہیں۔ اس کا انس سببِ وحشت ہوتا ہے۔ یعنی جو کچھ خدا کی ذات کے سوا ہے وہ فنا ہے اور جو کوئی فنا کے ساتھ خوش ہوتا ہے

تو فنا فنا ہو جائے گا اور یہ اختیار کرنے والا غمگین ہو گا۔ اور حق جل وعلا کی خدمت کے سوا سب خاک ہے، اور جب مخلوقات کا حقیر ہونا ظاہر ہوتا ہے تو اس کی تمام محبت و الفت وحشت ہو جاتی ہے پس غم اور وحشت تمام جہان کی غیر کے دیکھنے میں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے متوکلوں کے استاد اور محققوں کے شیخ ابو عبداللہ بن احمد اسماعیل مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں متقدمین بزرگان وقت سے ہوتے ہیں۔ اپنے زمانہ میں استادوں کے مقبول اور مریدوں کی حفاظت کرنے والے تھے، اور ابراہیم خواص اور ابراہیم شیبانی رحمہم اللہ آپ کے مرید تھے۔ آپ کا کلام عالی اور دلائل واضح ہیں۔ اور دنیا کی یکسوئی میں کامل مرد تھے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ مَارَأَيْتُ اَنْصَفَ مِنَ الدُّنْيَا اِنْ خَدَمْتَهَا خَدَمَتْكَ وَاِنْ تَرَكْتَهَا تَرَكَتْكَ یعنی دنیا سے بڑھکر کوئی زیادہ منصف نہیں اگر تو اسکی خدمت کرے۔ تو وہ تیری خدمت کرے گی۔ اور اگر تو اس کو چھوڑ دے تو وہ تجھے چھوڑ دے گی یعنی جبتک تو اس کا طالب رہے گا وہ تیری طالب رہیگی اور جب تو اس سے منہ موڑے گا اور خداوند کریم کا طالب ہوگا۔ تو دنیا تجھ سے بھاگے گی اور اس کا فکر تیرے دل پر نہ آئیگا پس جو شخص صدق دل سے دنیا سے منہ موڑتا ہے اس کے شر سے بھی بیخوف رہتا ہے اور نیز اس کی آفت سے خلاصی پائے ہوئے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وباللہ التوفیق۔

اور ان میں سے زمانہ کے پیر اور اپنے زمانہ کے وحید ابو علی بن حسن بن علی جورجانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وقت میں بینظیر تھے۔ آپ کی تصانیف رویت آفات اور معاملات کے علم میں درخشندہ ہیں۔ آپ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور آپ کے ہمعصروں سے ابو بکر وراق اور ابراہیم سمرقندی رحمہما اللہ آپ کے مرید ہوئے ہیں آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ فِي مَيَادِيْنِ الْغَفْلَةِ يَرْكُضُوْنَ وَعَلَى الظُّنُوْنِ يَعْتَمِدُوْنَ وَعِنْدَهُمْ اِنَّهُمْ فِي الْحَقِيْقَةِ يَنْقَلِبُوْنَ وَعَنِ الْمُكَاشَفَةِ يَنْطِقُوْنَ۔ یعنی تمام مخلوق کی قرارگاہ غفلت کے میدان میں ہے اور ان کا اعتماد ظن اور آفت پر ہے اور ان کے نزدیک ایسا ہے کہ ان کا کام حقیقت پر ہے اور ان کی گفتگو اسرار کی کھولنے والی ہے، اور اس پیر کا اشارہ

نفس کی رعونت اور طبیعت کی فکر کی طرف ہے اس لئے کہ آدمی جاہل اپنی جہالت کا معتقد ہوگا اگرچہ جاہل ہی ہو۔ اور رہا سکر صوفی جاہل کا اس سے بھی خراب حال ہے۔ جیسا کہ صوفیوں کے عالم مخلوق میں جناب باری کی طرف سے زیادہ عزت پاتے ہوئے ہیں۔ ویسے ہی ان کے جاہل خدا کی طرف سے مخلوق میں خوار و ذلیل ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ عالم لوگ حقیقت پر ہوتے ہیں گمان پر نہیں ہوتے اور صوفیوں کے جاہل گمان پر ہوتے ہیں حقیقت پر نہیں ہوتے میدانِ غفلت کی چراگاہ میں چرتے پھرتے ہیں۔ اور معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ میدان ولایت ہے اور گمان پر بھروسہ کر لیتے ہیں اور معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ یقین ہے، اور رسم کے طریق پر چلتے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے۔ اور نفسانی خواہش سے باتیں کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہم مکاشفہ سے کہ رہے ہیں اس لئے کہ گمان آدمی کے سر سے نہیں نکل سکتا۔ مگر خدا کا جلال دیکھنے سے یا اس کا جمال دیکھنے سے۔ اس لئے کہ جب اس کا جمال ظہور پکڑتا ہے تو سب اسی کو دیکھتے ہیں۔ ان کا گمان فنا ہو جاتا ہے۔ اور جلال کے مکاشفہ میں اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتے اور نہ ہی ان کا گمان سر باہر لاتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے علوم کا باسط اور رسوم کا واضع ابو محمد بن حسین حریری رضی اللہ عنہ ہیں جس کے بھید کا مصاحب جنید رحمۃ اللہ علیہ ہوا ہے اور سہل بن عبداللہ کی بھی صحبت پائے ہوئے تھا۔ اور تمام قسموں کے علوم پر اطلاع پائے ہوئے تھا اور فقہ میں اپنے وقت کا امام تھا۔ اور علم اصول میں اعلیٰ مہارت رکھتا تھا۔ اور تصوف کے طریق میں اس رتبہ پر تھا کہ جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آپ مریدوں کو ادب سکھاؤ اور ریاضت کا حکم دو۔ اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کا ولیعہد اور جانشین ہوا تھا۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ دَوَامُ الْاِیْمَانِ وَقِوَامُ الْاَدْیَانِ .... وَصَلَاحُ الْاَبْدَانِ فِیْ ثَلٰثَۃِ خِصَالٍ اَلْاِکْتِفَاءُ وَالْاِتِّقَاءُ وَالْاِحْتِمَاءُ فَمَنِ اکْتَفٰی بِاللّٰہِ صَلُحَتْ سَرِیْرَتُہٗ وَمَنِ اتَّقٰی مَانَہَی اللّٰہُ عَنْہُ اِسْتَقَامَتْ سِیْرَتُہٗ وَمَنِ احْتَمٰی مَالَمْ یُوَافِقْہُ ارْتَاضَتْ طَبِیْعَتُہٗ فَثَمْرَۃُ الْاِکْتِفَاءِ صَفْوُ الْمَعْرِفَۃِ وَعَاقِبَۃُ الْاِتِّقَاءِ

حُسْنُ الْخَلِیْقَۃِ وَغَایَۃُ الْاِحْتِمَاءِ اِعْتِدَالُ الطَّبِیْعَۃِ یعنی ایمان کا دوام اور دین کا قیام اور بدن کی اصلاح تین چیزوں میں ہے ایک کفایت کرنا اور دوسرا پرہیز اختیار کرنا اور تیسرا غذا نگاہ رکھنی ہے پس جو شخص خدا پر اکتفا کرے اس کی خصلت و عادت اچھی ہو جائیگی اور جو شخص اس کی منہی باتوں سے رُکے اس کی خصلت بھی اچھی ہو جائیگی اور جو شخص اپنی غذا کی حفاظت کرے گا اس کا نفس ریاضت قبول کرے گا۔ پس اکتفاء کا ثمرہ معرفت کی صفائی ہوتی ہے اور تقویٰ کا انجام حسن خُلق ہے اور غذا میں احتیاط کرنے کا نتیجہ تندرستی اور طبیعت کا اعتدال ہوتا ہے یعنی جو شخص خدا کو کافی سمجھے اس کی معرفت مصفا ہوتی ہے، اور جو شخص تقویٰ کے معاملہ میں چنگل مارتا ہے اس کا خُلق دنیا و آخرت میں عمدہ ہوتا ہے، جیسا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ کَثُرَ صَلٰوتُہٗ بِاللَّیْلِ حَسُنَ وَجْھُہٗ بِالنَّھَارِ یعنی جو شخص رات کو بہت نماز پڑھتا ہے اسکا چہرہ دن میں بہت چمکتا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں متقی اس شان سے آئیں گے وُجُوْھُھُمْ نُوْرٌ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ کہ ان کے چہرے نور کے تختوں پر منوّر ہوں گے اور جو شخص کھانے میں احتیاط کا طریق اختیار کریگا اس کا بدن بیماری سے اور اس کا نفس شہوت سے حفاظت کیا گیا ہوگا اور یہ کلام جامع اور عمدہ اور قابل سماعت ہے۔

اور ان میں سے طریقوں کے شیخ اور اہل تصوّف کے پیشوا ابو العبّاس احمدؒ بن محمد بن سہل آملی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزرگانِ مشائخ سے ہوئے ہیں جو بہت بڑے قدر بے والے تھے اور ہمیشہ اپنے ہمعصروں کی خدمت میں عزّت کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں۔ علم تفسیر اور قرأت اور لُغت کے عالم تھے اور قرآن کریم کے لطائف بیان کرنا آپ ہی کا حصّہ تھا اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے سب مریدوں سے بڑے درجے والے مُرید۔۔۔۔۔۔ اور ابراہیم مارستانی کی صحبت کے تربیت یافتہ تھے۔ اور ابو سعید خرازؒ آپ کی بڑی عزّت کیا کرتے تھے اور آپ کے سِوا تصوّف میں اور کسی کو نہ تسلیم کرتے تھے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَلسُّکُوْنُ اِلٰی مَاْلُوْفَاتِ الطَّبَائِعِ یَقْطَعُ صَاحِبَھَا عَنْ بُلُوْغِ دَرَجَاتِ الْحَقَائِقِ۔ یعنی آرام حاصل کرنا ان چیزوں کیساتھ جن سے طبیعتوں کو اُلفت ہوتی ہے، مرد کو حقیقتوں

کے درجوں سے گرا دیتا ہے۔ یعنی جو شخص اپنی طبیعت کی پسندیدہ اور محبوب چیزوں کو باعثِ آرام سمجھتا ہے وہ حقیقت سے جدا ہوجاتا ہے اس لئے کہ طبیعتیں نفس کے اوزار اور ہتھیار ہیں اور جیسے نفس محلِ حجاب ہے ویسے ہی حقیقت کشف کا محل ہے اور کبھی محجوب اور سکونت پذیر مرتبہ مثلِ مکاشف کے نہیں ہوسکتا پس حقیقتوں کا ادراک کشف کا محل ہے اور طبیعتوں کی مرغوب چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہے اسلئے کہ طبیعتوں کی رغبت دو چیزوں کے ساتھ ہوگی ایک دنیا اور اس کے ساز و سامان سے اور دوسرے عقبیٰ اور اس کے احوال سے اور وہ شخص جس کی طبیعت دنیا کی طرف مائل ہے،... وہ اپنی ہم جنس کی طرف مائل اور راغب ہے اور جو عقبیٰ کی رغبت رکھتا ہے تو وہ صرف گمان کے حکم کی پیروی کرتا ہے، پس اس کی الفت عقبیٰ کی شناخت اور گمان کی ہے نہ کہ عین عقبیٰ کی اسلئے کہ اگر درحقیقت اس کی پہچان ہوتی تو ضرور اس دنیا سے اپنا تعلق علیحدہ رکھتا۔ اور جب کوئی اس سرائے دنیا سے علیحدہ ہوجائے گا۔ تب وہ باتصور طبیعت کی ولایت کو طے کرنے والا ہوگا۔ اس کے بعد پھر اس پر حقیقتوں کا مکاشفہ ہوگا۔ اس لئے کہ عقبیٰ کی سرا سے اسی وقت خوشی ہوتی ہے جب طبیعت کے فنا سے اس کو حاصل کیا جاتے۔ اِلَّا اَنَّ فِیْھَا مَا لَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ اس لئے کہ تحقیق عقبیٰ میں وہ چیزیں ہیں کہ جن کا دل پر کبھی گذر نہیں ہوا اس لئے کہ عقبیٰ کا راستہ پُرخطر ہے اور جو چیز دل میں آجاتے وہ پُرخطر نہیں ہوسکتی۔ اور جب عقبیٰ کی حقیقت کی معرفت میں وہم عاجز ہوتا ہے تو پھر طبیعت کو اس کے عین کے ساتھ کس طرح الفت ہو پس یہ بات درست ہوئی کہ طبیعت کو عقبیٰ کی الفت صرف گمان پر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے معنی کا غریق اور دعویٰ میں ہلاک ہونیوالا ابو المغیث حسین بن منصور حلاج طریقت کے مشتاقوں اور مستوں سے ہوا ہے، اور حال قوی اور ہمت بلند رکھتا تھا اور مشائخ اس کے قصہ کی شان میں اختلاف رکھتے ہیں بعضوں کے نزدیک مردود ہے اور بعضوں کے نزدیک مقبول اور جس گروہ نے اس کو رد کیا ہے ان میں سے عمرو بن عثمان مکّی اور ابو یعقوب نہرجوری اور ابو یعقوب اقطع اور علی بن اصفہانی وغیرہم ہیں۔ اور پھر ایک گروہ اس کو مقبول جانتا ہے وہ یہ ہیں جیسے ابن عطا اور محمد بن خفیف اور ابوالقاسم

بصرآبادی رحمہم اللہ ہیں اور تمام متاخرین نے اس کو قبول کیا ہے اور ایک گروہ نے ان کے بارہ میں توقف کیا ہے جیسے جنیدؒ اور شبلیؒ اور حریریؒ اور حضریؒ ہیں اور ایک گروہ نے جادو اور اس کے اسباب کی طرف آپ کو منسوب کیا ہے لیکن ہمارے زمانہ میں ہمارے شیخ المشائخ شیخ ابو سعید ابو الخیر اور شیخ ابو القاسم گرگانی اور شیخ ابو العباس شقانی رحمہم اللہ اس کو راز میں رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ بزرگ تھا۔ مگر استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر منصور ارباب معانی و حقیقت سے تھا تو کوئی چیز خداوند کریم سے اس کو علیحدہ نہیں کر سکتی اور اگر طریقت کو چھوڑے ہوئے اور خدا کی درگاہ سے مردود تھا تو مخلوق میں سے کوئی اس کو بارگاہ ایزدی میں مقبول نہیں کر سکتا۔ اور ہم اسے بحوالہ خدا کرتے ہیں۔ اور جس قدر اس کی ولایت کے نشان ہمیں نظر آئے ہیں انہیں مد نظر رکھتے ہوئے ہم اس کو بزرگ سمجھتے ہیں۔ مگر ان تمام مشائخ سے تھوڑے اسکے منکر ہیں۔ اور بہت اس کی فضیلت کا کمال اور حال کی صفائی اور اجتہاد کی کثرت اور ریاضت کی بہتات کو دیکھ کر بزرگ سمجھتے ہیں اسی وجہ سے اسکا نام میں نے اس میں لکھا ہے۔ اگر اس کا نام اس کتاب میں درج نہ کرتا تو میری بددیانتی پائی جاتی اسلئے کہ ظاہری آدمیوں نے اسپر کفر کا فتویٰ لگایا ہے، اور اس کے منکر ہوئے ہیں اور اس کے احوال کو عذر اور حیلہ اور سحر کی طرف انہوں نے منسوب کیا اور گمان کرتے ہیں کہ منصور حلاج جو کہ بیدین گذرا ہے وہ بغداد کا رہنے والا اور محمد بن زکریا کا استاد ہوا ہے اور نیز ابو سعید قرمطی کا رفیق ہوا ہے اور یہ حسین کہ جس کے امر میں ہمیں اختلاف ہے یہ فارس کے بیضا نام گاؤں کا رہنے والا ہے۔ اور مشائخ کا اس کو رد کرنا اس کی بیدینی کیوجہ سے نہیں بلکہ اس کے حال کی وجہ سے ہے اس لئے کہ وہ ابتدا میں مرید سہل بن عبداللہ کا تھا ان کی بلا اجازت وہاں سے رخصت ہوا اور عمرو بن عثمان مکیؒ کی خدمت میں گیا۔ اور ان کا مرید ہوا ان کے پاس سے بھی بلا اجازت چلا گیا تو اس نے حضرت جنیدؒ سے اپنا تعلق پیدا کیا۔ حضرت جنیدؒ نے آپ کو قبول نہ کیا تو حضرت جنیدؒ کے قبول نہ کرنے کی بدولت سب نے اس کو چھوڑ دیا پس منصور معاملات میں چھوڑا گیا ہے نہ کہ اصل میں کیا تم نے شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نہیں سنا جو آپ نے فرمایا۔ اَنَا وَالْحَلَّاجُ فِیْ شَیْءٍ وَّاحِدٍ فَخَلَّصَنِیْ جُنُوْنِیْ وَاَهْلَكَهٗ عَقْلُهٗ

یعنی میں اور حلاج ایک ہی کشتی میں ہیں۔ سو مجھے تو میرے جنون نے خلاصی دلائی اور اسکو اسکی عقل نے ہلاک کیا۔ اگر وہ دین میں طعن کیا گیا ہوتا تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ یوں نہ فرماتے کہ میں اور حلاج ایک ہی چیز میں ہیں۔ اور محمد حنیف فرماتے ہیں کہ ھُوَ عَالِمٌ رَبَّانِیٌّ منصور حلاج عالم ربانی تھا۔ اور مانند اسکے اور بہت شہادتیں ہیں پس مشائخ کو ناخوش کرنا اور ان سے عاق ہونا اس طریقت میں اس کیلئے موجب وحشت بنا۔ اور اس کی تصنیفیں بہت ہیں اور اصول اور فروع میں اس کی رمزیں اور کلام بہت مہذب ہے اور میں جو علی بیٹا عثمان جلالی کا ہوں میں نے اسکی پچاس کے قریب تصنیفیں بغداد اور اسکے گرد و نواح میں دیکھیں اور بعضی تصنیفیں اسکی خوزستان اور فارس اور خراسان میں ہیں نے مطالعہ کیں سب کی سب میں ایسی باتیں پائی گئیں جیسا کہ ابتداء میں مرید کہتے ہیں کچھ تو قوی اور کچھ ضعیف اور کچھ بہت ہی آسان ہیں اور کچھ بہت ہی بُری اور جب کسی کو حق تعالیٰ کی طرف سے کچھ حصہ ملتا ہے تو قوتِ حال سے اس کو بیان کر دیتا ہے اللہ عزوجل کا فضل شامل حال ہوتا ہے تو اس کا کلام مغلق ہو جاتا ہے، اور خاصکر بیان کرنے والا جب اپنی عبارت کے بیان کرنے میں جلدی اور تعجب کرتا ہے تو اس وقت اس کے سُننے سے وہموں کی نفرت بڑھتی ہے۔ اور عقل اس کے ادراک سے عاجز ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت پڑھنے اور سُننے والوں سے بعض تو کہتے ہیں کہ کلام بلند رتبہ ہے اور بعض بسببِ جہالت۔۔۔ منکر ہو جاتے ہیں اور بعض اپنی جہالت کا اقرار کر لیتے ہیں۔ اور انکا انکار ان کے اقرار کی مثل ہوتا ہے، مگر جب محقق اور اہل بصیرت ان کلاموں اور سخنوں کو دیکھتے ہیں تو وہ لفظوں کا اتباع نہیں کرتے۔ اور نہ ہی از روئے تعجب کے ان کی طرف مشغول ہوتے ہیں۔ اور مدح اور مذمت سے یکسو ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے انکار اور اقرار سے خلاصی پا جاتے ہیں۔ پھر جن لوگوں نے اس جوانمرد کے حال کو ساتھ جادو کے منسوب کیا تو یہ بالکل محال ہے، اس لئے کہ سحر یعنی جادو اہلسنت والجماعت کے مذہب میں حق ہے۔ جیسا کہ کرامت حق ہے مگر جادو کا ظاہر کرنا حال کی حالت میں کامل کفر ہے، اور حال کی حالت میں کرامت کا ظاہر ہونا معرفت کا کمال ہے اس واسطے کہ ایک تو خداوند کریم کے غضب کا نتیجہ ہے، اور ایک اس کی رضا کا قرینہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس مضمون

کو کرامات کے باب میں خوب کھول کر لکھوں گا۔ اور تمام اہلسنت والجماعت اس امر پر متفق ہیں۔ کہ کوئی مسلمان نامراد جادوگر نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی کافر صاحب کرامت ہو سکتا ہے کیونکہ ضدین کبھی جمع نہیں ہوتیں۔ اور حسینؒ جب تک اسلامیت میں رہا بہت نمازیں پڑھنی اور اچھے ذکر کرنے اور خدا کی بہت ہی مناجاتیں کرنی اور ہمیشہ روزے رکھنے اور خدا کی بہت ہی حمد و ثنا کہنی اس کا طریقہ تھا اور توحید میں عمدہ نکات بیان کیا کرتا تھا۔ اگر اس کے افعال جادو ہوتے تو ان نیک کاموں کا اس سے صدور نہ ہوتا۔ بلکہ یہ سب کام اس پہ محال ہوتے۔ پس یہ بات صحیح ہوئی کہ کرامات تھیں اور کرامات کا صدور بجز ولی محقق کے نہیں ہو سکتا اور بعض اہلسنت والجماعت اور قدیم اہل حقیقت اس کو رد کرتے ہیں اور اس پر اس کے ان کلمات کی بدولت اعتراض کرتے ہیں کہ جن کے معنی یگانگت اور اتحاد کے ہیں۔ تو وہ عبارات ظاہر کے لحاظ سے بری ہیں نہ کہ معنی کے لحاظ سے اسلئے کہ مغلوب کو یہ طاقت نہیں ہوتی کہ غلبہ کی حالت میں اس کی عبارت صحیح ہو اور جائز ہو سکتا ہے کہ لفظوں کے معنی مشکل ہوں اور بیان کرنیوالے کے مقصود کو انہوں نے نہ سمجھا ہو اور جن کی سمجھ میں یہ عبارتیں نہ آئی ہوں وہ اس کے منکر ہو جائیں۔ تو ایسی صورت میں ان کا انکار انہی کی طرف لوٹے گا اس معنی کی طرف نہیں لوٹے گا۔ میں نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں بیدینوں کا ایک گروہ دیکھا ہے جو کہ منصور حلاج کی اقتداء کا دعوٰی کرتے ہیں۔ اس کے کلام کو اپنی بیدینی کی دلیل بنلاتے ہوتے ہیں۔ اور اپنا نام حلاجی انہوں نے مشہور کر رکھا ہے اور آپ کے بارہ میں بہت غلو کرتے ہیں جیسے کہ رافضیوں نے حضرت علیؓ کی دوستی میں غلو کیا ہے اور ان کی تردید میں ایک باب اگر خدا نے چاہا تو لاؤں گا اور ان کے فرقوں کا بھی اس میں ذکر کروں گا حاصل کلام یہ ہے چونکہ وہ مغلوب تھا اس لئے اس کے کلام کی پیروی نہ کرنی چاہیئے کلام میں پیروی اس کی کرنی چاہیئے کہ جو اپنے حال میں قائم اور ہوش والا ہو۔ خدا کے فضل و کرم سے حسین منصورؒ کی میرے دل میں بہت محبت ہے، مگر اس کا طریقہ کسی اصل پر قائم نہیں اور اس کا حال کسی محل پر قرار پذیر نہیں۔ اور اس کے احوال میں فتنہ و فساد بہت ہیں۔ اور مجھے اپنی ظہور کی ابتدا میں اس کی طرف سے بہت سی دلیلیں دستیاب ہوئی تھیں۔

اور اس سے پیشتر اس کی کلام کی شرح میں میں نے ایک کتاب بنائی ہے جس میں دلائل اور حجتیں اور کلام کی بلندی اور اس کے حال کی صحت ثابت کی گئی ہے اور میں نے اپنی تصنیف منہاج الدین میں اس کی ابتداء اور انتہا کا بیان کیا ہے۔ اور اس جگہ بھی تھوڑا سا ذکر کر دیا پس اس کے طریق کو جو لتنے اعتراضات کے بعد اس کی اصل ثابت ہوتی ہے کیونکر قابل پیروی نہ سمجھ لیا جائے اور اس کیساتھ کیوں تعلق نہ رکھا جائے۔ مگر نفسانی خواہش کی پیروی کرنے والے کو کبھی سچائی سے موافقت نہیں ہو سکتی۔ ہمیشہ ٹیڑھے راستہ کی جستجو میں رہتا ہے تاکہ اس میں پڑے اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلاَلْسِنَۃُ مُسْتَنْطِقَاتٌ تَحْتَ نُطْقِھَا مُسْتَھْلِکَاتٌ یعنی بولنے والی زبانیں اپنی خاموش دلوں کو ہلاک کرنیوالی ہیں۔ یعنی یہ عبارتیں سب کی سب آفتیں ہیں۔ اور درحقیقت ایسی عبادات کے معنی بیہودہ ہوتے ہیں جب معنی حاصل ہوتے تو عبارت گم نہ ہوتی۔ اور جب معنی گم ہو گئے تو عبارت بھی گم ہو گئی سوائے اس کے کہ وہ گمان کرتا ہے اور طالب کو ہلاک کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ عبارتوں کو معنی خیال کرتا ہے،، واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے متوکلوں کا پیشوا اہل تسلیم کا سردار ابو اسحاق ابراہیم بن احمد خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ توکل میں بہت بڑی شان رکھتے تھے۔ اور بہت سے مشائخ سے آپ نے ملاقات فرمائی۔ آپ کی کرامتیں بہت ہیں۔ اور اس طریقت کے معاملات میں آپ کی تصانیف عمدہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ کُلُّہٗ فِیْ کَلِمَتَیْنِ لَا تَتَکَلَّفْ فِیْ مَا کُفِیْتَ وَلَا تُضَیِّعْ مَا اسْتُکْفِیْتَ یعنی علم سب دو کلموں میں جمع کیا گیا ہے ایک تو یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے جس چیز کا اندیشہ تیرے دل سے نکال دیا ہو اس میں تو تکلف نہ کر۔ اور دوسرے یہ ہے کہ جس چیز کا کرنا تجھ پر لازمی اور فرض ہے اس کو ضائع نہ کر تاکہ دنیا اور آخرت میں تو توفیق دیا گیا ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی قسمت میں تکلف مت کرو۔ اس لئے کہ قسمت ازلی چیز ہے اس کی تبدیلی تمہارے تکلف سے نہ ہوگی۔ اور اس کے حکم کے بجالانے میں قصور نہ کرو۔ اس لئے کہ فرمان کے چھوڑنے سے عذاب نازل ہوتا ہے آپ سے مریدوں نے پوچھا کہ آپ نے دنیا کے عجائبات سے کون سی عجیب بات دیکھی، آپ نے فرمایا اس سے

زیادہ کوئی عجیب بات میں نے نہیں دیکھی۔ کہ خضر علیہ السلام نے میرے پاس آ کر میری بات میں
رہنے کی درخواست کی۔ مگر میں نے آپ کی درخواست کو قبول نہ کیا مریدوں نے کہا۔ اس
کی کیا وجہ ہے، آپ نے فرمایا کہ اس سے پیشتر میں نے اللہ عزوجل سے عرض کی تھی کہ یا
الٰہ العٰلمین مجھے بہتر رفیق عطا فرما۔ جب خضر علیہ السلام آئے اور انہوں نے میری صحبت کی
خواہش کی۔ تو میں نے حق جل وعلا سے خوف کھایا۔ کہ کہیں اس کی ذات کے سوا کسی غیر پہ
بھروسہ نہ ہو جائے۔ اور اس کی صحبت کہیں میرے توکل میں نقصان پیدا کرنے والی نہ ہو۔
فرض کو ترک کرتے ہوئے نفلوں کو شروع کرنے والا نہ ہو جاؤں اور یہ سبب بہت ہی کامل ہے"

اور ان میں سے تمکین کے خیمہ کا محرم اور اہل یقین کی بنیاد ابو حمزہ بغدادی بزاز رضی اللہ
تعالیٰ عنہ ہیں آپ متکلم مشائخ کے سردار ہوئے ہیں۔ اور حارث محاسبی کے مرید اور
وہ سری کی صحبت میں پرورش پائے ہوئے تھے اور نوری اور خیر نساج رحمہما اللہ کے ہمعصر
تھے۔ اور صاحب حشمت مشائخ کی صحبت اختیار کئے ہوئے تھے۔ بغداد کی رصافہ مسجد میں وعظ
فرمایا کرتے تھے تفسیر اور قرأت میں عالم تھے۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں آپ
کی روایات راسخ ہیں۔ اور آپ نوری کے واقعہ اور اس کی بلا میں اس کے ساتھ رہے ہیں۔
اس کی برکت سے اللہ عزوجل نے سب کو خلاصی دی اور اس کی حکایت نوری کے مذہب
کی شرح میں اگر خدا کو منظور ہوا بیان کروں گا۔ آپ فرماتے ہیں۔ اِذَا سَلِمَتْ مِنْكَ نَفْسُكَ
فَقَدْ اَدَّيْتَ حَقَّهَا وَاِذَا اَسْلَمَ مِنْكَ الْخَلْقُ قَضَيْتَ حُقُوْقَهُمْ یعنی جب تیرے بدن
نے تجھ سے سلامتی پائی تو تو نے اس کا حق ادا کر دیا۔ اور جب مخلوق نے تجھ سے رہائی
پائی۔ تو تو نے اس کا حق ادا کر دیا۔ یعنی حق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حق تیرے نفس کا اور ایک حق
مخلوق کا جو تجھ پر ہے جب تو نفس کو برے کاموں سے ہٹا لے گا تو تو نے اس کا حق
اس جہان میں ادا کر دیا اور جب مخلوق کو تو اپنی بدی سے بےخوف رکھیگا اور ان کے حق میں
کسی قسم کی برائی پیدا نہ کرے گا۔ تو تو نے ان کا حق بھی ادا کر دیا۔ اے طالب صادق تجھے
کوشش کرنی چاہیئے کہ تجھ کو اور مخلوق کو کہیں تجھ سے برائی نہ پہنچے۔ بعد ازاں خداوند
تعالیٰ کے حق ادا کرنے میں مشغول ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

اوران میں سے اپنے فن میں امام اور بلند حال اور لطیف کلام ابوبکر محمدؒ بن موسیٰ واسطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محققین مشائخ سے ہوئے ہیں حقیقتوں میں بلند شان اور عظیم درجہ رکھتے اور تمام مشائخ کے نزدیک قابل تعریف تھے۔ اور جنیدؒ کے قدیم مصاحبوں سے تھے۔ اور عبارت مشکل رکھتے تھے۔ اور اہل ظاہر نے آپ کو کسی شہر میں آرام نہ لینے دیا تھا۔ اور جب آپ اہل مرو میں تشریف لائے چونکہ لوگ لطیف طبع اور نیک عادت تھے انہوں نے آپ کو قبول کیا اور آپ کے وعظ سے فیض یاب ہوئے۔ اور آپ نے اپنی بقیہ عمر کا حصہ وہیں گذارا۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلذَّاکِرُوْنَ فِیْ ذِکْرِہٖ اَکْثَرُ غَفْلَۃً مِّنَ النَّاسِ لِذِکْرِہٖ۔ یعنی یاد کرنے والے کو اس کی یاد کرنے میں اسکا ذکر فراموش کرنیوالے سے غفلت ہوا کرتی ہے، اس لئے کہ اگر خداوند کریم کو یاد کرے اور اس کا ذکر فراموش کردیوے تو کچھ حرج نہیں۔ اور حرج کی یہ بات ہے کہ اس کو یاد تو کرے مگر اس کو بھولے ہوئے ہو۔ کیونکہ ذکر اور مذکور علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں پس جس وقت ذکر کے گمان سے عین مذکور کو فراموش کر دے تو اس میں زیادہ غفلت ہوجاتی ہے بہ نسبت اس کے کہ مذکور کی یاد سے منہ موڑے اور پنداشت یعنی گمان بھی نہ ہو۔ اور بھول جانیوالے کو بھول اور پوشیدگی میں مذکور کی حضوری کا گمان نہیں ہوتا اور یاد کرنے والے کو ذکر کرنے اور مذکور سے پوشیدہ ہونے میں مذکور کی حضوری کا گمان ہوتا ہے۔ پس حضوری نہ ہونے کی حالت میں حضوری کا گمان غفلت سے زیادہ قریب ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ پوشیدہ رہنے والا گمان سے خالی ہو۔ اس لئے کہ حق کے طالبوں کی ہلاکت ان کے گمان میں ہے جہاں گمان بہت ہو تو وہاں معنی غائب ہوتے ہیں۔ اور جس جگہ معنی بہت ہوں وہاں گمان غائب ہے، اور درحقیقت ان کا گمان عقل کی تہمت سے ہے اور عقل کو تہمت کی حالت میں نفس کی ہمت حاصل ہوتی ہے اور ارادہ کو تہمت اور ہمت سے کچھ لگاؤ نہیں اور اصل ذکر یا تو حضور میں ہوتا ہے اور یا غیبت میں اور جب اپنے آپ سے غائب پوشیدگی میں ہو اور حق سے حضوری میں ہو۔ تو وہ ذکر نہیں ہوتا بلکہ وہ مشاہدہ ہوتا ہے، اور جب حق سے پوشیدہ ہو اور اپنے آپ کی خبر رکھتا ہو وہ ذکر نہیں ہوتا بلکہ عدم حضوری ہوتی ہے، اور عدم حضوری غفلت سے پیدا ہوتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے احوال کی تسلّی اور مقال کی کشتی ابوبکر بن دلف بن جحدر شبلی رضی اللہ عنہ بزرگانِ مذکورین کے مشائخ سے ہوتے ہیں۔ آپ کا زمانہ مہذّب اور وقت پاکیزہ تھا ساتھ اللہ عزوجل کے آپ کے اشارے لطیف اور قابل تعریف ہیں جیساکہ متاخرین سے ایک صاحب فرماتے ہیں۔ ثَلٰثَةٌ مِنْ عَجَائِبِ الدُّنْیَا اِشَارَاتُ الشِّبْلِیِّ وَنُکَاتُ الْمُرْتَعِشِ وَحِکَایَاتُ الْجَعْفَرِ۔ اور آپ قوم کے بزرگ اور اہل طریقت کے سردار ہوئے ہیں۔ آپ ابتداء میں خلیفہ کے درباریوں کے افسر اعلیٰ تھے۔ آپ نے خیر النساج کی مجلس میں توبہ کی تھی۔ اور ارادتمندی کا تعلّق جنید رحمۃ اللہ علیہ سے رکھتے تھے اور آپ نے بہت سے مشائخ کو پایا تھا۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے خدائے عزوجل کے قول قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کی تفسیر میں فرمایا۔ اَیْ اَبْصَارِ الرُّءُوْسِ عَنِ الْمَحَارِمِ وَاَبْصَارِ الْقُلُوْبِ عَمَّا سِوَی اللّٰہِ تَعَالٰی۔ یعنی حق جل وعلا ارشاد فرماتا ہے کہ دیکھئے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں سے کہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں انکے سر کی آنکھیں غیر محرم عورتوں کو شہوت کی نگاہ سے نہ دیکھیں اور دل کی آنکھیں بجز اللہ عزوجل کے اور کسی کو دیکھنے والی نہ ہوں یعنی دل میں اللہ کے دیدار کے سوا اور کسی کا دیدار جاگزین نہ ہو۔ پس شہوت کی پیروی کرنی اور نامحرم عورتوں کی طرف نظر ڈالنی غفلت سے ہوتی ہے، اور سب سے بڑی مصیبت غافلوں کے لئے یہ ہے کہ وہ اپنے عیبوں سے بے خبر ہوتے ہیں اور جو شخص اس جگہ بے خبر ہوتا ہے وہ اس جگہ بھی بے خبر ہوگا۔ مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی یعنی جو شخص اس جگہ اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اور حقیقت میں یہ بات ہے۔ کہ جب تک حق تعالیٰ کسی شخص کے دل سے شہوت کا ارادہ پاک نہ کرے سر کی آنکھ اس کی مشکلات سے محفوظ نہیں ہوسکتی۔ اور آپ سے روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ میں بازار سے آرہا تھا۔ ایک جماعت نے کہا۔ هٰذَا مَجْنُوْنٌ یعنی یہ مجنون ہے میں نے کہا۔ اَنَا عِنْدَکُمْ مَجْنُوْنٌ وَاَنْتُمْ عِنْدِیْ اَصِحَّاءُ فَزَادَنِیَ اللّٰہُ فِیْ جُنُوْنِیْ وَزَادَکُمْ فِیْ صِحَّتِکُمْ یعنی میں تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں اور تم میرے نزدیک ہوشیار ہو جب میرا جنون خدا کی

محبت کی شدت کیوجہ سے ہے اور تمہاری صحت غفلت کی زیادتی کیوجہ سے ہے پس خداوند
جل وعلا میری دیوانگی کو بڑھائے تاکہ خداوند کریم سے میری نزدیکی بڑھے اور تمہاری ہوشیاری
میں زیادتی فرمائے تاکہ خداوند کریم سے تمہاری دوری ہو۔ اور آپ کا یہ قول غیرت سے تھا۔
پس آدمی خود ایسا کیوں ہو کہ دوستی کو دیوانگی سے جدا نہ کر سکے اور اس کی تمیز اس کو دوجہان میں
نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے لطیف اقوال کے ساتھ اولیاء اللہ کی حکایت بیان کرنیوالے ابو محمدؒ
جعفر بن نصیر خالدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کبار سے ہیں اور صوفی
قدیم ہیں اور اس علم کے فنون میں سمندر ہیں اور مشائخ کے معانی کی حفاظت کرنے والے اور
نیز ان کے حقوق کی نگہبانی کرنیوالے ہیں اور ہر فن میں آپ کا کلام بلند رتبہ ہے اور رعونت
کے ترک کرنے کیلئے آپنے ہر مسئلہ میں حکایت بیان کی ہے اور اس کو دوسروں کی طرف منسوب
کر دیا ہے، آپ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا اَلتَّوَکُّلُ اِسْتِوَاءُ الْقَلْبِ عَنِ الْوُجُوْدِ وَالْعَدَمِ
یعنی توکل وہ ہوتا ہے جو کہ تیرے رزق کا پایا جانا اور نہ پایا جانا تیرے دل کے نزدیک ایک جیسا
ہو۔ رزق کے پائے جانیسے دل میں خوشی نہ ہو۔ اور اس کے نہ پائے جانیسے غم نہ ہو۔ اس
واسطے کہ بدن مالک کی ملک ہے اور اس کا پالنا اور تباہ کرنا بھی اس کے ذمہ سب سے
بہتر ہے جیسا چاہیگا رکھیگا۔ تجھے درمیان میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ اور ملک کو مالک کے سپرد
کر دینا چاہیئے اور اپنا تصرف بالکل ہٹا لینا چاہیئے۔ ابو محمد جعفر روایت کرتے ہیں۔ کہ میں جنیدؒ
کے پاس آیا میں نے آپ کو تپ کی حالت میں پایا میں نے کہا اے استاد حق تعالیٰ کو کہتا کہ
تجھے اس بیماری سے آرام دے اس نے کہا کہ میں نے کل عرض کی تھی مجھے آواز آئی کہ تیرا بدن ہماری
ملک ہے اگر ہم چاہیں تجھے تندرست رکھیں اور اگر چاہیں تجھے بیمار رکھیں تو کون ہے کہ جو
ہمارے اور ہماری ملک کے درمیان دخل دیتا ہے اپنا تصرف منقطع کر لے تاکہ تیرا شمار حق کے
بندوں میں ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے شیخ محمود ممدوح ابو علی محمد بن قاسم رودباری رحمۃ اللہ جو امراء
صوفیوں سے ہوتے ہیں اور اہل تصوف کے سپاہیوں میں آپ کا شمار ہے بادشاہی خاندان سے

ہیں اور معاملات کے فنون میں بہت بڑی شان رکھتے ہیں آپ کی نشانیاں اور مناقب بہت ہیں اور اس طریقت کے دقیقوں میں آپ کا کلام لطیف ہے، آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْمُرِیْدُ لَا یُرِیْدُ لِنَفْسِہٖ اِلَّا مَآ اَرَادَ اللّٰہُ لَہٗ وَالْمُرَادُ لَا یُرِیْدُ مِنَ الْکَوْنَیْنِ شَیْئًا غَیْرَہٗ یعنی مرید ہوتا ہے کہ اپنے لئے کوئی چیز نہ چاہے مگر وہی چیز کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کیلئے چاہے۔ اور مراد وہ ہوتا ہے کہ دونوں جہان سے بجز اللہ تبارک و تعالیٰ کے کوئی چیز نہیں چاہتا۔ پس اپنی ارادت کو حق تعالیٰ کی ارادت کیساتھ راضی رکھنا چاہیئے تاکہ اس کا مرید ہو، اور محب کو خود بخود ارادت نہیں کرنی چاہیئے تاکہ اس کے واسطے مراد ہو اور جو شخص حق تعالیٰ کو چاہتا ہے وہ وہی چیز چاہتا ہے جو کہ حق تعالیٰ چاہتا ہے پس رضا ابتدائی مقامات سے ہے اور محبت انتہائی حالات سے اور مقامات کی نسبت عبودیت کو محقق ہونے سے ہے، اور احوال کا مرتبہ ربوبیت کی تائید سے ہے اور جب ایسا ہو تو مرید خود بخود قائم ہو جاتا ہے اور مراد حق تعالیٰ سے قائم ہو جاتی ہے، واللہ اعلم۔

اور ان میں سے توحید کا خزانہ رکھنے والے اور تفرید کے دلال ابوالعباس قاسم بن مہدی سیاری ائمہ وقت سے تھے۔ اور علم حقیقت اور ظاہری علوم میں عالم تھے۔ ابوبکر واسطی کی صحبت کئے ہوئے تھے اور بہت مشائخ سے ادب حاصل کئے ہوئے تھے۔ قوم کے اشرف اور روشن چراغ تھے اور الفت اور صحبت میں ان سب سے زیادہ زاہد تھے۔ ان کی تصانیف قابل تعریف ہیں۔ اور نیز ان کا کلام بلند رتبہ ہے، آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلتَّوْحِیْدُ اَنْ لَّا یَخْطُرَ بِقَلْبِکَ مَا دُوْنَ تَوْحِیْدِہٖ یعنی توحید یہ ہے کہ ماسوا توحید کے اور کسی چیز کا گذر دل پر نہ ہو۔ اور مخلوقات کے دل کا تیرے بھید پر گذر نہ ہو اور تیرے معاملہ کی صفائی میں تیرگی نہ ہو۔ اس لئے کہ غیر کا تفکر کرنا اس کا ثابت کرنا ہے جب غیر ثابت ہوا تو توحید کا حکم ساقط ہوا۔ اور وہ خاندانی رئیس اور عالم تھے اور باشندگان مرو سے کوئی شخص رتبہ اور دولت میں ان سے بڑھا ہوا نہ تھا۔ باپ کی میراث سے بہت دولت ہاتھ لگی تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بالوں کے عوض سب کچھ دیدیا یعنی سب جائداد دیکر حضور علیہ السلام کے دو بال مبارک خرید لئے۔ خداوند تعالیٰ نے ان دو بالوں کی برکت سے آپ کو توبۂ نصوح کی توفیق فرمائی اور ابوبکر واسطی کی صحبت نصیب ہوئی۔ آپ کا درجہ

اس حد تک بلند ہوا کہ آپ صوفیوں کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ امام ہوتے ہیں اور جب آپ دنیا سے رخصت ہوتے تو آپ نے فرمایا کہ ان بالوں کو میرے منہ میں رکھدینا۔ آج کے دن تک آپ کے مزار مبارک سے جو کھرد میں ہے۔ ان بالوں کا اثر ظاہر ہو رہا ہے اور آدمی حاجت چاہنے کیلئے ان کی قبر پر جاتے ہیں۔ اور اپنی مشکلات کو وہاں سے طلب کرتے ہیں۔ اور مرادیں پاتے ہیں اور آپ کا مزار مبارک مجرب ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ان میں سے تصوف میں اپنے وقت کا امام اور تکلف اور تصرف سے خالی، طبیعت والا ابو عبد اللہ محمد بن خفیف رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے ہر طرح کے علوم میں امام ہوئے ہیں اور ان کی مجاہدوں میں بڑی شان ہے اور حقائق میں ان کا بیان شافی ہے اور ان کا زمانہ خوشگوار ہے، اور ان کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابن عطاء اور شبلی اور حسین بن منصور اور جریری رحمہم اللہ کی صحبتوں سے فیض پائے ہوئے تھے۔ اور مکہ معظمہ میں ساتھ یعقوب نہر جوری کے صحبت اختیار کئے ہوئے تھے۔ باوجود مجرد ہونے کے سفر خوب کئے ہوئے تھے اور شاہی خاندان سے تھے اللہ عزوجل نے ان کو توبہ کی توفیق عنایت کی اور انہوں نے بادشاہی چھوڑ دی۔ اور ارباب معانی کے دلوں پر ان کے خیال بڑے سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے روایت ہے اَلتَّوْحِيْدُ الْاِعْرَاضُ عَنِ الطَّبِيْعَةِ یعنی توحید طبیعت سے منہ موڑ دینے کا نام ہے اس لئے کہ سب طبیعتیں خدا کی نعمتوں سے پوشیدہ اور اس کی نعمتوں سے نابینا ہیں۔ پس جب تک طبیعت سے روگردانی اختیار نہ کی جائے خدا کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ اور ارباب طبیعت توحید کی حقیقت سے پردہ میں ہیں۔ اور جب تو طبیعت کی آفت دیکھیگا۔ تب توحید کی حقیقت کو تلاش کریگا۔ اور اس کی علامتیں اور دلائل بشمار ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے سیادت کی تلوار اور سعادت کا آفتاب ابو عثمان سعید بن سلام مغربی اہل تمکین بزرگوں سے ہوئے ہیں اور علم کے فنون میں کامل حصہ لئے ہوتے تھے۔ اور سیاست اور ریاضت کے مالک تھے ان کے نشان بہت سے ہیں اور دلیلیں روشن ہیں اور ان سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا مَنْ اٰثَرَ صُحْبَةَ الْاَغْنِيَاءِ عَلٰى مَجَالِسِ الْفُقَرَاءِ

اِبْتَلَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِمَوْتِ الْقَلْبِ یعنی جو شخص بہ نسبت درویشوں کے دولتمندوں کی مجلس اختیار کرے گا تو اللہ عزوجل اس کو دل کی موت میں مبتلا کرے گا۔ چونکہ غنی لوگوں کی وہی شخص مجلس اختیار کریگا جو کہ درویشوں کی صحبت سے روگردان ہوگا۔ اور جو شخص درویشوں کی مجلس سے منہ موڑ کر غنی لوگوں کی مجلس میں جائے تو اس کا دل حاجت مندی کی موت سے مر جاتا ہے، اور اس کا بدن گمان میں گرفتار ہوتا ہے جب درویشوں کی مجالس سے روگردانی دل کی موت کا ثمرہ ہے تو ان کی صحبت سے روگردان ہونا کیوں دل کی موت کا سبب نہ ہو۔ اور ان کلمات میں صحبت اور مجالست کے درمیان فرق ظاہر ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے صوفیوں کی صف کے پہلوان اور عارفوں کے حال کی تعبیر کرنیوالے

ابو القاسم ابراہیم بن محمد بن محمود نصر آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور نیشاپور میں جیسے خوارزم بادشاہ تھے اور جیسے شاہ پور میں شاہ حمویہ تھے ویسے ہی یہ بھی بادشاہ تھے جیسے آپ دنیا میں عالی مرتبہ اور صاحب عزت ہوئے ہیں ویسے ہی آخرت میں بھی عالی رتبہ ہیں۔ آپ کا کلام بدیع اور علامتیں رفیع ہیں۔ آپ شبلیؒ کے مرید تھے اور متاخرین اہل خراسان کے استاد تھے۔ ہیں آپکے زمانہ میں آپکا کوئی مثل نہ تھا۔ اور علم کے فنون میں آپ اپنے زمانہ کے علماء سے مخصوص ہوئے تھے آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَنْتَ بَیْنَ نِسْبَتَیْنِ نِسْبَۃٌ اِلٰی اٰدَمَ وَنِسْبَۃٌ اِلَی الْحَقِّ فَاِذَا انْتَسَبْتَ اِلٰی اٰدَمَ دَخَلْتَ فِیْ مَیَادِیْنِ الشَّھَوَاتِ وَمَوَاضِعِ الْاٰفَاتِ وَالزَّلَّاتِ وَھِیَ نِسْبَۃٌ تُحَقِّقُ الْبَشَرِیَّۃَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا وَاِذَا انْتَسَبْتَ اِلَی الْحَقِّ دَخَلْتَ فِیْ مَقَامَاتِ الْکَشْفِ وَالْبَرَاھِیْنِ وَالْعِصْمَۃِ وَالْوِلَایَۃِ وَھِیَ نِسْبَۃٌ تُحَقِّقُ الْعُبُوْدِیَّۃَ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا یعنی تو دو نسبتوں کے درمیان ہے ایک نسبت تو آدم کی طرف ہے اور دوسری خدا کی طرف جب تو آدم کی طرف منسوب ہوا تو زلتوں اور آفتوں اور شہوتوں کے میدانوں میں داخل ہوا اور جب تو خدا کی طرف منسوب ہوا تو ولایت اور عصمت اور کشف کے دلائل میں داخل ہوا پہلی نسبت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا۔ یعنی انسان ظالم

اور جاہل بیباک تھا اور دوسری نسبت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔ مگر آدم کی نسبت قیامت کو منقطع ہو جائے گی۔ اور نسبتِ عبودیت ہمیشہ قائم رہیگی اور تغیر اس پر روا نہیں ہوگا جب بندہ اپنی اپنے ساتھ نسبت کریگا یا ساتھ آدم علیہ السلام کے تو کمال نہیں ہوگا مگر کمال اس وقت ہوگا جب کہتا ہے۔ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ یعنی میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور جب حق کی طرف اپنی نسبت کرے گا تو آدمی اس درجہ پر پہنچ جائیگا جو کہ خداوند تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ یٰعِبَادِیْ لَاخَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یعنی اے بندو۔ تم پر آج کے دن کوئی خوف نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے خدا کے راستہ پر چلنے والوں کے بھیدوں کے مدار اور اہلِ تحقیق حق کی جانوں کے جمال ابوالحسن علی بن ابراہیم حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا کی درگاہ کے اہلِ حشمت لوگوں سے ہوئے ہیں۔ اور صوفیا کرام کے بڑے اماموں میں آپ کی شمولیت ہے اپنے زمانہ میں بینظیر تھے۔ تمام معانی میں آپ کا کلام عالی اور عبارتیں عمدہ ہیں آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ دَعُوْنِیْ بِیْ بَلَاۤئِیْ هَاتُوْا مَالَكُمْ اَلَسْتُمْ مِنْ اَوْلَادِ اٰدَمَ الَّذِیْ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِیَدِهٖ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُوْحِهٖ وَاَسْجَدَ لَهُ الْمَلٰٓئِكَةَ ثُمَّ اَمَرَهٗ بِاَمْرٍ فَخَالَفَ فَاِذَا كَانَ اَوَّلُ الدَّنِّ دُرْدِیًّا فَكَیْفَ كَانَ اٰخِرَهٗ۔ یعنی مجھ کو میری بلا میں چھوڑ دو کیا تم اس آدم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہو جس کو اللہ عزوجل نے پیدا فرمایا ساتھ مخصوص ہونے خلقت کے اور بغیر واسطہ دیکر اس کو زندہ کیا۔ اور ملائکہ کو حکم دیا تاکہ اس کو سجدہ کریں۔ اتنی قدر و منزلت کے بعد اس کو ایک حکم دیا مگر اس نے اس کی مخالفت کی پس جب ابتدائی خم تلچھٹ والا تھا پس اس کے آخر کا کس طرح حال ہوگا یعنی جب آدم کو اسی پر رہنے دیں۔ تو بالکل مخالف ہو جاتا ہے، جب اسپر اپنی عنایت کو بھیجتا ہے۔ تو سر بسر محبت ہی محبت ہو جاتا ہے اب خداوند تعالیٰ کی آخری عنایت کو دیکھنا چاہیئے اور ادھر سے اپنی بدمعاملگی کا اس سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اور اسی میں عمر گذار دینی چاہیئے۔

بعض متقدمین صوفیوں اور ان کے پیشواؤں کا یہ ذکر ہے اگر ان سب کا ذکر اس

کتاب میں لاتا۔ یا ان کے حالات کی تشریح لکھتا۔ یا ان کی حکایات یاد کرتا تو ضرور اپنے مقصود سے باز رہتا۔ اور کتاب بہت ہی لمبی ہو جاتی۔ اب متاخرین کے ایک گروہ کو ان سے ملاتا ہوں۔ وباللہ العون والعصمۃ والتوفیق۔

چھٹا باب (۶) متاخرین صوفیوں کے ائمہ کے بیان میں

جان تو کہ اللہ عزوجل تجھے بھلائی عطا کرے کہ ہمارے زمانہ میں ایک گروہ ہے جو کہ ریاضتوں کی برداشت کی طاقت نہیں رکھ سکتا اور بغیر ریاضت کے ریاست کی خواہش کرتا ہے اور تمام اہل جہان کو اپنی مثل سمجھتا ہے۔ اور وہ لوگ جب بزرگوں کی باتیں سنتے ہیں اور ان کی بزرگی دیکھتے ہیں اور ان کے معاملات کو پڑھتے ہیں اور اپنے آپ میں جب نگاہ کرتے ہیں تو ان سے اپنے آپکو دور پاتے ہیں اور پھر تصوف کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم وہ نہیں اور نہ ہی ہمارے زمانہ میں جیسے لوگ موجود ہیں۔ اور ان کا یہ کہنا از قبیلِ محالات ہے۔ اس واسطے کہ اللہ عزوجل زمین کو کبھی بھی بغیر رہنماؤں کے نہیں چھوڑے گا۔ اور کبھی بھی امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اولیا سے محروم نہیں رکھیگا۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لَا یَزَالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْخَیْرِ وَالْحَقِّ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ۔ یعنی میری امت سے ہمیشہ ایک گروہ نیکی اور حق پر قیامت کے دن تک قائم رہیگا اور نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا یَزَالُ فِیْ اُمَّتِیْ اَرْبَعُوْنَ عَلٰی خُلُقِ اِبْرَاہِیْمَ۔ یعنی ہمیشہ میری امت سے چالیس آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلق پر رہیں گے اور ایک گروہ تو انہیں لوگوں کا جن کا ذکر اس کتاب میں کروں گا اس جہان سے رخصت ہو کر ان کی روح تو بہشت کی ابدی خوشی میں ہم آغوش ہو چکی ہے اور ایک گروہ ابھی زندہ ہے۔ اللہ عزوجل ان سب سے اور ہم سے اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے راضی ہو اور ان سب پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے۔ آمین

اور ان میں سے ولایت کے راستہ کے نقش و نگار اور سب اہل ہدایت کے جمال ابوالعباس احمد بن محمد قصاب رضی اللہ عنہ ہیں متقدمینِ ماوراء النہر کو پائے ہوئے تھے اور ان کی

صحبت اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور آپ زہد کرامت اور کثرت بُرہان اور صدق فراست اور علو حال کیساتھ مشہور تھے۔ اور ابوسعید اللہ حناط جو کہ طبرستان کے امام ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے جو افضال آپ پر تھے منجملہ ان کے ایک میرے دیکھنے میں یہ آیا۔ کہ آپ تعلیم حاصل کرنیکے بغیر اس مرتبہ پہ پہنچے ہوئے تھے کہ جب کبھی ہمیں دین کے اصول اور توحید کی باریکیوں میں کوئی مشکل پیش ہوتی تو ہم اس کے حل کرانے میں آپکی طرف رجوع کرتے اور آپ بالکل اُمّی تھے مگر تصوف اور اصول میں آپ کا کلام عالی اور آپ کا نطق اعلیٰ پایا جاتا اور ابتدا اور انتہا میں آپ عالی حال اور نیک سیرت ہوئے ہیں اور آپ کی حکایتیں بہت ہی میرے سننے میں آئی ہیں۔ مگر میں بوجہ اختصار انہیں چھوڑتا ہوں کیونکہ میرا مشرب اور مذہب اس کتاب میں اختصار سے کام لینے کا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک لڑکا اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے آمل بازار سے گذر رہا تھا۔ اور اونٹ پر بوجھ بہت لدا ہوا تھا چونکہ بازار میں کیچڑ بہت تھی اونٹ کا پاؤں پھسلا اور وہ گرتے ہی چکنا چور ہوا اور آدمی اس کا بوجھ اتارنے کا قصد کر رہے تھے۔ اور وہ لڑکا خدا کے آگے ہاتھ پھیلا کر اس کی بارگاہ میں فریاد کر رہا تھا۔ اتنے میں شیخ کا ادہر سے گذر ہوا دریافت کیا کہ کیا ہوا ہے لوگوں نے کہا کہ اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ آپ نے اونٹ کی مہار پکڑ کر منہ آسمان کی طرف فرمایا اور عرض کی کہ اے بار خدایا اس اونٹ کے پاؤں کو درست فرما۔ اور اگر تو درست نہ فرمانا چاہتا تھا۔ تو قصاب کے دل کو اس لڑکے کے رونے سے کیوں سوختہ فرمایا۔ اسیوقت اونٹ کھڑا ہو گیا اور چلنا شروع کیا اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ تمام جہان کو خواہ مخواہ پروردگار عالم سے نیک خو ہونا چاہیئے۔ ورنہ تکلیف میں مبتلا ہوں گے۔ اسلئے کہ جب خداوند عالم سے خوگیر ہو جائیں گے تو بلا میں مبتلا نہ ہوں گے اور بلا کے نزدیک بلا نہیں آتی۔ اگر اس کی ذات سے خوگیر نہ ہوں گے تو بلا آئیگی اور دل تکلیف میں مبتلا ہو گا۔ اسلئے کہ خداوند تعالیٰ نے جو غصہ یا رضا ہمارے مقدر فرمائی ہے وہ کسی صورت نہیں بدلے گی بس ہماری رضا اس کے حکم سے ہماری خوشی کا حصہ ہے اور جو خداوند کریم سے اپنی عادت ٹھیک کرے گا۔ اس کا دل خوشی میں بہرہ یاب ہو گا۔ اور جو کوئی اس سے روگردانی کرے گا تکلیف میں

مبتلا ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اوران میں سے مریدوں کا بیان اور محققوں کا برہان ابو علی بن حسین بن محمد دقاق رحمۃ اللہ علیہ اپنے فن کے امام ہوئے ہیں۔ اپنے زمانہ میں اپنا مثیل نہ رکھتے تھے۔ خداوند کریم کا راستہ واضح کرنے میں آپکی زبان فصیح اور بیان صریح تھا اور بہت سے مشائخ کو دیکھے ہوئے اور ان سے صحبت میں رہے ہوئے تھے۔ اور نصر آبادی کے مرید تھے وعظ فرمایا کرتے تھے آپ فرماتے ہیں۔ مَنْ اَنِسَ بِغَیْرِہٖ ضَعُفَ فِیْ حَالِہٖ وَمَنْ نَطَقَ مِنْ غَیْرِہٖ کَذَبَ فِیْ مَقَالِہٖ یعنی جس کو بجز اللہ عزوجل کے غیر سے اُنس ہو گا تو اس کا حال ضعیف ہو گا۔ اور جو کوئی اس کے سوا اپنے مقالات بیان کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ اسلئے کہ غیر سے انس معرفت کی کمی کی دلیل ہے اور اس کی ذات سے اُنس کرنا غیر سے وحشت پکڑنی ہے، اور غیر سے وحشت پکڑنے والا غیر سے بیان نہیں کیا کرتا، اور میں نے پیر سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آپ کی مجلس میں گیا۔ اور میری نیت متوکلوں کا حال پوچھنے کی تھی جس وقت میں گیا تو آپ ایک عمدہ طبری دستار سر پر رکھے ہوئے۔ میرے دل کی توجہ آپ کی دستار مبارک کی طرف ہوئی۔ میں نے عرض کی اَیُّھَا الْاُسْتَادُ مَا التَّوَکُّلُ اے اُستاد توکل کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ تو لوگوں کی دستار سے طمع ہٹا لے یہ کہکر آپ نے دستار اتار کر میرے آگے پھینک دی۔ واللہ اعلم۔

اوران میں سے وحید العصر اور اپنے زمانہ کا بزرگ ابو الحسن علی بن احمد خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوفیوں کے قدیم اجلۂ مشائخ سے تھے۔ اور اپنے وقت میں تمام اولیا کے ممدوح تھے شیخ ابو سعیدؒ نے آپ کی زیارت کا قصد کیا اور ہر فن میں ان کی آپس میں عمدہ گفتگو ہوا کرتی تھی۔ واپس ہونے وقت فریاد کرنے کہ میں اپنے زمانے کا تجھ کو ولی مانتا ہوں اور میں نے حسن مؤدب سے سنا ہے۔ کہ آپ شیخ ابو سعید کے خادم تھے۔ اور جب آپ کی خدمت میں آتے تو کوئی کلام نہ فرماتے اور آپ کی کلام سنتے تھے۔ اور جو بات آپ پوچھتے اسی کا جواب دیتے اور پھر خاموشی اختیار فرما لیتے تھے اور کوئی بات نہ کہا کرتے تھے۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ اے شیخ آپ نے ایسی خاموشی کیوں اختیار کی

ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ایک سخن کا بیان کرنے والا ایک ہی کافی ہوتا ہے۔ اور استاد ابوالقاسم قشیری سے میں نے سُنا۔ کہ جب میں ولایت خرقان میں آیا تو اس بزرگ کے دبدبے سے میری فصاحت رخصت ہوئی اور نہ ہی عبارت رہی۔ اور میں نے گمان کیا کہ میں اپنی ولایت سے معزول ہو چکا ہوں۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا راستے دو ہیں۔ ایک گمراہی کا اور دوسرا ہدایت کا اور وہ جو گمراہی کا راستہ ہے وہ بندہ کا خدا کی طرف چلنا ہے۔ اور ہدایت کا راستہ خداوند کریم سے بندہ کی طرف پس جو شخص یہ کہے کہ میں خدا کی طرف پہنچ گیا ہوں۔ وہ نہیں پہنچا۔ اور جو کہے کہ مجھے اس کے پاس لے گئے ہیں۔ وہ پہنچا ہے اس واسطے کہ پہچانا نہ پہنچانے میں مقید ہے اور نہ پہنچنا پہنچنے میں مقید ہے، واللہ اعلم

اوران میں سے اپنے وقت کے بادشاہ اور عبارت کے بیان میں یکتا ابوعبداللہ محمد بن علی معروف داستانی بسطامی رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ آپ تمام علوم کے عالم اور درگاہ حق کے اہل حشمت سے تھے۔ آپ کا کلام مہذب اور اشارات لطیف ہیں۔ اور اس زمانے کے امام سہلکی نیک خلق شیخ تھے میں نے ان سے آپ کی معانی انفاس کی چند چیزیں سنیں وہ بہت ہی بلند رُتبہ اور پسندیدہ خاطر تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ التَّوْحِیْدُ عَنْکَ مَوْجُوْدٌ وَاَنْتَ فِی التَّوْحِیْدِ مَفْقُوْدٌ یعنی توحید تجھ سے درست ہے مگر تو توحید میں نادرست ہے، اس لیے کہ اس کے حق کے مقتضا پر تو قیام نہیں کرتا اور سب سے کمترین درجہ توحید میں تیری تصرف کی نفی ہے۔ ملک میں۔ اور حق جل جلالہٗ کو اپنے تمام کام سپرد کرنے ہیں۔ اور شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ بسطام میں ٹڈی دل آیا تھا اور تمام درخت اور کھیت ان کے بیٹھنے کی وجہ سے سیاہ ہو گئے تھے۔ تمام آدمیوں نے شور و غوغا ڈالا شیخ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ یہ کیا مشغلہ ہے میں نے عرض کی کہ ٹڈی آئی ہے آدمی بسبب اس کے غمناک ہو رہے ہیں شیخ اٹھ کر کوٹھے پر تشریف لے گئے اور منہ آسمان کی طرف کیا اسی وقت سب ٹڈی اڑ گئی اور عصر کی نماز تک ایک ٹڈی بھی دیکھنے میں نہ آئی تھی اور کسی کی کھیتی کا ایک پتہ بھی ضائع نہ ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اوران میں سے محبوں کا شہنشاہ اور صوفیوں کا ملک الملوک ابوسعید فضل اللہ بن محمد

میہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ طریقت کے جمال اور وقت کے دبدبہ والے بادشاہ ہوئے ہیں اور تمام اہل زمانہ آپ کے گرویدہ تھے کچھ تو زیارت میں ٹھیک اور کچھ اعتقاد میں نیک اور کچھ اسکی قوت حال کے قائل تھے۔ آپ علم کے تمام فنون میں عالم تھے عجب حالت اور بڑی شان رکھتے تھے۔ اشراف کے درجہ میں اسرار پر مطلع تھے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے نشان اور دلائل بہت ہیں۔ چنانچہ آجتک آپ کے نشان اور آثار جہان میں پائے جاتے ہیں۔ ابتدا حال میں آپ میہنہ سے سرخس میں تحصیل علم کیلئے آئے اور ابوعلی زاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلق پیدا کیا ایک دن میں تین دن کا سبق حاصل کرتے اور تین دن تک خدا کی عبادت میں مشغول رہتے۔ یہانتک کہ اس امام نے آپ میں رشد کے آثار دیکھے اور آپ کی تعظیم شروع کی اس زمانے میں سرخس کا والی شیخ ابوالفضل حسن تھا ایک روز سرخس کی نہر کے کنارے جا رہے تھے کہ ابوالفضل حسنؒ سے آپ کا سامنا ہوا حضرت ابوالفضل حسنؒ نے فرمایا کہ اے ابوسعیدؒ تیرا یہ راستہ نہیں ہے جسپر کہ تو چل رہا ہے، اپنے راستہ پر چلنا چاہیئے۔ آپ نے آپسے کوئی تعرض نہ کیا اور اس جگہ سے اپنی طرف لوٹے اور ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہوئے یہانتک کہ حق جل وعلا نے آپ پر ہدایت کا دروازہ کشادہ کیا اور اعلیٰ درجہ پر آپ کو پہنچایا اور شیخ ابومسلم فارسی سے میں نے سنا۔ کہ مجھے ہمیشہ آپسے خصومت رہتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے زیارت کا قصد کیا اور میری گودڑی میلی کچیلی ہو رہی تھی۔ جب میں اسی کو اوڑھ کر آپ کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ تخت پر بہت شاہانہ لباس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور مصری دیبا زیب تن تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص ان تعلقات کے باوجود فقر کا دعویٰ کرتا ہے اور میں اس گودڑی کو پہنکر فقر کا دعویٰ کرتا ہوں میری اس کی موافقت کسطرح ہوگی آپ نے میرے اس فکر و اندیشہ پر اطلاع پالی۔ آپ نے اپنا سر مبارک اونچا کر کے فرمایا۔ یَا اَبَا مُسْلِمٍ فِیْ اَیِّ دِیْوَانٍ وَجَدْتَ مَنْ کَانَ قَلْبُهٗ قَائِمًا فِیْ مُشَاهَدَةِ الْحَقِّ یَقَعُ عَلَیْهِ اِسْمُ الْفَقْرِ۔ اے ابومسلم تو نے کس دیوان میں پایا ہے کہ جس شخص کا دل حق کے مشاہدہ میں قائم ہو اسپر فقر کا نام آتا ہے یعنی اصحاب مشاہدہ غنی بحق ہیں اور فقرا ارباب مجاہدہ ہیں۔ میں اپنے دل میں بہت ہی پشیمان ہوا اور اس نامناسب فکر سے میں نے استغفار کی آپسے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلتَّصَوُّفُ قِیَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰهِ یعنی تصوف

بلا واسطہ دل کا حق کی طرف قائم ہونا ہے، اور یہ ارشارہ مشاہدہ کی طرف ہے، اور مشاہدہ مستی کے غلبہ سے ہوتا ہے، اور استغراق رویت شوق کی صفت اور بقائے حق کے ساتھ فنا کی صفت ہے۔ اور مشاہدہ اور اس کے وجود کے بیان اس کتاب کے کتاب الحج میں ایک باب انشاء اللہ الرحمٰن الاول محمد ایک دفعہ نیشاپور سے آپ نے طوس کا قصد کیا اور راستہ میں ایک سرد گھاٹی واقع ہوتی تھی۔ اور آپ کے پاؤں کو موزہ میں سردی محسوس ہو رہی تھی درویش کہتے ہیں کہ میرے دلمیں خیال آیا کہ اپنا رومال پھاڑ کر دو حصے کروں اور آپکے دونوں پاؤں میں لپیٹوں مگر پھر فوراً یہ خیال آیا کہ میرا رومال بہت اچھا ہے۔ اسکو اسطرح ضائع نہیں کرنا چاہیئے جب ہم طوس میں آتے میں نے مجلس میں آپ سے سوال کیا کہ اے شیخ حقانی الہام اور وسوسہ شیطانی میں کیا فرق ہے آپنے فرمایا کہ الہام تو وہ تھا کہ جس نے تیرے دل میں خیال پیدا کیا کہ رومال کو پھاڑ کر ابو سعیدؒ کے پاؤں کے گرد لپیٹوں تاکہ ابو سعید کے پاؤں کو سردی نہ پہنچے اور وسواس وہ تھا کہ جس نے تجھکو ایسا کرنے سے روکا اور اس قسم کی باتیں آپ کی متواتر باتوں کے قبیل سے ہیں اور مردوں کے سب اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اور ان میں سے اوتاد کی زینت اور خدا کی عبادت کرنیوالوں کے شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں میری اقتدا طریقت میں انہی کیساتھ ہے آپ علم تصوف اور تفسیر اور احادیث کے عالم ہوتے ہیں تصوف میں جنید رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب رکھتے تھے اور حضری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت سروانی کے مصاحب تھے اور ابو عمر قزوینی اور ابو الحسن بن سالبہ کے ہمعصر تھے اور ساٹھ سال تک پہاڑوں میں صدق دل سے گوشہ نشین رہے اور اپنا نام مخلوقات سے گم کئے ہوتے تھے اور زیادہ تر جبل لکام پر قیام رکھتے تھے اور عمر خوب پائی آپکے نشان اور دلائل بہت ہیں مگر لباس میں صوفیوں کی رسوم سے کنارہ کش تھے اور میں نے آپ سے زیادہ ہیبت والا کوئی مرد نہیں دیکھا اور آپ کا ارشاد ہے۔ اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَّلَنَا فِیْھَا صَوْمٌ یعنی دنیا ایکدن ہے اور ہم اس میں روزہ دار ہیں یعنی اسکی کوئی خوشی ہمارے نصیب میں نہیں ہے اور اسکی قید میں ہم نہیں آتے اسلئے کہ ہم نے اسکی آفت دیکھ لی ہے اور اسکے حجاب سے ہم واقف ہوتے ہیں اور اس سے ہم نے روگردانی کی ہے، ایک وقت میں نے آپ کو وضو کرانے کیلئے آپکے ہاتھ پر پانی ڈالا میرے دل میں

خیال گذرا کہ آزاد مرد ہو کر میں کیوں اپنے آپ کو ان پیروں کی قید میں ڈالوں یعنی جب تمام کام تقدیر اور
قسمت پر موقوف ہیں تو اس خدمت گذاری سے یکسوئی بہتر ہے آپ نے کرامت والی طاقت سے
فرمایا کہ جو کچھ خیال تیرے دل میں پیدا ہوا ہے میں اس سے واقف ہوں خوب جان لے کہ ہر حکم کیلئے ایک
سبب ہوتا ہے، جب حقتعالیٰ چاہتا ہے تو سپاہی زادہ کو تاج شاہی پہنا دیتا ہے اور اسکو توبہ کی توفیق
عنایت کرتا ہے اور دوستی کی ملازمت میں مشغول فرماتا ہے یہانتک کہ اس کی یہ خدمت و ملازمت
اس کی بزرگی کا سبب ہو جاتی ہے اور اس جیسے اور بہت سے لطیفے آپکی طرف سے مجھ پر ظاہر ہوا
کرتے تھے۔ اور جس روز آپ کی وفات ہوئی آپ بیت الجن میں تھے اور وہ ایک گاؤں ہے پہاڑ
کی چوٹی پر جو کہ بانیاں اور دمشق کے درمیان ہے آپ کا سر میری گود میں تھا اور مجھے دل میں بہت
تکلیف ہو رہی تھی جیسے کہ دوستوں کو دوستوں سے علیحدہ ہونے کے موقع پر ہوتی ہے، آپ نے
فرمایا اے بیٹے میں اعتقاد کا مسئلہ بیان کرتا ہوں اگر تو اپنے آپ کو اس پر درست کر لے گا تو تیری
تمام دلی تکلیف دور ہو جائیگی خوب جان لے کہ اللہ عزوجل تمام حالوں کو محلوں میں نیک اور بد
سے پیدا فرماتا ہے، تیرے لئے لازمی ہے کہ تو اس کے فعل پر خصومت سے کام نہ لے اور دل
میں رنج کو راہ نہ دے۔ اور ما سوا اس کے آپ نے وصیت کو دراز نہ کیا اور جان خداوند کریم
کے سپرد کی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے استاد اور امام اور اسلام کی زینت ابو القاسم عبد الکریم ابن ہوازن
قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اپنے زمانہ میں نادر الوجود اور رفیع القدر تھے اور اہل زمانہ کو آپ کے
بزرگ حالات اور طرح طرح کی فضیلتوں سے واقفیت ہے، اور ہر فن میں آپ کی تصانیف عمدہ
محققانہ طرز پر لکھی ہوئی موجود ہیں اور نیز تمام فنون میں آپ کے لطائف .... بیشمار ہیں۔ اور
خداوند تعالیٰ نے آپ کے حال اور زبان کو لغو باتوں سے بچایا ہوا تھا میں نے آپ سے سنا کہ
آپنے فرمایا مَثَلُ الصُّوفِیِّ کَعِلَّۃِ الْبِرْسَامِ اَوَّلُہٗ هِذْیَانٌ وَآخِرُہٗ سُکُوْتٌ فَاِذَا تَمَکَّنَ خَرِسَ
یعنی صوفی کی مثال برسام کی بیماری کی طرح ہے۔ اسکے شروع میں ہذیان ہوتا ہے اور اسکے آخر میں سکوت ہوتا
ہے پس جب متمکن ہو جائے تو گونگا ہو جاتا ہے پس صفوت کی دو طرفیں ہیں ایک وجد اور دوسرا نمود، نمود تو مبتدیوں کے
واسطے ہے اور وجد منتہیوں کیواسطے اور وجد کی حالت میں وجد کا بیان مشکل ہوتا ہے پس

جب تک طالب ہیں بلوغت میں ناطق ہیں اور ہمت اور نطق میں صاحبانِ آرزو کیلئے ہذیان
یعنی بکواس نظر آتی ہے جب پہنچے پہنچ گئے۔ اور نیز ان کیلئے عبارت یعنی بیان اور اشارہ کافی
نہیں ہوتا اس کی مثال اسطرح ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مبتدی تھے اور آپکی تمام ہمت رؤیت
تھی۔ اپنے ارادہ کو یوں بیان کیا کہ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ یعنی اے میرے پروردگار مجھے اپنا آپ
دکھلا میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو یہ بیان موسیٰ علیہ السلام کا مقصود نہ پانیکی وجہ سے ہذیان تھا۔ اور
ہمارے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم منتہی تھے اور نیز صاحبِ حوصلہ تھے جب آپ کی شخصیت ہمت
کے مقام پر پہنچی اور ہمت فنا ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ یعنی بارخدایا
میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کرسکتا کیونکہ یہ رجہ بلند اور مقام عالی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے شیخ اور امام اوحد اور اپنے طریقہ میں منفرد ابو العباس احمد بن محمد اشقانی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم اصول اور فروع میں امام ہوتے ہیں۔ اور تمام معانی کی انتہا کو پہنچے ہوئے۔ اور آپ
بہت سے مشائخ کو دیکھے ہوئے تھے اہل تصوف میں اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو فناہ
یہ سالفہ بیان کیا کرتے تھے مگر مشکل عبارتوں میں اور آپکو اس عبارت میں خصوصیت حاصل تھی اور
میں نے جاہلوں کا ایک گروہ دیکھا کہ اس عبارت کی پیروی کئے ہوئے تھے اور اس کی پراگندگیوں
پر ہاتھ ڈالے ہوئے تھے اور ان کی یہ پیروی ناپسندیدہ تھی۔ دیکھو کہ وہ عبارت کیسی ہوگی جبکہ
مجھے آپکے ساتھ بڑی محبت تھی اور آپ کی مجھ پر سچی شفقت تھی اور بعض علوم میں میرے استاد
تھے۔ اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے آپ جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا یعنی جیسی آپ شرع
کی تعظیم فرماتے ہیں ویسی شاید ہی کوئی کرتا ہو اور نیز تمام موجودات سے قطع تعلق کئے ہوتے تھے
اور جب آپ علم حقیقت کی کوئی بات بیان فرماتے تو بجز امام محقق کے اس کو کوئی نہ سمجھتا تھا اور نہ
ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا اور ہمیشہ آپ کی طبع عقبیٰ اور دنیا سے نفرت پر ... تھی۔
اور ہمیشہ اس امر کا اعلان فرماتے کہ اَشْتَھِیْ عَدَمًا لَا وُجُوْدَ لَہٗ یعنی اس نیستی کو میں چاہتا ہوں کہ
جسکے لئے ہستی نہیں۔ اور آپ فارسی میں یہ فرمایا کرتے تھے "ہر آدمی را بایست محال باشد و
مرا نیز بایستنی محال است" یعنی آدمی کو محال باتوں کی خواہش ہوتی ہے اور مجھے خیال کی ضرورت ہے کیونکہ
یقیناً جانتا ہوں کہ وہ نہ ہوگا۔ اور وہ وہی ہے کہ میں جس کو چاہتا ہوں کیونکہ خداوند تعالیٰ مجھے ایسی

نیستی میں لے جائیگا جسکا ہرگز کوئی وجود نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ جو کچھ کرامات اور مقامات سے ہیں سب کے سب حجاب اور بلا کا مقام ہیں اور آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو رہا ہے اور نیستی والے کو دیدار کی آرزو میں آرام حجاب والے سے بہتر ہے۔ اور جب حق جل وعلا ہست ہے اور نیستی اس پر کسی صورت سے جائز نہیں۔ تو اگر میں اس کے ملک میں نیست ہو جاؤں تو کیا نقصان ہے اسلئے کہ کبھی اس نیستی کیلئے ہستی نہ ہوگی اور فنا کی درستی میں یہ اصل قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اوران میں سے زمانے کے قطب اور اپنے زمانہ میں یکہ و تنہا ابو القاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رضی اللہ عنہ وَاَرْضَاہُ وَمَتَّعَنَاہُ وَالْمُسْلِمِیْنَ بِبَقَائِہٖ اپنے وقت میں بینظیر تھے۔ آپ کے ابتدائی حالات بہت اچھے اور قوی ہوتے ہیں اور کتابیں مشکل لکھی ہیں ساتھ شرط کے اور آپ کے وقت میں تمام دوستان خداوندی کی التفات آپ کی طرف تھی۔ اور تمام طالبانِ حق کا بھروسا آپ پر تھا۔ اور آپ مریدوں کے کشف میں آراستہ کئے ہوئے ظاہر نشان ہیں اور علم کے فنون میں ماہر ہیں۔ اور آپ کے مریدوں میں ہر ایک مرید علم کی زینت سے آراستہ ہے اور نیز علماء کیلئے بھی موجب زینت ہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کا لڑکا اگر خدا کو منظور ہوا بہت اچھا ہوگا اور اپنے وقت میں پیشوائے قوم ہوگا۔ اور وہ لسان الوقت ہے ابو علی الفضل بن محمد فارمدی اللہ اسے باقی رکھے اس کا حصہ اس بزرگ نے ہرگز چھوڑا نہ ہوگا۔ اس نے سب اعراض کیا ہوا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اس یکسوئی کی برکتوں کی بدولت اس سید کا نام لیو بنایا اور ایک دن میں شیخ کے حضور میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اپنے احوال اور نمایشوں کی گنتی اس امر میں کر رہا تھا کہ اپنا حال کسی صورت سے آپ پر ظاہر کروں کیونکہ آپ ناقد وقت تھے سو آپ بڑی عزت کے ساتھ مجھ سے سنتے تھے اور مجھ کو لڑکپن کی نخوت اور جوانی کی آگ نے آپ کے کلام پر حریص کیا اور ایسی صورت بندھی۔ کہ شائد اس پیر کو ابتداء میں اس کوچہ کی طرف گذر نہیں ہوا ہے جو میرے حق میں اتنی عاجزی کرتا ہے اور اپنے حال میں اسقدر انکساری سے کام لیتا ہے۔ مگر میری اس مغروری کو وہ سمجھ گئے فرمانے لگے۔ اے میرے باپ کے دوست خوب جان لے کہ یہ میری عجز و انکساری تیرے لئے یا تیرے حال کیلئے نہیں کیونکہ احوال کا بدلنے والا محل پر مشکل آتا ہے بلکہ میرا یہ خضوع احوال کے بدلانے والے کیواسطے

ہے، اور یہ تمام طالبوں کیلئے عام ہے نہ خاص تیرے لئے جب میں نے یہ بات سنی تو میں بیہوش ہو کر گر پڑا اور اس پیر نے میری طرف توجہ کی۔ اور فرمایا کہ اے بیٹے آدمی کو اس طریقت کے ساتھ نسبت اس سے زیادہ نہیں ہوتی کہ جب اس کو طریقت کی طرف واپس لاویں تو وہ یہ بات کرنے کا خیال اس سے پھیر دے اور جب اس سے اس کو معزول کریں تو عبارت کا خیال بندھ جاوے پس نفی اور اثبات اور فقدان اور عدم فقدان دونوں ہی اپنی خیالی ہیں اور آدمی کبھی بھی خیالات کی قید سے رہائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کیلئے بندگی کا کرنا لازمی ہے اور تمام نسبتوں کو اپنے سے دور کر دینا چاہیئے۔ ہاں صرف بندگی کی نسبت سے کام رکھنا اسکے لئے بہتر ہے بندگی سے کام ہو یا فرمانبرداری سے اسکے بعد مجھے آپ کیساتھ بہت ازرواری تھی۔ اگر میں ان نشانوں کے ظاہر کرنے میں مشغول ہو جاؤں تو اپنے مقصود سے باز رہوں گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ان میں سے اولیاء کا رئیس اور صوفیوں کا ناصح ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ریاست ہی کی مسند میں اللہ عزوجل نے اس قصہ کو آپ پر کھولا۔ اور کرامت کا تاج آپ کے سر پر رکھا۔ فنا اور بقا میں آپ کا بیان نیک اور عبارت عالی تھی اور شیخ المشائخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں درگاہ میں بندگی کی خاطر لائے ہیں۔ اور خواجہ مظفر کو خداوندی راہ سے ہم نے مجاہدہ سے مشاہدہ پایا۔ اور اس نے مشاہدہ سے مجاہدہ پایا اور میں نے آپ سے یعنی خواجہ مظفر سے سنا کہ جو کچھ بیابان اور جنگلات کے قطع کرنے سے لوگوں پر ظاہر ہوا۔ وہ مجھے مسند اور بالانشینی سے دستیاب ہوا۔ اور جو لوگ صاحبان غرور ہیں انہوں نے پیر کے اس مقولہ کو فقط دعویٰ ہی دعویٰ پر محمول کیا ہے، اور یہ ان کا خود اپنا نقص ہے، اور اپنے حال کی سچائی کو بیان کرنا کسی وقت موجب دعویٰ نہیں ہو سکتا خاصکر جب کہ اہل معنی سے اس کا ظہور ہو۔ اور آج کے دن آپ کا فرزند نیک ارجمند زندہ موجود ہے، اور بزرگوار خواجہ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ میں ایکدن آپ کے پاس تھا۔ نیشاپور کے مدعیوں میں سے ایک آپکے پاس آیا۔ آپ کی عبارت کہ فانی شود آنگاہ باقی شود کے متعلق کچھ کہتا تھا۔ خواجہ مظفرؒ نے فرمایا۔ کہ فنا پر بقا کس طرح صورت پذیر ہو سکتی ہے کیونکہ فنا کی مراد نیستی ہوتی ہے اور بقا اشارہ ہستی کا ہے، اور ہر ایک ان میں سے اپنے صاحب کا نفی کرنیوالا ہے پس فنا معلوم ہے لیکن

جب نیست ہوتا ہے اگر نیست ہو تو وہ عین نہ ہوگا بلکہ وہ خود کوئی دوسری چیز ہوگا۔ اور ذاتوں کا فانی ہونا جائز نہیں ہوتا مگر صفتوں کا فانی ہونا جائز ہوتا ہے مگر سبب کا فنا ہونا روا نہیں پس جب سبب اور صفت فانی ہو جائے تو موصوف اور مسبب ہی رہیگا اور فنا اس کی ذات پر درست نہ ہوگی۔

اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں کہ میں اس خواجہ کی عبارتوں کو لعینہ یاد نہیں رکھتا مگر معنی یہ ہیں جو میں نے اس عبارت سے یاد کیئے۔ اور مراد عبارت کی واضح نہ کرتا ہوں تاکہ فائدہ عام ہو پس مراد اس سے یہ ہے کہ اختیار بندہ کا اس کی صفت سے مقید ہے اور بندہ اپنے اختیار کیساتھ خداوند تعالیٰ کے اختیار سے محجوب ہے پس بندہ کی صفت اس کا حجاب ہے خداوند کریم کی طرف سے۔ اور لامحالہ پروردگار عالم کا اختیار ازلی ہے اور بندہ کا اختیار حادث ہے اور ازلی پر فنا روا نہیں۔ جب خدا کا اختیار بندہ کے حق میں بقا پاتا ہے تو خواہ مخواہ اس کا اختیار فانی ہو جاتا ہے اور اس کا تصرف جدا ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں ایک روز کرمان سے آپ کے پاس راستہ کی دھول سے گرد آلود کپڑوں کی حالت میں آیا آپ نے مجھے کہا کہ اے ابوالحسن اپنے حال کی ارادت کا اظہار کرو۔ میں نے کہا میرا دل سماع کو چاہتا ہے آپ نے اسی وقت قوالوں کو بلایا اور ایک جماعت راگ ناچ والوں کی بھی آئی۔ اور لڑکپن کی آگ اور قوت ارادت اور سوزش سے پہلے ہی کلمات کے سماع سے بیقرار ہوا اور جب کچھ وقفہ ہوا اور اس وقت کا غلبہ اور جوش مجھ میں کم ہوا تو حضرت نے فرمایا تیرا حال اس سماع سے کس طرح ہے میں نے عرض کی کہ اے شیخ میں بہت خوش ہوا ہوں آپ نے فرمایا کہ ایک وقت تجھ پر ایسا آئیگا کہ یہ اور کوے کی آواز تجھ پر ایک جیسی ہو جائیگی اسلئے کہ قوت سماع اسوقت تک ہوتی ہے کہ مشاہدہ نہ ہو جب مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو سماع کی ولایت ناچیز ہو جاتی ہے۔ دیکھو کہیں اس کی عادت نہ ٹھہرا لینا تاکہ تیری طبیعت کا کہیں جز نہ بنجائے اور پھر تو رہ نہ جائے واللہ اعلم۔

یہ مختصر باب ان متأخرین صوفیوں کا ہے جو مختلف شہروں میں ہوئے ہیں

اور اگر سب کا ذکر اور ان کے حال کی شرح اس کتاب میں اس وقت درج کریں تو کتاب لمبی

ہو جائیگی اور اگر بعضوں کا ذکر چھوڑ دوں تو اس کتاب کا مقصود پورا نہ ہوگا اب ان بزرگوں کے نام جو میرے زمانہ میں ہوتے ہیں یا موجود ہیں لاتا ہوں اور ان کا ذکر فرداً فرداً بیان کرتا ہوں اور ان مشائخ کا نام بھی معرض تحریر میں لاتا ہوں۔ جو کہ اصحاب معانی سے ہوتے ہیں اور رسمی صوفیوں کا ذکر نہیں کروں گا تاکہ اپنی مراد حاصل کرنے کے قریب ہو جاؤں۔ اگر اللہ عزوجل نے چاہا۔ اور وہ جو عراق اور شام میں ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو شیخ زکی بن علا بزرگان مشائخ سے ہوتے ہیں اور میں نے آپ کو زمانے کا سردار پایا ہے، آپ محبت کے شعلوں سے ایک شعلہ ہیں آپ کے نشان اور دلائل ظاہر ہیں۔ اور دوسرے شیخ بزرگوار ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی رؤسائے متصوفین میں سے تھے علم حقیقت میں بہت فصیح ہوتے ہیں اور حسین بن منصور کے طریقہ کی طرف بہت مائل تھے اور آپ کی بعض تصنیفوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ اور تیسرے ابوالقاسم سدسی پیر مجاہدہ والے تھے آپ کا حال بہت اچھا تھا اور درویشوں کے بہت اچھے معتقد اور ان کی نگہبانی کرنیوالے تھے۔

اور اہل پارس سے یہ ہیں ان میں سے ایک تو شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سالبہ تصوف میں فصیح زبان اور توحید میں روشن بیان تھے۔ آپ کے کلمات مشہور ہیں اور دوسرے شیخ مرشد ابواسحٰق ابن شہریار قوم کے اہل حشمت سے [illegible] تھے۔ اور تیسرے طریقت کے شیخ ابوالحسن علی بن بکران بزرگ صوفیوں سے ہوئے ہیں اور چوتھے شیخ ابومسلم ہروی عزیز وقت اور اچھے معاملے والے تھے۔ اور پانچویں شیخ ابوالفتح سالبہ باپ کے نیک لڑکے اور امیدوار ہیں اور چھٹے شیخ ابوالطالب ہروی خدائی کلمات کے عاشق تھے اور ساتویں شیخ الشیوخ شیخ ابواسحٰق ہیں۔ مگر میں نے ان کی زیارت نہیں کی۔

اور اہل قہستان اور آذربائیجان اور طبرستان سے یہ ہیں ایک تو ان میں سے شیخ شفیق فرح المعروف باخی زنجانی نیک سیرت اور قابل تعریف علم طریقت میں ہوتے ہیں اور اس گروہ کے بزرگوں سے آپ اس زمانہ میں شیخ ہیں اور ان کی خوبیاں بہت ہیں اور بادشاہ تائب اور خدا کی راہ میں چالاک مرد ہیں اور دوسرے شیخ ابوعبداللہ جنیدی پیر رفیق اور احترام والے ہوئے ہیں اور تیسرے شیخ ابوطاہر مکشوف اپنے وقت کے جلیل القدر بزرگوں سے ہوئے ہیں اور چوتھے

خواجہ حسن سمنانی ایک مرد پابند طریقت اور امیدوار ہوئے ہیں اور پانچویں شیخ سہلکی صوفی مردوں سے ہوئے ہیں اور چھٹے احمد بیٹے شیخ خرقانی کے اپنے باپ کے خلف الرشید تھے۔ اور ساتویں ادیب کندی زمانہ کے سادات بزرگوں سے ہیں۔

اور اہل کرمان سے یہ ہیں ایک تو خواجہ علی بن حسین سیرکانی اپنے وقت کے سیاح ہوئے ہیں اور خوب طرح سفر کرتے تھے۔ دوسرے خواجہ علی کے بیٹے حکیم مری بھی نادر الوجود ہیں۔ اور تیسرے شیخ محمد بن سلمہ بزرگان وقت سے ہوئے ہیں، اور ان سے زیادہ خدا کے دوست پوشیدہ ہیں اور جوان اور نئے امیدوار ہیں۔

اور اہل خراسان سے کہ جن پر آج کے دن خدا کے اقبال کا سایہ ہے یہ ہیں (۱) شیخ مجتہد ابو العباس دامغانی تھا جنہوں نے عمر اور زندگی خوب گذاری اور وقت خوشی سے پورا کیا (۲) خواجہ ابو جعفر محمد بن علی جوینی حواس گروہ کے محقق بزرگوں سے تھے (۳) خواجہ ابو جعفر ترشیزی عزیزان وقت سے ہوئے ہیں (۴) خواجہ محمود نیشاپوری اپنے وقت کے پیشوا اور فصاحت والے ہیں (۵) شیخ محمد یعقوب زندگانی نیک اور وقت اچھا رکھتے تھے۔ اور جمرۃ الحطب یعنی محبت کی چنگاری تھے اور پیر نیک باطن اور خوش حال ہوئے ہیں (۶) خواجہ رشید مظفر بیٹے شیخ ابو سعید کے امید ہے کہ قوم کے پیشوا اور دلوں کے قبلہ ہوں (۷) خواجہ احمد حمادی سرخسی وقت کے پہلوان ہوئے ہیں اور عرصہ دراز تک میرے رفیق رہے ہیں اور میں نے ان کے کاموں سے بہت سے عجائب دیکھے ہیں اور جوانمرد صوفیوں سے تھے (۸) شیخ احمد نجار سمرقندی جو کہ مرو میں مقیم تھے اپنے زمانہ کے بادشاہ ہوئے ہیں (۹) شیخ ابو الحسن علی بن ابی علی اسود اپنے باپ کے اچھے جانشین ہوئے ہیں علو ہمت اور صدق فراست میں اپنے زمانہ کے یکتا ہوئے ہیں اگر اہل خراسان کے تمام دوستان خداوندی کا شمار کروں تو مشکل ہے۔ اور میں نے خراسان میں تین سو اشخاص ایسے دیکھے ہیں کہ جن کا مشرب علیحدہ علیحدہ تھا۔ ان میں سے صرف ایک تمام جہان کیلئے کافی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ محبت کا آفتاب اور طریقت کا اقبال خراسان کے طالع میں ہے۔

اور ماوراء النہر والوں سے یہ ہیں (۱) خاص و عام کے مقبول امام خواجہ ابو جعفر محمد بن حسین حرمی مرطالب سماع اور پابند طریقت ہمت عالی رکھتے ہیں اور صافی درون طالبان درگاہ حق

پر آپکی شفقت کامل ہے (۲) خواجہ فقیہ اپنے اصحاب میں وجیہ ابو محمد پانغری زمانہ میں نیک۔ اور معاملہ قوی رکھتے تھے (۳) احمد ایلاقی وقت کے شیخ ... اور زمانے کے بزرگ عادتوں والے اور رسموں کے ترک کرنے والے (۴) خواجہ عارف وقت کے یکتا اور زمانہ کے نادر ہوئے ہیں (۵) علی بن ابی اسحق صاحب زمانہ اور دبدبہ والے مرد اور نہایت فصیح اللسان تھے اور یہ نام اس جماعت کے ہیں جن کو میں نے دیکھا ہے اور مقام ہر ایک کا میں نے معلوم کیا ہے، یہ سب کے سب اہل حقیقت سے ہوئے ہیں اور اہل غزنین اور اس کے رہنے والوں سے یہ ہیں۔ ایک تو شیخ عارف اور اپنے زمانہ میں منصف ابو الفضل بن اسدی پیر بزرگی والے ہوئے ہیں۔ آپ کی کرامات روشن اور دلائل ظاہر ہیں محبت کی آگ سے مثل شعلہ کے تھے .... اور دوسرے شیخ مجرد تمام تعلقات سے علیحدہ اسمعیل شاشی پیر صاحب شان وشوکت تھے۔ اور ملامتی طریق پر چلتے تھے۔ اور تیسرے شیخ سالار طبری صوفی عالموں سے ہوئے ہیں اور وقت خوب گزارا تھا۔ اور چوتھے شیخ پاک نہاد اور اسرار کی کان ابو عبداللہ بن حکیم مرید رحمۃ اللہ علیہ خدا کی بارگاہ کے مستوں سے ہوئے ہیں اور اپنے زمانہ میں اپنے فن میں ثانی نہیں رکھتے تھے مگر ان کا معاملہ مخلوق پر پوشیدہ تھا۔ آپ کے دلائل اور نشان ظاہر ہیں۔ اور آپ کا معاملہ بہت صحیح تھا۔ اور پانچویں شیخ محترم اور سب سے مقدم سعید بن سعید عیار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے حافظ تھے۔ آپ نے عمر اچھی پائی۔ بہت سے مشائخ کو دیکھے ہوئے - قوی حال اور باخبر تھے لیکن کام پوشیدہ طور پر کرتے تھے اور کسی پر ظاہر نہ فرماتے تھے اور چھٹے خواجہ بزرگوار اور عزت اور وقار کے منتظم ابو العلا عبدالرحیم بن احمد سعدی قوم کے عزیز اور وقت کے سردار ہوئے ہیں۔ میرا دل آپ سے خوب لگا ہوا تھا۔ اور معاملہ عیبوں سے پاک صاف رکھتے تھے۔ اور نیک حال اور علم کے فنوں سے آگاہ تھے اور ساتویں شیخ اوحد سورۃ بن محمد جردیزیؒ ہیں اہل طریقت پر آپ کامل شفیق ہیں اور ہر ایک کی آپ کے نزدیک عزت ہے، اور مشائخ کو دیکھے ہوتے ہیں، اور عام لوگوں کے اعتقادوں اور اس شہر کے عالموں سے میں بہتر امید رکھتا ہوں کہ ان سے جو لوگ ظاہر ہوں گے ہمارا ان سے اعتقاد ہوگا۔ اور یہ پراگندہ لوگوں کا گروہ جو اس شہر میں راہ پائے ہوتے ہے اور نیز اس راستے کی صورت کو بگاڑے ہوتے ہے اس شہر سے دور ہو جائے گا

اور وہ بھی اولیاء اور بزرگوں کی قدم گاہ ہو۔ اب ہم ان کے فرقوں کا فرق بیان کرتے ہیں یعنی ان کے فرقے اپنا اپنا کیا مذہب رکھتے ہیں۔

اس باب میں صوفیوں کے فرقوں کا فرقِ مذہبی بیان ہوتا ہے

اس سے پیشتر میں نے ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہا تھا کہ ان کے بارہ گروہ ہیں دو گروہ تو ان سے مردود ہیں۔ اور دس مقبول ہیں۔ ان دس گروہ کیواسطے مجاہدوں میں معاملہ اور طریقہ اچھا ہے اور مشاہدہ میں آداب لطیف ہیں۔ ہرچند ان کی ریاضتوں اور مجاہدوں اور معاملوں میں اختلاف کیا گیا ہے مگر توحید اور شرع کے فروع اور اصول میں سب ایک ہی ہیں اور ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَۃٌ اِلَّا فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ یعنی علماء کا اختلاف رحمت ہے مگر خالص توحید میں نہیں اور اس کلمہ کے موافق ایک حدیث بھی مشہور ہے اور تصوف کی حقیقت مشائخ کے ارشاد سے ثابت ہے یعنی حقیقت اور مجاز اور رسوم کے لحاظ سے۔ نبی کے کلام سے تصوف کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ پس میں مختصر طور پر ان کا کلام اس کے بیان میں واضح کرتا ہوں۔ اور ہر ایک کے اصل مذہب کو نہایت بسط سے بیان کرتا ہوں تاکہ طالب کو اس کا علم ہو جائے علماء کو ہوشیار کا کام دے اور مریدوں کی اصلاح کا موجب بنے۔ اور مجہول کی خلاصی اور عقلمندوں اور صاحبانِ مروت کیلئے تنبیہ اور میرے لئے دو جہان میں ثواب ہو۔ وباللہ التوفیق۔

فرقہ محاسبیہ محاسبیوں کی دوستی ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہے۔ اور آپ اپنے سب اہل زمانہ کے اتفاق سے مقبول النفس اور مقتول النفس ہوئے ہیں آپ اصول اور فروع کے علم میں عالم تھے آپ کا سخن ظاہری اور باطنی صحت کیساتھ خالص توحید کے بیان میں ہے آپکے مذہب کی عجیب بات یہ ہے کہ آپ رضا کو تصوف کے کسی مقام سے شمار نہیں فرماتے اور فرماتے ہیں کہ وہ احوال کی قسم سے ہے۔ اور یہ آپنے ابتدائی اختلاف کیا ہے پھر خراسانیوں اور عراقیوں نے آپ کے اس قول کو سختی سے پکڑا اور فرمایا کہ رضا مقاماتِ تصوف سے ایک مقام ہے اور رضا ہی توکل کا انتہائی مقام ہے اور آج کے دن تک اس قوم کے درمیان یہ اختلاف باقی ہے ابھی ہم اس قول کو اللہ کی مشیت سے بیان کریں گے۔

اَلْکَلَامُ فِیْ حَقِیْقَۃِ الرِّضَا
یعنی حقیقت کی رضا کے متعلق یہ کلام ہے

اس مذہب کا بیان یہ ہے کہ ہم پہلے رضا کی حقیقت اور اس کے بیان کو پورا کریں گے پھر حال اور مقام کی حقیقت اور ان کا فرق بیان کریں گے اگر خداوند کریم کو منظور ہوا لیکن خوب جان لو کہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ دونو رضا کا حکم بیان کرنے والے ہیں۔ اور امت کا اس پر اتفاق ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اور نیز فرمایا۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ یعنی اللہ ان ایمانداروں سے راضی ہوا کہ جس وقت انہوں نے تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا یعنی ایمان کا ذائقہ اس شخص نے چکھا جو خدا کی پروردگاری پر راضی ہوا اور رضا دو قسم پر ہے ایک رضا خداوند تعالیٰ کی اور دوسری بندہ کی مگر خداوند تعالیٰ کی رضا کی حقیقت بندہ کے حق میں کرامت اور نعمت اور ثواب کا ارادہ کرنا ہے اور بندہ کی رضا کی حقیقت خدا کے حکم پر قائم رہنا اور اس کے حکم کی تعمیل میں اطاعت کی گردن جھکانا ہے پس خدا کی رضا بندہ کی رضا پر مقدم ہے، جب تک بندہ کو توفیق ایزدی شامل نہ ہوگی ہرگز خدا کی اطاعت نہ کر سکیگا۔ اور نہ ہی اس کے حکم پر قائم رہ سکیگا۔ اسلئے کہ بندہ کی رضا خدا کی رضا سے وابستہ ہے، اور اسکی رضا کا قیام اسی کی ذات پر موقوف ہے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ بندہ کی رضا قضا کی دونوں طرف پر دل کو قائم رکھنا ہے اِمَّا مَنْعٌ اَوْ اِمَّا عَطَاءٌ یعنی یا تو منع ہے اور یا عطا ہے، اور اس کے بھید کا مستقیم ہونا احوال کے نظارہ پر ہو۔ اِمَّا جَمَالٌ وَاِمَّا جَلَالٌ یعنی یا جمال ہے اور یا جلال ہے جیسا کہ اگر منع سے حرکت جائے یا عطا سے سبقت کرے اس کی رضامندی کے قریب دونوں برابر ہیں اور اگر خدائے پاک کی ہیبت اور جلال کی آگ سے جلے یا اس کے نور لطف اور جمال سے اس کا دل روشن ہو تو یہ جلنا اور روشن ہونا دونوں اس کے دل کے نزدیک یکساں ہیں۔ اسلئے کہ اس کا شاہد خدا ہے اور جو کچھ اس کی طرف سے ہو سب نیک ہوتا ہے حضرت امیر المؤمنین حسن بن علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے ابوذر غفاری کے اس قول کے متعلق سوال کیا اور وہ قول جس کے متعلق پوچھا گیا یہ ہے اَلْفَقْرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْغِنَاءِ وَالسُّقْمُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الصِّحَّۃِ یعنی فقر غنا سے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے،

اور بیماری تندرستی سے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ فَقَالَ الْحَسَنُ ابْنُ عَلِيٍّ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَاذَرٍّ اَمَّا اَنَا فَاَقُوْلُ مَنْ اَشْرَفَ عَلٰى حُسْنِ اخْتِيَارِ اللّٰهِ لَهٗ لَمْ يَتَمَنَّ غَيْرَ مَا اخْتَارَ اللّٰهُ لَهٗ پس فرمایا حضرت حسنؓ نے کہ اللہ ابوذرؓ پر رحم فرمائے مگر میں کہتا ہوں کہ جس کو اللہ عزوجل کے عمدہ اختیار پر اطلاع ہو وہ سوا اس چیز کے کہ اللہ عزوجل نے اس کے حق میں پسند فرمائی ہو اور چیز کو پسند نہیں کرتا یعنی جب بندہ خداوند تعالیٰ کا اختیار دیکھے اور اپنے اختیار سے منہ موڑے تو وہ تمام غموں سے نجات حاصل کر لیتا ہے، اور یہ معنی غیبت یعنی عدم حضوری میں درست نہیں بیٹھتے بلکہ اس کیلئے حضوری کی ضرورت ہے۔ لِاَنَّ الرِّضَا لِلْاَحْزَانِ نَافِيَةٌ وَلِلْغَفْلَةِ مُعَالِجَةٌ شَافِيَةٌ یعنی رضا بندوں کو غموں سے نجات دیتی ہے اور غفلت سے نکالتی ہے اور غیر کا فکر اس کے دل سے باہر کر دیتی ہے، اور تکلیفوں کی قید سے آزاد کرتی ہے۔ اسلئے کہ رضا کی صفت نجات دینا ہے، مگر معاملات کی حقیقت بندہ کی رضا پر موقوف ہے، اسلئے کہ اس کا جاننا بندہ کیلئے ضروری ہے کہ منع اور عطا اللہ عزوجل کے علم سے ہے اور اس کا یہ اعتقاد رکھنا لازمی ہے کہ...

خداوند تعالیٰ تمام احوال میں اسکا دیکھنے والا ہے، اور اس معنی والے چار قسموں پر منقسم ہیں ایک گروہ تو نعمتوں کے ساتھ راضی ہے اور وہ نعمتیں دنیا ہے! اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو ہر طرح کی مصیبتوں اور محنتوں پر راضی ہے اور ایک گروہ برگزیدگی پر راضی ہے اور وہ محبت ہے پس جو شخص جو عطا کنندہ سے عطا کو دیکھتا ہے اس کو جان سے قبول کرتا ہے جب جان سے قبول کرتا ہے کلفت اور مشقت اس کے دل سے دور ہو جاتی ہے۔ اور وہ شخص جو عطا سے عطا کنندہ کر دیکھتا ہے عطا میں رک جاتا ہے اور تکلف سے رضا کی راہ پر چلتا ہے اور تکلف میں ہر قسم کی تکلیفیں اور مشقتیں ہوتی ہیں۔ پھر معرفت حقیقت ہو جاتی ہے اسلئے کہ بندہ معرفت کے حق میں منکاشف ہوتا ہے جب معرفت اس کیلئے حجاب اور قید کا موجب ہو جاتی ہے تو وہ معرفت کا منکر ہو جاتا ہے اور وہ نعمت عذاب ہو جاتی ہے اور عطا پردہ بن جاتی ہے، اور پھر وہ جو ساتھ دنیا کے اس سے راضی ہو جاتا ہے وہ ہلاکت اور زیاں میں پڑ جاتا ہے اور وہ رضا اس کی سب کی سب دوزخ کی آگ بن جاتی ہے، اسلئے کہ دنیا تمام اتنی قدر و منزلت نہیں رکھتی جو اس سے دلی دوستی رکھی جائے، یا کسی طرح سے اسکا غم اسکے دل پر گذر کرے، اور پھر نعمت وہ ہوتی ہے جو منعم کی طرف راہنمائی کرے اور جب انعام کنندہ سے حجاب ہوگا تب وہ نعمت

بلا ہوگی اور پھر جو شخص اس کی بلا سے راضی ہو وہ یہ ہے کہ بلا سے رغبت رکھے اور اسکی مشقت شاہد کی رغبت کھینچ سکے اور اس کا رنج دوست کے مشاہدہ کی خوشی کے سبب سے تکلیف نہ رکھے اور پھر وہ لوگ جو برگزیدگی کے سبب اس سے راضی ہوتے ہیں جو وہ اس کے محب ہیں اسلئے کہ رضا اور غصہ میں ان کی ہستی عاریتاً ہوتی ہے اور ان کے دلوں کی منزلیں بجز خدائے قدوس کے نہیں ہوتیں اور انکے بھیدوں کا خیمہ بجز روضۂ انس کے نہیں ہوتا۔ وہ حاضر ہوتے ہیں مگر غائب صفت۔ وہ زمینی ہوتے ہیں مگر ملائکہ عرش کی صفت پر اور جسمانی ہوتے ہیں مگر روحانی صفت پر۔ اور خدا کے موحدوں کے دل مخلوقات سے جدا ہوتے ہیں اور مقامات اور احوال کی قید میں مقید اور خیال جہان سے تعلق توڑے ہوتے اور خدا کی دوستی پر کمر باندھے اور دوست کی مہربانی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں قال اللہ تعالیٰ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا یعنی اپنی جانوں کے مالک ضرر اور نفع پہنچانے کی رو سے نہیں ہوتے اور نہ ہی موت اور زندگی اور حشر کے مالک ہوتے ہیں پس رضا بغیر اس کے زیاں ہوگی اور رضا ہوگی بدون راضی ہونیکے اس لئے کہ راضی ہونا اس کی [illegible] سے بادشاہی اور صریح خسروانی ہے اور اس کیساتھ آرام ہوتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِاللّٰہِ وَبِقَضَائِہٖ شَغَلَ قَلْبَہٗ وَتَعِبَ بَدَنُہٗ یعنی جو شخص اللہ عزوجل کی قضا سے راضی نہیں ہوتا اسکا دل اسباب دنیا اور اپنے نصیب کیطرف مشغول ہوتا ہے اور اس کا بدن رنج کی جستجو میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل آثار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُہٗ رَضِیْتَ عَنِّیْ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّکَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِکَ یَا مُوْسٰی فَخَرَّ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ سَاجِدًا مُتَضَرِّعًا فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ یَا ابْنَ عِمْرَانَ اِنَّ رِضَائِیْ فِیْ رِضَاکَ بِقَضَائِیْ یعنی... بار خدایا مجھے ایسے کام کی راہنمائی فرما کہ جب میں اس کو کروں تو آپ مجھ سے راضی ہو جائیں فرمایا اللہ عزوجل نے کہ اے موسیٰ تو اس کو نہ کرسکیگا موسیٰ علیہ السلام نے سجدہ کیا اور عاجزی کی خداوند تعالیٰ نے آپکی طرف وحی کی کہ اے عمران کے بیٹے میری رضامندی اور خوشی اس امر میں ہے کہ تو میری قضا سے راضی رہے یعنی جب کوئی خدا تعالیٰ کی قضا کیساتھ راضی ہوتا ہے تو اس کا قضا سے راضی ہونا اس [illegible] کی علامت ہے کہ خداوند کریم اس پر راضی ہے۔ بشر حافی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فضیل بن عیاض رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ کہ زہد فضیلت والا ہے یا رضا آپ نے فرمایا اَلرِّضَا اَفْضَلُ مِنَ الزُّهْدِ لِاَنَّ الرَّاضِیَ لَا یَتَمَنّٰی فَوْقَ مَنْزِلَتِهٖ یعنی رضا زہد سے زیادہ فضیلت والی ہے اسلئے کہ راضی اوپر کی منزل کی خواہش نہیں رکھتا یعنی زہد کی منزل کے اوپر ایک دوسری منزل ہے زاہد کو اسکی تمنا ہوتی ہے مگر رضا کے اوپر کوئی منزل نہیں ہے کہ جس کی راضی کو تمنا ہو پس پیشگاہ یعنی حضوری پائیگاہ یعنی عدم حضوری سے بہت فضیلت والا ہے اور یہ حکایت محاسبی کے قول کی صحت پر دلیل ہے اس لئے کہ رضا سب احوالوں سے ایک احوال ہے اور اللہ عزوجل کی طرف سے عطیہ بخشش ہے کسبی چیز نہیں یعنی اس کا حصول کسب سے نہیں ہوتا اور نیز یہ احتمال ہے۔ کہ راضی کو تمنا نہ ہو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ اپنی دعا میں فرماتے اَسْئَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ ... بار خدایا میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ تو مجھے قضا آجانیکے بعد رضا عطا فرما یعنی مجھے ایسی صفت پر رکھو کہ جب آپ کی جناب سے قضا مجھ پر وارد ہو تو اس کے وارد ہو جانے کے موقع پر مجھے راضی پائے یہاں سے درست ہوا کہ رضا کے وارد ہونیسے پہلے قضاء درست نہیں آتی اسلئے کہ وہ پختہ ارادہ ہوگا رضا پر۔ رضا کا ارادہ عین رضا نہ ہوگا اور ابو العباس بن عطا کہتے ہیں اَلرِّضَا نَظَرُ الْقَلْبِ اِلٰی قَدِیْمِ اِخْتِیَارِ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ یعنی بندہ پر قدیم الاختیار خداوند عزوجل کی طرف دلی توجہ کرنا بھی رضا ہے یعنی جو کچھ اسپر وارد ہو تو یہ سمجھے کہ یہ قدیمی ارادہ اور پہلے کا حکم مجھ پر ہے بیقرار نہ ہو بلکہ خوش دل ہو۔ حارث محاسبی صاحب مذہب فرماتا ہے اَلرِّضَا سُكُوْنُ الْقَلْبِ تَحْتَ مَجَارِی الْاَحْكَامِ یعنی رضا دل کی تسکین ہے جاری ہونیوالے حکموں کے نیچے۔ اور اس میں اس کا مذہب قوی ہے اس لئے کہ دل کا سکون اور طمانیت بندہ کے کسبوں سے نہیں ہے اسلئے کہ خدا کے عطیوں سے ایک عطیہ ہے۔ اور دلیل بیان کرتا ہے کہ رضا احوال سے ہے نہ کہ مقام سے اسلئے کہ عتبۃ الغلام ایک رات بالکل نہ سویا اور دن چڑھے تک یہی کہتا رہا۔ اِنْ تُعَذِّبْنِیْ فَاِنِّیْ لَكَ مُحِبٌّ وَاِنْ تَرْحَمْنِیْ فَاَنَا لَكَ مُحِبٌّ یعنی تو اگر مجھ کو دوزخ کا عذاب دے تو میں پھر بھی تیرا دوست ہوں اور اگر تو مجھے اپنے رحم میں لے لے تو پھر بھی میں تیرا دوست ہوں یعنی عذاب کی تکلیف میرے بدن پر ہوگی اور ویسے ہی نعمت کا سرور بھی بدن حاصل کرے گا مگر دوستی کا قلق واضطراب دل میں ہوتا ہے اور یہ قول محاسبیؒ کے مخالف نہیں۔ بلکہ اس میں محاسبیؒ

کی تائید ہے اسلئے کہ رضا محبت کا نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ دوست اسی چیز سے راضی ہوتا ہے کہ جو محبوب کرے۔ اگر عذاب میں رکھے اور دوستی میں محبوب ہو تو بھی خوش وخرم رہتا ہے یعنی اپنے اختیار خدا کے اختیارات کے مقابلہ میں چھوڑ دینے چاہئیں۔ اور ابو عثمان حیری کہتا ہے مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً مَا اَقَامَنِیَ اللّٰهُ فِیْ حَالٍ فَکَرِهْتُهٗ وَمَا نَقَلَنِیْ اِلٰی غَیْرِهٖ فَسَخِطْتُهٗ یعنی چالیس سال سے اللہ عزوجل نے مجھے جس حال میں رکھا ہے میں اسی سے خوش ہوں یعنی میں اس کو مکروہ نہیں سمجھا اور مجھے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نہیں کیا ہے کہ میں اس حال میں غصہ کرنے والا ہوا ہوں اور یہ اشارہ دوامی رضا اور کمال محبت کا ہے۔ اور حکایت مشہور ہے کہ ایک درویش دجلہ میں گر پڑا اور تیرنے سے ناواقف تھا ایک نے کنارہ سے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں کسی کو اطلاع دوں تاکہ تجھے نکالے اس نے کہا کہ نہیں پھر اس نے کہا کہ کیا تو غرق ہونا چاہتا ہے کہا کہ نہیں اس نے کہا کہ پھر تیرا کیا ارادہ ہے درویش نے کہا جو خداوند تعالیٰ کا ارادہ ہو جو خدا چاہے میں وہی چاہتا ہوں مجھے اپنے ارادوں سے کوئی کام نہیں۔

اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی رضا کے باب میں بہت باتیں ہیں جن کی عبارتیں آپس میں مختلف ہیں مگر قاعدہ میں یہی دو اصل ہیں جن کو میں نے بیان کیا اور طوالت کے چھوڑنے کی غرض سے اختصار کا میں نے دامن پکڑا مگر یہاں میرے لئے ضروری ہے کہ احوال اور مقامات میں فرق بیان کروں اور ان کی حدیں تیرے لئے پیش کروں تاکہ تجھے اور پڑھنے والوں کیلئے آسانی ہو اور اس حد کو اگر خدا نے چاہا۔ تو ضرور جان لیں گے۔

اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْحَالِ وَالْمَقَامِ
یعنی حال اور مقام کے فرق کا بیان

اے طالبانِ صادق! خوب جان لو کہ یہ دونوں لفظ اس طائفہ میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اور ان کی عبارتوں میں موجود ہیں اور علوم میں مروج ہیں۔ اور اہل تحقیق کے بیان میں شائع و ذائع ہیں۔ اور طالبانِ حق کو اس علم کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اس باب میں ان حدود کے ثابت کرنے کی جگہ نہ تھی۔ مگر بغیر معلوم کرانے کے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اس لئے اس محل میں میں نے ان حدود کا تذکرہ مناسب سمجھا۔ وباللّٰہ التوفیق والعظمۃ والعون

اے طالب صادق! تو خوب جان لے کہ لفظ "مقام" ساتھ پیش میم کے بندہ کا قیام ہے اور ساتھ زبر میم اوّل کے بندہ کی اقامت کی جگہ ہے مگر یہ تفصیل اور معنی اصل لفظ میں اور نیز زبانِ

عرب میں سہو اور غلطی کی بنا پر ہیں، مُقام ساتھ پیش میم اول کے لغت عرب میں اقامت کرنے اور قیام کی جگہ کے معنے میں ہے نہ کہ بندہ کی اقامت کی جگہ اور مَقام ساتھ زبر میم اول کے بمعنی ایستادن اور نیز جائے ایستادن بھی ہوتا ہے، خدا کی راہ میں بندہ کی اقامت کی جگہ نہیں ہوتا اور بندہ کا اس مقام کا حق گذارنا اور حفاظت کرنا ہوتا ہے تاکہ اس کے کمال کی جستجو کرے جتنی کہ اس کو توفیق ہو اور بندہ پر روا نہیں کہ اپنے کسی مقام سے گذرے اور پھر اس کو ادا نہ کرے جیسا کہ توبہ کے ابتدائی مقامات میں ہوا کرتا ہے پھر انابت رجوع الی اللہ پھر زہد یعنی ترک ماسوی اللہ عزوجل پھر توکل یعنی خدائے قدوس کی ذات پر بھروسہ کرنا اور مثل اس کے۔ اور کسی کیلئے جائز نہ ہوگا کہ بغیر توبہ کے انابت کا دعویٰ کرے اور ایسا ہی بغیر انابت کے زہد کا دعویٰ کرنا جائز نہیں اور نہ ہی بغیر زہد کے توکل کا دعویٰ جائز ہوتا ہے اور خدائے عزوجل نے ہم کو جبریل سے خبر دی جو اس نے کہا کہ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ یعنی ہم سے کوئی شخص نہیں ہے مگر اس کا مقام معلوم ہے۔ پھر حال کا معنی غور سے سنو۔ حال وہ معنی ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے دل میں آئے بغیر اس کے کہ اس کو اپنے آپ سے کسب کے ساتھ دفع کر سکے یعنی جب وہ معنی آتا ہے تو اپنے اختیار اور کسب سے اس کو دل سے علیحدہ نہیں کر سکتا اور جب آتے ہوئے معنی جاتے ہیں تو وہ تکلف کیساتھ ان کو اپنی طرف کھینچ نہیں سکتا پس مقام طالب کی راہ اور اجتہاد کے محل میں اسکی قیام گاہ اور اس کے کسب کے موافق جناب باری سے درجہ حاصل کرنے کا بیان یا مراد ہے اور حال خداوند تعالیٰ کے فضل اور لطف سے مراد ہے جو کہ بندہ کے دل پر مجاہدوں کے تعلق کے بغیر نازل ہوتا ہے اس لئے کہ مقام اعمال کی قسم سے ہے اور حال خدا کی دی ہوئی بزرگیوں کی قسم سے ہے، اور مقام کسبوں کی قسم سے ہے اور حال عطیات ایزدی کی قسم سے ہے پس صاحب مقام اپنے مجاہدوں کے سبب قائم ہوتا ہے اور صاحب حال اپنے آپ سے فانی ہوتا ہے اور اس کا مقام اس حال سے وابستہ ہوتا ہے، جو حق تعالیٰ اس میں پیدا فرمائے اور مشائخ رحمہم اللہ اس جگہ مختلف ہیں۔ ایک گروہ تو دوامی حال روا رکھتا ہے اور دوسرا گروہ دوامی حال روا نہیں رکھتا اور حارث محاسبی رضی اللہ عنہ دوامی حال جائز رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ محبت اور شوق اور قبض اور بسط سب کے سب احوال ہیں۔ اگر دوام حال ان کا جائز نہ ہو تو نہ محب محب ہوگا اور نہ ہی مشتاق مشتاق۔ اور جب تک یہ حال بندہ کی صفت واقع نہ ہو تب تک اس کے نام کا اطلاق

بندہ پر روا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ رضا کو احوال کی قسم سے کہتا ہے اور ابو عثمان کے اس مقولہ کا اشارہ بھی اسی طرف ہے وہ فرماتے ہیں۔ مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً مَا اَقَامَنِیَ اللّٰہُ عَلٰی حَالٍ فَکَرِھْتُہٗ یعنی چالیس سال کی ابتدا سے خداوند تعالیٰ نے مجھے جس حالت پر رکھا میں نے اس کو مکروہ نہیں سمجھا۔ اور دوسرا گروہ حال کے دوام اور بقا کو روا نہیں رکھتا۔ جیسا کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَلْاَحْوَالُ کَالْبُرُوْقِ فَاِنْ تَبْقٰی فَحَدِیْثُ النَّفْسِ یعنی احوال مثل بجلیوں کے ہیں جو دکھلائی نہیں دیتے۔ اور قائم نہیں رہتے اگر باقی ہوں تو وہ احوال نہیں ہوتے بلکہ نفس کی باتیں اور طبع کی حرص ہوتی ہیں اور ایک گروہ نے اس معنی میں کہا ہے اَلْاَحْوَالُ کَاسْمِھَا یَعْنِیْ اَنَّھَا کَمَا تَحِلُّ فِی الْقَلْبِ تَزُوْلُ یعنی حال مثل نام اپنے کے ہے یعنی جسطرح وہ دل میں اترتا ہے ویسے ہی دوسرے وقت زائل ہو جاتا ہے، اور جو کچھ دل میں باقی رہتا ہے وہ صفت ہوتی ہے اور صفت کا قیام موصوف سے ہوا کرتا ہے اور موصوف کا کامل ہونا صفت سے ضروری ہے، اور یہ سب محال ہے اور یہ فرق میں اس لئے لایا ہوں تاکہ تو جس وقت اس گروہ کی عبارتوں یا اس کتاب میں ان کا حال اور مقام دیکھے تو تو سمجھ لیوے کہ ان کی مراد اس سے کیا چیز ہے، اور حاصل کلام یہ ہے کہ رضا مقاموں کی انتہا ہے اور احوال کی ابتدا ہے اور یہ وہ جگہ ہے کہ اس کی ایک طرف تو کسب اور اجتہاد میں ہے اور دوسری طرف محبت اور اس کے جوش میں ہے اور اس سے اوپر کوئی مقام نہیں ہے اور مجاہدات کا قطع ہونا اس سے ہے پس اس کی ابتدا تو کسبوں سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا عطیات سے اب تو احتمال پیدا کر سکتا ہے کہ جو ابتدا میں رضا خود بخود دیکھی تو اسے مقام سے موسوم کیا اور جو انتہا میں اپنی رضا بحق دیکھی اس کو حال کے نام سے پکار دیا۔ یہ ہے محاسبی کے مذہب کا حکم اہل تصوّف میں۔ مگر معاملات میں اس میں کوئی خلاف نہیں کیا ہے۔ بجز اس کے کہ مریدوں کو عبارات اور معاملات سے کہ جن کی خطا موہومی ہوتی جھڑکتے اور تنبیہ کرتے گو اس کی اصل درست ہی ہوتی۔ جیسا کہ ایک روز ابو حمزہ بغدادیؒ جو کہ آپ کا مرید تھا اور مرد صاحب سماع اور ارباب حال سے تھا آپ کے پاس آیا اور حارث شاہ ایک مرغ رکھتا تھا اس مرغ نے بانگ دی ابو حمزہؒ نے نعرہ مارا اور حارث اٹھا اور ہاتھ میں چھری پکڑی اور کہا کَفَرْتَ یعنی تو کافر ہوا اور اس کے مار ڈالنے کا قصد کیا مرید شیخ کے پاؤں میں گر پڑے اور انہوں نے اس کو آپ سے جدا کر دیا۔ ابو حمزہ سے کہا اَسْلِمْ یَا مَطْرُوْدُ اے مردود

مسلمان ہو۔ مریدوں نے کہا اے شیخ ہم سب اس کو خواص اولیاء اور موحدین سے سمجھتے ہیں۔ آپ نے اس پر تردد کیوں فرمایا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے اور اس میں بجز خوبی دیدار الٰہی کے اور کوئی نہیں اور اسکے باطن کو بجز توحید میں غرق ہونے کے اور کچھ نہیں جانتا مگر اس کو ایسا کام کیوں کرنا چاہئے جو کہ حلولیوں کی مثل ہے، یہاں تک کہ ان کے مقالات سے اس کے معاملات میں نشان ہوگا اور مرغ بیعقل جانور ہے مجازی عادت اور خواہش کی بناپر آواز کرتا ہے وہ کس طرح خدا کی طرف سے سماع رکھتا ہے اور حق جل و علا قابل تجزیہ نہیں ہے اور اس کے دوستوں کو اس کے کلام کے سوا آرام نہیں ہے اور اس کے کلام کیساتھ وقت اور حال نہیں۔ اور اس کا چیزوں میں حلول اور نزول نہیں۔ اور اتحاد اور امتزاج قدیم پر روا نہیں جب ابوحمزہ نے اسوقت نظر شیخ کی دیکھی عرض کی اے شیخ اگرچہ میں اصل میں ٹھیک راستہ پر تھا مگر جب میرا فعل مانند گمراہ قوم کے تھا لہٰذا میں نے توبہ کی اور رجوع کیا۔ اور اسی قسم کے آپ کے بہت طریقے ہیں اور میں نے مختصر کیا اور یہ راستہ بہت ہی قابل تعریف ہے، اور سلامتی کی راہ میں ہے اس راستہ میں ہوش کا نقصان نہیں۔ پیغامبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمِ یعنی جو شخص تم سے خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے پس وہ تہمتوں کی جگہ پر کھڑا نہ ہو۔ اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں ہمیشہ خداوند تعالیٰ سے اسی قسم کے معاملہ کی خواہش رکھتا ہوں۔ اور یہ معاملہ رسمی صوفیوں کی صحبت سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اگر ریا اور نافرمانی کے کاموں میں ان کی موافقت نہ کی جائے تو وہ دشمن ہو جاتے ہیں۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجَهْلِ یعنی ہم اللہ کے نام کے ساتھ جہالت و نادانی سے پناہ مانگتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قصاری فرقہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔

قصاری فرقہ کو ..... ابوصالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسبت تھی اور آپ اس طریقت کے سردار اور بزرگ عالم ہوئے ہیں۔ آپ کا طریقہ ملامت کا ظاہر اور نشر کرنا تھا اور معاملات کے فنون میں آپ کا کلام عالی ہے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ عزوجل کا علم تیرے پاس مخلوق کے علم سے زیادہ اچھا ہونا چاہیئے یعنی چاہیئے کہ خدا کے ساتھ تیرا معاملہ باطن میں اس معاملہ

سے بہت ہی اچھا ہو۔ جو کہ ظاہر میں تیرا معاملہ مخلوق سے ہے، اس لئے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے تیرے دل کا شغل مخلوق کے ساتھ حجاب اعظم ہے کتاب کے شروع میں جو باب ملامت کا باندھا گیا ہے اسمیں میںنے اس کی حکایتیں اور احوال بیان کردیا ہے اختصار کو مدنظر رکھتا ہوا انہیں پر اکتفا کرتا ہوں اور آپ کی حکایات میں سے عجیب حکایت یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ نیشاپور کی حیرا نامی نہر کے کنارے چل رہا تھا اور نوح نام ایک چور تھا جو کہ جوانمردی میں مشہور۔ اور نیشاپور کے تمام چور اس کے حکم کے تابع تھے۔ میں نے اس کو راستہ میں دیکھا میں نے کہا اے نوح جوانمردی کیا چیز ہے اس نے کہا کہ میری جوانمردی کے متعلق پوچھتے ہو یا اپنی کے متعلق۔ میں نے کہا کہ دونوں کے متعلق کہو۔ اس نے کہا کہ میری جوانمردی تو یہ ہے کہ قبا اتار کر گودڑی پہن لوں اور وہ طریقہ اختیار کروں کہ جس سے صوفی ہو جاؤں اور ان کپڑوں میں خدا تعالیٰ کی شرم سے نافرمانی کے کاموں سے پرہیز کروں۔ اور تیری، جوانمردی یہ ہے کہ تو گودڑی اتار دے تاکہ تو خلقت کے سبب اور خلقت تیرے سبب فتنہ میں مبتلا نہ ہو۔ پس میری جوانمردی شریعت کی حفاظت ہوگی ظاہر کرنے پر۔ اور تیری جوانمردی حقیقت کی حفاظت ہوگی بھید چھپانے پر۔ اور یہ اصل بہت ہی قوی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

طیفوریہ فرقے کا بیان۔ اور یہ گروہ ابویزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، وہ صوفیوں کے رئیس اور بزرگ ہوئے ہیں اُن کا طریق غلبہ اور سکر کا تھا۔ اور خدا کے شوق کا غلبہ اور سکر اور دوستی اور دوستی آدمی کی جنس سے نہیں ہوتی۔ اور جو چیز دائرہ اکتساب سے باہر ہو اسپر دعویٰ کرنا باطل ہوتا ہے اور اس کی تقلید محال ہوتی ہے، لامحالہ ہوش والے کی صفت سکر یعنی بیہوشی کبھی نہ ہوگی اور آدمی کو صحو کی حالت میں خود بخود سکر کے کھینچنے کا غلبہ نہیں ہوتا۔ اور اس کا سکر خود بخود مغلوب ہوتا ہے اور اس کا مخلوق کی طرف التفات نہیں ہوتا تاکہ تکلف کے اوصاف سے کوئی صفت ظہور پذیر ہو۔ اور اس طریقت کے مشائخ اس پر ہیں۔ کہ اقتدا اسی مستقیم الحال کی کرنی چاہیئے کہ جو احوال کی گردش سے خلاصی پائے ہوئے ہو یعنی اس کے سوا اور کسی کی اقتدا کرنی درست نہیں ہوتی۔ پھر ایک گروہ جائز رکھتا ہے کہ بلاشک کوئی شخص بسبب تکلف کے غلبہ اور سکر کا راستہ اختیار کرلے اس واسطے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اَبْکُوْا فَاِنْ لَمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکُوْا یعنی روؤ یا رونے والوں کی شکل بناؤ۔ اور اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو کسی گروہ

کی مشابہت ریا کی خاطر اختیار کرنی ہے تو یہ عین شرک ہے اور دوسرا اپنے آپ کو کسی گروہ کی مثل کرنا۔ اس نیت سے کہ حق تعالیٰ اس کو بھی ان کے درجہ پر پہنچا دے کہ جن کی مشابہت اختیار کر رہا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرتا ہے اس کا شمار انہی سے ہوگا اور جو مجاہدات کی قسم سے راہ میں آئے انہیں بجا لائے اور خدا کی درگاہ سے امیدوار ہو۔ تاکہ خداوند تعالیٰ ان معانی کی تحقیق کا دروازہ اس پر کھولے، مشائخ سے ایک نے کہا ہے۔ اَلْمُشَاھَدَاتُ مَوَارِیْثُ الْمُجَاھَدَاتِ یعنی مشاہدے مجاہدوں کے مواریث ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مجاہدات تمام معانی میں اچھے ہوتے ہیں مگر سکر اور غلبہ کسب کے تحت میں نہیں آتا تاکہ مجاہدوں کے ساتھ اس کو کھینچ سکے۔ اور عین مجاہدے سکر کے حصول ہونے کی علت نہیں ہوتے۔ اور مجاہدے صحو یعنی ہوش کی حالت میں ہوسکتے ہیں اور صحو والے کا قیام سکر کے قبول کرنے کیساتھ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ محال ہوتا ہے اب میں صحو اور سکر کی حقیقت کو مشائخ کے اختلاف کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ تاکہ اشکال اٹھ جاتے اگر اللہ عزوجل کو منظور ہوا۔

سکر (بیہوشی) اور صحو (ہوش) کا بیان ہوتا ہے

جان تو کہ اللہ عزوجل تجھے عزت عطا فرمائے سکر اور غلبہ ارباب معانی کے نزدیک حق تعالیٰ کی محبت کے غلبہ سے ہے اور صحو یعنی ہوش حصول مراد سے مراد ہے اور صاحبان معانی ان معنوں میں بہت ہی کلام ہے ایک گروہ صحو کو سکر پر فضیلت دیتا ہے اور ایک گروہ سکر کو صحو پر فضیلت دیتا ہے اور وہ لوگ جو کہ سکر کو صحو پر فضیلت دیتے ہیں۔ وہ ابو یزید اور ان کے متعلقین ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ صحو اعتدال اور تمکین پر آدمیت کی صفت سے صورت پذیر ہوتا ہے اور وہ خداوند تعالیٰ کیطرف سے حجاب اعظم ہوتا ہے، اور سکر کا آفت کے زوال اور بشریت کی صفات کے نقص پر اور اس کے اختیار اور تدبیر کے جانے اور اس کے تصرف کے حق میں فنا ہونے پر اطلاق کرتے ہیں اسوجہ سے کہ معنی اور قوتیں جو اس میں موجود ہیں۔ اس کی جنس کے خلاف پر ہیں۔ اور وہ اس کا بہت ہی کامل اور بلیغ حال ہوتا ہے جیساکہ داؤد علیہ السلام صحو کی حالت میں تھا کہ جو فعل اس سے ظہور میں آتا تھا حق جل وعلا اس کی نسبت اسی کی طرف کر دیا کرتا تھا۔ خداوند عالم نے فرمایا۔ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ یعنی

داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ اور ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سکر کی حالت میں تھے۔ آپ سے جو فعل ظہور میں آیا تو حق تعالیٰ آپ کے فعل کو اپنی طرف فرما لیتا تھا۔ فرمایا اللہ جل شانہ نے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ فَشَتَّانَ مَا بَيْنَ عَبْدٍ وَعَبْدٍ يَعْنِي نہیں پھینکا تو نے جس وقت پھینکا تو نے ولکن اللہ عزوجل نے پھینکا پس بندہ اور عبودیت میں بہت ہی دوری ہے اور جو اپنے ساتھ قائم تھا یعنی صحو کی حالت میں تھا تو اس کو اپنی صفتوں کیساتھ ثابت کیا کہ تو نے کیا۔ بزرگی کی صورت پر اور جو حق کے ساتھ قائم تھا اور اپنی صفات سے فانی تو فرمایا کہ ہم نے کیا۔ جو کچھ کیا پس بندہ کے فعل کی اضافت خداوند تعالیٰ کے ساتھ بہت اچھی ہوتی ہے خداوند تعالیٰ کے فعل کی نسبت سے بندہ کے ساتھ۔ اس لئے کہ جب خدا کا فعل بندہ کی طرف منسوب ہو گا تب بندہ اپنے آپ کیساتھ قائم ہو گا۔ اور جب بندہ کا فعل خدا کی طرف منسوب ہوگا تب حق پر قائم ہو گا۔ بندہ جب اپنے آپ میں قائم ہوتا ہے تو وہ ایسا ہوتا ہے کہ جیسے داؤد علیہ السلام کی ایک نظر ایک جگہ پڑی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے دیکھا جو کچھ دیکھا اور جب بندہ خدا کے ساتھ قائم ہوتا ہے ایسا ہوتا ہے جیسا کہ اسی جنس کی زید کی عورت پر نظر پڑی تو وہ زید پر حرام ہوئی اس لئے کہ وہ صحو کے محل میں تھا اور یہ سکر کے محل میں تھے۔ اور پھر ایک گروہ صحو کی فضیلت سمجھتا ہے سکر پر اور وہ گروہ جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انکے متبعین کا ہے، کہتے ہیں کہ سکر آفت کا محل ہے اسواسطے کہ سکر احوال کی پریشانی ہے اور اس میں صحت دور ہو جاتی ہے اور اپنی تعلیم کا گم کرنا ہے اور جب بندہ سب معانی کے قاعدہ کا طالب ہوتا ہے یا اس کے فنا کی رو سے یا اس کے بقا کی رُو سے یا اس کے محو کی رُو سے اور یا اس کے اثبات کی رُو سے جب صحیح حال والا نہ ہو گا۔ تحقیق کا فائدہ حاصل نہ ہو گا اسلئے کہ اہل حق کا دل کل مثبتات یعنی موجودات سے مجرد چاہیئے اندھے پن کے سبب کبھی اشیاء کی قید سے آزاد نہ ہو گا اور اس کی آفت سے خلاصی نہ ہو گی اور مخلوقات کا ذات خداوندی کے سوا دوسری چیزوں میں دل لگانا اسوجہ سے ہے کہ وہ ان کی اصلی حقیقت سے ناواقف ہیں اگر ان کی اصلی حقیقت سے واقف ہوتے تو ان سے خلاصی پا جاتے اور ٹھیک دیدار کی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ شئی میں نظر کرنے والا بقا کی نظر سے اس کو دیکھتا ہے اور دوسرے

یہ ہے کہ فنا کی نظر سے اس کو دیکھتا ہے اگر بقا کی نظر سے اس کو دیکھے تو سب کو اپنی بقا میں پائے اسلئے کہ چیزوں کو اپنی بقا کی حالت میں خود بخود باقی دیکھتا ہے اور اگر بقا کی آنکھ سے دیکھے تو کل کو حق کی بقا کے پہلو میں فانی پاتا ہے اور یہ دونوں صفتیں اس کیلئے موجودات سے منہ موڑنے کا سبب ہوتی ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا کے دوران میں ارشاد فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَاھِیَ اے اللہ ہمیں اشیاء کی حقیقی صورت دکھا اسلئے جو شخص چیزوں کی حقیقت سے اطلاع پائیگا تو وہ آسودگی پالیگا۔ اور یہ معنی قول خداوندی فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ کے ہیں یعنی اے صاحبانِ بصیرت عبرت حاصل کرو جبتک اشیاء کی حقیقت نہ دیکھیں گے عبرت نہ پکڑینگے پس یہ سب صحو کی حالتوں کے سوا درست نہیں بیٹھتا اور صاحبان سکر کو ان معنی کی مطلق واقفیت نہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سکر کی حالت میں تھے اور ایک تجلی کے اظہار کی بھی طاقت نہ رکھی اور بیہوش ہوئے خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا یعنی موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحو کی حالت میں تھے مکہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں تھے۔ ہر لحظہ زیادہ ہوشیار اور بیدار تھے شعر شَرِبْتُ الرَّاحَ کَاْسًا بَعْدَ کَاْسٍ۔ فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِیْتُ۔ یعنی میں نے شراب کے پیمانے پیچھے اوپر پئے پس نہ تو شراب کم ہوئی اور نہ ہی میں سیراب ہوا اور میرے شیخ حضرت جنیدؒ کے مذہب میں ہیں فرماتے ہیں کہ سکر بچوں کے کھیل کی جگہ ہے اور صحو مردوں کے فنا کا میدان ہے اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں اپنے شیخ کی موافقت میں کہتا ہوں کہ صاحب سکر کے حال کا کمال صحو ہوتا ہے اور صحو کا سب سے کم درجہ دیدار کا بشریت سے باز رہنا ہے پس آفت والا صحو سکر سے بہتر ہے اسلئے کہ سکر عین آفت ہوتا ہے اور ابو عثمان مغربی سے حکایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے ابتدائی حال میں بیس برس تک جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کی اس طرح کہ کسی آدمی کو خبر نہ ہوئی مشقت کی وجہ سے آپ کی ہڈیاں اور اعضا خشک ہو گئے اور آپ کی آنکھیں پوری سینے والے سوئے کے سوراخ کے موافق ہو گئیں۔ اور آدمیوں کی صورت بدل گئی بیس سال کے بعد آپ کو صحبت کا حکم ہوا خدا تعالیٰ نے فرمایا مخلوق کے ساتھ صحبت اختیار کر تب آپ نے اپنے دل میں کہا کہ سب سے پہلے خانہ خدا کے مجاوروں کی صحبت اختیار کرتا ہوں تاکہ میرے لئے برکت کا موجب ہو آپ نے اہل مکہ کا قصد کیا مشائخ کو بوجہ دلی صفائی کے آپکے آنیکی خبر ہوئی۔ آپکے استقبال کیلئے شہر سے باہر نکلے آپ کو انہوں نے اس حالت میں دیکھا کہ انھوں

کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اور صرف جان ہی جان جسم میں اٹکی ہوئی تھی۔ اور کوئی چیز صحیح وسلامت باقی نہ تھی۔ ان مشائخ استقبالیہ نے کہا کہ اے ابوعثمان بیس سال تک تو نے ایسی صفت میں زندگی بسر کی ہے کہ آدم اور اس کی اولاد تیرے معاملہ کی دریافت سے عاجز ہو چکی ہے ہمیں بتائیں کہ آپ کس لئے گئے تھے اور آپ نے کیا دیکھا اور آپ نے کیا پایا اور آپ کس لئے واپس آتے آپ نے فرمایا کہ سکر کی حالت میں گیا تھا اور سکر کی آفت میں نے دیکھی اور ناامیدی پائی اور عجز کیساتھ واپس آیا سب مشائخ نے کہا کہ اے ابوعثمان آپ کے پیچھے ان معبّروں پر تعبیر کرنی حرام ہوتی ہے کہ جو صحو اور سکر کی مُراد بیان کیا کرتے تھے اسلئے کہ آپکے انصاف نے سب کی داد دی ہے اور سکر کی آفت آپ نے ظاہر کی پس سب سکر فنا کا گمان ہے اس صفت کے بقا کے عین میں حجاب ہوگا۔ اور صحو فنا کی صفت میں سب کا سب بقا کا دیدار ہے اور یہ عین کشف ہوگا اور اگر کسی شخص کے دل میں خیال بندھے کہ سکر فنا کے ساتھ صحو سے زیادہ نزدیک ہے محال ہوگا اس لئے کہ سکر صحو پر زیادہ باصفت ہے اور جبتک بندہ کے اوصاف نے یادتی کا خیال رکھتے ہیں بیخبر ہوتے ہیں۔ اور جب اس کے نقصان کا خیال آتا ہے طالبوں کو اس سے امید ہوتی ہے اور یہ ان کے حال کی انتہائی حالت ہے صحو اور سکر میں ابویزیدؒ سے حکایت لاتے ہیں کہ آپ مغلوب ہوتے تو یحییٰ بن معاذؒ نے آپ کی طرف خط لکھا کہ آپ اس شخص کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں کہ جو خدا کی محبت کے دریا سے ایک قطرہ پی کر مست ہو گیا ہو حضرت بایزیدؒ نے جواب میں لکھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کے حق میں کہ جو کوئی سب جہانوں کی محبت کے دریا پی کر بھی بوجہ تشنگی جوش وخروش کر رہا ہو۔ اور لوگوں نے اس سے یہ خیال کر لیا ہے کہ یحییٰ نے سکر کی مُراد بیان کی ہے اور بایزید نے صحو کی۔ اور یہ برخلاف ہے اسلئے کہ صاحب صحو وہ ہوتا ہے جو کہ طاقت ایک قطرہ کی بھی نہ رکھے اور صاحب سکر وہ ہے کہ جو بسبب مستی کے سب کو پی کر بھی زیادہ کی خواہش رکھتا ہے، اسلئے کہ شراب سکر کا آلہ ہوتا ہے اور جنس جنس کیساتھ خوبتر ہوتی ہے اور صحو اس کے مخالف اور اس کی ضد ہے وہ شراب کے گھاٹ پر آرام نہیں پاتا۔ مگر سکر دو طرح پر ہوتا ہے ایک دوستی کی شراب سے اور دوسرے محبت کے پیالہ سے اور سکر دوستی معلول ہوتی ہے اسلئے کہ رویت نعمت کے سبب ہوتی ہے اور سکر محبت بیوجہ ہوتی ہے اسلئے کہ اس کی پیدائش منعم کی رویت سے ہوتی ہے پس جو کوئی نعمت کو دیکھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور جو کوئی منعم کو دیکھتا ہے

وہ اسی کو دیکھتا ہے اپنے آپ کو نہیں اگرچہ سکر میں ہو! اور اس کا سکر صحو ہوتا ہے اور صحو بھی دو قسم ہے ایک صحو غفلت پر ہوتا ہے اور دوسرا محبت پر قائم ہوتا ہے اور وہ صحو جو کہ غفلت پر ہوتا ہے وہ حجاب اعظم ہوتا ہے اور وہ صحو جو کہ محبت پر ہوتا ہے وہ کشف ہوتا ہے پس وہ جو مقرون ساتھ غفلت کے ہوتا ہے اگرچہ صحو ہو سکر ہوتا ہے اور وہ جو محبت سے وصل شدہ ہو اگرچہ سکر ہو صحو ہوتا ہے جب اصل مستحکم ہو گا صحو مانند سکر کے ہو گا اور سکر مانند صحو کے اور جب بے اصل ہو گا دونوں بے فائدہ ہوتے ہیں اور حاصل کلام یہ ہے کہ صحو اور سکر مردوں کے قدمگاہ میں ساتھ علت اختلاف کے معلول ہوتا ہے اور جب حقیقت کا غلبہ اپنا جمال دکھائے صحو اور سکر دونوں طفیلی ہوتے ہیں اسلئے کہ طرفین ان ہر دو معنی میں ایک دوسرے کیساتھ ملائے گئے ہیں ایک کی انتہا دوسرے کی ابتدا ہو جاتی ہے، اور ابتدا اور انتہا تفریقوں میں صورت نہیں پکڑتی اور وہ جو کہ نسبت ان کی ساتھ تفرقہ کے ہو حکم میں متساوی ہو گی اور جمع تفریقوں کی نفی ہوتی ہے، اور اسی کے بارہ میں ایک بزرگ کہتا ہے۔ شعر۔ اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ بِنَجْمِ رَاحٍ - تَسَاوِیْ فِیْهِ سَکْرَانٌ وَصَاحٍ یعنی جب عمدہ تاروں کے ساتھ صبح طلوع کرتی ہے تو اس میں سکر اور صحو برابر ہوتا ہے"

اور سرخس میں دو پیر ہوتے ہیں ایک کا نام لقمان ہے اور دوسرے کا نام ابو الفضل حسنؒ ہے ایک روز لقمان ابو الفضل کے پاس آئے تو ان کو انہوں نے اس حالت میں دیکھا کہ وہ کچھ جزیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا۔ کہا اے ابو الفضل ان جزوں میں آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ وہی کچھ تلاش کر رہا ہوں جو کچھ آپ اس کی ترک سے تلاش کر رہے ہیں۔ لقمانؒ نے فرمایا کہ اس خلاف کے درپے ہونیکی کیا وجہ ہے ابو الفضل نے جواباً فرمایا کہ خلاف تم خود دیکھتے ہو جو کہ مجھ سے پوچھتے ہو کہ تم ان جزوں میں کیا تلاش کر رہے ہو۔ مستی سے ہوشیار ہو جاؤ۔ ہشیاری سے بیدار ہو جاؤ۔ تاکہ یہ اختلاف اٹھ جائے۔ اور تم جانتے ہو کہ ہم اور تم کیا ڈھونڈھ رہے ہیں پس طیفوریوں کا جنیدیوں سے اسی قدر اختلاف ہے جس قدر ہم نے بیان کر دیا۔ اور آپ کا مذہب مطلق معاملات میں ترک صحبت اور اختیار عزلت تھا۔ اور سب مریدوں کو اسی کا حکم فرمایا کرتے تھے! اور یہ طریقہ محمود اور سیرت قابل تعریف ہے اگر میسر ہو جائے۔

جنیدی فرقہ کا بیان ہوتا ہے: جنیدیوں کی دوستی ابو القاسم جنید بن محمدؒ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اور ان کے وقت میں ان کو طاؤس العلماء کہتے تھے اس طائفہ کا سردار اور ان کا امام الائمہ ہے، اس کا طریقہ طیفوریوں کے برعکس صحو پر مبنی ہے اور اس کا اختلاف بیان ہوا ہے اور سب مذہبوں

سے زیادہ مشہور مذہب اس کا ہے اور سب مشائخ جنیدی مذہب میں ہوئے ہیں۔ اور سوا اس کے ان کے کلموں میں اس طریقت کے معاملات میں بہت اختلاف ہے۔ اور میں کلام کے طویل ہو جانے کے سبب اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور اگر کسی شخص کا دل اس سے زیادہ معلومات پیدا کرنے پر ہو تو وہ دوسری جگہ کی طرف رجوع کرے، تاکہ اس سے بہتر اس کی معلومات ہو جائیں اس لئے کہ میرا مذہب اس کتاب میں اختصار اور تفصیل کا چھوڑنا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اور میں نے حکایات میں پایا ہے کہ جب حسین بن منصور نے اپنے غلبہ میں عمرو بن عثمان سے تبرا کیا اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تو کس لئے آیا ہے اس نے کہا شیخ کی صحبت اختیار کرنے کیلئے آپ نے فرمایا میں مجنون کو اپنی صحبت میں نہیں لیا کرتا اسلئے کہ صحبت کیلئے صحیح الحال ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ جب تو آفت کیساتھ صحبت اختیار کریگا تو ایسا ہوگا کہ جیسا تو نے سہل بن عبداللہ تستری اور ابو عمر سے کیا منصور نے کہا اے شیخ اَلصَّحْوُ وَالسُّکْرُ صِفَتَانِ لِلْعَبْدِ وَمَادَامَ الْعَبْدُ مَحْجُوْبًا عَنْ رَبِّہٖ حَتّٰی فَنِیَ اَوْصَافُہٗ یعنی صحو اور سکر بندہ کی دو صفتیں ہیں۔ اور ہمیشہ بندہ خداوند کریم سے محجوب ہے جب تک اس کے اپنے اوصاف فانی نہ ہو جاویں جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یَا ابْنَ الْمَنْصُوْرِ اَخْطَاْتَ فِی الصَّحْوِ وَالسُّکْرِ لِاَنَّ الصَّحْوَ عِبَارَۃٌ بِلَا خِلَافٍ عَنْ صِحَّۃِ حَالِ الْعَبْدِ مَعَ الْحَقِّ وَذٰلِکَ لَا یَدْخُلُ تَحْتَ صِفَۃِ الْعَبْدِ وَاکْتِسَابِ الْحَقِّ وَاَنَا اَرٰی یَا ابْنَ الْمَنْصُوْرِ فِیْ کَلَامِکَ فُضُوْلًا کَثِیْرًا وَعِبَارَاتٍ لَا طَائِلَ تَحْتَہَا یعنی اے ابن منصور تو نے صحو اور سکر میں خطا کی ہے اسلئے کہ اس میں کچھ خلاف نہیں کہ صحو خدا کے ساتھ صحیح الحالی ہے اور سکر سے مراد غایت محبت اور زیادتی شوق ہے اور یہ دونوں معنی مخلوقات کے کسب کی صفت کے نیچے نہیں آسکتے۔ اور اے بیٹے منصور کے میں تیرے کلام میں بہت کچھ فضول گوئی دیکھتا ہوں اور تیری عبارتیں بے معنی ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

اب نوری فرقے کا بیان ہوتا ہے:۔ نوریوں کی دوستی ابوالحسن احمد بن نوری رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ ہے، اور وہ صوفی علماء کے بالانشین عالم ہوئے ہیں اور نور سے بھی زیادہ منور ہیں اور صوفیوں میں آپ کا ذکر روشن مناقب اور قطعی دلائل سے ہے اور تصوف میں آپ کا مذہب بہت ہی پسندیدہ ہے اور آپ کے مذہب کی طریقت کے عجائبات سے ایک یہ عجیب بات ہے کہ صحبت میں ان کے نزدیک

صاحب حق کا ایثار اپنے حق پر مقدم ہوتا ہے اور وہ صحبت کہ جس میں غیر کی منفعت اپنی مصلحت پر مقدم نہ ہو حرام ہوتی ہے، اور فرمایا ہے کہ صحبت درویش مردوں کی فرض ہے اور گوشہ نشینی قابل تعریف نہیں اور صاحب کی منفعت کو صاحب کی مصلحت پر مقدم رکھنا بھی فرض ہے اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اِیَّاکُمْ وَالْعُزْلَۃَ فَاِنَّ الْعُزْلَۃَ مُقَارَبَۃُ الشَّیْطَانِ وَعَلَیْکُمْ بِالصُّحْبَۃِ فَاِنَّ فِی الصُّحْبَۃِ رِضَاءُ الرَّحْمٰنِ یعنی گوشہ نشینی سے بچو اس لئے کہ گوشہ نشینی شیطان کی قربت ہے اور تم پر لازم ہے۔ کہ صحبت اختیار کرو اسلئے کہ تحقیق صحبت میں خداوند کریم کی خوشنودی ہے، اور اب میں ایثار کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں اور جب عزلت اور صحبت کے باب پر پہنچوں گا اس جگہ اس کی رمزیں اور شرح بیان کروں گا تاکہ فائدہ عام تر ہو اگر اللہ عزوجل کو منظور ہوا۔

ایثار کا بیان ہوتا ہے

خداوند جل و علا ارشاد فرماتا ہے، وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ یعنی دوسروں کی حاجت برآری کیلئے بخشش کرتے ہیں یعنی اپنے نفسوں پر دوسروں کو بخشش کے طور پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ نہیں اس کی خود بھی ضرورت ہو اور ایثار کرتے ہیں اگرچہ خود اس کے حاجتمند ہوں اور اس آیت کا نزول علی الخصوص فقرا صحابہ کی شان میں ہوا ہے اور ان کے ایثار کی حقیقت یہ تھی کہ اپنی صحبت میں اپنے صاحب کا حق نگاہ رکھتے تھے۔ اور اپنا حصہ دوسرے کے حصہ میں کر دیتے تھے اور اپنے صاحب کے آرام کیواسطے خود تکلیف اٹھاتے تھے۔ لِاَنَّ الْاِیْثَارَ الْقِیَامُ بِمُعَاوَنَۃِ الْاَغْیَارِ مَعَ الْاِشْتِغَالِ بِمَا اَمَرَہُ الْجَبَّارُ لِرَسُوْلِہِ الْمُخْتَارِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰہِلِیْنَ یعنی ایثار دوسروں کی امداد پر قائم ہونا ہے بسبب اس کے کہ حکم کیا ہے اس کا خدائے جبار نے اپنے رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ فرمایا اللہ عزوجل نے کہ اے میرے حبیب معافی کو لازم پکڑ اور نیکی کا حکم فرما اور جاہلوں سے روگردانی اختیار کر۔ اس سے زیادہ اس کی تشریح باب آداب الصحبۃ میں آئیگی مگر اس جگہ مراد صرف ایثار کا بیان ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو صحبت میں ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اور دوسرا ایثار کرنا محبت میں ہے لیکن صاحب کے حق میں ایثار کرنا رنج اور تکلیف کی قسم سے ہے

مگر دوست کے حق میں ایثار سے کام لینا سب آرام اور خوشی ہے، اور حکایات میں مشہور ہے کہ جب غلام الخلیل اس طائفہ کی عداوت پر ظاہراً آیا اور ہر ایک کو ایک گونہ ایک دوسرے سے خصومت پیدا ہوئی تو اس نے نوری اور رقام اور ابوحمزہ کو گرفتار کرا کر خلیفہ کے پاس پہنچایا اور غلام خلیل نے خلیفہ سے کہا کہ یہ قوم بیدینوں کی ہے، اگر امیر المومنین ان کے قتل کا حکم صادر فرمائیں تو بہت اچھا ہے کیونکہ اصلی بیدین سنیاب ہو چکے ہیں۔ اور یہ اس گروہ کے سردار ہیں۔ اور جس شخص کے ہاتھ سے نیکی کا کام صادر ہو گا میں اس کو خدا سے اجر دلانے کا ضامن ہوتا ہوں۔ خلیفہ نے جلدی سے ان کے قتل کا حکم صادر کیا۔ جلادوں نے آکر ان کے ہاتھ باندھ دئے جلاد نے رقام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت نوری اٹھ کر رقام کی جگہ بیٹھا۔ جلاد نے نوری رحمۃ اللہ علیہ کی خوشی اور طرب سے تعجب کیا اور حاضرین متعجب ہوئے جلادوں نے کہا کہ اے جوانمرد یہ تلوار ایسی چیز نہیں ہے جو رغبت کیساتھ اپنے آپ کو اس کے آگے پیش کیا جائے۔ جیسا کہ تو نے بڑی خوشی سے اپنے آپ کو پیش کیا ہے ابھی تیری نوبت نہیں آئی آپ نے فرمایا ہاں مگر میرا طریقہ ایثار کرنے کا ہے اور دنیا میں جان سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ عزیز نہیں ہیں چاہتا ہوں کہ اپنے ان چند سانسوں کو ان بھائیوں پر ایثار کردوں اسلئے کہ ایک سانس دنیا کا میرے نزدیک آخرت کے ہزار سال سے بہتر ہے، اس لئے کہ یہ دنیا خدمت کرنے کی سرا ہے اور وہ جگہ قربت کی سرا ہے اور قربت خدمت سے حاصل ہوتی ہے، قاصد نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچائی۔ خلیفہ رقت طبع اور آپ کی دقتِ کلام سے سخت متعجب ہوا اور کسی شخص کو بھیجا کہ ان کے بارے میں ذرا توقف کرو، اور قاضی القضات ابوالعباس کے حوالہ ان سب کو کیا اور وہ ان تینوں کو گرفتاری کی حالت میں اپنے گھر لیگیا اور اس نے ان سے شریعت کے احکام اور اس کی حقیقت پوچھی۔ اور آپ کو دونوں معاملہ میں اس نے کامل پایا اور اپنی غفلت سے جو ان کے حال میں اس نے کی تھی پریشانی ظاہر کی۔ پھر نوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت فرمایا کہ اے قاضی یہ سب کہ تو نے دریافت کیا ہے ابھی کچھ دریافت نہیں کیا فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یَاْکُلُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَشْرَبُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَجْلِسُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَقُوْلُوْنَ بِاللّٰہِ یعنی خداوند کریم کے کچھ بندے ہیں کہ ان کا قیام اسی کی ذات سے ہے، اور ان کا بولنا اور اٹھنا اور بیٹھنا اور حرکت اور سکون سب اس کی ذات سے وابستہ ہے جو کہ زندہ ہے۔ اور ہمیشہ اس کے مشاہدہ میں رہتے ہیں اور ایک لمحہ بھی خدا تعالیٰ کا مشاہدہ ان کے

معاملہ سے جدا ہو جائے تو ان کے اندر سے شور اٹھتا ہے قاضی آپ کی رقتِ کلام اور صحتِ حال سے تعجب میں آیا خلیفہ کی طرف اسی وقت لکھا کہ اگر یہ طائفہ بے دینوں کا ہے فَمَنِ الْمُوَحِّدُ فِی الْعَالَمِ تو میں گواہی دیتا ہوں اور حکم لگاتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی موحّد نہیں ہے خلیفہ نے ان سب صاحبوں کو بلایا اور کہا کچھ حاجت طلب کرو انہوں نے کہا کہ ہم کو تجھ سے صرف یہی حاجت ہے کہ ہمیں بالکل فراموش کر دو۔ نہ تو نظرِ مقبول سے ہم کو اپنا مقرب بنا اور نہ اپنی جُدائی سے راندہ۔ اس لئے کہ تیرا ہجر ہمارے لئے بمنزلہ تیری قبولیت کے ہے اور تیرا قبول کرنا تیرے ہجر کی مثل ہے خلیفہ نے رونا شروع کیا اور بڑی عزت کے ساتھ ان سب کو رخصت کیا۔ اور نافع سے روایت کرتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن عمر کو ایک روز مچھلی کی خواہش ہوئی تمام شہر میں تلاش کی۔ مگر دستیاب نہ ہوئی۔ حضرت نافع کہتے ہیں کہ مجھے چند روز کے بعد مچھلی ملی اور آپ نے اس کے کباب کا حکم صادر فرمایا جب میں تیار کر کے آپ کے سامنے لے گیا تو اُسے دیکھ کر آپ اتنے خوش ہوئے کہ خوشی کا اثر آپ کی پیشانی پر ظاہر ہو رہا تھا۔ اتنے میں ایک سائل دروازے پر آ کھڑا ہوا آپ نے فرمایا کہ یہ مچھلی اس سائل کو دے دو۔ غلام نے کہا اے میرے سردار اتنے روز کی تو آپ کو خواہش تھی اب آپ نے کیوں دے دی ہم بجائے اس کے سوالی کو کوئی اور چیز دے دیتے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اے جوان اس کا کھانا مجھ پر حرام ہے اس کی خواہش کو میں نے اپنے دل سے نکال دیا ہے بسبب اس حدیث کے جو کہ میں نے رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی۔ آپ نے فرمایا۔ اَیُّمَا اِمْرَءٍ یَشْتَہِیْ شَہْوَۃً فَرَدَّ شَہْوَتَہٗ وَاٰثَرَ الْاٰخِرَۃَ عَلٰی نَفْسِہٖ غَفَرَ لَہٗ یعنی جس کسی کو کوئی خواہش ہو اور وہ اس خواہش کو پالیوے اور پھر اس سے ہاتھ کو روک کر دوسرے کو اپنے سے بہتر جان کر دیدے تو خداوند تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ اور میں نے حکایات میں پایا کہ دس درویش ایک جنگل میں فروکش ہوئے اور آبادی کا راستہ بھول گئے اور پیاس نے انہیں قابو کر لیا۔ اور ان کے پاس ایک پیالہ پانی کا تھا جو وہ ایک دوسرے پر ایثار کرتے تھے بالآخر کسی نے بھی نہ پیا اور وہ سب بجز ایک شخص کے دُنیا سے رخصت ہوئے اس شخص نے کہا کہ جب میں نے دیکھا کہ یہ سب رخصت ہو چکے ہیں۔ تو میں نے وہ پیالہ پانی کا پی لیا۔ اور اس کی طاقت سے میں نے راستہ ٹھیک کر لیا اور راہ پر آ گیا۔ ایک نے اس درویش سے کہا کہ اگر تو نہ پیتا تو تیرے لئے بہتر تھا اس نے کہا۔

کہ اگر میں اس کو نہ پیتا تو شریعت کی رُو سے اپنے نفس کا قاتل ہوتا۔ ہم نے اس سے کہا کہ پھر وہ سب درویش اس حساب سے اپنے نفس کے ہلاک کنندہ ہوئے، درویش نے کہا کہ ایسا نہیں اس لئے کہ ان میں سے ایک نہ پیتا تو دوسرا پیتا جب سب ایک دوسرے کی موافقت میں رخصت ہوئے۔ میں باقی رہا میں نے بحکمِ شریعت اس کا پی لینا اپنے اوپر واجب سمجھا۔ لہٰذا میں نے پی لیا۔ جب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو گئے۔ اور خود حضور علیہ السلام ابو بکر صدیق کے ہمراہ مکہ سے باہر نکلے اور غار میں آتے تو اسی رات کافروں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا اللہ عزوجل نے جبرائیل اور میکائیل کو کہا کہ میں نے تمہارے درمیان برادری قائم کی ہوتی ہے تم میں سے کون ہے کہ جو اپنی جان اپنے بھائی پر قربان کرے ان میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی اختیار کی۔ خداوند کریم نے جبرائیل اور میکائیل کو فرمایا کہ اے فرشتو علی کا شرف دیکھو۔ کہ میں نے علی اور رسول اللہ کے درمیان برادری قائم کی ہے تو علی نے اپنا قتل ہونا اور مر جانا، پسند کیا اور خود ہمارے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو گیا اور جان آپ پر فدا کی اور اپنی زندگی کو آپ پر قربان کیا، اور خود موت کو قبول کیا اب تم دونوں زمین پر چلے جاؤ اور ان کو دشمنوں سے نگاہ رکھو۔ اسی وقت جبرائیل اور میکائیل تشریف لائے ایک تو حضرت علی کے سرہانے کیطرف بیٹھا اور دوسرا پاؤں کیطرف جبرائیل علیہ السلام نے کہا بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُكَ اِبْنَ اَبِیْطَالِبٍ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُبَاھِیْ بِكَ عَلٰی مَلٰٓئِكَتِہٖ یعنی اے ابو طالب کے بیٹے آج کون تیری مثل ہے بسبب تیرے اللہ عزوجل فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور تو خوش نیند میں سویا ہوا ہے اسوقت یہ آیت آپ کی شان میں اتری وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔ یعنی بعض لوگوں سے وہ شخص ہے جو کہ بیچتا ہے اپنے نفس کو اللہ کی رضا جوئی میں اور اللہ شفقت کرنے والا ہے اپنے بندوں پر۔ جب اللہ عزوجل نے مومنوں پر جنگ اُحد کے روز مشقت اور محنت ڈالکر ان کی آزمائش کی انصار کی ایک صالح عورت بیان کرتی ہے کہ میں پانی لیکر خیمہ سے باہر نکلی تا کہ کسی مجاہد کو پلاؤں میں نے میدانِ جنگ میں ایک صحابی کو زخموں سے چور چور دیکھا اور تھوڑے ہی اس کے بقیہ سانس تھے مجھے اشارہ کیا کہ پانی لاؤ جب میں پانی لیکر اس کے پاس گئی اور اس کو پانی کا برتن دیدیا۔ اتنے میں دوسرے زخمی نے آواز دی کہ پانی مجھے دو اس پہلے نے کہا کہ یہ پانی اس کو

دیدو جب میں دوسرے کے پاس آئی تو ایک اور نے آواز دی کہ مجھے پانی پلاؤ تو اس نے بھی یہی کہا کہ پہلے انہیں پلاؤ پھر مجھے پلانا اسی طرح سات آدمیوں کے پاس گئی ہر ایک شخص نے پہلے پانی مانگا جب دوسرے کی آواز سنی تو پانی چھوڑ کر پہلے اس کو پلانے کا اشارہ کیا۔ وہ صالحہ عورت بیان کرتی ہے کہ جب میں ساتویں کے پاس پانی لیکر آئی تو اس نے پانی پینے سے پہلے ہی جان دیدی میں واپس ہوئی تاکہ دوسرے کو دوں دیکھا تو وہ بھی اس جہان سے رخصت ہو چکا تھا اسیطرح میں سب کے پاس واپس ہوتی ہوئی آئی مگر سب رحلت فرما چکے تھے۔ اس وقت آیت آئی وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی اپنی جانوں کو چھوڑ کر غیروں پر ایثار کرتے ہیں۔ اگرچہ خود انہیں اس کی ضرورت ہو۔ اور بنی اسرائیل میں ایک عابد نے چار سو سال تک عبادت کی چار سو سال کے بعد اس نے ایک روز عرض کیا کہ بارِ خدایا اگر آپ یہ پہاڑ نہ بناتے تو لوگوں کو زمین میں چلنے کی رکاوٹ نہ ہوتی۔ ان پہاڑوں سے زمین میں لوگ چل پھر نہیں سکتے خدائے کریم نے اسوقت کے پیغامبر کی طرف حکم کیا کہ اس عابد سے کہہ دو کہ ہمارے ملک میں تمہیں تصرف کرنیکا کیا حق ہے، اب جو تو نے تصرف کیا اسلئے تیرا نام نیکبختوں کے دفتر سے ہم کاٹ کر بدبختوں کے دفتر میں درج کر دیتے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی عابد خوشی میں آیا اور فی الفور سجدہ شکر کیا پیغمبر وقت نے کہا کہ اے نادان بدبختی پر سجدہ شکر کس لئے کرتا ہے شقاوت پر سجدہ شکر واجب نہیں ہوتا اس نے کہا کہ میرا سجدہ کرنا شقاوت پر نہیں۔ بلکہ اس امر پر ہے کہ میرا نام اس کے دیوانوں میں درج تو ہے۔ مگر اے پیغامبر علیہ السلام میری ایک حاجت کا ذکر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں فرما دینا۔ اور وہ حاجت یہ ہے کہ خدائے پاک سے کہنا کہ اب جو تو نے مجھے دوزخ میں بھیجا ہے تو سب گنہگار موحدوں کا عذاب مجھ پر ہی وارد فرما لینا اور ان سب کو نجات دیدینا۔ اور ان سب کو بہشت میں بھیج دینا جناب باری سے پیغمبر وقت کو حکم ہوا کہ میرے اس بندہ سے کہدو کہ یہ تیرا امتحان تیری توہین کرنے کیلئے نہ تھا بلکہ تجھیر جلوہ کرنے کیلئے تھا۔ اور بروز قیامت تو جس جس کی شفاعت کریگا ہم ان سب کو بہشت میں داخل کرینگے

اور میں نے احمد سرخسی سے دریافت کیا۔ کہ آپ کی توبہ کرنے کا پہلا سبب کونسا ہے اس نے کہا کہ میں سرخس کے جنگل میں اونٹ لیگیا اور کچھ عرصہ تک میرا قیام وہاں رہا اتنے عرصہ میں میرا کام یہ تھا کہ اپنی روٹی دوسروں کو دیدیتا اور خود بھوکا رہتا۔ اور اس آیت شریف کا مضمون میرے خیال میں رہتا۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ جس کا ترجمہ پہلے لکھدیا گیا ہے اور میرا اعتقاد ان لوگوں سے وابستہ تھا ایک روز ایک بھوکے شیر نے میرے اونٹ کو مار دیا اور خود ایک بلند ٹیلہ پر چڑھکر دھاڑا۔ اس کی آواز سنتے ہی تمام درندے جو قریب قریب تھے آنکلے اس وقت اس نے اونٹ پھاڑ دیا اور اس میں سے بغیر کچھ کھائے ٹیلہ پر چڑھ گیا۔ اور اونٹ کو سب درندوں نے کھایا اور کھاکر واپس چلے گئے جب سب کھاکر واپس ہوئے تو شیر بھی کھانے کے ارادہ سے اُترا۔ اسی وقت ایک لنگڑی لومڑی دور سے آتی ہوئی اس کو نظر پڑی شیر اس کو دیکھ کر بغیر کھائے بلندی پر چڑھا۔ تاکہ لومڑی اس سے بلاخوف و خطر پیٹ بھرے لومڑی پیٹ بھر کر جب چلی گئی تو شیر کھانے کے ارادہ سے نیچے اُترا اور تھوڑا سا اسمیں سے اس نے کھالیا احمد سرخسی کہتے ہیں کہ میں دور سے یہ معاملہ دیکھ رہا تھا جب شیر کھاکر جانے لگا تو اس وقت نہایت ہی فصیح زبان سے اس نے کہا کہ اے احمد لقموں کا ایثار کرنا کتوں کا کام ہے جوانمردی یہ ہے کہ اپنی زندگی اور روح کو قربان کر دیا جائے پس جب سے میں نے یہ برہان دیکھ لی ہے دنیا کا کاروبار میں نے چھوڑ دیا اور میری توبہ کی ابتدا یہ ہے۔ ابوجعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ خلوت میں مناجات کرتے تھے اور میں مناجات کے سننے کیلئے دبے پاؤں گیا تاکہ آپ کو معلوم نہ ہو اور وہ مناجات بہت ہی فصیح تھی فرماتے تھے کہ بارِ خدایا اہل دوزخ کو تو عذاب فرمائے گا حالانکہ سب تیری ارادت اور علم اور قدرتِ قدیمی سے پیدا شدہ ہیں۔ اگر تو نے دوزخ کو ضروری پر کرنا ہے تو ان کے معاوضہ میں مجھ اکیلے کو ہی دوزخ میں ڈال دینا اور تجھے قدرت ہے کہ مجھ اکیلے ہی سے دوزخ کو بھر دے اور ان سبھوں کو بہشت میں بھیج دے۔ جعفر کہتا ہے کہ میں آپ کے امر میں متحیر ہوا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آنیوالا مجھ سے کہ رہا ہے کہ ابوالحسن سے کہدو کہ ہم نے تجھ کو اس شفقت کی بدولت بخش دیا ہے کہ جو تجھے ہمارے بندوں پر ہے اور آپ کو نوری اسلئے کہتے ہیں کہ آپ اندھیری کوٹھڑی میں جب کلام کرتے تو آپ کے باطنی نور سے گھر روشن ہو جاتا۔ اور نورِ حق کے سبب سے مریدوں کے بھید پر اطلاع پالیتے تھے۔ یہانتک کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابوالحسن دلوں کا جاسوس ہے اور یہ اس کے مذہب کی تخصیص ہے اور یہ اصل قوی ہے اور اہل بصیرت کے نزدیک بہت بڑا کام ہے۔ اور آدمی پر کوئی چیز روح کے خرچ کرنے سے زیادہ سخت نہیں ہے اور نیز اپنی محبوب چیز کا چھوڑ دینا دوسرے کی خاطر بہت بڑی بہادری ہے اللہ عزوجل نے تمام

نیکیوں کی چابی اپنی محبوب چیزوں کو غیر پر خرچ کر دینے میں منحصر فرمائی ہے جیساکہ ارشاد فرمایا لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ یعنی (اے لوگو) تم اسوقت تک ہرگز نیکی کو نہ پہنچو گے جب تک خدا کی راہ میں اپنی پیاری محبوب چیزیں خرچ نہ کرو۔ اور جو شخص جان کو خرچ کر دینے والا ہو تو وہ مال اور جاہ اور خرقہ اور لقمہ کو خرچ کر دینے کی کیا پرواہ کرتا ہے، اور اس طریقہ کی اصل یہی ہے، جیساکہ ایک شخص حضرت رویم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپ مجھے کچھ وصیت فرمائیں آپ نے فرمایا۔ یَا بُنَیَّ لَیْسَ الْاَمْرُ غَیْرَ بَذْلِ الرُّوْحِ اِنْ قَدَرْتَ عَلٰی ذٰلِكَ وَاِلَّا فَلَا تَشْتَغِلْ بِتُرَّهَاتِ الصُّوْفِیَةِ کہ اے بیٹے یہ کام بجز جان خرچ کرنے کے نہیں ہے اگر تو اس کی خرچ کرنیکی طاقت رکھ سکے تو بہتر ورنہ صوفیوں کی واہیات اور لغویات میں شامل نہ ہو۔ اور جان دے دینے کے علاوہ سب فضول باتیں ہیں اور اللہ عزوجل نے فرمایا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ یعنی ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ اور نیز فرمایا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ یعنی جو شخص اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں پس ابدی زندگی جان خرچ کرنے کی بدولت پاتے ہیں۔ اور اپنے حصے کو اپنے دوستوں کی متابعت میں خدا کے فرمان کے بموجب ترک کر دیتے ہیں لیکن ایثار اور اختیار سب کا سب معرفت کی رویت میں تفرقہ ہے اور عین میں عین کا جمع کرنا جو کہ اپنے نصیب کی ترک ہے اصل نصیب ہے جب تک طالب کی رفتار اس کے کسب سے متعلق ہو تب تک اس سب کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اور جب حق کی کشش نے اپنی ولایت ظاہر کی اس کے افعال اور احوال سب کے سب آپس میں مل جل جاتے ہیں۔ اور اس کی عبارت نہیں رہتی۔ اور اسکے معاملہ کیلئے نام نہیں رہتا تاکہ کوئی اس کا نام رکھے۔ یا اس کی عبارت بیان کرے یا کسی چیز کو اس کے حوالہ کرے اور اس معنی میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ شعر۔

غِبْتُ عَنِّیْ فَمَا اُحِسُّ بِنَفْسِیْ ۔۔۔ وَتَلَاشَتْ بِصِفَاتِی الْمَوْصُوْفَه

تو مجھ سے غائب ہوا پس میں نے اپنے نفس کی شناخت نہ کی ۔۔۔ اور میری صفات موصوفہ پراگندہ ہوئیں،

فَاَنَا الْیَوْمَ غَائِبٌ عَنْ جَمِیْعٍ ۔۔۔ لَیْسَ اِلَّا الْعِبَارَةُ الْمَلْهُوْفَه

پس میں آج کے دن سب سے غائب ہوں ۔۔۔ سوا عبارت افسوس کھائی ہوئی کے کچھ نہیں

سہیلیہ فرقے کا تذکرہ ہوتا ہے

سہیلیوں کی دوستی سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، اور وہ اہل تصوف کے بزرگ صاحب حشمت ہوئے ہیں جیسا کہ آپ کا ذکر گذر چکا ہے۔ اور اپنے وقت میں بادشاہ تھے۔ اور مرادوں کا حل کرنے والے اور طریقت کے مشکلات کو کھولنے والے ہوئے ہیں اور اس طریقت میں آپ کے دلائل ظاہر و باہر ہیں۔ جن کے ادراک سے عقل عاجز ہو جاتی ہے آپ کا طریقہ اجتہاد اور نفس کا مجاہدہ اور ریاضت تھے، اور مریدوں کو مجاہدہ میں کمال پر پہنچاتے تھے۔ اور حکایات میں شہرت پذیر تھے۔ آپ نے اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ کوشش کر تا کہ کامل ایک دن یا اللہ یا اللہ کہتا رہے اور دوسرے روز بھی یہی فرمایا اور تیسرے دن بھی ایسا ہی فرمایا یہاں تک کہ اس کو اللہ اللہ کہنے کی عادت ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ اپنی تین راتیں بھی اسی شغل میں گذار یہاں تک کہ ایسا ہی ہو جائے۔ اور اگر تو اپنے آپ کو خواب میں پائے تو اس میں بھی ایسا ہی ذکر کر یہاں تک کہ اس کی طبع اس امر کی بھی خوگیر ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ اب اس کو چھوڑ دے اور اس کی یاد داشت میں مشغول ہو۔ یہاں تک کہ وہ ایسا ہی ہوگیا۔ تمام دن خدا کے دھیان میں مستغرق رہتا ایک دفعہ اپنے مکان میں حالت استغراق میں تھا ہوا کے زور سے ایک لکڑی اڑ کر اس کے سر پر لگی اور اس کا سر پھٹا اور اس میں سے چند قطرے خون کے زمین پر گرے ان قطروں میں اللہ اللہ کی آواز آرہی تھی۔ اور مجاہدات اور ریاضات سے مریدوں کی تربیت کرنی سہیلیوں کا کام اور طریق ہے اور درویشوں کی خدمت اور عزت کرنی حمدونیوں کا طریقہ ہے اور باطن کا مراقبہ جنیدیوں کا طریقہ ہے لیکن ریاضت اور مجاہدہ اس کو نفع نہیں دیتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاضتیں اور مجاہدے نفس کو راہ حق کی طرف لانے کیلئے ہیں جبتک یہ مقصود حاصل نہ ہو ریاضت اور مجاہدہ کچھ فائدہ مند نہ ہوگا۔ اب میں نفس کی معرفت اور اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں۔ تاکہ معرفت کے طالب پر ان ہر دو کا ظہور رہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نفس کی حقیقت اور ہوا کے معنی میں کلام شروع ہوتا ہے

تو خوب جان لے کہ نفس کی حقیقت لغوی شئی کا وجود اور حقیقت اور ذات ہوتی ہے۔ اور

لوگوں کی عبارتوں اور عادتوں میں بہت سے معنوں کا احتمال ہے متخالف معنوں میں ایک دوسرے کے خلاف پر استعمال کرتے ہیں یعنی ایک گروہ کے نزدیک نفس بمعنی روح اور ایک گروہ کے نزدیک جسم کے معنیٰ میں ہے .... اور بعض کے نزدیک خون کے معنی ہیں مگر اس طائفہ کے محققین کے نزدیک ان معنوں میں سے کوئی معنی مُراد نہیں۔ اور حقیقت میں برائی کا سرچشمہ اور شرارت کا راہنما ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ ایک امانت دل میں رکھی گئی ہے جیسا کہ روح ہے اور ایک گروہ قالب کی صفت کہتا ہے جیسا کہ حیات اور اس میں سب متفق ہیں کہ ردی اخلاق کا اظہار اسی سے ہوتا ہے اور نیز برے کاموں کا سبب بھی یہ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نافرمانی اور دوسرے اخلاقِ رذیلہ جیسے تکبر اور حسد اور بخل اور غصہ اور کینہ وغیرہ ہیں۔ اور جو ان کے مانند غیر ستودہ معانی ہیں شرعاً اور عقلاً ہیں پس ان تمام اوصاف کو ریاضت کے ساتھ اپنے سے دور کرنا چاہیئے جیسے کہ توبہ سے نافرمانیاں کافور ہوتی ہیں ویسے ہی نافرمانیاں اوصاف سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اور یہ اخلاق باطنی اوصاف ہیں۔ اور ریاضت ظاہری افعال سے ظاہر ہوتی ہے اور توبہ باطنی اوصاف سے ہوتی ہے جو کہ باطن میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کمینے اوصاف اعلیٰ ظاہری اوصاف سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور جو ظاہر پر ظہور پکڑتے ہیں وہ باطنی عمدہ اوصاف سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور نفس اور روح قالب میں دونوں ایک ہی لطیفہ سے ہیں۔ جیسا کہ ایک ہی عالم میں شیاطین اور ملائکہ اور بہشت اور دوزخ آپس میں متضاد رہتے ہیں۔ مگر ایک محل خیر کا ہے اور ایک محل شر کا ہے جیسا کہ آنکھ محل بصارت کی ہے اور کان سماعت کا محل ہے اور تالو ذوق کا محل ہے ایسا ہی عین یعنی جوہر کہ جس کا قیام ذات سے ہوتا ہے۔ اور اوصاف یعنی عرض جس کا قیام غیر ذات سے ہوتا ہے آدمی کے قالب میں امانت رکھے گئے ہیں پس نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، اور نیز تمام مجاہدوں کا کمال ہے اور بندہ اس کے سوا خدا کا رستہ نہیں پاتا اس واسطے کہ نفس کی موافقت بندہ کی ہلاکت کا باعث ہے اور اس کی مخالفت بندہ کی نجات کا سبب ہے اور حق تعالیٰ نے اس کی مخالفت کا حکم دیا ہے اور ان لوگوں کی اللہ عزوجل نے مدح کی ہے کہ جو اپنے نفس کے خلاف چلتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی ہے کہ جو نفس کی موافقت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى یعنی جس نے نفس کو خواہش سے روکا اس کا ٹھکانا بہشت ہے اور نیز فرمایا اَفَكُلَّمَا

جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم یعنی جب تمہارے پاس رسول اس خواہش سے آئے جو کہ تمہارے نفس کے مخالف تھی تو تم نے تکبر کیا اور یوسف علیہ السلام کو خبر دی وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی یعنی میں اپنے نفس کو پاک صاف بری نہیں سمجھتا مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اذا اراد اللہ بعبد خیرا بصرہ بعیوب نفسہ یعنی جب اللہ عزوجل اپنے بندہ سے نیکی کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کو اس کے نفس کے عیوب سے خبردار کرتا ہے، اور آثار میں وارد ہے کہ اللہ عزوجل نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی یا داؤد عاد نفسک فان ودی فی عداوتھا یعنی اے داؤد اپنے نفس سے دشمنی کر پس تحقیق میری دوستی اس کی دشمنی میں ہے۔ پس یہ سب کے سب جو میں نے بیان کئے ہیں اوصاف ہیں اور صفت کیلئے موصوف کا ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ صفت کا اس سے قیام ہو اس لئے کہ صفت اپنے ساتھ قائم نہیں ہو سکتی اور اس کی سب معرفت بغیر قالب انسانی کی معرفت کے ہو نہیں سکتی اور اس کے پہچاننے کا طریقہ انسانیت کے اوصاف کا بیان کرنا ہے اور نیز اس کے بھیدوں کا بیان کرنا ہے، اور انسانی حقیقت میں لوگوں نے کلام کیا ہے کہ یہ علم کیا ہے اور یہ علم کس چیز کیلئے لائق ہے اور اس کا علم حاصل کرنا تمام طالبانِ حق کیلئے فرض ہے اسلئے کہ جو اپنے سے جاہل رہتا ہے تو وہ اپنے غیر سے بہت ہی جاہل رہتا ہے جب بندہ اللہ عزوجل کی معرفت حاصل کرنے پر مکلّف ہے تو پہلے اس کو اپنی معرفت حاصل کرنی چاہیئے تاکہ اپنے حدوث کی صحت سے قدیم خداوند کریم کی شناخت کر سکے اور اپنے فنا کے ساتھ حق کی بقا کو معلوم کر سکے اور کتاب اللہ اس کی شہادت دیتی ہے اسلئے کہ حق جل وعلا نے کافروں کو جہل کے ساتھ موصوف گردانا ہے۔ ومن یرغب عن ملۃ ابرٰھیم الا من سفہ نفسہ ای جھل نفسہ یعنی ملت ابراہیمی سے وہی منہ پھیرتا ہے کہ جس کا نفس جہالت سے موصوف ہو اور مشائخ میں سے ایک نے فرمایا ہے من جھل نفسہ فھو بالغیر اجھل یعنی جو شخص اپنے نفس سے جاہل ہے وہ غیر سے بدرجۂ اولیٰ جاہل ہے اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ای من عرف نفسہ بالفناء فقد عرف ربہ بالبقاء ویقال من عرف نفسہ بالذل فقد عرف ربہ بالعز ویقال من عرف نفسہ بالعبودیۃ فقد عرف ربہ بالربوبیۃ

(ترجمہ) یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے پروردگار کو پہچانا یعنی جس نے اپنے نفس کو فانی جانا اس نے اپنے پروردگار کو باقی سمجھا۔ اور نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو ذلیل جانا اس نے اپنے پروردگار کو عزیز جانا اور نیز یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو بندہ سمجھا اس نے پروردگار کو رب سمجھا۔

پس جو شخص اپنے آپ کو نہیں پہچانتا وہ کل معرفت سے در پردہ ہوتا ہے اور اس جملہ کی مراد اس جگہ انسانیت کی شناخت ہے اور اس میں اہل قبلہ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ انسان بجز روح کے اور کسی چیز کا نام نہیں اور یہ جسم اس کی زرہ اور ڈھانچہ ہے اور نیز اس کا ٹھکانا اور آرام کی جگہ ہے تاکہ طبیعتوں کے خلل سے بچ رہے، اور حس اور عقل اس کی صفت ہے اور یہ قول باطل ہے اس لئے کہ جب روح اس جسم سے نکل جاتی ہے تو بھی اس کو انسان کہتے ہیں اور یہ نام مردہ شخص سے نہیں اٹھتا یعنی جب زندہ ہوتا ہے تو بھی اس کو انسان کہتے ہیں اور جب مر جاتا ہے تو بھی اس کو انسان کہتے ہیں اور دوسری یہ بھی وجہ ہے کہ جان حیوانوں کے قالب میں بھی موجود ہے مگر اس کو انسان نہیں کہتے اور اگر انسانیت کی علت روح ہوتی تو جس جگہ روح ہوتی اس کا نام انسان ضرور ہوتا مگر ایسا نہیں پس دلیل ان کے قول کے بطلان پر قائم ہے۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ نام روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے اور جب یہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں تو یہ نام بھی ساقط ہو جاتا ہے، جیسا کہ ایک گھوڑے پر دو رنگ جمع ہو جاتے ہیں ایک سفید اور ایک سیاہ تو اس کو ابلق کہتے ہیں جب ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ تو دونوں رنگ ایک سیاہ اور دوسرا سفید کہلاتا ہے اور یہ قول بھی باطل ہے اور دلیل قول اللہ عزوجل کا ہے۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا یعنی کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں آیا کہ وہ کچھ ذکر کی گئی شئی نہ تھا، اور انسان کی خاک کو بیجان انسان کہتے تھے اور ابھی اس کے قالب میں جان داخل نہ ہوئی تھی۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان جزو لایتجزیٰ ہے اور اس کا محل دل ہے اس لئے کہ آدمی کے تمام اوصاف کا قاعدہ اصولی وہی ہے اور یہ بھی محال ہے اس لئے کہ اگر کسی کو مار کر دل اس سے علیحدہ کر لیں تو بھی اس کو انسان کہینگے اور جان سے پہلے بلا اتفاق آدم کے قالب میں دل نہ تھا اور

ایک گروہ صوفی مزوں کا اس میں غلطی کھائے ہوئے ہے۔ اور کہتے ہیں کہ انسان کھانے اور پینے اور تغیر کا محل نہیں ہے اور وہ الٰہی بھید ہے اور یہ جسم اس کا لباس ہے اور وہ طبع کی ملاوٹ اور جسم اور روح میں امانت رکھا گیا ہے ہم کہتے ہیں کہ بالاتفاق تمام عقلمندوں اور مجنونوں اور کافروں اور فاسقوں اور جاہلوں کو انسان کے نام سے پکارتے ہیں اور ان میں اسرار الٰہیہ سے کچھ نہیں اور سب اپنے قالب میں متغیر اور کھانے پینے والے ہیں اور انسان کے وجود میں کوئی معنی نہیں ہے کہ اس کو انسان کہا جائے اور اس کے نیست ہو جانے کے پیچھے بھی کوئی ایسا معنی نہیں ہے اور خداوند جل و علا نے ان تمام پانیوں کو جو ہمارے اندر ترکیب دے گئے ہیں۔ بدون معنی کے انسان کہا ہے اسلئے کہ وہ بعض انسانوں میں نہیں ہے، جیسا کہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ یعنی تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو کیچڑ کے ٹکڑے سے پھر پیدا کیا ہم نے اس سے نطفہ ایک قرار کی جگہ میں پھر پیدا کیا ہم نے نطفہ سے علقہ کو گوشت کا لوتھڑا ہم پیدا کیا ہم نے گوشت کے لوتھڑے سے ہڈیوں کو پس پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت پھر اس کو دوسری پیدائش بنایا ہم نے پس اللہ تبارک و تعالیٰ اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

پس بقول خداوند تعالیٰ کہ وہ سب بچوں سے سچا ہے خاک پاک سے اس صورت مخصوص کو تمام ساختوں کے ساتھ انسان فرمایا ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ انسان نام ہے جو صورت اس کی اس صفت پر مقرر کی گئی ہے کہ موت اس نام کو اس سے نفی نہیں کر سکتی جب تک صورت اور آلہ نام رکھا گیا ہے ظاہر اور باطن پر اور صورت معہود یعنی متعینہ سے تندرست اور بیمار مراد ہے اور آلہ مجنون اور عاقل کا نام رکھا گیا ہے اور بالاتفاق جو زیادہ صحیح ہوگا وہی پیدائش میں زیادہ کامل ہوگا اور محققین کے نزدیک انسان تین معنوں سے مرکب ہے ایک روح اور دوسرا نفس اور تیسرا جسم اور ہر عین یعنی جوہر کیلئے ایک عرض یعنی صفت ہوتی ہے کہ جس سے وہ قائم ہوتا ہے روح کیلئے عقل اور نفس کیلئے ہوا اور جسم کیلئے حس اور انسان کل عالم کا نمونہ ہے اور عالم دو جہان کا نام ہے اور دونوں جہانوں کے انسان میں نشان ہیں اس جہان کا نشان تو مٹی اور آگ و ہوا ہے اور اس کی ترکیب بلغم اور خون اور سودا اور صفرا سے ہے اور اس جہان کا نشان جنت اور دوزخ اور عرصات ہیں۔ پھر جان بسبب لطافت کے

بہشت ہے اور نفس بسبب آفت اور وحشت کے بمنزلہ دوزخ کے ہے اور جیسے بجائے عرصات ہے اور خوبی ان ہر دو صفتوں کی قہر اور محبت سے ہے یعنی بہشت اس کی رضا کی تاثیر ہے اور دوزخ اس کے غصہ کا نتیجہ ہے۔ ویسے ہی مومن کی روح معرفت کی روح ہے اور اس کا نفس حجاب اور گمراہی سے ہے اور جب تک مومن قیامت میں دوزخ سے نجات نہ پالیگا تب تک بہشت میں داخل نہ ہوگا اور نہ ہی باری تعالیٰ کی رویت اسے میسر ہوگی اور محبت کی صفائی تک نہ پہنچیگا اور ارادت کی حقیقت کو نہ پہنچیگا اسلئے کہ جس کی اصل صحیح ہے وہ قربت اور معرفت کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا پس جو شخص دنیا میں اس کو پہچانے اور دوسروں سے روگردانی کرے اور شریعت کی پل صراط پر قیام کرے قیامت میں وہ شخص دوزخ اور پل صراط کو نہ دیکھیگا الغرض مومن کی روح اس کو بہشت کی طرف بلانیوالی ہے اسلئے کہ دنیا میں بہشت کا وہ نمونہ ہے اور اس کا نفس اس کو دوزخ کی طرف بلانے والا ہے اسلئے کہ دنیا میں وہ اس کا نمونہ ہے اس کیلئے عقل کامل مدبر ہے اور اس کیلئے ناقص حرص راہنما ہے اس کی مدبیر صواب ہے اور اس کی تدبیر خطا ہے پس اس درگاہ کے طالبوں پر واجب ہے کہ ہمیشہ نفس کی مخالفت اختیار کریں تاکہ اس کے خلاف میں عقل اور روح کی مدد کی جائے اسلئے کہ وہ خدا عزوجل کے بھید کا محل ہے واللہ اعلم بالصواب۔

فصل دوم

مشائخ نے جو کچھ نفس کی توضیح میں ارشاد فرمایا ہے اس کا ذکر شروع ہوتا ہے ذو النون مصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں اَشَدُّ الْحِجَابِ رُؤْيَةُ النَّفْسِ کہ سب حجابوں سے بڑھکر حجاب نفس کی رویت ہے یعنی بندہ کیلئے مشکل ترین حجاب نفس کی رؤیت اور اس کی تدبیروں کی پیروی ہے اسواسطے کہ نفس کی پیروی حق جل وعلا کی مخالفت ہے اور مخالفت خدا کی تمام حجابوں کی سردار ہے اور ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلنَّفْسُ صِفَةٌ لَا تَسْكُنُ اِلَّا بِالْبَاطِلِ یعنی نفس ایک صفت ہے جس کی تسکین باطل سے ہوتی ہے اور وہ کبھی خدا کی اطاعت نہیں کرنے دیتا اور محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں۔ لَوْ تَعْرِفُ تُرِيْدُ اَنْ تَعْرِفَ الْحَقَّ مَعَ بَقَاءِ نَفْسِكَ فِيْكَ وَنَفْسُكَ لَا تَعْرِفُ نَفْسَهَا فَكَيْفَ تَعْرِفُ غَيْرَهُ یعنی اگر تو خدا کی معرفت کا اپنے نفس کے بقا کے باوجود ارادہ کرتا ہے حالانکہ تیرا نفس اپنے آپکو بھی پہچان نہیں کرسکتا تو وہ اپنے غیر کو کس طرح پہچانیگا یعنی اپنا نفس بقا کی حالت میں خود محجوب ہے۔

جب خود محجوب ہے تو حقتعالیٰ کا مکاشفہ اس کو کس طرح ہوگا اور جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَسَاسُ الْکُفْرِ قِیَامُكَ عَلٰی مُرَادِ نَفْسِكَ یعنی کفر کی بنیاد بندہ کا اپنی نفس کی مراد پر قائم ہونا ہے اسلئے کہ نفس کو اسلام کے لطیفہ کیساتھ کچھ سروکار نہیں لامحالہ ہمیشہ روگردانی کی کوشش کرتا ہے اور منکر روگرداں اور بیگانہ ہوجاتا ہے اور ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلنَّفْسُ خَائِنَۃٌ مَانِعَۃٌ وَاَفْضَلُ الْاَعْمَالِ خِلَافُهَا یعنی نفس امانت میں خیانت کرنیوالا ہے اور رضا کی طلب سے منع کرنے والا ہے اور سب اعمال سے بہتر عمل اس کے خلاف کرنا ہے اسواسطے کہ خیانت اور امانت میں بیگانگی ہوتی ہے اور رضا کی ترک گمراہی ہے اور ان کے معنی اس سے زیادہ ہیں جن کا احاطہ نہیں ہوسکتا اور اب میں مقصود کی طرف آتا ہوں اور سہل کا مذہب ثابت کرتا ہوں جس میں مجاہدہ نفس اور اس کی ریاضت کا ذکر ہے، اور اس کی حقیقت بیان کرنے کا ذکر کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

نفس کے مجاہدہ کا مضمون شروع ہوتا ہے

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِی اللّٰہِ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں گے تو ہم ضرور انہیں سیدھا راستہ دکھلادیں گے اور جناب حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یعنی مجاہد وہ شخص ہے کہ جس نے راہِ خدا میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔ اور نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَکْبَرِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْجِهَادُ الْاَکْبَرُ قَالَ اَلَا وَهِیَ مُجَاهَدَۃُ النَّفْسِ یعنی ہم نے جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ جہادِ اکبر کیا چیز ہے آپ نے فرمایا نفس کا مجاہدہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کے مجاہدہ کو جہاد پر فضیلت دی اسواسطے کہ اس کی تکلیف زیادہ ہوتی، اسلئے کہ جہاد کرنا واجب ہوتا ہے اور یہ مجاہدہ نفس پر قہر کرنا ہوتا ہے پس جان لے تو اے طالبِ صادق کہ اللہ عزوجل تجھے عزت دے کہ نفس کے مجاہدے کا طریقہ اور اس کی سیاست واضح اور ظاہر ہے اسلئے کہ تمام مذہب والوں میں مجاہدہ قابل تعریف ہے اور اہل طریقت اس کی پاسداری میں مخصوص ہیں اور خاص و عام صوفیوں میں مجاہدہ کا طریق جاری ہے اور مشائخ رحمہم اللہ کے ان معنی میں رموز اور کلمات بہت ہیں اور سہل بن عبداللہ تستریؒ اس اصل میں

بہت غلو سے کام لیتے ہیں، اور مجاہدات میں آپ کے براہین اور دلائل بہت ہیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ
کا معمول ہر پندرہ روز کے بعد کھانا کھانا تھا ۔ اور تھوڑی غذا کے ساتھ آپ نے لمبی عمر گزاری
تمام محققوں نے مجاہدہ کو ثابت کیا ہے اور اسکو مشاہدہ کا سبب گردانا ہے اسلئے کہ مجاہدہ مشاہدہ
کی علت بیان کیا گیا ہے اور طالب کیلئے خدا کا راستہ پا لینے میں مجاہدہ بہت بڑی تاثیر رکھتا ہے اسی طرح
عقبیٰ میں مراد کے حاصل ہونے میں دنیا میں کیا ہوا مجاہدہ بڑا موثر ۔ اسلئے کہ وہ کہتا ہے کہ وہ پھل
اس جگہ کا ہے جب دنیا میں تو خدمت کریگا اس جگہ پا لیگا بیخدمت اس جگہ قربت نہ ہوگی پس چاہیئے
کہ خدا تک پہنچنے کا سبب بندہ کا مجاہدہ ہو جائے جو کہ اس کی توفیق رکھتا ہے اَلْمُشَاهَدَاتُ مَوَارِیْثُ
الْمُجَاهَدَاتِ یعنی مشاہدے مجاہدوں کے پیچھے ہوتے ہیں ۔ اور دوسرے کہتے ہیں کہ مجاہدہ خدا تک پہنچنے کا
سبب نہیں ہو سکتا اس لئے کہ خدا تک جو پہنچتا ہے وہ اس کے فضل سے پہنچتا ہے فضل کو کاموں
سے کیا غرض پس مجاہدہ تہذیب نفس کیلئے ہے نہ قرب کی حقیقت کیواسطے اس لئے کہ مجاہدہ کی بازگشت
بندہ کی طرف ہوگی اور مشاہدہ خدا کے حوالے محال ہوتا ہے کہ یہ اس کی علت بن سکے یا وہ اس کا آلہ
بن سکے ۔ اور سہل رضی اللہ عنہ کی دلیل خداوند تعالیٰ کے اس قول سے ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا
لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور وہ لوگ جو مجاہدہ کرتے ہیں مشاہدہ پاتے ہیں ۔ اور نیز تمام انبیاء علیہم السلام
پر درود پڑھنا اور شریعت کا ثابت کرنا اور کتابوں کا نازل ہونا اور تکلیف کے تمام احکام سب کے
سب مجاہدہ ہیں ۔ اگر مجاہدہ مشاہدہ کی علت نہ ہوتی حکم ان سب کا باطل ہو جاتا اور نیز دنیا اور عقبیٰ کے
تمام احوال کا تعلق ساتھ حکم اور اسباب کے رکھا ہے ۔ اسلئے کہ جو شخص اسباب کی حکم سے نفی کرتا ہے
وہ شرع اور رسم سب کو اٹھا دیتا ہے اصول اور فروع میں تکلیف درست نہیں ہوتی ۔ کیا کھانا پیٹ
بھرنے کیواسطے اور لباس سردی کے واسطے علت ہو سکتا ہے اور یہ تمام معنوں کا بیکار کرنا ہوتا ہے
پس اسباب کا دیکھنا فعلوں میں توحید ہوتی ہے اور ان کا دور کرنا بیکاری ہوتی ہے اور مشاہدہ میں اس
کی دلیلیں بہت ہیں ۔ اور مشاہدہ کا انکار واضح مکابرہ ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سرکش گھوڑا ریاضت کے
ساتھ چوپاؤں کی صفت کو چھوڑ کر آدمیوں کی صفت میں آجاتا ہے اور اس کے بہائمی اوصاف بدل
جاتے ہیں یہانتک کہ چابک کو زمین سے اٹھا کر اپنے اسوار کو دیدیتا ہے ۔ اور اسی طرح چھوٹے سے
عجمی لڑکے کو ریاضت سے عربی زبان سکھلا سکتے ہیں اور اس کی طبعی بولی بدل جاتی ہے ۔ پھر وحشی کو ریاضت

کے ساتھ اس درجہ پر پہنچاتے ہیں کہ جب اس کو چھوڑ دو چلا جاتا ہے اور جب بلاؤ آجاتا ہے۔ اور قید کی پابندی اس کو بہ نسبت آزادی اور کھلا رہنے کے اچھی معلوم ہوتی ہے پلید کتے کو مجاہدہ اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ اس کا شکار مارا ہوا حلال ہو جاتا ہے اور آدمی بے مجاہدہ اور بے ریاضت حرام ہو جاتا ہے اور اس کی مانند اور بھی بہت سی مثالیں ہیں پس تمام شرع اور رسم کا مدار مجاہدہ پر ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس امر کے کہ آپ کو قرب الٰہی حاصل تھا اور نیز عاقبت کا امن اور مقصد پائے ہوئے تھے اور گناہوں سے ان کا معصوم ہونا ثابت ہے پھر اتنا مجاہدہ کیا کہ بہت عرصہ تک بھوکے رہتے اور راتوں کو بیداری اختیار فرماتے اور وصال کے روزے بھی رکھتے تھے یہاں تک کہ جناب باری سے حکم آیا اے محمد طٰہٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ہم نے آپ پر قرآن کریم اس لئے نہیں اتارا کہ آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت لاتے ہیں کہ مسجد کی تعمیر کے دوران میں حضور خود اینٹیں اٹھاتے اور آپ کو تکلیف ہوتی تھی میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کے حصے کی اینٹیں میں خود اٹھا کر رکھتا ہوں آپ کی جگہ پر میں کام کرتا ہوں حضور علیہ السلام نے فرمایا خُذْ غَيْرَهَا فَاِنَّهٗ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ تو اے ابوہریرہ تو کسی دوسرے کی اینٹیں اٹھا اس لئے کہ عیش کا گھر آخرت ہے اور دنیا محنت اور تکلیف کا گھر ہے۔ اور حبان بن خارجہ کی روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر سے میں نے پوچھا کہ آپ نے غزا کے متعلق کیا ارشاد فرمایا آپ نے فرمایا۔ اِبْدَءْ بِنَفْسِكَ فَجَاهِدْهَا وَابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَاغْزُهَا فَاِنَّكَ اِنْ قُتِلْتَ فَارًّا بَعَثَكَ اللّٰهُ فَارًّا وَاِنْ قُتِلْتَ مُرَائِيًا بَعَثَكَ اللّٰهُ مُرَائِيًا وَاِنْ قُتِلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا۔ مجاہدہ کرنا پہلے اپنے نفس سے شروع کر اور اس کو خوب مشقت میں ڈال اپنے نفس سے تو شروع کر پس اس سے خوب لڑائی کر اسلئے کہ اگر تو لڑائی میں بھاگتا ہوا مارا گیا تو اللہ عزوجل تجھے اس حالت میں اٹھائیگا کہ تو بھاگتا ہوا ہو گا۔ اور اگر تو نے لڑائی ریاکاری کی حالت میں کی تو تیری قبر سے بعثت بھی اسی حالت پر ہو گی اور اگر تو نے لڑائی صابر ہونے اور خدا سے اجر پانے کی حالت میں کی تو تجھے اللہ عزوجل صابروں کی جماعت اور اجر پانے والوں کی جماعت میں اٹھائیگا پس معانی کے بیان کے حق میں جسقدر عبارت کی ترکیب اور تالیف کو اثر ہے اتنا ہی معانی کے اصول ہیں مجاہدات کی ترکیب اور تالیف کو اثر ہے جسطرح بیان بے عبارت اور اس کی ترتیب کے درست نہیں آتا

اسی طرح خدا تک پہنچنا بغیر مجاہدہ اور اس کی ترکیب کے درست نہیں آتا اور وہ جو دعویٰ کرے خطا کرنے والا ہوتا ہے اس لئے کہ جہان اور اس کے حدوث کا اثبات خداوند کریم کے معرفت کی دلیل ہے اور نفس کا مجاہدہ اور اس کی معرفت خدا کے وصل کی دلیل ہے اور دوسرے گروہ کی حجت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ آیت تفسیر میں مقدم اور مؤخر ہے جیسا کہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ای وَالَّذِیْنَ هَدَیْنٰهُمْ سُبُلَنَا جَاهَدُوْا فِیْنَا یعنی جن لوگوں کو ہم نے اپنا راستہ دکھلایا ہے۔ وہ ہماری طرف مجاہدہ کرتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لَنْ یُّنْجِیَ اَحَدَکُمْ بِعَمَلِهٖ قِیْلَ وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ یعنی کوئی شخص تم سے بسبب اپنے عمل کے نجات نہ پائیگا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کیا آپ کو بھی آپ کا عمل نجات نہیں دلا سکیگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھی خلاصی نہ پاؤں گا بجز اس کے کہ اللہ عزوجل مجھ پر رحمت کرے۔ پس مجاہدہ کرنا بندہ کا فعل ہے اور اس کے فعل کا اس کی نجات کی علت بننا محال ہوگا پس خلاصی اور نجات بندہ کی مشیتِ ایزدی پر موقوف ہے نہ کہ مجاہدہ پر اس لئے کہ خداوند کریم نے فرمایا ہے فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا پس جس شخص کو اللہ عزوجل ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جس شخص کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے جس میں اسے حرج نظر آتا ہے اور نیز حق جل وعلا نے فرمایا۔ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ یعنی جس کو چاہتا ہے بادشاہی عنایت فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور اس آیت میں حق جل علا نے اپنی مشیت کو ثابت فرمایا اور تمام جہان کی مشیت کی نفی کی۔ اگر مجاہدہ اس تک پہنچنے کی علت ہوتا تو ابلیس مردود نہ ہوتا اور اگر مجاہدہ کی ترک مردودیت اور راندے جانے کا سبب ہوتا تو آدم علیہ السلام مقبول نہ ہوتے اور نہ ہی پاک و صفا ہوتے پس عنایت کی پیشدستی سے کام بنتا ہے نہ کہ مجاہدات کی کثرت سے اور نہ ہی سب سے زیادہ مجاہدہ کرنیوالا بےخوف ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو اس کی مہربانی اور عنایت میں سبقت لے گیا ہوگا وہ خدا سے زیادہ قریب ہوگا۔ ایک تو مسجد میں فرمانبرداری سے نزدیک مگر حق سے دور اور ایک خرابات میں گناہ سے ملا ہوا مگر حق سے قریب ہے اور سب معانی سے ازروئے دلیل کے یہ بات اشرف و اعلیٰ ہے کہ چھوٹے بچے نابالغ کا ایمان مقبول ہے اگرچہ احکام الہیہ کا وہ مکلف نہیں۔ تو اس پر حکم ایمان کا

لگتا ہے اور ایسے ہی مجانین کا ایمان مقبول ہے اور اس پر مومن ہونے کا حکم ہے، حالانکہ وہ مکلف نہیں ہے پس جب اشرف عطیات کیلئے مجاہدہ علت نہیں ہوسکتا تو جو اس سے کم ہے وہ بھی علت کا محتاج نہیں ہوسکتا۔ اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں کہ یہ خلاف عبارتیں دیکھی گیا تھا ہے اسلئے کہ ایک کہتا ہے مَنْ طَلَبَ وَجَدَ یعنی جس نے طلب کیا اس نے پایا اور دوسرا کہتا ہے مَنْ وَجَدَ طَلَبَ یعنی جس نے پایا اس نے طلب کیا اور پانے کا سبب طلب ہوتی ہے اور طلب کرنے کا سبب اس کی یافت ہے ایک مجاہدہ کرتا ہے تاکہ مشاہدہ پائے اور دوسرا مشاہدہ کرتا ہے تاکہ مجاہدہ پائے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ مجاہدہ مشاہدہ میں بجائے توفیق ہے فرمانبرداری میں اور وہ حق عزوجل کی طرف سے عطا ہے پس جب طلب کا حصول بغیر توفیق فرمانبرداری کے محال ہوتا ہے تو توفیق کا حصول بھی بغیر فرمانبرداری کے محال ہوتا ہے اور جب بغیر مشاہدہ کے مجاہدہ موجود نہ ہوگا تو بغیر مجاہدہ کے مشاہدہ بھی محال ہوگا پس خداوند کریم کے جمال سے ایک جھلک آتی ہے۔ تب بندہ کو مجاہدہ کی رغبت ہوتی ہے اور جب مجاہدہ کے وجود کی علت وہ جمال خداوندی کی جھلک ہوگی تب ہدایت مجاہدہ پر سبقت لے جانیوالی ہوگی۔ مگر وہ جو سہیلؒ اور اس کے ساتھی حجت لاتے ہیں کہ جو کوئی مجاہدات کو ثابت نہیں کرتا تو وہ تمام انبیا کی تعلیم اور ان کی کتابوں اور شریعتوں کا منکر ہوتا ہے اسلئے کہ تکلیف کا مدار مجاہدے پر ہوتا ہے اور اس سے بہتر یہ ہے کہ مدار تکلیف کا خدا کی ہدایت پیدا کریں مجاہدے تو دلیل کے ثابت کرنے کیلئے ہیں نہ وصل کی حقیقت کیلئے حق جل علاء ارشاد فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ اور اگر ہم تمام فرشتوں کو ان کی طرف بھیجیں اور مُردے بھی ان کے ساتھ ہمکلام ہوں اور ہم ان پر تمام چیزوں کو بھی اٹھائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے اس لئے کہ ایمان کی علت ہماری مشیت ہے نہ ان کے مجاہدے اور دلائل کا دیکھنا اور نیز فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ یعنی جو لوگ کافر ہوئے ان کا ڈرانا نہ ڈرانا ایک جیسا ہے۔ ہرگز ایمان نہ لائینگے یعنی کافروں پر دلائل کا وارد ہونا اور حجتوں کا ظاہر ہونا اور قیامت کا خوف دلانا اور سب باتوں کا ترک کرنا ان کے نزدیک برابر ہے وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے اس لئے کہ ہم نے ان کو اہل ایمان سے نہیں گردانا اور ان کے دل بوجہ بدبختی مہر شدہ

ہیں پس انبیاء کا ورود اور کتابوں کا نزول اور شریعتوں کا ثبوت وصول کے اسباب ہیں نہ کہ خدا تک پہنچنے کی علت اسلئے کہ ابوبکر صدیق تکلیف کے حکم میں ویسے ہی تھے جیسے ابوجہل مگر ابوبکر عدل اور بزرگی کو پہنچے اور ابوجہل عدل بمعنی فضل کے سبب ہٹا رہا پس ابوجہل کی علت فضل والے عدل سے ہٹ رہنے کی عین وصول ہے نہ کہ طلب وصول اس لئے کہ اگر طالب و مطلوب دونوں ایک ہوتے تو طالب واجد ہوتا اور جب واجد ہوتا طالب نہ ہوتا اس لئے کہ جو پہنچ جاتا ہے آسودہ ہوتا ہے اور طالب پر آرام و آسایش درست نہیں آتی حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ یعنی جو شخص دونوں دن مساوی گذارے پس وہ زیاں رسیدہ ہوتا ہے یعنی جس کے دو دن ایک جیسے گذرے ہوں تو وہ خداوند کریم کے طالبوں سے ظاہر میں ہوتا ہے پس چاہیئے کہ اس سے زیادہ کی کوشش کرے سلار یہ رجبہ طالبوں کا ہے، پھر فرمایا اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا یعنی استقامت اختیار کر طلب اپنے حال پر قائم ہو پس مجاہدہ کو سبب بنایا اور سبب کو ثابت کیا حجت ثابت کرنے کیواسطے اور تحقیق الہیت کی سبب سے نفی کی وصول کیواسطے۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ گھوڑے کو مجاہدے کے سبب ایک صفت سے دوسری صفت کیطرف لیجاتے ہیں۔ یہ خوب جان لو کہ گھوڑے میں ایک پوشیدہ صفت ہے اسکے ظاہر کرنے کیلئے مجاہدہ سبب ہے اسلئے کہ جب تک ریاضت نہ ہوگی وہ معنی ظاہر نہ ہوں گے اور گدھے میں چونکہ وہ معنی پوشیدہ نہیں اسلئے وہ ہرگز گھوڑے کیطرح نہیں ہو سکتا اور نہ ہی گھوڑے کو مجاہدے سے گدھا کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی گدھے کو ساتھ ریاضت کے گھوڑا بنا سکتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ عین کا بدلانا ہے پس جب کسی چیز کا عین نہیں بدل سکتا حق سبحانہٗ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا ثابت ہونا محال ہوگا اور سہل تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہدے پر چلنے تھے اس لئے کہ وہ اس سے آزاد تھے۔ اور اس کے عین میں اس کی عبارت جدا تھی ایسا نہیں جیسا کہ ایک گروہ نے اس کی عبارت بے معاملت کو اپنا مذہب بنا لیا ہے اور یہ محال ہے کہ تمام معاملے عبارت ہو جائیں۔ اور کلام کا ماحصل یہ ہے کہ بالاتفاق اس قصہ والوں کیلئے مجاہدہ اور ریاضت موجود ہے مگر اس کی رویت اس میں آفت ہے پس وہ جو مجاہدہ کی نفی کرتا ہے اس کی مراد عین مجاہدہ نہیں بلکہ مراد مجاہدہ کی عدم رویت ہے اور نیز اپنے افعال سے جناب باری میں مغرور نہ ہونا ہے اسلئے کہ مجاہدے بندہ کے فعل ہوتے ہیں اور مشاہدہ خدا کا عطیہ ہے۔ جبتک خدا کا عطیہ نہ ہوگا بندہ کا فعل بیقدر و بے حقیقت ہوگا مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ تیرا دل اپنے آپ سے نہیں ہٹا جو تو اس قدر مشا ملگی یعنی کنگھی پٹی میں لگا

ہوتا ہے اور خدا کے فضل کیطرف توجہ نہیں کرتا۔ تو جو اپنے کام میں اتنی خودی سے کام لے رہا ہے پس دوستوں کا مجاہدہ ان کے اختیار کے بدون ان کے حق میں خدا کا فعل ہوگا اور وہ اس کا قہر اور گداز ہوگا اور اس کا گداز سب کا سب نوازش ہوگا اور جاہلوں کا مجاہدہ انکے اختیار کے ساتھ ان میں ان کا فعل ہوگا اور وہ پریشانی اور پراگندگی ہوتی ہے اور پراگندہ دل آفت سے پراگندہ ہوتا ہے پس جبتک تجھ سے ہوسکے اپنے فعل کا بیان نہ کر اور کسی صفت میں نفس کی پیروی نہ کر اسلئے کہ تیری ہستی کا وجود تیرا حجاب ہے اگر ایک فعل سے تو محجوب ہوگا تو دوسرے فعل سے غیر محجوب ہوگا اور تو سب کا سب حجاب ہے۔ جبتک بکلی فنا نہ ہوگا اسوقت تک بقا کے لائق نہ ہوگا۔ اِنَّ النَّفْسَ کَلْبٌ بَابِغٌ وَجِلْدُ الْکَلْبِ لَا یَطْھُرُ اِلَّا بِالدَّبَاغِ اسلئے کہ تحقیق نفس باغی کتا ہے اور کتے کا چمڑا دباغت کے سوا پاک نہیں ہوتا اور حکایات میں مسطور ہے کہ حسین بن منصور نے کوفہ میں محمدؐ بن علوی کے گھر میں نزول کیا ابراہیم خواص بھی کوفہ میں موجود تھے جب اس کی خبر سنی تو خود اس کے پاس گئے اس نے پوچھا ابراہیم چالیس برس سے تو جو تعلق اس طریقے سے رکھتا ہے اس معنی سے تجھے کیا حال ہوا ہے، حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ طریق توکل کا مجھے سپرد کیا گیا ہے حسین نے کہا۔ ضَیَّعْتَ عُمُرَکَ فِیْ عُمْرَانِ بَاطِنِکَ فَاَیْنَ الْفَنَاءُ فِی التَّوْحِیْدِ۔ یعنی عمر باطن کی آبادی میں تو نے ضائع کی پس فنا کہاں ہے توحید میں یعنی توکل مراد ہے اپنے معاملہ سے جو خداوند تعالیٰ کیساتھ ہے اور باطن کی درستی ہے اس پر بھروسہ کرنے سے اور جب کسی شخص کی عمر باطن کے معالجہ میں صرف ہو جائے تو اس کو چاہیئے کہ اپنی بقیۃ عمر کو ظاہر کے معاملہ میں خرچ کرے تو ہر دو ضائع ہو جائینگی اور ابھی حق کی طرف سے اس پر اثر نہ پہنچا ہوگا اور شیخ ابوعلی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کرتے ہیں کہ اس نے فرمایا کہ میں نے نفس کو اپنی شکل پر دیکھا کہ کسی نے اس کو بالوں سے پکڑ کر میرے حوالہ کیا اور میں نے اس کو ایک درخت سے باندھکر اس کے ہلاک کرنیکا ارادہ کیا اس نے مجھ سے کہا اے ابوعلی غصہ میں مت آ اس لئے کہ میں خدا کے لشکر سے ہوں تو مجھے نابود نہ کرسکیگا۔ اور محمدؐ بن علیان نسوی سے روایت لاتے ہیں اور وہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ ساتھیوں سے ہوا ہے کہتا ہے کہ میں ابتدائی حال میں جو نفس کی آفتوں سے خبردار ہوا تھا اور اس کی تمام کمینگیوں کو معلوم کرتے ہوئے ہمیشہ اس کیطرف سے کینہ میرے دل میں بیٹھا ہوا تھا ایکدن مثل لومڑی کے بچہ کے میرے حلق سے باہر نکلا اور حقتعالیٰ نے مجھے اس سے شناسا کیا اور میں نے جان لیا کہ وہ میرا نفس ہے اور میں نے فوراً اس کو اپنے پاؤں کے نیچے لتاڑنا شروع کیا۔

اور جیسے میں اس پر پاؤں مارتا تھا وہ بڑا ہوتا تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ اے نفس تمام چیزیں جاندار زخم لگانے سے ہلاک ہو جاتی ہیں مگر تو زخم لگانے سے موٹا ہوتا ہے اس نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ میری ساخت اللہ عزوجل نے اسی قسم کی بنائی ہے جن چیزوں سے اوروں کو تکلیف ہوتی ہے مجھے ان سے راحت ہوتی ہے۔ اور جن چیزوں سے اوروں کو راحت ہوتی ہے مجھے ان سے تکلیف ہوتی ہے اور شیخ ابو العباس شقانی جو کہ امام وقت تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے گھر میں آیا۔ میں نے ایک زرد رنگ کا کتا دیکھا کہ اپنی جگہ میں سویا ہوا تھا۔ میں نے سمجھا محلّہ سے آیا ہو گا میں نے اس کو نکالنے کا ارادہ کیا وہ میرے دامن کے نیچے آیا اور چھپ گیا۔ اور شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ جو آج کے دن قطب مدار علیہ ہیں اللہ عزوجل اس کو بقا عطا فرمائے اپنے ابتدائی حال سے اطلاع دیتے ہیں کہ میں نے نفس کو سانپ کی شکل میں دیکھا اور ایک درویش نے فرمایا کہ میں نے اپنے نفس کو چوہے کی شکل میں دیکھا میں نے کہا کہ تو کون ہے اس نے کہا میں غافلوں کو ہلاک کرنیوالا ہوں اس لئے کہ ان کو برائی اور شرارت کی دعوت دیتا ہوں اور دوستوں کو نجات دینے والا ہوں اس لئے کہ اگر میں ان کے ساتھ نہ ہوتا تو میرا وجود ان کی آفت ہے وہ اپنی پاکی کیساتھ مغرور ہوتے ہیں۔ اور اپنے افعال کے ساتھ متکبر ہوئے ہیں اس لئے کہ جب دل کی طہارت اور صفائی کی سیر اور ولایت کا نور اور فرمانبرداری پر اپنی استقامت دیکھتے ہیں تو ان میں فریفتگی کیوجہ سے بڑی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور پھر جب مجھکو اپنے دونوں پہلوؤں کے درمیان دیکھتے ہیں تو وہ تمام عیب ان سے نکل جاتے ہیں یہ تمام حکایتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ نفس عینی چیز ہے صفتی نہیں اور اسکی صفت ہے اور ہم اسکے اوصاف دیکھتے ہیں اور رسول خدا نے فرمایا اَعْدٰی عَدُوِّکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ یعنی سب دشمنوں سے تیرا بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو کہ تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے پس جب تجھے اس کی معرفت حاصل ہو گی۔ تو تو نے جان لیا کہ اس کو تو خود ریاضت کیساتھ قابو میں لے آئیگا۔ مگر اس کی اصل اور ماہیت نہیں بدل سکتی۔ اور جب شناخت اس کی ٹھیک طور پر ہو گئی تو طالب کو اپنے میں اس کے بقا سے کچھ خوف نہ ہو گا۔ لِاَنَّ النَّفْسَ کَلْبٌ تَبَاحُ وَاِمْسَاکُ الْکَلْبِ بَعْدَ الرِّیَاضَۃِ مُبَاحٌ اس لئے کہ نفس بھونکنے والا کتا ہے اور بعد ریاضت کرنے کا روک لینا مباح ہے پس نفس کے مجاہدے نفس کے اوصاف کی فنا ہوتے ہیں۔ اس کے عین کی فنا نہیں ہوتے۔ اور مشائخ رحمہم اللہ نے اس بارے میں بہت کلام فرمایا ہے میں اس کتاب کے لمبا ہو جانے کے خوف سے اسی مقدار پر اکتفا کرتا ہوں۔ اب کلام ہوا کی حقیقت اور شہوتوں

کے ترک میں بیان کرونگا اگر اللہ عزوجل کو منظور ہوا و باللہ التوفیق۔

خواہش کی حقیقت پر کلام شروع ہوتا ہے

جان تو کہ اللہ عزوجل تجھے عزت دے کہ ہوا سے مراد نفس کے اوصاف ہیں ایک گروہ کے نزدیک۔ اور دوسرے گروہ کے نزدیک طبع کی ارادت سے مراد ہے کہ متصرف اور مدبر اس کا نفس ہے جیساکہ عقل روح سے اور ہر روح جس کو اپنی بنیاد میں عقل سے قوت نہیں ہوتی اور نیز ہر نفس جسکو ہوا سے قوت نہیں ہوتی ناقص ہوتا ہے پس نقص روح کا نقص نزدیکی کا نقص ہوتا ہے اور نفس کا نقص عین قربت ہے، اور ہمیشہ بندے کی دو دعوتیں ہوتی ہیں ایک عقل کی۔ اور ایک ہوا کی۔ تو جو عقل کی دعوت کے تابع ہوتا ہے ایمان کو پہنچتا ہے اور وہ جو ہوا کے تابع ہوتا ہے گمراہی اور کفر تک پہنچتا ہے پس ہوا حجاب و گمراہی ہوتی ہے اور مریدوں کی صدر نشینی اور طالبوں کی روگردانی کا محل ہوتی ہے بندہ اس کا خلاف کرنے کیلئے مامور اور اس کے ارتکاب سے روکا گیا ہے لِاَنَّ مَنْ رَكِبَهَا هَلَكَ وَمَنْ خَالَفَهَا مَلَكَ اسلئے کہ جو اسپر سوار ہوا ہلاک ہوا اور جس نے اس کی مخالفت کی بادشاہ ہوا اللہ عزوجل نے فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى یعنی جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونیسے ڈرا اور اپنے نفس کو اس نے خواہش سے روکا پس تحقیق جنت اس کا ٹھکانا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ یعنی مجھے امت کیطرف سے جو خوف سب خوفوں سے بڑھکر لگا ہوا ہے وہ یہ ہے ایک تو ہوا کی پیروی کرنی اور دوسرا لمبی آرزو کرنا۔ اور عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کے قول اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ کی تفسیر میں فرمایا ہے اَیِ الْهَوٰى اِلٰهًا مَعْبُوْدًا یعنی کیا نہیں دیکھا تو نے اس شخص کیطرف کہ جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا ہے افسوس اس شخص پر کہ جس نے بغیر خدا کے اپنی خواہش کو معبود بنالیا ہے اور رات دن اسکی تمام ہمت ہوا کی پیروی میں صرف ہوتی ہے اور تمام ہواؤں کی دو قسمیں ہیں، ایک ہوا لذت اور شہوت کی دوسری ہوا مخلوقات کے مرتبہ اور ریاست کی، اور وہ جو لذت کی ہوا کے تابع ہوتا ہے خرابات میں ہوتا ہے اور مخلوق اس کے فتنہ سے بیخوف ہوتی ہے لیکن وہ جو مخلوقات کے مرتبہ اور ریاست میں ہوتا ہے وہ گرجوں اور مسجدوں میں بھی مخلوقات کے فتنہ کا باعث ہوتا ہے

اسلئے کہ خود گمراہ ہے اور مخلوقات کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے فَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ مُنًّا بَعْدَ الْھُدٰی یعنی ہم اللہ
عزوجل کے نام کے ساتھ ہوا کی پیروی سے پناہ مانگتے ہیں پس جس کی تمام حرکتیں ہوا کے تابع ہوں اور وہ
اسکی پیروی سے راضی ہو تو وہ خدا سے دور رہیگا اگرچہ تمہارے ساتھ مسجد میں نماز پڑھے اور ہر وہ شخص کہ ہوا
سے اسکی تربیت ہو مگر اس کی پیروی سے بھاگتا ہو تو وہ خدا کیساتھ ہوگا اگرچہ گرجا میں بود و باش رکھتا ہو
ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ روم میں ایک راہب کو ستر سال ہوتے ہیں کہ وہ
راہبانہ زندگی گذار رہا ہے اور ابھی تک گرجا میں بحکم رہبانیت گوشہ نشین ہے میں نے کہا تعجب ہے
رہبانیت کی شرط تو چالیس برس تک ہے اور یہ مرد کس مشرب کی بدولت اس گرجا میں ستر سال تک آرام
کئے ہوتے ہے میں نے اس کو دیکھنے کا قصد کیا جب اسکے گرجا کے پاس پہنچا تو اس نے کھڑکی کھولی اور
مجھ سے کہا اے ابراہیم میں نے معلوم کرلیا ہے کہ تو کس کام کیلئے آیا ہے میں اسجگہ راہب بنکر بیٹھا ہوا نہیں ہوں
بلکہ میں ایک کتے ہوا اور حرص کا رکھتا ہوں جسکی حفاظت کیلئے گرجا میں بیٹھا ہوا ہوں اور اس کا شر مخلوقات سے علیحدہ
کئے ہوئے ہوں ورنہ میں وہ نہیں ہوں جو کہ آپ نے خیال فرمایا ہے۔ جب میں نے اس سے یہ کلام سنا تو میں نے
کہا بار خدایا تو قادر ہے کہ عین گمراہی میں بندہ کو صواب کا راستہ عطا فرمائے اور عین گمراہی میں بندہ
کو کرامت کا شرف عطا کرے اس نے کہا اے ابراہیم تو کتنے آدمیوں کو طلب کریگا جا اپنے آپ
کو ڈھونڈ۔ جب تو اسے پالے تو پھر اپنے آپکی حفاظت کر اسلئے کہ ہر روز یہ ہوا تین سو ساٹھ طرح کا معبودیت
والا لباس پہنتی ہے اور بندہ کو گمراہی کی دعوت دیتی ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ جبتک نافرمانی کی ہوا دل میں ظاہر نہ ہو اس
وقت تک شیطان کا بندہ کے دل اور باطن میں داخلہ نہیں ہوتا اور جب اسکا سرمایہ ہوا سے ظہور پکڑتا ہے تب
شیطان اسکو پکڑ لیتا ہے اور آراستہ کرتا ہے اور اسکے دل پر جلوہ کرتا ہے اور ان معنی کو وسواس کہتے ہیں پس اسکی
ابتدا ہوا سے شروع ہوتی ہے وَالْبَادِیُ اَظْلَمُ اور ابتدا کرنیوالا بڑا ظالم ہوتا ہے اور یہی قول خداوندی
کا ہے جو کہ اللہ عزوجل نے ابلیس کو اسوقت کہا تھا جسوقت کہ وہ کہتا تھا کہ میں تمام آدمیوں کو راہ راست
سے علیحدہ کردونگا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ یعنی تجھ کو میرے خاص بندوں پر کوئی غلبہ نہیں
ہے پس شیطان حقیقت میں بندہ کا نفس وہوا ہے اور اسی قبیل سے ہے جو کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا وَمَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ غَلَبَہٗ شَیْطَانُہٗ اِلَّا عُمَرَ فَاِنَّہٗ غَلَبَ شَیْطَانَہٗ یعنی کوئی شخص
ایسا نہیں ہے جو شیطان نے اس پر غلبہ نہ کیا ہو یعنی ہوا نے ہر شخص پر غلبہ کیا ہے بجز عمرؓ کے کہ اس

نے اپنے شیطان پر غلبہ پایا ہوا ہے پس ہوا آدم اور اسکے فرزندوں کی طینت میں ہے اسلئے کہ پیغامبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اَلْهَوٰی وَالشَّهْوَةُ مَعْجُوْنَةٌ بِطِيْنَةِ ابْنِ اٰدَمَ یعنی ہوا اور شہوت بندہ کی طینت میں گوندھی گئی ہے ہوا کی ترک بندہ کو امیر کرتی ہے اور اسکا مرتکب ہونا بندہ کو قید کر دیتا ہے جیسا کہ زلیخا نے ہوا کا ارتکاب کیا امیر تھی مگر قید ہوئی اور یوسف علیہ السلام نے ہوا کو ترک کیا قیدی تھے مگر امیر ہوئے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا — مَا الْوَصْلُ قَالَ تَرْكُ ارْتِكَابِ الْهَوٰی یعنی وصل کیا ہے، فرمایا خواہش کے ارتکاب کا چھوڑنا ہے اور جو شخص خدا کے وصل سے مشرف ہونا چاہتا ہے اس سے کہو کہ بدن کی ہوا کے خلاف کرے اسلئے کہ بندہ کبھی عبادت سے بہتر تقرب حق جل وعلا کا حاصل نہیں کر سکتا جتنا بہتر نفس کی ہوا کی مخالفت سے کر سکتا ہے، اس واسطے کہ پہاڑ کو ناخنوں سے کاٹنا آدمی پر زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ہوا کی مخالفت کی جائے یعنی ہوا کی مخالفت کرنی مشکل ہے اور میں نے حکایات میں پایا ہے کہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرد کو ہوا میں پرواز کرتے ہوئے دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ درجہ آپ نے کس عمل سے پایا ہے، اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنی خواہش کو پائمال کیا تب مجھے یہ رتبہ ملا یعنی ہوا کی ترک سے ہوا کی پرواز حاصل ہوئی اور محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے تعجب کرتا ہوں کہ جو اپنی خواہش کو ہمراہ لیکر بیت اللہ شریف کی زیارت کیلئے جاتا ہے وہ کیوں اپنی خواہش کو پائمال کر کے خدا تک نہیں پہنچتا اور کیوں اسکی زیارت سے مشرف نہیں ہوتا مگر سب صفتوں سے زیادہ ظاہر صفت نفس کی شہوت ہے اور شہوت آدمی کے تمام اجزا میں چھپی ہوئی ہے اور تمام حواس اسی کی غلامی میں ہیں اور بندہ سب کی حفاظت کیواسطے مکلف ہے اور ہر ایک کے فعل سے سوال کیا جائیگا! آنکھوں کی شہوت دیکھنا ہے اور کانوں کی سننا اور ناک کی سونگھنا اور زبان کی شہوت کلام کرنا اور تالو کا کام چکھنا اور جسم کا چھونا اور گھسنا اور سینہ کی خواہش سوچنا ہے پس طالب حق کیلئے لازمی ہے کہ اپنا حاکم اور پاسبان بنے! اور دن رات اس کی پاسبانی کرنی چاہیئے تاکہ ہوا کے ان تمام اسباب کو جو کہ حواس میں پیدا ہوتے ہیں اپنے سے جدا کرے اور خداوند تعالیٰ سے درخواست کرے تاکہ اسکو اس صفت سے موصوف کرے تاکہ یہ ارادہ اس کے باطن سے دور ہو جائے اسلئے کہ جو شہوت کے دریا میں غوطہ لگاتا ہے وہ تمام معانی سے محجوب ہو جاتا ہے پس اگر بندہ اس کو تکلف سے اپنے آپ سے دور کرنا چاہے تو اسکا رنج دن بدن ترقی پر ہو جاتا ہے اور اس کی جنسوں کا وجود متواتر

ہو جاتا ہے، اور اس کا طریقہ تسلیم کرنے کا ہے تاکہ مراد حاصل ہو جائے اور ابو علی سیاہ مروزی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ حمام میں گیا اور موافق سنت کے استرہ کر رہا تھا جی میں خیال پیدا ہوا کہ اے ابو علی یہی عضو تمام شہوتوں کا سرچشمہ ہے اور اس نے اتنی آفتوں میں تجھے مبتلا کر رکھا ہے اس کو اپنے سے جدا کرنا چاہیے تاکہ تو اپنے آپ کو شہوتوں سے بچا سکے۔ اتنے میں اوپر سے آواز آئی کہ اے ابو علی ہمارے ملک میں تو تصرف کرتا ہے ہماری ساخت میں کوئی عضو دوسرے عضو سے زیادہ فضیلت والا نہیں ہے ہمیں اپنی عزت کی قسم ہے اگر تو اس کو اپنے سے جدا کریگا تو ہم تیرے بدن کے ہر بال میں سو گنا شہوت اور ہوا رکھ دینگے اور اسی معنی میں کوئی کہنے والا کہتا ہے، شعر۔ تَبْتَغِی الْاِحْسَانَ دَعْ اِحْسَانَکَ اُتْرُکْ لِتَخْشِیَ اللّٰہَ رَیْحَانَکَ۔ یعنی احسان کی جستجو کرتا ہے تو اپنے احسان کو چھوڑ دے اور خوف الٰہی کی وجہ سے اپنی خوشبو کو ترک کر بندہ کو دنیا کی خرابی میں کچھ تصرف نہیں لیکن صفت کی تبدیل میں خدا کی توفیق کیساتھ اوامر کے تسلیم کرنے اور اپنی شہوت سے پھرنے اور طاقت سے بری ہونے میں قوت اور کسب کو دخل ہے اور حقیقت میں جب تسلیم آئی عصمت آئی۔ اور جب خدا کی طرف سے عصمت آئی تو مجاہدہ کی نسبت بندہ فنائے آفت کی حفاظت کیساتھ زیادہ نزدیک ہوا۔ لِاَنَّ دَفْعَ الذُّبَابِ بِالْمِکْنَسَۃِ اَیْسَرُ مِنْ نَفْیِہِمْ بِالْمِدْبَۃِ اسلئے کہ تحقیق مکھی کو جھاڑو سے دور کرنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو لاٹھی سے ہنکایا جائے پس حق کی حفاظت تمام آفتوں کو زائل کرنے والی اور سب علتوں کی مدد کرنیوالی ہے اور کسی صفت میں بندہ کو اس سے شرکت نہیں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے کہ میرے ملک میں تصرف نہیں ہے جبتک خدا کیطرف سے عصمت تقدیر میں نہ ہو بندہ کی کوشش سے کوئی چیز ہٹ نہیں سکتی اسلئے کہ اس کی کوشش کوشش نہیں ہے جب خدا کیطرف سے بندہ کیلئے کوشش نہ ہو گی تو اس کی کوشش سودمند نہ ہو گی۔ اور فرمانبرداری کی قوت طاقت سے علیحدہ ہو گی۔ اور تمام کوششیں دو جگہ صورت پذیر ہوتی ہیں۔ یا تو کوشش کر کے خدا کی تقدیر کو اپنے سے بدل دے اور یا خود برخلاف تقدیر کے کوئی چیز اپنی طرف کر لے اور یہ دونوں باتیں جائز نہیں ہوتیں اس لئے کہ تقدیر . . . . کوشش سے بدلنے والی نہیں۔ اور کوئی کام بغیر تقدیر کے نہیں ہے۔ اور حکایتوں میں آتا ہے کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے طبیب آپ کے پاس آیا اس نے کہا پرہیز کرو آپنے فرمایا کس چیز سے پرہیز کروں اگر میں کھانے سے پرہیز کروں تو وہ جناب باری کی طرف سے میری روزی ہے اور یا میں اس چیز سے پرہیز کروں کہ جو میرا

روزی نہیں ہے۔ اگر پرہیز روزی سے کرنا چاہیئے تو نہیں کرسکتا اگر اپنی روزی کے سوا پرہیز کردں تو وہ مجھے ملتی ہی نہیں اور نہ ہی مجھے دیتے ہیں۔ اِنَّ الْمُشَاهِدَةَ لَا یُجَاهِدُ یعنی اسلئے کہ جو مشاہدہ میں ہے وہ مجاہدہ نہیں کرتا اور اگر خدا کو منظور ہوا تو یہ مسئلہ بڑی احتیاط کے ساتھ دوسری جگہ ذکر کروں گا۔

فرقہ حکیمیہ کا ذکر

فرقہ حکیمیہ۔۔۔۔ کی دوستی ابو عبداللہ بن علی حکیم ترمذی رضی اللہ عنہ سے ہے اور وہ تمام ظاہری اور باطنی علوم میں وقت کے اماموں سے ہوئے ہیں آپ کی تصنیفیں بہت ہیں آپ کا طریقہ اور سخن کا دستور ولایت پر تھا اور ولایت کی حقیقت بیان کرنے اور اولیاء کے درجے اور ان کی ترتیب کی رعایت کرتے تھے اور ولایت کا ایک بے کنار سمندر ہے بڑے بڑے عجائبات اور آپ کے مذہب کا ابتدائی کشف یہ ہے کہ تو جان لے کہ اللہ عزوجل کے اولیاء ہیں ان کو اللہ عزوجل نے تمام مخلوقات سے گزیدہ کیا ہے اور ان کی ہمت متعلقات دنیا سے منقطع ہے اور نیز نفس اور ہوا کے اسباب سے ان کو قابو کرلیا اور ان میں سے ہر کسی کو ایک درجہ پر قائم کیا اور ان پر ان معانی کا دروازہ کھولا۔ اور اس کا بیان لمبا ہے اسکے چند اصول کی شرح کرنی چاہیئے تاکہ معلوم ہوجائے۔ اور اب مختصر طور پر اس کی تحقیق ظاہر کرتا ہوں اور اسباب اور اوصاف اور آدمیوں کے کلام کو اس میں انشاء اللہ تعالیٰ لاؤں گا۔

کلام ولایت کے ثبوت میں

اے طالب صادق! جاننا چاہیئے کہ معرفت اور تصوف کے طریق کی بنیاد اور اصول سب کا سب ولایت کے ثابت کرنے پر موقوف ہے اور تمام مشائخ رحمہم اللہ۔۔۔ اس کے ثابت کرنے میں ایک دوسرے کے موافق ہیں لیکن ہر شخص نے جدا جدا عبارت کیساتھ اسکو بیان کیا ہے اور محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص کر اس عبارت کو مطلقاً طریقت کی حقیقت میں بیان کیا ہے لیکن وَلایت ساتھ زبر واؤ کے لغوی تحقیق میں تصرف ہوتا ہے اور ولایت ساتھ زیر واؤ کے معنی میں امارت کے ہے اور نیز دونوں مصدر فعل ولیت کے بھی ہوسکتے ہیں اور جب ایسا ہوا کہ یہ دو لغت ہوں مثل دَلالت اور دِلالت کے۔ اور ولایت بمعنی ربوبیت بھی ہوتا ہے اور یہ اسلئے ہے کہ خداوند کریم نے فرمایا ہے هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ یعنی اس جگہ ولایت خاص اللہ کیلئے

ہے اسلئے کہ کفار اس سے دوستی کرتے ہیں اور اسی کے گرویدہ ہوتے ہیں اور اپنے معبودوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اور نیز ولایت بمعنی محبت بھی آتا ہے لیکن جائز ہے کہ ولی فعیل کے وزن پر بمعنی معفول ہو جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ یعنی وہ صالحین کا دوست ہے کیونکہ ... خداوند تعالیٰ اپنے بندے کو اس کے اوصاف اور افعال کے ساتھ نہیں چھوڑتا بلکہ اسکو اپنی حفاظت کی پناہ میں رکھتا ہے۔ اور جائز ہے کہ ولی بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ معنی میں فاعل کے ہو۔ اس لئے کہ بندہ اسکی اطاعت کو دوست رکھتا ہے! اور نیز اس کے حقوق کی رعایتوں پر ہمیشگی کرتا ہے۔ اور اس کے غیر سے بھی منہ موڑ لیتا ہے اور یہ ایک مرید ہوگا اور وہ دوسرا مراد ہوگا اور یہ تمام معانی حق کیطرف سے بندہ پر اور بندہ کیطرف سے حق پر جائز ہوتے ہیں۔ اسلئے کہ اللہ عزوجل اپنے دوستوں کا مددگار ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے ان دوستوں سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں مدد کرنے کا ان الفاظ وعدہ فرمایا۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ یعنی خبردار اللہ کی مدد یقینی طور سے قریب ہے اور نیز فرمایا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ اَیْ لَا نَاصِرَ لَھُمْ اور تحقیق کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں یعنی ان کا کوئی مددگار نہیں۔ جب کفار کا کوئی مددگار نہیں تو لامحالہ وہ مومنوں کا ناصر ہوگا کیونکہ وہ مدد کرتا ہے ان کی عقلوں کی آیات کے استدلال میں اور ان کے دلوں کی معانی کے بیان میں اور ان کے بھیدوں کی دلائل کے کھولنے میں اور خاص کر کے ان کی مدد کرتا ہے نفس اور شیطان کی مخالفت میں اور اپنے کاموں کی موافقت میں اور نیز یہ بھی جائز ہوگا۔ کہ دوستی کیساتھ ان کو مخصوص کردانے اور عداوت کی جگہ سے ان کی حفاظت رکھے جیسا کہ فرمایا یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ یعنی دوست رکھتا ہے ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں اس کو۔ تاکہ اس کو اس کی محبت کے ساتھ دوست رکھیں اور خلقت سے منہ پھیریں۔ یہانتک کہ وہ ان کا دوست ہو اور وہ اس کے اولیاء ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک کو فرمانبرداری پر قائم رہنے کیوجہ سے ولایت دے اور اس کو حفاظت اور عصمت میں یہانتک نگاہ رکھے کہ وہ اس کی اطاعت پر قائم ہو اور اس کی مخالفت سے پرہیز کرے، اور شیطان اس کی فرمانبرداری کی حسن اطاعت سے بھاگے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک کو ولایت دے تاکہ اس کے حل سے ملک میں حل ہو اور اس کے عقد سے عقد ہو۔ اور اس کی دعائیں قبولیت کے درجہ پر ہوں۔ اور نیز اس کے پاکیزہ سانس مقبول ہوں۔ جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُعْبَأُ بِہٖ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ

یعنی بہت سے گرد آلودہ کپڑوں والے بکھرے ہوئے بالوں والے اگر کسی معاملہ میں قسم کھالیں تو اللہ عزوجل ان کی اس قسم کو پورا فرما دیتا ہے، اور مشہور ہے کہ عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں دریائے نیل اپنی عادت کے مطابق چلنے سے ٹھہرا ہو گیا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں جب تک ہر برس ایک لونڈی آراستہ کر کے اس میں نہ ڈالی جاتی تب تک وہ جاری نہ ہوتا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاغذ پر لکھا کہ اے پانی اگر تو خود بخود ٹھہرا ہوا ہے تو مت جاری ہو اور اگر تو خدا کے حکم سے ٹھہرا ہوا ہے تو چل جب وہ رقعہ پانی میں ڈالا گیا پانی چل پڑا اور امارت حقیقت پر تھی پس میری مراد ولایت اور اس کے ثابت کرنے میں یہ ہے، کہ تو خوب جان لے کہ نام ولی کا اس شخص پر روا ہوتا ہے جس میں تمام معانی مذکورہ موجود ہوں۔ جیسا کہ ہم نے اسی وقت بیان کیا ہے یعنی اس کے حال میں یہ تمام باتیں ہوں نہ کہ قال میں۔ اور اس سے پہلے بھی مشائخ نے اس مضمون پر کتابیں لکھی ہیں۔ اور وہ عزیز دفتر جلدی نابود ہو گیا۔ اور اب میں اس پیر بزرگ کی عبارت کو جو کہ صاحب مذہب ہے آراستہ کرتا ہوں۔ اور نیز میرا اعتقاد اس کے ساتھ بہت اچھا ہے تاکہ تجھے بہت فائدہ ہو اور تیرے سوا وہ لوگ بھی جو اس کتاب کے پڑھنے کی سعادت حاصل کریں۔ بشرطیکہ اس طریقت کے ہوں مستفید ہونگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل

اے طالب صادق! تو جان لے کہ اللہ عزوجل تجھے قوت عطا فرمائے جو یہ لفظ خلقت میں مستعمل ہے، اور کتاب اور سنت اس پر شاہد ہے جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی خبردار تحقیق اللہ کے دوستوں کو نہ تو کوئی غم ہوتا ہے اور نہ ہی ان پر کسی قسم کا خوف ہوتا ہے اور نیز فرمایا حق سبحانہ وتعالیٰ نے نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ اور ایک دوسری جگہ پاک پروردگار نے فرمایا۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی اللہ عزوجل ایمان والوں کا دوست ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَعِبَادًا يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ وَالشُّهَدَآءُ قِيْلَ مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا لَعَلَّنَا نُحِبُّهُمْ قَالَ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ اَمْوَالٍ وَلَا اكْتِسَابٍ وُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ثُمَّ تَلَا اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ وایضاً قال النبی علیہ السلام یقول اللہ عزّ وجلّ مَنْ اٰذٰی وَلِیًّا فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِیْ۔ یعنی اللہ عزوجل کے بندوں سے کچھ ایسے بندے ہیں کہ خدا کے نبی اور شہید ان پر رشک کھاتے ہیں۔ صحابہؓ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں یا رسول اللہ آپ ان کی صفت بتا دیجئے تاکہ ہم ان کو دوست رکھیں فرمایا وہ ایک قوم ہے جو دوست رکھتی ہے روح اللہ یعنی اللہ کے امر کو بغیر مالوں اور کسبوں کے ان کے چہرے نور ہیں اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے جس وقت لوگ خوف کھائیں گے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جس وقت لوگوں کو غم ہوگا انہیں کسی قسم کا غم نہ ہوگا پھر حضور علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت کی اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور یہ بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی کو تکلیف دی اس کے ساتھ جنگ کرنا مجھ پر حلال ہوا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے اولیاء ہیں جنہیں دوستی اور ولایت سے مخصوص کیا گیا ہے اور وہ اس کے ملک کے والی ہیں جن کو اللہ عزوجل نے برگزیدہ کیا ہے اور اپنے فعل اور اظہار کا نشانہ گردانا ہے اور طرح طرح کی کرامتوں سے مخصوص کیا ہے۔ اور طبعی آفتوں سے ان کو پاک فرمایا ہے اور نیز نفس اور ہوا کی پیروی سے ان کو خلاصی دی ہوتی ہے، یہاں تک کہ ان کی ہمت اور محبت بجز خداوند تعالیٰ کے کسی سے نہیں ہم سے پہلے گذشتہ زمانے میں بھی ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں۔ اور ہم سے پیچھے بھی قیامت کے دن تک ہوتے رہیں گے اس لئے کہ اللہ عزوجل نے اس امت کو گذشتہ امتوں پر فضیلت دی ہے اور خداوند کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا نگہبان ہے اور اس نے اس کی پاسبانی کا وعدہ فرمار کھا ہے جیسا کہ علماء کے درمیان خبری دلائل اور عقلی حجتیں آج کے دن موجود ہیں ویسے ہی چاہیئے کہ براہین غیبی بھی موجود ہوں اور ان کا انکار نہ چاہیئے اور مخلوق میں خداوند کریم کے خواص اولیاء بھی ہیں اور یہ ہمارا اختلاف دو گروہ سے ہے ایک معتزلہ سے اور دوسری عامہ حشوی سے۔ اور ایک مومن کی جو دوسرے مومن پر خصوصیت ہے معتزلہ اس کے بھی منکر ہیں اور اس تخصیص کی نفی نبی کی تخصیص کی نفی ہے اور یہ کفر ہے اور عوام حشوی تخصیص کے تو قائل ہیں مگر کہتے ہیں کہ پہلے ہوئے ہیں اب موجود نہیں اور انکار ماضی اور مستقبل کا ایک ہی ہوتا ہے اسلئے کہ انکار کی ایک طرف دوسری طرف کے انکار سے زیادہ اولیٰ ہوتی ہے پس خداوند تعالیٰ نے برہان نبوی کو آج کے دن تک باقی رکھا ہے اور اولیاء کو اس کے اظہار کا سبب بنایا ہے، تاکہ ہمیشہ خدا

کی آیتیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیلیں ظاہر ہوں اور بالخصوص ان کو جہان کا والی بنایا ہے جنہوں نے حدیث نبوی کا اتباع کیا۔ اور نفس کی متابعت کا راستہ انہوں نے چھوڑ دیا تاکہ آسمانوں سے ان کے قدموں کی برکتوں سے بارانِ رحمت نازل ہو۔ اور زمین سے انگور... ان کے احوال کی صفائی کے سبب اور ان کے قدموں کی برکت کے سبب اگتے ہیں۔ اور کافروں پر مسلمان ان کی ہمت سے کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ چار ہزار کے قریب چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو نہیں پہنچانتے اور نہ ہی اپنے حال کی خوبی کو جانتے ہیں اور تمام احوال میں اپنے آپ سے اور نیز مخلوقات سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ اور اس مضمون پر حدیثیں اور اولیاء کے سخن بھی ناطق وشاہد ہیں اور مجھ کو بھی بحمد اللہ اس کی خبر عیاں ہے لیکن وہ جو حل اور عقد کے مالک اور خدا کی بارگاہ کے سپاہی تین سو ہیں جنہیں اخیار بھی کہتے ہیں اور چالیس دوسرے ہیں جنہیں ابدال کہتے ہیں اور سات اور ہیں جنہیں ابرار کہتے ہیں۔ اور چار اور ہیں جنہیں اوتاد کہتے ہیں۔ اور تین دوسرے ہیں جنہیں نقبا کہتے ہیں۔ اور ایک اور ہے جسے قطب بھی کہتے ہیں اور غوث بھی کہتے ہیں۔ اور یہ سب ایک دوسرے کو پہنچانتے ہیں۔ اور کاموں میں ایک دوسرے کے محتاج بھی ہیں۔ اور اس پر اخبار مرویہ شاہد ہیں۔ اور اہل سنت اس کی صحت پر متفق ہیں۔ اور یہ جگہ اس کی شرح اور بسط کی نہیں ہے، اور اس جگہ ایک عام اعتراض کرتے ہیں جو میں نے کہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو پہنچانتے ہیں۔ کہ ہر ایک ان سے ولی ہے پس چاہیئے کہ وہ اپنی عاقبت سے بیخوف ہوں اور یہ محال ہوتا ہے اسلئے کہ ولایت کی معرفت بیخوفی کو چاہتی ہے، جب یہ جائز ہے کہ مومن اپنے ایمان سے تو پہچان رکھتا ہے، مگر بیخوف نہیں ہوتا۔ ایسا ہی جائز ہے کہ ولی اپنی ولایت سے آگاہ ہوتے ہوئے بیخوف نہ ہو لیکن یہ بھی جائز ہو سکتا ہے، کہ حق تعالیٰ ولی کو کرامت کی رُو سے عاقبت سے بیخوف گردانے اور اس کو اس کے بیخوف رہنے پر اطلاع دیدے جب کہ اس کی حالت صحیح اور مخالفت سے نگاہ رکھی گئی ہو اور اس جگہ مشائخ کا اختلاف ہے اور میں نے علّت اختلاف بیان کر دی ہے، کیونکہ جو چار ہزار چھپے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ولایت کی معرفت کو روا نہیں رکھتے اور وہ جو ان کے علاوہ دوسرے گروہ سے ہیں روا رکھتے ہیں۔ اور فقہا سے بہت گروہ ان کے موافق ہیں۔ اور بہت سے ان کے موافق نہیں۔ اور ویسے... متکلمین سے بھی استاد ابو اسحٰق اسفرائنی اور ایک جماعت متکلمین کی اس پر ہے کہ ولی اپنے آپکو ولی نہیں

معلوم کر سکتا۔ اور استاد ابوبکر بن فورک اور ایک دوسری جماعت متقدمین کی اس پر ہے کہ ولی اپنے ولی ہونے کی پہچان کر سکتا ہے میں یہ کہتا ہوں کہ اگر اولیاء کے گروہ کو اپنی ولایت سے واقفیت ہو جائے تو کیا ہرج اور نقصان اور آفت ہے کہتے ہیں کہ وہ مغرور ہو جاتا ہے اس لئے کہ جب اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں ولی ہوں تو وہ خود بخود مغرور ہو جائے گا۔ میں جواب میں کہتا ہوں کہ ولایت کی شرط حق کی حفاظت ہے اور وہ جو آفت سے محفوظ رہتا ہے اس پر غرور کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور یہ کلام بہت ہی عامیانہ کلام ہے، کہ جب ولی سے خرق عادات باتوں کا ظہور ہو جسے کرامت کہا جاتا ہے تو وہ اس کو دیکھتا ہو ابھی نہ جانے کہ میں ولی ہوں اور یہ کرامتیں ہیں۔ اور عوام کے ایک گروہ نے اس کی تقلید کی ہے۔ اور بعضوں نے اس دوسرے گروہ کی باتوں کو معتبر نہیں جانا لیکن معتزلہ بالکل کرامت اور تخصیص کے منکر ہیں۔ اور ولایت کی حقیقت کرامت اور تخصیص ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ تمام مسلمان خدا کے اولیاء ہیں جب کہ مطیع ہوں اور خدا کے احکام پر قائم ہوں۔ اور یہ خدا کی صفات اور اس کے دیدار کے منکر ہوئے ہیں اور مومن کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا جائز رکھتے ہیں۔ اور بغیر رسولوں اور بغیر اترنے کتابوں کے محض عقل کے ساتھ تکلیف جائز ہونے کا اقرار کرنے والے ہیں۔ اور بدون ان سب باتوں کے کسی کا محض عقل کی پیروی سے ولی ہونا جائز سمجھتے ہیں۔ اور وہ سب مسلمانوں کے نزدیک ولی ہو جاتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ ہاں وہ ولی ہو جاتا ہے مگر شیطان کا ولی ہوتا ہے نہ کہ خدا کا اور کہتے ہیں کہ اگر ولایت کے لئے کرامت شرط ہوتی تو تمام مومنوں کو بکرامت ہونا چاہیئے تھا کیونکہ تمام مومن ایمان میں مشترک ہیں جب اصل میں مشترک ہیں تو انہیں فرع میں مشترک ہونا چاہیئے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ مومن اور کافر صاحب کرامت ہوں اور یہ ایسی بات ہے کہ جب کوئی شخص سفر میں بھوکا ہو اور اس کی کوئی مہمانی کرے یا تھکا ماندہ ہو اور کوئی شخص اس کو عزت سے بٹھا دے اور اس کی مانند اور بھی بہت سی باتیں کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر یہ جائز ہوتا کہ آدمی ایک رات میں بہت سفر طے کر سکتا ہے تو جب آپ نے مکہ شریف کا قصد کیا تو چاہیئے تھا کہ اس سے آپ بھی مشرف ہوتے، حالانکہ اللہ عزوجل نے فرمایا وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ یعنی اٹھاتا ہے تو اپنے بوجھوں کو اس شہر تک جو نہیں ہو تم اس شہر تک پہنچنے والے مگر جان کی سختی سے" میں کہتا ہوں تمہارا یہ قول باطل ہے۔ اسلئے کہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ

الاقصیٰ الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ الخ یعنی پاک ہے وہ ذات ... کہ جس نے اپنے عبد کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی کہ جس کے گرد اگرد برکتیں ہیں لیکن بوجھ کا اٹھانا اور اصحاب کا جمع ہو کر مکہ کی طرف جانا کرامت خاص ہے عام نہیں اور اگر وہ سب کے سب کرامت سے مکہ تشریف لیجاتے تو کرامت عام ہو جاتی خاص نہ رہتی اور ایمان غیبی کی ضرورت نہ رہتی اور کل احکام ایمانِ غیبی اور خبر ہونے کے اٹھ جاتے اس لئے کہ ایمان فرمانبرداری اور نافرمانی کے محل میں عام ہے اور ولایت خاص محل میں ہے پس خداوند تعالیٰ نے جو اس کا حکم عموم کے محل میں رکھا پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان کی موافقت پر بوجھ اٹھانا فرمایا اور اس کا حکم مخصوص محل میں رکھا۔ اور ایک رات میں اپنے پیغامبر کو مکہ سے بیت المقدس تک پہنچایا اور اس جگہ سے قاب قوسین تک لے گیا اور دنیا کے تمام زاوئے اور کنارے اور گوشے وغیرہ دکھائے جب آپ واپس تشریف لائے تو ابھی بہت سی رات باقی تھی۔ اور کلام کا حاصل یہ ہے کہ ایمان کے حکم میں عام ساتھ عام کے ہوتا ہے اور کرامت کے حکم میں خاص ساتھ خاص کے ہوتا ہے اور تخصیص کا انکار کھلم کھلا مکابرہ ہے جیسا کہ بادشاہ کے دربار پر حاجب اور دربان امیر اور وزیر ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ چاکری کے حکم میں ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن بعضوں کو بعض پر خصوصیت ہوتی ہے پس ویسے ہی ہر چند ایمان کی حقیقت میں یکساں ہوتے ہیں مگر ایک نافرمان ہوتا ہے اور ایک فرمانبردار اور ایک عالم ہوتا ہے تو دوسرا جاہل ہوتا ہے پس یہ بات صحیح طور پر درست ہوئی کہ تخصیص کا انکار کل معانی کا انکار ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل

اور مشائخ کیلئے ولایت کی تحقیق اور عبارت میں رمزیں ہیں۔ اور جس قدر ممکن ہو سکتا ہے انکے پسندیدہ رموز... معرض تحریر میں لاتا ہوں تاکہ فائدہ کامل ہو انشاء اللہ تعالیٰ، ابو علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اَلْوَلِیُّ هُوَ الْفَانِیْ فِیْ حَالِهٖ وَالْبَاقِیْ فِیْ مُشَاهَدَةِ الْحَقِّ لَمْ یَکُنْ لَهٗ عَنْ نَفْسِهٖ اِخْبَارٌ وَّلَا مَعَ غَیْرِ اللّٰهِ قَرَارٌ یعنی ولی وہ ہوتا ہے کہ جو اپنے حال میں فانی ہو اور خدا کے مشاہدہ میں باقی ہو اور اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے حال سے خبر دے یا اللہ کے سوا کسی اور سے آرام پائے اس لئے کہ خبر بندہ کی اپنے حال سے ہوگی اور جب حال فانی ہوا تو اس کو اپنے حال سے خبر دینی صحیح نہ ہوئی۔ اور ساتھ

غیر کے آرام نہ پائے گا جو اس کو اپنے حال سے خبر دے اسلئے کہ غیر کو غیب کے حال سے واقف کرنا عیب
کے راز کا افشا ہوتا ہے اور حبیب کے راز کا کھولنا غیر حبیب پر محال ہوگا۔ اور نیز جب مشاہدہ
میں ہوگا تو مشاہدہ میں غیر کی رویت محال ہوگی اور جب غیر کی رویت نہ ہوگی تو قرار پانا مخلوق سے
کس طرح ممکن ہوگا۔ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اَلْوَلِیُّ مَنْ لَّا یَکُوْنَ
لَہٗ خَوْفٌ لِاَنَّ الْخَوْفَ تَرَقُّبُ مَکْرُوْہٍ یَحِلُّ فِی الْمُسْتَقْبِلِ اَوْ اِنْتِظَارُ الْمَحْبُوْبِ یَفُوْتُ فِی الْمُسْتَانِفِ
وَالْوَلِیُّ اِبْنُ وَقْتِہٖ لَیْسَ لَہٗ وَقْتٌ مُسْتَقْبِلٌ فَیَخَافُ شَیْئًا وَکَمَا لَا خَوْفَ لَہٗ لَا رَجَاءَ لَہٗ لِاَنَّ
الرَّجَاءَ اِنْتِظَارُ مَحْبُوْبٍ یَحْصُلُ اَوْ مَکْرُوْہٍ یَکْشِفُ وَذٰلِکَ فِی الثَّانِیْ مِنَ الْوَقْتِ وَکَذٰلِکَ لَا
یَحْزَنُ مِنْ حُزُوْنَۃِ الْوَقْتِ مَنْ کَانَ فِیْ ضِیَاءِ الرِّضَاءِ وَنُوْرِ الشُّکْرِ وَرَوْضَۃِ الْمُوَافَقَۃِ فَاَنّٰی
یَکُوْنُ لَہٗ حُزْنٌ۔ قَالَ اللہُ تَعَالٰی اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ مراد
اس قول سے آپ کی یہ ہے کہ ولی کو خوف نہیں ہوتا اسلئے کہ خوف اس چیز کی حرص سے ہوتا ہے
جس کے آنے سے دل میں کراہت پیدا ہو یا بدن پر بلا محسوس ہو اور یا اس محبوب سے خوف کھاتا ہو جس
کے فوت ہو جانے کا اس کو اندیشہ ہو اس لئے کہ حال میں اس کے ساتھ ہے۔ ولی ابن وقت ہوتا ہے۔ اس کو
کوئی خوف نہیں ہوتا کہ جس سے وہ خوف کھائے اور جیسا کہ اس کو خوف نہیں ہوتا ویسے ہی اس کو امید بھی
نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ رجا یعنی امید اُس کو دوسرے وقت میں محبوب سے ملنے کی ہوتی ہے اور یا سختی
اس سے ٹلنے کی۔ اور اس کو کسی قسم کا غم نہیں ہے اسلئے کہ غم وقت کی کدورت سے پیدا ہوتا ہے پس جو شخص رضا
کے قدموں میں ہو اور رضا ہی کی موافقت میں ہو اس کو غم کب ہوتا ہے۔ اور اس قول میں عوام کا کچھ ایسا
خیال ہے کہ جب خوف اور امید اور غم نہ ہوگا تو اس کی بجائے امن ہوگا۔ اور میں کہتا ہوں کہ امن بھی نہ ہوگا
اسلئے کہ امن غیب کے نہ دیکھنے سے ہوگا۔ اور نیز وقت سے اعراض کرنے سے نہ ہوگا۔ اور یہ تمام صفتیں
ان کی ہوں گی جنہیں بشریت کی رویت نہ ہو اور کسی صفت کیساتھ آرام نہ ہو۔ اور خوف اور امید
اور امن اور غم سب کے سب نفس کے حصہ میں واپس آتے ہیں۔ اور وہ جب فانی ہو جاتے ہیں تب بندہ
کی صفت رضا ہو جاتی ہے۔ اور جب رضا آئی۔ تو دیدار میں احوال مستقیم ہوا احوال سے روگردانی کی بدولت
محول نظر آیا اس وقت دل پر ولایت نے ظہور پکڑا اور اس کے معنی باطن سے ظہور میں آئے۔ اور ابو عثمان مغربی
رحمہ اللہ کہتا ہے۔ اَلْوَلِیُّ قَدْ یَکُوْنُ مَشْتُوْرًا وَّلَا یَکُوْنُ مَفْتُوْنًا۔ یعنی ولی کبھی پوشیدہ ہوتا ہے

مگر مفتون نہیں ہوتا اور دوسرے بزرگ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلْوَلِیُّ قَدْ یَکُوْنُ مَسْتُوْرًا وَلَا یَکُوْنُ مَشْہُوْرًا یعنی ولی کبھی پوشیدہ ہوتا ہے مگر مشہور نہیں ہوتا اور ولی کا شہرت سے بچنا اس بنا پر ہے کہ اگر اس کی شہرت سے فساد ہوتا ہو تب اس کا پوشیدہ رہنا بہتر ہے پس ابو عثمانؓ نے فرمایا کہ جائز ہے کہ اس کا شہرہ ہو اور اس کی شہرت سے فتنہ پیدا نہ ہو اس لئے کہ فتنہ جھوٹ میں آتا ہے اور جبکہ ولی اپنی ولایت میں سچائی پر ہو۔ تو کچھ مضائقہ نہیں اور جھوٹے پر ولایت کا نام واقع نہیں ہو سکتا اور کرامت کا اظہار جھوٹے کے ہاتھ پر محال ہوتا ہے پس ولی کے ہاتھ سے فساد ساقط ہونا چاہیئے اور ان دونوں قولوں کی بازگشت اسی اختلاف کی طرف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے کہ ولی اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا اسلئے ۔ ۔ ۔ کہ ولی اگر پہچانے تو مشہور ہوگا اور اگر نہ پہچانے تو مفتون ہوگا۔ وَالشَّرْحُ لِذٰلِکَ یَطُوْلُ اس کی شرح بہت لمبی ہے۔ اور حکایت میں ہے کہ ابراہیم ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرد سے کہا کہ کیا تو خدا کے دلیوں سے ایک ولی ہونا چاہتا ہے اس نے کہا کہ ہاں چاہتا ہوں آپ نے فرمایا لَا تَرْغَبْ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَفَرِّغْ نَفْسَکَ وَاَقْبِلْ بِوَجْہِکَ عَلَیْہِ یعنی دنیا اور آخرت کی طرف رغبت نہ کر اسلئے کہ دنیا کی طرف رغبت کرنا خداوند کریم کی طرف سے منہ موڑنا ہے اور فانی کی طرف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اور عقبیٰ کی طرف رغبت کرنا باقی چیز کے ساتھ خداوند کریم کی طرف سے منہ موڑنا ہے اور جب فانی چیز سے منہ موڑنا ہوتا ہے تو فانی فنا ہو جاتا ہے اور روگردانی نیست ہو جاتی ہے اور جب روگردانی باقی چیز سے ہوتی ہے تب بقا پر فنا روا نہیں ہوتی پس اس کی روگردانی پر بھی فنا روا نہ ہوگی اور فائدہ اس کلمے کا یہ ہے کہ خدا کو دنیا اور عاقبت کی بدولت ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے اور اپنے آپ کو خدا کی دوستی کیلئے خالی کر اور دنیا اور آخرت میں اپنے دل کو نہ لگا اور دلی توجہ خدا کی طرف کر اور جب یہ اوصاف تجھ میں پیدا ہو جائیں گے تو اس وقت تو ولی ہوگا۔ اور ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ ولی کون ہوتا ہے آپ نے فرمایا۔ اَلْوَلِیُّ ھُوَ الصَّابِرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَالنَّھْیِ یعنی ولی وہ ہوتا ہے کہ جو خداوند تعالیٰ کے امر اور نہی کے تحت صبر کرتا ہے اس لئے کہ جس کے دل میں خدا کی محبت زیادہ ہوگی اس کے دل میں خدا کے حکم کی بھی بہت ہی تعظیم ہوگی اور نیز اس کا جسم اس کی نہی سے دور رہیگا۔ اور ابو یزید، رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی حکایت کرتے ہیں کہ کسی نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ فلاں شہر میں ایک ولی ہے حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس کی زیارت کیلئے اس شہر میں گیا جب میں مسجد میں پہنچا۔

تو وہ بھی گھر سے مسجد کی طرف آیا جب مسجد میں آیا تو اس نے مسجد میں تھوک پھینکی میں وہیں سے واپس لوٹا اور جی میں خیال کیا کہ اگر یہ خدا کا ولی ہوتا تو اس کے لئے شریعت پر نگاہ رکھنی لازمی تھی۔ تاکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ولایت کا حق اس پر نگاہ رکھتا اور اگر یہ مرد مسجد میں نہ تھوکتا بلکہ اس کی عزت کرتا تو ضرور حق سبحانہٗ تعالیٰ کرامت کی صحت کیلئے اس کو نگاہ رکھتا اسی رات کو میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے مجھ سے فرمایا اے ابویزید جو کام تو نے کیا اس کی برکتیں تجھکو پہنچیں حضرت بایزید فرماتے ہیں کہ میں دوسرے ہی روز اس درجہ کو پہنچا کہ جس درجہ میں تم مجھے دیکھ رہے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ ایک شخص ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور اس نے پہلے بایاں پاؤں مسجد میں رکھا آپ نے فرمایا کہ اس کو ہٹا دو اس لئے کہ جو شخص دوست کے گھر میں آنا چاہتا ہے اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنا بایاں پاؤں پہلے دوست کے گھر میں رکھے اور ملاحدہ کے ایک گروہ نے کہ اللہ کی ان پر لعنت ہو اس طریقہ پر قدم رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ خدمت اتنی چاہیئے کہ بندہ ولی ہو جائے اور جب ولی ہوگیا خدمت اٹھ گئی۔ اگر اللہ عزوجل نے چاہا تو اپنی جگہ پر اس کی شرح پوری پوری کروں گا۔

کرامت کے ثبوت میں

جان تو کہ ولی سے کرامت کا ظہور صحت وتکلیف کی حالت میں جائز ہے اور اہلسنت والجماعت کے دونوں فریق اس امر پر متفق ہیں۔ اور عقل کے نزدیک بھی محال نہیں کیونکہ یہ نوع خداوند کریم کی قدرت میں ہے اور اس کا اظہار کسی شریعت کے اصول میں سے کسی اصل کے منافی نہیں اور اس قسم کا ارادہ وہموں سے علیحدہ نہیں ہے اور کرامت ولی کی صداقت پر نشان ہے۔ اور اس کا ظہور کاذب پر روا نہیں۔ بلکہ اس سے جھوٹے دعویٰ کے سوا اور کوئی بات ظہور میں نہیں آتی اور کرامت بقائے تکلیف کی حالت میں ایک فعل برخلاف عادت ہے اور وہ شخص جو کہ خدا کی استدلالی معرفت کے ساتھ سچ کو جھوٹ سے جدا کرے اور جان لے وہ بھی ولی ہوتا ہے۔ اور ایک گروہ اہلسنت کا کہتا ہے کہ کرامت صحیح ہے مگر معجزہ کی حد تک نہیں۔ جیسے دعاؤں کا قبول ہونا اور مرادوں کا اس سے حاصل ہونا اور جو اسی طرح عادتوں کے توڑنے والی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تم کو فساد کی سی صورت نظر آتی ہے جب کہ سچے ولی کے ہاتھ پر اسکے مکلف ہونے کے زمانہ میں خلاف عادت فعل

کا ظہور ہو۔ اگر کہو کہ یہ نوع خداوند تعالیٰ کے مقدور سے نہیں ہے تو یہ خود گمراہی ہے، اگر کہو کہ یہ نوع مقدور ہے مگر اس کا اظہار سچے ولی کے ہاتھ پر نبوت کا بطلان ہے، اور نبیوں کی تخصیص کی منافی ہے ایں کہتا ہوں یہ بھی محال ہے اس واسطے کہ ولی کرامت کے ساتھ مخصوص ہے اور نبی معجزہ کیساتھ مخصوص ہے۔ وَالْمُعْجِزَةُ لَمْ تَكُنْ مُعْجِزَةً بِعَيْنِهَا اِنَّمَا كَانَتْ مُعْجِزَةً لِحُصُوْلِهَا وَمِنْ شَرْطِهَا اقْتِرَانُ دَعْوَى النُّبُوَّةِ فَالْمُعْجِزَةُ تَخْتَصُّ لِلْاَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتُ يَكُوْنُ لِلْاَوْلِيَاءِ اور معجزہ بعینہٖ معجزہ نہیں ہوتا سوا اس بات کے نہیں کہ معجزہ اس کے حاصل ہونے کیلئے ہے اور اس کی شرط دعویٰ نبوت ہے پس معجزہ نبیوں کیلئے خاص ہوتا ہے اور کرامتیں ولیوں کیلئے ہوتی ہیں۔ اور جب ملی ولی ہوگا اور نبی نبی تو درمیان ان کے کوئی مشابہت نہیں ہوگی۔ تاکہ اس سے پرہیز کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ اور پیغمبروں کے مرتبہ کی بزرگی علو مرتبت اور صفائی کے لحاظ سے عصمت میں ہے نہ کہ محض معجزہ اور کرامت اور خرق عادات کے ظاہر کرنے میں اور بالاتفاق تمام نبیوں کے لئے خرق عادات معجزے ہیں اور اصل اعجاز میں سب مساوی ہیں۔ مگر درجوں اور بزرگیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے اور جب یہ بات جائز ہوئی کہ باوجود خرقِ عادات میں برابر ہونے کے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں تو کیوں ان کی ایک دوسرے پر فضیلت نہ مانی جائے اور ان کی خلافِ عادت باتوں کو کرامت نہ کہا جائے۔ اور نبی ان سے زیادہ فضیلت والے ہوتے ہیں۔ اور جب انبیا میں ان کا خلاف عادت فعل ایک دوسرے سے ان کی فضیلت اور خصوصیت کا باعث نہیں ہوتا تو یہاں پر بھی تو خلاف عادت فعل ہے یہ کیسے نبیوں کے برابر ہو سکتے ہیں یعنی ولیوں کے خلافِ عادات افعال نبیوں پر تخصیص کی علت نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی شخص کو عقلمندوں سے یہ دلیل معلوم ہو تو اس کے دل سے شبہ نکل جائے گا اور اگر کسی کو یہ خیال سوجھے کہ اگر ولی صاحب کرامت دعویٰ نبوت کا کرے تو بہت مشکل پیش آئیگی تو میں کہتا ہوں کہ یہ محال ہوگا اس لئے کہ ولایت کی شرط صدقِ قول ہے اور دعویٰ مخالف معنی کے جھوٹ ہوتا ہے، اور جھوٹا ولی نہیں ہوتا۔ اور اگر ولی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ معجزہ میں دخل دینے والا ہوگا اور معجزہ میں دخل دینا کفر ہے، اور کرامت بجز مومنِ مطیع کسی کو میسّر نہیں ہوتی۔ اور جھوٹ بولنا معصیت کا مرتکب ہونا ہے اور جب ایسا ہوگا تو ولی کی کرامت نبی کے دعویٰ نبوت کے ثابت کرنے کیلئے حجت ہوگی اور اس کے دعویٰ کی موافقت میں ہوگی تو کرامت اور نبوت میں طعن کرنیکا اشتباہ

وارد نہ ہوگا! اسلئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نبوت کا ثبوت معجزات کے ثبوت سے دیا
ہے اور ولی بھی کرامت سے نبی کی نبوت کو ثابت کرتا ہے، اور نیز اپنی ولایت کو کرامت سے
ثابت کرتا ہے۔ تو یہ اپنی ولایت کے دعویٰ میں اسی امر کی تصدیق کرتا ہے جو کہ نبی اپنے دعوئ نبوت
میں کرتا ہے اور ولی کی کرامت عین نبی کا معجزہ ہوتی ہے اور مومن کے لئے ولی کی کرامت کا دیکھنا
نبی کی صداقت پر زیادتیٔ یقین کا موجب ہوتا ہے، نہ کہ اس کو اس میں شبہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس
کا دعویٰ ایک دوسرے کے مخالف نہیں تاکہ ایک ایک کی نفی کرے اسلئے کہ ایک کا دعویٰ بعینہٖ
دوسرے کے دعویٰ کی دلیل ہے جیسا کہ شریعت میں جب کہ وارثوں کا ایک گروہ دعویٰ میں متفق
ہو تو جب ایک مدعی اپنے دعویٰ کو دلیل سے ثابت کر دے گا تو اسی دلیل سے دوسروں کے دعوے بھی
ثابت ہو جائیں گے کیونکہ وہ دعویٰ میں متفق ہیں۔ اگر سب کا دعویٰ ایک دوسرے کے مخالف ہو تو
ایک کی دلیل اپنے دعویٰ میں دوسروں کے دعویٰ کی دلیل نہیں بن سکتی جب نبی اپنے دعویٰ پر صحیح معجزہ دلیل
سے دلیل لاتا ہے اور ولی اس کے دعوئ نبوت کا مصدق ہوتا ہے تو اس میں شبہ کرنا محال ہو جائے
گا سو اللہ اعلم بالصواب۔

کلام معجزات اور کرامات کے فرق میں

اور جب یہ بات درست ہوئی کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ اور کرامت محال ہوتی ہے لامحالہ ظاہر
طور پر فرق چاہیئے تاکہ معلوم ہو جائے، تو خوب جان لے کہ معجزوں کی شرط اظہار ہے اور کرامت کی شرط
چھپانا ہے اس لئے کہ معجزہ کا پھل غیر کی طرف لوٹتا ہے اور کرامت کا ثمرہ صاحب کرامت کیلئے ہوتا ہے
اور نیز صاحب معجزہ معجزہ کا یقین کر لیتا ہے اور ولی یقین نہیں کر سکتا کہ وہ کرامت ہے یا استدراج اور نیز
صاحب معجزہ اللہ عزوجل کے حکم سے شریعت کے اوامر و نواہی کی ترتیب میں تصرف کرتا ہے اور ولی
صاحب کرامت کو بجز تسلیم اور قبول احکام کے کوئی چارہ نہیں ہے اسواسطے کہ کسی وجہ سے ولی کی
کرامت نبی کی شریعت کے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ جب تو معجزہ کو خلافِ عادت
قرار دیتا ہے اور ولایت کو نبی کی صداقت پر دلیل خیال کرتا ہے، سو جب اس کی جنس غیر نبی کیلئے
تو روا رکھتا تو وہ خلافِ عادت نہ ہوا بلکہ معتاد ہوا اور تیری عین حجت معجزہ کے ثابت کرنے پر جو

کرامت کا ثابت کرنا تھا باطل ہوئی میں کہتا ہوں کہ یہ لغزش بری صورت اعتقاد یہ کے خلاف ہے اس
لئے کہ معجزہ مخلوقات کی عادتوں کا توڑنے والا ہے جب ولی کی کرامت نبی کا عین معجزہ ہوتی ہے۔
اور وہی کرامت نبی کے معجزہ پر دلالت کرتی ہے، تو کرامت معجزے کے خلاف نہیں ہو سکتی کیا تو نے
نہیں دیکھا کہ جب خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں نے مکہ میں سولی دی اسوقت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم مدینہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو وہیں بیٹھے ہوئے خبیب رض نظر آیا جو سلوک کفار
خبیب رض سے کر رہے تھے۔ آپ نے سب صحابہ رض کے سامنے بیان کیا۔ اللہ عزوجل نے خبیب رض کی آنکھوں
سے بھی پردہ کو اٹھا دیا اس نے حضور علیہ السلام کی زیارت کی اور سلام عرض کی اور اس کے سلام
کی آواز حضور کے کان میں پہنچی حضور نے سلام کا جواب عطا فرمایا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب
اس کے گوش گذار ہوا اور دعا کی یہانتک کہ وہ مدعو بقبلہ ہوا پس یہ جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس کو مدینہ سے دیکھا حالانکہ وہ مکہ میں تھا یہ فعل خلافِ عادت تھا اور آپ کی کرامت تھی اس
واسطے کہ بالاتفاق غائب چیز کا دیکھنا خلافِ عادت ہے پس غیبت زمان اور غیبت مکان کے درمیان
کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ خبیب رض کی کرامت غیبت مکان کے حال میں جناب حضور علیہ السلام کی
عین حیات میں ہے اور متاخرین کی کرامات کی وجہ آپ سے غیبت زمان کے حال میں ہے لو یہ فرق اس امر
کا بیان کرنیوالا اور ظاہر کرنیوالا ہے .... کہ کرامت معجزہ کے مخالف نہیں اسلئے کہ کرامت صاحب
معجزہ کی صداقت ثابت کرنیکے سوا اور کچھ نہیں۔ اور ... مومن مطیع تصدیق کرنیوالے کے ہاتھ کے سوا اسکا ظہور
نہیں ہوتا اسلئے کہ امت کی کرامتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوتی ہیں اسلئے کہ اس کی شریعت باقی
ہے اور اس کی حجت کا باقی رہنا بھی لازمی ہے پس اولیاء رسول ص کی صداقت کے گواہ ہیں۔ اور جائز
نہیں کہ بیگانہ کے ہاتھ پر اسکا ظہور ہو اس معنی میں ایک حکایت لاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خواص سخت
عادت تھے آپ نے ایک دفعہ ایک جنگل میں رہنے کا قصد کیا تاکہ گوشہ نشین ہونے سے عادت درست ہو جائے
جب آپ تھوڑی دیر اس جنگل میں رہے تو آپ فرماتے ہیں کہ قریب سے ایک آدمی اٹھ کر مجھ سے درخواست
کرنے لگا کہ اے ابراہیم مجھے اپنی صحبت میں لیلے مجھے اس کے دیکھنے سے بہت ہی نفرت پیدا ہوئی میں
نے کہا یہ کیا معاملہ ہے اس نے کہا اے ابراہیم غصہ نہ کر کیونکہ میں ایک نصرانی ہوں اور ... صابیوں
سے ہوں اقصائے بلاد روم سے تیری صحبت کی امید پر آیا ہوں آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے

معلوم کیا کہ یہ بیگانہ ہے تو میرے دل نے قرار پکڑا اور صحبت کا طریق اور اس کا حق گذارنا مجھ پر آسان ہوا میں نے کہا کہ اے نصرانی کے راہب میرے پاس کھانا اور پینا نہیں ہے مجھے خوف ہے کہ کہیں تجھ کو اس جنگل میں تکلیف پہنچے اس نے کہا اے ابراہیم تیرا جہان میں اس قدر شہرہ ہے اور تو ابھی کھانے پینے کی فکر میں ہے ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی خوش کن گفتگو سے تعجب ہوا اور میں نے اس کی صحبت قبول کی مگر محض تجربہ کی خاطر کہ دیکھوں یہ کس درجہ پر ہے جب سات رات دن گذر گئے مجھے پیاس کا غلبہ ہوا وہ راہب کھڑا ہوا اور کہا اے ابراہیم تیرے نام کا اتنا بڑا طبل جہان میں بج رہا ہے آؤ ذرا دکھاؤ تو سہی کہ تمہارے پاس کیا ہے کیونکہ میں پیاس سے لاچار ہوں۔ میں نے اس کا طعنہ آمیز گستاخانہ کلام سن کر سر زمین پر رکھا اور عرض کی کہ... بار خدایا اس بیگانہ کافر کے سامنے مجھے ذلیل نہ فرمائیو۔ اس لئے کہ اس کو عین بیگانگی کی حالت میں مجھ پر نیک ظن ہے کیا ہی اچھا ہو اگر تو کافر کا ظن مجھ پر پورا فرمائے میں نے سر اٹھایا تو ایک طبق دیکھا جس میں دو روٹیاں اور دو پیالے شربت کے تھے ہم نے ایک ایک پیالہ شربت اور ایک ایک روٹی تقسیم کر کے کھالی اور وہاں سے چل پڑے۔ جب دوسرے سات دن گذرے تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ اس نصرانی کا تجربہ کرنا چاہیئے تاکہ یہ اپنی ذلت کو دیکھے اس سے پیشتر کہ وہ کسی دوسرے معاملہ میں میرا امتحان لے اور مجھ سے معارضہ کرے۔ میں نے کہا اے راہب نصرانی آج کے دن تمہاری نوبت ہے تاکہ میں دیکھوں کہ تمہارے پاس مجاہدہ کے پھل سے کیا ہے اور اس نے بھی سر زمین پر رکھا اور کچھ کہا ایک طبق ظاہر ہوا جس میں چار روٹیاں اور چار پیالے پانی تھا میں نے سخت تعجب کیا اور میرے دل کو تکلیف پہنچی اور میں اپنے معاملہ سے ناامید ہوا میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس سے نہیں کھاؤں گا۔ اسلئے کہ اس کا ظہور کافر کی خاطر ہوا ہے اور نیز استعانت بغیر اللہ ہو جائے گی۔ میں اس کو کس طرح کھاؤں آخر اس راہب نے مجھ سے کہا کہ اے ابراہیم کھاؤ۔ میں نے کہا کہ نہ کھاؤں گا اس نے کہا کہ اس کا کیا سبب ہے میں نے کہا کہ تو اس کا اہل نہیں ہے اور یہ تیرے حال کی جنس سے نہیں ہے اور میں تیرے اس کام سے متعجب ہوں۔ اگر اس کو کرامت پر محمول کروں تو کرامت کا صدور کافر سے نہیں ہو سکتا اگر کہوں مدد ہے تو مدعی کو شبہ ہوگا اس راہب نے.... کہا اے ابراہیم کھاؤ آپ کو خوشخبری دو چیزوں سے ہو۔ ایک تو میرے اسلام لانے سے میں پڑھتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ! اور دوسرے اس امر سے کہ آپ کا خدا کے نزدیک بڑا درجہ ہے میں نے

کہا کر تو یہ کیا کرہا ہے اس نے کہا اس لئے کہ ہم کو اس قسم کی چیز سے کچھ میسر نہیں ہوتا۔ میں نے تیری شرم سے سر زمین پر رکھا تھا اور میں نے عرض کی کہ.... بارِ خدایا اگر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے اور تیرا پسندیدہ ہے تو مجھ کو دو روٹیاں اور دو پیالہ پانی اپنی جناب سے مرحمت فرما اور اگر ابراہیم خواص تیرا ولی ہے تو مجھ کو دو روٹیاں اور دو پیالہ پانی کے ان کے نام پر عطا فرما جب میں نے سر اٹھایا تو یہ طبق موجود تھا ابراہیم خواص نے اس سے کھایا اور وہ راہب مرد بندگان دین سے ایک جوان مرد بزرگ ہوا ہے۔ اور یہ معنی عین نبی کا معجزہ ہوتے جو کہ نبی کی کرامت سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور یہ نادر ہے۔ اسلئے کہ نبی کی غیبت میں غیر کیلئے دلیل ظاہر ہوتی ہے اور ولی کے حضور میں اس کے غیر کو اس کی کرامت سے حصہ تھا حقیقت میں ولایت کے منتہی کو ولایت کے بلندی کے سوا کوئی شناخت نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ راہب فرعون کے جادوگروں کی طرح چھپا ہوا تھا پس ابراہیم نے نبی کے معجزہ کی تصدیق کی۔ اور وہ دوسرا بھی نبوت کی صداقت کی جستجو کر رہا تھا۔ اور نیز ولایت کی عزت کا طالب تھا۔ اللہ عزوجل کی عنایت ازلی کی خوبی سے اس کا مقصود حاصل ہوا اور یہ درمیان کرامت اور معجزہ کے ظاہر فرق ہے اور اس معنیٰ میں کلام بہت ہے اور یہ کتاب اس سے زیادہ کی متحمل نہیں۔ اور کرامتوں کا اظہار اولیاء پر دوسری کرامت ہوتی ہے اور اس کی شرط کتمان یعنی چھپانا ہے نہ کہ تکلف کے ساتھ ظاہر کرنا۔ اور میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ولی ولایت کو ظاہر کرے اور اس پر دعویٰ بھی کرے تو اس کی صحت حال کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا مگر اس کا تکلف اس کے اظہار کے ساتھ رعونت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مدعی الوہیت کے ہاتھ پر معجزہ کی جنس کے اظہار میں کلام شروع ہوتا ہے

مشائخ کے گروہ اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کسی کافر کے ہاتھ پر معجزہ اور کرامت کے مثل سے کوئی کام خلافِ عادت ظہور میں آئے اور اس کے ظہور کی وجہ سے شبہ کے اسباب منقطع ہوں اور کسی شخص کو اس کے جھوٹ میں شبہ نہ ہو اور اس کے فعل کا ظہور اس کے جھوٹ پر گواہ ہو تو جائز ہے جیسا کہ فرعون نے چار سو سال تک عمر پائی۔ اور اس کو اس دورانِ عمر میں کوئی بیماری لاحق نہیں ہوئی تھی اور پانی اس کے پیچھے اونچا ہوتا تھا جب کھڑا ہوتا تھا تو پانی بھی ٹھہر جاتا تھا اور جب چلتا تھا۔

اس وقت پانی بھی چلنا شروع کر دیتا تھا۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود اس کے دعویٰ میں عقلمندوں کو شبہ نہیں پڑتا تھا اسلئے کہ اس نے دعویٰ خدائی کا کیا ہوا تھا اور عقلمند اسحالتیں بحالِ اضطراری ہوتے ہیں اسلئے کہ خداوند تعالیٰ الجسم اور مرکب نہیں ہوتا اور اگر ایسے ہی کام اور اس کے مانند اور بھی بہت سے فرعون سے ظاہر ہوتے تو بھی عقلمندوں کو اس کے دعویٰ کے جھوٹا ہونے میں شبہ نہ ہوتا۔ اور وہ جو شدّاد صاحب ارم اور نمرود کے بارے میں روایت کرتے ہیں اسی قبیل سے ہے اس کا قیاس بھی اسی پر کرنا چاہیئے اور اسی کی مثل مخبر صادق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجّال آئیگا۔ اور خدائی کا دعویٰ کریگا اور اس کے دائیں اور بائیں ایک ایک پہاڑ چلتا ہوگا۔ دائیں طرف کے پہاڑ پر عمدہ عمدہ نعمتیں ہونگی اور بائیں طرف کے پہاڑ پر طرح طرح کے عذابوں اور عقوبتوں کا سامان ہوگا۔ اور خلقت کو اپنی الوہیت کی دعوت دے گا۔ اور جو اس کی اس دعوت کو منظور نہ کریگا اس کو طرح طرح کے عذابوں میں جکڑے گا۔ اور خداوند تعالیٰ اس کی گمراہی کے سبب خلقت کو مارے گا۔ اور پھر زندہ کرے گا۔ اور جہان میں مطلق حکم چلائے ہوئے ہوگا۔ اگرچہ ان کی بجائے سَو گُنا خلافِ عادت افعال کا اس سے ظہور ہو مگر عقلمند کو اس کے جھوٹا ہونے میں کوئی شبہ پیدا نہ ہوگا۔ اسلئے کہ عقلمند کو بدیہی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ خداوند تعالیٰ گدھے پر نہیں بیٹھتا۔ اور وہ تغیّر پذیر اور کانا عیب دار نہیں ہوتا اور ان باتوں کو استدراج کے حکم میں لیا جائے گا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ مُدّعیٔ رسالت کے ہاتھ پر جو کہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو کوئی فعل خلاف عادت ظہور میں آئے اسلئے کہ وہ دلیل اس کے جھوٹا ہونے پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ سچے نبی کے ہاتھ پر کوئی فعل خلافِ عادت ظہور پکڑے تو اس کی سچّائی پر وہ دلیل ہو جاتا ہے مگر ظہور شدہ فعل خلافِ عادت میں شُبہ کا وارد ہونا جائز نہیں اسلئے کہ اگر شبہ وارد ہوگا تو سچّے سے جھوٹے کی تمیز نہ ہو سکیگی اور نہ ہی جھوٹے سے سچّے کی تمیز ہو سکیگی۔ اس وقت طالب متحیّر ہوگا کہ کس کو سچا ... اور کس کو جھوٹا کہے۔ پھر ثبوت کا حکم بالکل بطلان پذیر ہو جائیگا۔ اور یہ بھی جائز ہوتا ہے کہ مُدّعیٔ ولایت کے ہاتھ پر کوئی چیز کرامت کے قبیل سے ظاہر ہو۔ اس لئے کہ وہ دین میں درست ہوتا ہے اگرچہ اس کا معاملہ خوب نہ ہو۔ اس لئے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت پیش کرتا ہے اور بہ نسبت اس فعل کے اپنے لئے خدا کا فضل ظاہر کرتا ہے اور اس فعل کی نسبت اپنی طاقت کی طرف نہیں کرتا اور جو شخص اصل ایمان میں سچا ہو تو وہ تمام احوال

میں اپنی ولایت کی راست گوئی میں سچا یقین کیا جائیگا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کا اعتقاد تمام اطلاع میں ولی کیلئے اعتقاد کا وصف رکھنا ہوگا۔ اگرچہ اس کے عمل موافق اعتقاد کے نہ ہوں ولایت کا دعویٰ اس کی طرف سے معاملات کی ترک کے منافی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس کے ایمان کا دعویٰ سچا ہے اور حقیقت ولایت اور کرامت خداوند کریم کی طرف سے وہبی یعنی بطور عطیہ ہے کسبی نہیں یعنی یہ کسب کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ پس بندہ کا کسب در حقیقت ہدایت کی علت نہیں ہو سکتا اور میں نے اس سے پیشتر کہا ہے کہ اولیاء معصوم نہیں ہیں۔ اسلئے کہ عصمت نبوت کی شرط ہے مگر ایسی آفت سے محفوظ ہوتے ہیں۔ کہ جو کہ وجود ولایت کی نفی کا تقاضا کرے، اور اس کے پائے جانے کے پیچھے ولایت کی نفی ایک ہی چیز میں شامل ہے اور وہ نفی ایمان اور ارتداد کی ہے نہ کہ نافرمانی اور گناہگاری کی اور یہ مذہب محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور نیز حضرت جنید اور ابوالحسن نوری اور حارث محاسبی رحمہم اللہ کا ہے اور اس کے سوا بہت سے اہل حقیقت کا مذہب ہے مگر اہل معاملات جیسے سہل بن عبداللہ تستری اور ابو سلیمان دارانی اور ابو حمدون قصار اور ان کے سوا رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کی شرط فرمانبرداری پر قائم رہنا ہے اور جب کبیرہ گناہ ولی کے دل پر گذر کریگا تو وہ ولایت سے معزول ہو جائیگا اور اس سے پیشتر میں نے کہا ہے کہ اجماع امت سے بندہ کبیرہ گناہ کرنے سے ایمان سے باہر نہیں ہوتا پس ایک ولایت دوسری ولایت سے اچھی نہیں ہو سکتی اور جب معرفت کی ولایت جو سب ولایتوں کی اصل ہے معصیت سے زائل نہیں ہوتی تو وہ معرفت کہ جو اس سے شرف اور کرامت میں بہت ہی کم ہے گناہ ہی سے کس طرح زائل ہوگی اور مشائخ میں اس اختلاف نے طول پکڑا ہے اور اس جگہ میری مراد ان سب کے ثابت کرنے کی نہیں ہے مگر سب سے زیادہ مشکل اس باب کی معرفت میں یہ ہے کہ تجھے یقینی طور پر معلوم ہونا چاہیئے کہ کرامت ولی پر کس حالت میں ظاہر ہوتی ہے صحو کی حالت میں یا سکر کی حالت میں غلبہ کی حالت میں یا تمکین کی حالت میں اور سکر اور صحو کی شرح میں تمام ابو یزید کے مذہب کے تذکرہ میں لا چکا ہوں اور ابو یزید اور ذوالنون مصری اور محمد بن خفیف اور حسین بن منصور اور یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بات پر قائم ہیں کہ کرامت کا اظہار ولی پر بجز سکر کی حالت کے جائز نہیں اور صحو کی حالت میں صرف نبیوں کے معجزہ کا اظہار ہوتا ہے ان کے مذہب میں معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق کھلم کھلا ہے اس لئے کہ کرامات کا اظہار ولی پر بجز سکر کی حالت کے نہیں ہوتا اور وہ دعوت کی پروا نہیں کرتا اور معجزہ کا ظہور ہی

پر صحو کی حالت میں ہوتا ہے اسلئے کہ وہ کفار کے مقابل پر بطور تحدی پیش کرتا ہے، اور مخلوقات کو اس کے معارضہ کی طرف پکارتا ہے، اور صاحب معجزہ اختیار دیا گیا ہوتا ہے چاہے اس کو ظاہر کرے اور چاہے نہ ظاہر کرے مگر ولی کو اختیار نہیں ہوتا۔ کہ جب چاہا اس کو ظاہر کیا اور جب چاہا اس کو چھپا دیا۔ کیونکہ ولی بعض وقت کرامت کو نہیں دکھلا سکتا حالانکہ اس کی خواہش ہوتی ہے اور بعض وقت بغیر خواہش کے کرامت کا ظہور اس سے ہو جاتا ہے، اور اس کی یہی وجہ ہے کہ ولی دعوت دینے والا نہیں ہوتا تاکہ اس کا حال اوصاف کے قیام کی طرف نسبت کیا گیا ہو اسلئے کہ وہ چھپایا گیا ہوتا ہے اور اس کا حال فنا کی صفت سے موصوف ہوتا ہے پس ایک صاحب شرع ہوتا ہے، اور دوسرا صاحب پردہ پس چاہیئے کہ کرامت بجز حالت غیبت اور دہشت کے ظاہر نہ ہو۔ اور قصہ مختصر یہ ہے کہ اس کا تصرف خدا کے تصرف سے ہوتا ہے اور جس کا وقت اس طرح ہو اس کا نطق سب کا سب خدا کی ترتیب سے ہوتا ہے، اسلئے کہ بشریت کی صحیح صفت یا لاہی ہوتی ہے اور ساہی اور یا مطلق آگہی ہوتی ہے پس انبیاء لاہی اور ساہی اور غافل نہیں ہوتے۔ اور بجز انبیاء کے اور کوئی مطلق آگہی نہیں ہوتا پس اس جگہ تردد اور تلون ہی تحقیق اور تمکین کے بغیر رہا اور اولیاء جب تک بشریت کے حال میں قائم رہتے ہیں اس وقت تک ہوش میں رہتے ہیں اور محجوب ہوتے ہیں۔ اور جب مکاشف ہوتے ہیں تب خدا کی مہربانی کی حقیقت میں مدہوش اور متحیر ہو جاتے ہیں پس کرامت کا اظہار کشف کی حالت میں درست نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ قرب کا درجہ ہوتا ہے اور وہ وہ وقت ہوتا ہے کہ پتھر اور سونا اس کے دل کے نزدیک ایک جیسا ہو جاتا ہے اور کسی حالت میں کسی آدمی کی ماسوا نبیوں کے یہ صفت نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی کی یہ صفت ہو تو وہ نبی کی صفت کی عاریت ہوگی۔ اور وہ بھی سکر کی حالت میں ہوگی نہ کہ صحو کی حالت میں جیسا کہ حارثہ ایک روز دنیا سے علیحدہ ہو رہا تھا اور عاقبت میں شامل ہو رہا تھا تو اس نے اس حالت میں کہا۔ عَزَفْتُ نَفْسِيْ مِنَ الدُّنْيَا فَاسْتَوَتْ عِنْدِيْ حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا۔ یعنی دنیا سے میں نے اپنے آپ کی شناخت کی۔ پس میرے نزدیک اس کا پتھر اور سونا اور چاندی اور ڈھیلا برابر ہوا۔ اور دوسرے دن حضرت حارثہ کو کھجوروں میں کام کرتے ہوئے دیکھا لوگوں نے پوچھا اے حارثہ کیا کر رہے ہو۔ کہا کہ اپنی روزی تلاش کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے پس اس وقت ایسا تھا

اور اس وقت ایسا تھا پس اولیاء کے صحو کا مقام وہی ہوتا ہے جو کہ عوام کا ہوتا ہے اور ان کے سکر کا مقام انبیاء کے مقام کا درجہ ہوتا ہے جب ہوش میں آتے ہیں اپنے آپ کو دوسرے آدمیوں سے ایک آدمی سمجھتے ہیں اور جب اپنے سے غائب ہوتے ہیں۔ خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ سکر میں تہذیب یافتہ ہوتے ہیں اور خاص خدا ہی کیلئے تہذیب یافتہ مہذب ہوتے ہیں۔ اور تمام جہان ان کے حق میں مثل سونے کے ہو جاتا ہے شبلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ذَهَبٌ اَيْنَمَا ذَهَبْنَا وَدُرٌّ ✦ حَيْثُ دُرْنَا وَفِضَّةٌ فِي الْفَضَاءِ: جس جگہ ہم جاتے ہیں وہاں سونا ہی ہے، اور نیز جس جگہ بھی ہم گھومتے ہیں وہاں موتی ہی ہیں اور تمام میدانوں میں ہمیں چاندی ہی چاندی نظر آتی ہے اور استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا کہ ایک دفعہ میں نے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ابتدائی حالات پوچھے انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ مجھے ایک پتھر کی ضرورت تھی سرخس کے نالے سے جو پتھر اٹھاتا تھا موتی بن جاتا ہوا کہ ہو جاتا تھا۔ اور میں پھر اسے پھینک دیتا تھا اور یہ معاملہ اس وجہ سے تھا کہ پتھر اور جواہرات ان کے نزدیک ایک جیسے تھے بلکہ جواہرات پتھر سے بھی حقیر تر تھے۔ اس لئے کہ اس کو ان کی خواہش نہ تھی اور پتھر کی ضرورت تھی۔ اور میں نے سرخس میں امام خواجہ خرامی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ آپ نے کہا کہ میں بچپن کی حالت میں تھا سرخس کے ایک محلہ میں توت کے پتوں کی تلاش میں گیا جو ریشمی کپڑوں کو پال لگانے کیلئے مجھے درکار تھے۔ میں ایک درخت پر چڑھا اور اس کو جھاڑنا شروع کیا اور شیخ ابوالفضل بن حسنؒ کا بھی اس کوچہ سے گذر ہوا تھا اور میں درخت پر بیٹھا ہوا تھا اور آپ نے مجھے نہ دیکھا میں نے اس میں کوئی شک نہ کیا کہ آپ اپنے آپ سے غائب ہیں۔ اور دل خدا کیطرف لگا ہوا ہے آپ نے خوشی کی حالت میں سر اوپر اٹھا کر کہا . . . . بار خدایا ایک برس سے زیادہ گذر چکا ہے کہ تو نے مجھے ایک دانگ کی مقدار بھی نہیں عطا فرمایا کہ جس سے میں اپنا سر چھپاؤں دوستوں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ خواجہ امام خرامی فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ درخت فی الفور اپنے تنہ سے چوٹی تک سنہری ہو گیا اور جتنی شاخیں اور پتے وغیرہ تھے سب کے سب سنہری ہو گئے پھر اس وقت کہا کہ میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ کے تمام کام بطور تعریض یعنی اشارہ کنایہ سے ہیں۔ اور ہم از قبیل اعراض میں دل کی کشائش کیلئے کوئی بات ہم آپ سے نہیں

کر سکتے۔ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے چار ہزار دینار سرخ دجلہ میں پھینک دیئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا کیا آپ نے فرمایا کہ پتھروں کو پانی کے سپرد کر دینا بہتر ہے لوگوں نے کہا کہ آپ نے مخلوق خدا میں کیوں نہ بانٹ دیئے آپ نے فرمایا اے سبحان اللہ میں خدا کی بارگاہ میں کونسی حجت پیش کروں گا جب کہ مولیٰ کریم دریافت فرمائے گا کہ کیوں تو نے اپنے دل سے پردہ کو ہٹا کر اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں پر ڈالا اور یہ دین و مذہب کی شرط نہیں کہ مسلمان بھائیوں کو اپنے آپ سے بدتر سمجھا جائے۔ اور یہ سب باتیں سکر کی حالت کی ہیں۔ اور سکر کی شرح میں نے بیان کر دی ہے لیکن مراد اس جگہ کرامت کا ثابت کرنا ہے۔ ابو العباس سیاری اور جنید اور ابو بکر واسطی اور محمد بن علی ترمذی رحمہم اللہ صاحب مذہب اس بات پر ہیں کہ کرامت حالتِ سکر کے بغیر صحو اور تمکین کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے اسلئے کہ اولیاء ملک کے منتظم و مدبر ہیں اور جہان کے کار پرداز ہیں اور اللہ عزوجل نے ان کو جہانوں کا والی بنایا ہے اور جہان کا بندوبست انہی پر موقوف کیا ہوا ہے اور جہان کے احکام کو انہیں کی ہمتوں سے پیوند کر رکھا ہے پس ان کی رائے سب راؤں سے زیادہ صحیح ہونی چاہیئے۔ اور خدا کی مخلوق پر ان کا دل سب سے زیادہ شفیق ہونا چاہیئے۔ اسلئے کہ وہ خدا تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور تلوین اور سکر کی حالت ابتدائی حالت ہوتی ہے، جب خدا تک پہنچے اسوقت تلوین تمکین سے بدلی اور پھر حقیقی معنی میں ولی ہوا اور اس کی کرامتیں صحیح ہوں گی۔ اور اس قصہ والوں میں مشہور ہیں۔ اسلئے کہ اوتاد کو ایک رات میں سب جہان کے گرد گھومنا چاہیئے۔ اگر کسی جگہ پر ان کی آنکھ نہ پڑے تو دوسرے ہی روز اس میں خلل واقع ہو جائیگا۔ اور پھر وہ ان کے قطب کیطرف توجہ کریں گے تا کہ وہ اپنی توجہ کی ہمت اس پر کرے اور اس کی توجہ کی برکت سے وہ فساد بحکم الٰہی دور ہو جاتا ہے اور وہ جو کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک سونا اور پتھر ایک ہی مرتبہ میں ہو گیا یہ حالت سکر کی ہے، بلکہ اس کی علامتیں ہیں۔ اور صحو میں ایسا نہ ہونے کی علامت ہے اور اس میں کوئی شرف نہیں ہوتا۔ اور عزوجل کا شکر درست بینی اور راست بینی میں ہے۔ اسلئے کہ سونا اس کے نزدیک سونا ہوتا ہے اور پتھر ان کے نزدیک پتھر ہوتا ہے، اور وہ اس کی آفت معلوم کرتے ہیں یہاں تک کہ کہتا ہے یَا صَفْرَاءُ وَ یَا بَیْضَاءُ غُرِّیْ غَیْرِیْ لَا لِیْ۔ اے سونے اے چاندی میرے غیر کو تم فریب دو مجھے فریب مت دو۔

مجھے کس لئے فریب دیتے ہو میں تمہارے فریب میں نہیں آنے کا اس لئے کہ میں نے تمہاری آفت دیکھ رکھی ہے پس جو شخص اس کی آفت دیکھ لیتا ہے اس کو حجاب کا محل دیکھتا ہے پس جب اس کو چھوڑتا ہے اس کا ثواب پاتا ہے پھر جس سونے کو ڈھیلے کی مانند کہا جاتا ہے اس کو ڈھیلے کا ترک کہنا صحیح نہیں اسلئے کہ وہ سکر کی حالت ہے، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب حارثہؓ صاحب سکر تھا تو اس نے کہا کہ پتھر، روڑا سونا چاندی سب میرے نزدیک ایک جیسے ہیں۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحو کی حالت میں تھے۔ دنیا کو قبضے میں رکھنے کی آفت انہوں نے ملاحظہ کی اور اس کے رد کر دینے کا ثواب ان کو معلوم ہوا۔ اس سے ہاتھ اٹھا لیا۔ یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آپ بال بچہ کیلئے کیا کچھ باقی چھوڑ کر آئے ہو تو آپ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن محمد بن علی نے مجھ سے فرمایا۔ کہ اے ابوبکر میں آج کے دن تجھ کو اپنی جگہ پر لے جاؤں گا۔ میں نے عرض کی جیسے شیخ کا فرمان ہو مجھے سر وچشم منظور ہے میں آپ کے ساتھ تھوڑی دیر تک چلا کہ بہت سخت جنگل نمودار ہوا اور اس جنگل میں ایک تخت سنہری رکھا ہوا تھا۔ اور ایک سبز درخت کے نیچے پانی کا چشمہ جاری تھا اور ایک آدمی عمدہ لباس پہنے ہوئے اس تخت پر جلوہ افروز تھا۔ اور جب محمد بن علی اس کے پاس گئے وہ اٹھا اور آپ کو تخت پر بٹھلایا جب تھوڑی دیر ہوئی تو ہر طرف سے گروہ گروہ آدمی آنے شروع ہوئے یہانتک کہ چالیس آدمی جمع ہوئے پھر اس نے اشارہ کیا اسی وقت آسمان سے کھانے کی چیزیں ظاہر ہوئیں۔ ہم سب نے کھائیں۔ اور محمد بن علی نے سوال کیا اور اس مرد نے جواب دیا اور اس سوال کے متعلق بہت سی باتیں کہیں چنانچہ میں نے اس گفتگو کا ایک فقرہ نہ سمجھا تھوڑی دیر بعد اجازت مانگی اور واپس ہوئے اور مجھ سے فرمایا چل کر تو سعید ہو گیا ہے تھوڑی دیر کے بعد ہم ترمذ میں واپس ہوئے ایں۔ میں نے عرض کی اے شیخ وہ کون جگہ تھی اور وہ مرد کون تھا۔ آپ نے فرمایا وہ تیہ بنی اسرائیل کا جنگل تھا اور وہ مرد قطب مدار علیہ تھا۔ میں نے عرض کی کہ اے شیخ ایک گھڑی میں ترمذ سے تیہ بنی اسرائیل کے جنگل میں پہنچے۔ فرمایا اے ابوبکر تجھ کو کام پہنچنے سے ہے نہ کہ پوچھنے سے۔ اور نہ ہی اس کی کیفیت سے اور یہ علامت صحتِ حال کی ہے نہ سکر کی اب اس کو مختصر بیان کرتا ہوں اگر اس کی اور اس کے متعلقات کی تشریح کروں تو کتاب لمبی ہو جائیگی اور میں اپنے مقصود سے

ترک جاؤنگا پس ان بعضے دلائل کو جو تعلق اس کتاب سے رکھتے ہیں ان کی کرامتوں اور حکایتوں کے ذکر سے ملاتا ہوں تاکہ اس کے پڑھنے سے مریدوں کو تنبیہ ہو جائے اور علماء کو راحت اور محققوں کیلئے مذاکرہ اور عوام کیلئے زیادتی یقین اور ازالۂ شبہ کا سبب ہو جاوے۔ انشاء اللہ تعالیٰ و باللہ التوفیق۔

ولیوں کی کرامتوں کے ذکر میں کلام شروع ہوتا ہے

جان تو کہ جب دلائل عقلی سے کرامتوں کی صحت اور ان کے ثبوت پر دلیل قائم ہوئی تو ایسے ہی کتابی دلیلوں سے بھی واقفیت ہو جانی چاہیئے اور وہ جو صحیح حدیثوں میں آیا ہے اسلئے کہ کتاب اور سنت کرامتوں اور خرق عادت فعلوں کی صحت میں اہل ولایت کے ہاتھ پر شہادت دینے والے ہیں۔ اور ان کا انکار سب احکام منصوصہ کا انکار ہے اسلئے کہ خداوند تعالیٰ نے ہم کو کتاب اللہ میں خبر دی ہے۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى یعنی ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا اور ہم نے ان پر من اور سلویٰ اتارا۔ بادل ہمیشہ ان کے سروں پر سایہ رکھتا اور من اور سلویٰ ہر روز تازہ ان پر ظاہر ہوتا اگر کوئی شخص منکروں سے کہے۔ کہ وہ تو موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا ہم بھی کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ تمام اولیاء کی کرامتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوں، اور اگر کہیں کہ یہ کرامت غیبت میں ہے اور یہ عجب نہیں کہ جو کرامت غیبت میں ہو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہو اور وہ کرامت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھی۔ میں کہتا ہوں کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان سے غائب ہوئے اور کوہ طور پر تشریف لیگئے اور حکم وہی باقی رہتا تھا پس کیا غیبت زمان اور کیا غیبت مکان جب اس جگہ معجزہ غیبت مکان میں جائز ہے تو یہاں غیبت زمان میں بھی جائز ہوگا! اور دوسرا ہم کو آصف بن برخیا کی کرامات سے خبر دی جب سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا تخت اس کے آنے سے پہلے منگوانا چاہا۔ اور خداوند تعالیٰ چاہتا تھا کہ آصف کی بزرگی خلق پر واضح ہو اور اس کی کرامتیں ظاہر فرمائے تاکہ زمانہ کے لوگ اولیاء کی کرامتوں سے آگاہ ہو جائیں سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ شخص کون ہے جو کہ بلقیس کے تخت کو اس کے آنے سے پیشتر لا حاضر کرے اور لوگوں کو دکھائے حق تعالیٰ نے ہم کو اس واقعہ سے اطلاع دی۔ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ

بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ایک عفریت نے کہا کہ میں اس کا تخت تیرے پاس تیرے اس جگہ اٹھنے سے پہلے لا حاضر کرتا ہوں سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے بھی جلدی چاہیئے آصف نے کہا۔ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا الآیۃ یعنی تیرے آنکھ جھپکنے میں میں اس تخت کو حاضر کرتا ہوں اور سلیمان علیہ السلام اس کو اس کلام سے متحیر نہ ہوئے اور انکار نہ کیا اور اس کو محال نظر نہ آیا اور یہ کسی حال میں معجزہ نہ تھا اس واسطے کہ آصف پیغامبر نہ تھا۔ تو البتہ کرامت ہوگی اور اگر معجزہ ہوتا تو اس کا اظہار سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر چاہیئے تھا اور دوسرا ہم کو اللہ عزوجل نے مریم علیہا السلام کے قصہ سے خبر دی کہ جب زکریا علیہ السلام آپ کے پاس حجرہ میں آتے موسم گرما میں موسم سرما کا میوہ پایا۔ اور موسم سرما میں موسم گرما کا میوہ دیکھا یہاں تک کہ کہتے۔ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ اے مریم تیرے پاس یہ کہاں سے آتے ہیں آپ فرماتیں یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے بالاتفاق مریم پیغمبر نہ تھی اور نیز ہم کو اس کے حال سے صراحتاً خبر دی۔ اور فرمایا۔ وَهُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا یعنی ہلا تو اپنی طرف کھجور کے درخت کو گریں گی۔ اوپر تیرے کھجوریں تر و تازہ اور نیز ہم کو خبر دی اصحاب الکہف سے کہ ان کے ساتھ کتے نے کلام کیا اور ان کی خواب سے بھی خبر دی اور اس امر سے بھی خبر دی کہ وہ سونے کی حالت میں غار میں اپنے پہلوؤں کو داہنے بائیں پھیلاتے رہے وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ یعنی ہم ان کی دائیں بائیں کروٹ بدلتے ہیں اور ان کا کتا اپنے دونوں ہاتھ غار کے منہ پر پھیلاتے ہوئے ہے۔ اور یہ سب کام عادت کے خلاف ہیں۔ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ معجزہ نہیں تو خواہ مخواہ اس کو کرامت کہنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ ہوگا۔ اور جائز ہے کہ یہ کرامتیں قبولیت دعا کے معنی میں ہوں جو تکلیف کے وقت میں موہومی کاموں کے حاصل ہونے کے ساتھ ہوتے ہیں اور ایک ساعت میں بہت سی مسافت کا طے کرنا بھی جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہو سکتا ہے کہ ایک غیر مقررہ جگہ سے کھانے کا ظہور ہو اور نیز ہو سکتا ہے کہ خلقت کے فکروں اور اندیشوں سے خبر رکھتا ہو۔ اور مثل اس کے صحیح احادیث میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حدیث الغار آئی ہے۔ اور وہ اس طرح تھا۔ کہ ایک روز صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول

اللہ پہلی امتوں کے عجائبات سے کوئی عجیب بات ہم کو سنائیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم سے پہلے تین آدمی کہیں جا رہے تھے جب رات کا وقت ہوا تو ایک غار میں انہوں نے قیام کیا جب رات کا کچھ حصہ گذرا اس وقت پہاڑ سے ایک پتھر لڑھک کر غار کے منہ پر مثل سرپوش کے قائم ہوا اور وہ تینوں متحیر ہوئے ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ رہائی حاصل ہونی یہاں سے مشکل ہے ہاں ایک چیز ہمیں رہائی دلا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے اپنے نیک اعمال کو بیان کر کے خدا کی بارگاہ میں انہیں بطور شفاعت پیش کریں ایک نے کہا کہ میرے ماں باپ زندہ تھے اور میرے پاس دنیا کے مال سے چند بکریاں تھیں ان کے علاوہ اور کوئی چیز بھی میرے پاس نہ تھی اور انہیں بکریوں کا دودھ پلایا کرتا تھا اور میں ہر روز ایک لکڑیوں کا گٹھا لا کر بازار میں فروخت کرتا اور اس کی قیمت سے کھانا اپنے ماں باپ کیلئے خرید لایا کرتا تھا ایک رات دیر سے پہنچا آ کر بکریوں کا دودھ دوہ کر کھانا اس میں بھگو دیا اور ایک پیالہ بھر کر ان کی طرف کھلانے کیلئے آیا تو میرا انتظار کر کے سو چکے تھے میں نے اٹھانا انہیں مناسب نہ سمجھا پیالہ ہاتھ پہ لیکر اسی جگہ کھڑا ہو گیا کہ جب بیدار ہوں گے اسی وقت کھانا کھلاؤں گا نیند سے بے آرام کرنا اچھا نہیں اور میں نے خود بھی کوئی چیز نہ کھائی ... تمام شب میں انتظار میں کھڑے کھڑے صبح ہو گئی جب والدین بیدار ہوئے تو میں نے ان کو پہلے کھانا کھلایا پیچھے خود بیٹھا اور کھانا کھایا۔ عرض کی کہ بارِ خدایا اگر میرا یہ عمل تیری بارگاہ میں منظور ہے تو پتھر میں شگاف ڈال دے فرماتے ہیں۔ فردوس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وہ پتھر جنبش میں آیا اور اسمیں شگاف ہو گیا دوسرے نے کہا کہ میرے چچا کی لڑکی تھی میں اس کے جمال کا عاشق ہو گیا میں نے کئی دفعہ اپنی خواہش کے پورا ہونے کی درخواست کی مگر اس نے مستر دکی میں نے ایک دفعہ موقع پا کر ایک سو بیس دینار اس کے پاس بھیجے تاکہ ایک رات مجھ سے خلوت کرنے والی ہو جب میں اس کے قریب آیا تو میرے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا اور وہ دینار بھی واپس نہ لئے اس نے عرض کی کہ بارِ خدایا اگر میرا عمل تیری بارگاہ میں مقبول ہے تو اس پتھر میں شگاف فرما دے، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت پتھر جنبش میں آیا اور پہلے کی نسبت شگاف میں زیادتی ہوئی۔ مگر اتنا شگاف نہیں تھا کہ جس سے باہر نکل سکتے تیسرے نے

کہا۔ کہ میرے پاس مزدوروں کی ایک جماعت تھی میرا کام کیا کرتے تھے جب کام تمام ہوگیا، سب مزدوروں نے مزدوری وصول کر لی اور ایک مزدور بلا کسی وجہ کے غائب ہوگیا۔ میں نے اس کے پیسوں کی ایک بکری خرید لی دوسرے سال دو ہوگئیں اور تیسرے سال چار ہو گئیں، ہر سال وہ بڑھتی تھیں چند سالوں کے پیچھے بہت مال جمع ہوگیا اور وہ مزدور بھی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک سال تیری مزدوری کی تھی اب مجھے میری مزدوری دے دو تاکہ میں اپنی حاجت میں ایسے صرف کروں۔ میں نے اس سے کہا یہ تمام بکریاں اور مال تیری ہی ملک ہے، اس نے کہا کہ مجھ سے مسخرہ مت کر۔ میں نے کہا کہ میں تمسخر نہیں کرتا بلکہ سچ کہتا ہوں۔ کہ ان سب کا تو ہی مالک ہے، میں نے تمام مال اس کے آگے لگایا اور وہ لیکر چلا گیا۔ عرض کی کہ.. خدایا اگر میں نے یہ عمل تیری رضا مندی کیلئے کیا تھا تو پتھر کو اتنی مقدار میں ہٹا دے کہ ہم باہر نکلیں۔ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ وہ پتھر اس وقت غار کے منہ سے علیحدہ ہوگیا اور ان تینوں نے نکل کر اپنے گھروں کا راستہ لیا۔ یہ بھی فعل خلافِ عادت ہے، جناب حضور علیہ السلام سے جریج راہب کی بات مشہور ہے۔ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بجز تین بچوں کے گہوارے میں کسی نے کلام نہیں کیا ایک تو عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور تم سب اس سے واقف ہو اور دوسرا بنی اسرائیل میں ایک راہب جریج نامی ہوا ہے اور وہ مجتہد مرد ہوا ہے ایک روز اس کی ماں چھپ کر اس کو دیکھنے آتی ملاد وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اور گرجا کا دروازہ بند تھا۔ دوسرے روز بھی اس کی والدہ گئی مگر دروازہ بند پایا اسی طرح تیسرے دن بھی ہوا بالآخر اس کی والدہ تنگدل ہوئی عرض کی.... بارِ خدایا میرے بیٹے کو ذلیل کر اور میرے حق کی بابت اس کو پکڑ۔ اور اس زمانہ میں ایک خوبصورت عورت تھی۔ اس نے کہا کہ میں جریج کو اپنی چاپلوسی سے راہِ راست سے منحرف کر سکتی ہوں۔ موقع پاکر گرجا میں چلی گئی جریج نے اس کی طرف التفات نہ کیا ایک چرواہے سے راستہ میں اس نے صحبت کی اور اس چرواہے سے حاملہ ہوگئی۔ جب اس کے لڑکا پیدا ہوا تو اس نے کہا یہ لڑکا جریج کا ہے اس کی صحبت سے میں حاملہ ہوئی تھی جب لوگوں نے یہ بات سنی تو لوگوں نے گرجا سے نکال کر اس کو بادشاہ کے پیش کیا جریج نے اس لڑکے سے کہا تیرا باپ کون ہے، اس لڑکے نے کہا اے جریج میری ماں

تھم پر صوف تصوف پہی جسے میرا باپ فلاں چرواہا ہے اور تیسرا ایک عورت کا لڑکا تھا۔ اور وہ عورت اپنے مکان کے دروازے پر لڑکے کو اٹھا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک سوار خوبصورت عمدہ کپڑوں والا گھوڑے پر سوار ادھر سے گذرا اس عورت نے کہا کہ ... بارِ خدایا اس لڑکے کو اس سوار کی مثل بنا۔ اس لڑکے نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس جیسا نہ بنانا جب تھوڑی دیر گذری ایک بدنام عورت کا ادھر سے گذر ہوا۔ اس عورت نے کہا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکے کو اس جیسا نہ بنانا اس لڑکے نے کہا ... بارِ خدایا مجھے اسی عورت کی مثل بنا یہ ماں متعجب ہوئی اور اس سے کہا کہ تو ایسا کیوں کہتا ہے اس لڑکے نے کہا کہ یہ سوار ایک ظالم مرد ہے اور وہ عورت حقیقت میں صالحہ ہے گو لوگوں میں بدنام ہے۔ میں ظالموں سے ہونا نہیں چاہتا میری خواہش یہی ہے کہ میری شمولیت نیکبختوں میں ہو۔ اور دوسرے حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب کی کنیزک زائدہ کی حدیث مشہور ہے کہ ایک روز پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور سلام عرض کی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے زائدہ میرے پاس تو کیوں دیر لگا کر آئی ہے تو موفقہ ہے اور میں تجھکو اپنا عزیز سمجھتا ہوں۔ اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آج میں ایک عجیب بات کے ساتھ آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے زائدہ نے عرض کی کہ میں صبح کے وقت لکڑیوں کی تلاش میں گئی جب میں نے گٹھا باندھ کر ایک پتھر پر اس نیت سے رکھا کہ میں اس کو آرام سے سر پر رکھ لوں گی۔ میں نے ایک سوار دیکھا کہ جو آسمان سے زمین پر آیا اور مجھ کو سلام کیا اور کہا کہ میری طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہنچانا اور کہنا کہ رضوان بہشت کے داروغہ نے کہا ہے کہ آپ کو اس امر کی خوشی ہو کہ آپ کی امت کیلئے بہشت کے تین حصے کر دیئے ہیں۔ ایک گروہ تو بہشت میں بغیر حساب کے جائے گا اور ایک گروہ پر حساب آسان ہو جائیگا۔ اور ایک گروہ آپ کی شفاعت سے بہشت میں جائے گا اس نے یہ بات کہکر یا رسول اللہ آسمان پر جانے کا قصد کیا۔ تو اس نے آسمان اور زمین کے درمیان پہنچ کر میری طرف دھیان کیا اس نے مجھ کو اس حالت میں پایا کہ میں وہ گٹھا لکڑیوں کا سر پر رکھنا چاہتی تھی مگر اٹھا نہیں سکتی تھی۔ اس نے کہا کہ اے زاہدہ اس گٹھا کو پتھر پر چھوڑ دے یہ تیرے گھر خود لکڑیاں چھوڑ آئیگا اس نے پتھر سے کہا اے پتھر ان لکڑیوں کو اٹھا کر زائدہ کے ہمراہ عمر رضی کے گھر تک پہنچا اس پتھر نے ان لکڑیوں کے گٹھے کو جناب عمر رضی کے گھر پہنچایا

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور بہت سے صحابہ کو ساتھ لیا اور عمر رضی اللہ عنہ کے درِ دولت پر تشریف فرما ہوئے اور پتھر کا زمین پر نشان لگا ہوا دیکھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا الحمد للہ کہ پروردگارِ عالم نے میری زندگی ہی میں رضوانِ بہشت کے ذریعہ میری ۔۔۔ امتیوں کی نجات کے لئے اطلاع دی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دنیا سے اٹھانے سے پہلے میری امت میں سے ایک عورت کو مریم صفت والا بنایا اور اس کے درجہ پر پہنچایا اور مشہور ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علا بن الحضرمی کو ایک غزوہ میں بھیجا اور راستہ میں ایک پاٹ دریا کا واقع ہوا حضرت علا نے پانی پہ پاؤں رکھ کر چلنا شروع کیا آپ کے پیچھے سب غازی صحابہ رضی اللہ عنہم نے قدم رکھا اور دوسرے کنارے اس حالت میں پہنچے کہ ان سب کے قدم خشک تھے تر نہیں ہوئے تھے اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ راستہ پر جا رہے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ راستہ میں بہت سے آدمیوں کو شیر نے گھیر رکھا ہے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے کتے اگر تجھے خدا کا حکم ہے تو اپنا کام کر ورنہ ہمیں راستہ دے۔ شیر نے راستہ چھوڑ دیا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تواضع یعنی تعظیم شیر نے کی اور چلا گیا۔ ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مردِ خدا کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا میں نے پوچھا یہ مرتبہ آپ کو کس عمل کی بدولت ملا ہے اس نے کہا کہ میں نے ہوا کی ترک کی اور تمام روئے زمین کی چیزوں سے میں نے منہ موڑ لیا اور خدا کے حکم کی تعمیل کی مجھے پوچھنے والوں نے پوچھا کہ تجھے کیا چاہیے میں نے کہا کہ میرا مسکن ہوا میں ہونا چاہیے تاکہ میرا دل جہان کے لوگوں سے علیحدہ رہے اور اسی کی مثل ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک عجمی جوانمرد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مارنے کے قصد پر آیا۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ کہیں غیر آباد جگہ میں سوئے ہوں گے وہ عجمی مرد آپ کے پیچھے گیا دیکھا کہ آپ زمین پر درہ سرہانے رکھ کر سوئے ہوتے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ سب جہان میں فتنہ اسی ایک شخص سے پیدا ہو رہا ہے، اور اس کا مار ڈالنا میرے نزدیک آسان ہے مارنے کے ارادہ پر تلوار کھینچی اچانک دو شیر اس کے کھانے کو لپکے اس نے فریاد کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور اس نے قصہ آپ سے بیان کیا اور مشرف با سلام ہوا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے پاس عراق کے ملک سے چند تحفے آئے اور ان

میں ایک ڈبیہ ہر قاتل کی تھی کہ ایسا قاتل زہر کسی بادشاہ کے خزانہ میں نہ تھا۔ آپ نے اس میں سے تھوڑا سا لے کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر منہ میں ڈالا آپ پر اس کا کچھ اثر ظاہر نہ ہوا اور بہت سے آدمی اس کرامت کو دیکھ کر راہِ راست پر آ گئے اور بہت متعجب ہوئے اس وجہ سے کہ اس زہر نے آپ پر کیوں اپنا اثر ظاہر نہیں کیا حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبادان میں ایک حبشی کو دیکھا جو بالکل غیر آباد جنگلوں میں رہتا تھا۔ ایک دن میں نے بازار سے کوئی چیز خریدی اور اس کے پاس لے گیا اس نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے میں نے کہا کہ کھانا لایا ہوں اس خیال پر کہ شاید تو اس کا محتاج ہو اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہنسا میں نے اس غیر آباد جنگل کی دیواروں اور روڑوں کو دیکھا کہ وہ سب سونا ہو رہے ہیں میں اپنے کئے سے شرمسار ہوا اور جو کچھ لے گیا تھا سب چھوڑ کر وہاں سے بھاگا کیونکہ اس کی ہیبت نے مجھے وہاں کھڑا ہونے نہ دیا۔

حضرت ابراہیم ادہم روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک چرواہے سے پانی مانگا اس نے کہا پانی تو میرے پاس نہیں البتہ دودھ ہے میں نے کہا مجھے تو پانی کی ضرورت ہے اس نے اٹھ کر عصا پتھر پر مارا وہاں سے پانی نہایت مصفا اور پاکیزہ برآمد ہوا میں اس معاملہ کو دیکھ کر متعجب ہوا اس نے کہا تعجب نہ کر جب بندہ اللہ عزوجل کا مطیع ہو جاتا ہے تو تمام جہان کی چیزیں اس کی مطیع ہو جاتی ہیں۔ اور ابو دردا اور سلمان رضی اللہ تعالیٰ آپس میں مل کر کھانا کھاتے تھے اور انہیں کھانے کی تسبیح سنائی دیتی تھی۔ اور ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ کھانا کھا کر جنگل کا سفر شروع کیا تین روز کے پیچھے جو بھوک لگنے کے بعد مجھ میں ضعف پیدا ہوا اور طبیعت نے اپنی عادت کے موافق مجھ سے کھانا طلب کیا میں ضعف کی وجہ سے ایک پتھر پر بیٹھ گیا ہاتف سے آواز آئی کہ اے ابو سعید نفس کا آرام کھانے کی بدولت چاہتا ہے یا بے کھانے کے یعنی اگر تو چاہے تو تجھے کھانا کھلایا جائے کہ جس سے تیرے نفس کو آرام آئے اور اگر تو چاہے تو تیرے نفس کو بغیر کھلانے کے آرام دیا جائے میں نے عرض کی کہ... بارِ خدایا روزی کھانے سے جو طاقت پیدا ہوتی ہے وہ طاقت بغیر کھائے مجھ میں پیدا ہو جائے۔ تو وہاں سے بارہ منزل سفر میں نے بغیر کھائے پیئے طے کر لیا اور طبیعت میں کسی قسم کا ضعف نہ آیا۔

اور مشہور ہے کہ آج کے روز تستر میں سہل بن عبداللہ کا مکان ہے جس کو بیت السباع کہتے

ہیں اور تمام اہل نستر اس امر پر متفق ہیں کہ آپ کے پاس بہت سے دینار اور شیر رہا کرتے تھے اور آپ ان کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور ان کی نگہبانی کرتے تھے۔ اور باشندگانِ تستر بہت ہیں اور ابوالقاسم مرزری کہتے ہیں کہ میں دریا کے کنارے ابوسعید خراز کے ہمراہ جا رہا تھا ہم نے ایک جوان کو گودڑی اوڑھے ہوئے دیکھا اور پہاڑ میں مجبراً یعنی پردہ لٹکائے ہوئے تھا۔ ابوسعید نے مجھ سے فرمایا کہ اس جوان کی پیشانی سے مجھے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کے معاملہ میں کوئی چیز ہے جب میں اس کی طرف دیکھتا ہوں کہتا ہوں کہ یہ پہنچا ہوا ہے اور جب محبرہ یعنی پردہ کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو معلوم کرتا ہوں کہ طالبِ حق سے ہے آؤ ہم اس سے پوچھیں کہ یہ کون ہے خراز رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا اے جوان خدا کا راستہ کیا ہے اس نے فرمایا کہ خدا کی طرف جانے کے دو راستے ہیں ایک عوام کا اور دوسرا خواص کا اور تجھ کو خواص کے راستہ کی کچھ خبر نہیں لیکن عوام کی راہ یہ ہے کہ جس کو تو طے کرتا ہے اور اپنے معاملہ کو وصالِ حق کی علت مقرر کرتا ہے اور پردہ گمنامی کو حجاب کا ذریعہ تو سمجھتا ہے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں مصر سے جدہ جانے کے ارادہ سے بیٹھا ایک جوان گودڑی پہنے ہوئے ہمارے ساتھ کشتی میں سوار تھا میں اس سے صحبت کی خواہش رکھتا تھا مگر اس کی ہیبت مجھے اس کی صحبت سے باز رکھ رہی تھی میں اس سے کلام کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور وہ زمانہ کا بہت ہی نادر مرد تھا اور کوئی وقت اپنا عبادت سے خالی نہ چھوڑتا تھا ایک روز ایک جوان کا ایک بدرہ جواہرات کا کشتی میں گم ہو گیا اور جواہرات کے بدرے کے مالک نے اس درویش صورت پر تہمت لگائی۔ اور انہوں نے اس پر ظلم کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا میں نے اہلِ کشتی کو کہا کہ تمہیں اس کے ساتھ ایسی بات روا نہیں رکھنی چاہیئے پہلے مجھے بخوبی اس سے دریافت کر لینے دو میں نے اس درویش کو جا کر بڑی نرمی سے کہا کہ ان آدمیوں کا خیال تجھ پر ہو چکا ہے اور میں نے ان کو سختی اور ظلم کرنے سے روک دیا ہے، اب کیا کرنا چاہیئے اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کچھ کہا میں نے مچھلیوں کو پانی کی سطح پر اس شان سے دیکھا کہ ان میں ایک ایک جوہر تھا اس درویش نے ایک مچھلی کے منہ سے ایک جوہر لیکر اس مرد کو دیدیا اور جب کشتی کے آدمیوں نے دیکھا اتنے میں اس مرد نے پاؤں پانی کی سطح پر رکھ کر چلنا شروع کیا پس جس شخص نے بدرہ چرایا تھا وہ اہلِ کشتی ہی سے تھا اس نے بدرہ نکال کر اس کے مالک کے سامنے پھینک دیا اور تمام اہلِ کشتی شرمسار ہوئے

ابراہیم رقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنی ابتدائی حالت میں مسلم مغربی کی زیارت کا قصد کیا جب میں ان کی مسجد میں آیا تو آپ جماعت کرا رہے تھے اور الحمد کی سورت غلط پڑھ رہے تھے میں نے اپنے جی میں کہا کہ میری تکلیف ضائع ہو گئی ہے، وہ رات میں نے وہاں گذاری اور صبح وہاں سے طہارت کیلئے نکلا تاکہ فرات کے کنارے جا کر وضو کروں ایک شیر راستہ میں سویا ہوا تھا اس نے مجھ پر حملہ کیا میں واپس بھاگا اور وہ برابر میرے قدموں پر آ رہا تھا میں بھاگنے سے عاجز آیا اتنے میں مسلم اپنے عبادت گاہ سے باہر نکلے جب شیر نے آپ کو دیکھا تو آپ کی اس نے تواضع کی اور آپ نے اس کے کان پکڑ کر اینٹھے اور کہا کہ اے خدا کے کتے کیا میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ میرے مہمانوں کو نہ ستانا پھر مجھ کو فرمایا اے ابو اسحاق تم ظاہر کے آراستہ کرنے میں مشغول ہو تبھی تو خدا کی مخلوق سے خوف کھاتے ہو اور ہم خدا کیلئے باطن کو درست کرنے میں جبھی تو مخلوقات سے خوف نہیں کھاتے ایک دن میرے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت الجن سے دمشق کا قصد کیا اور میں آپ کے ہمراہ تھا چونکہ بارش بہت ہو رہی تھی راستہ میں کیچڑ اس قدر تھا کہ میں بمشکل چلتا تھا میں نے شیخ کی طرف دیکھا تو آپ کے پاپوش مبارک اور پائجامہ بالکل خشک تھے آپ نے فرمایا ہاں جب سے میں نے توکل کے راستہ سے تہمت کو اٹھا دیا ہے اور باطن کو حرص کی وحشت سے بچا لیا ہے اس وقت سے اللہ عزوجل نے مجھ کو کیچڑ سے محفوظ رکھا ہے میں جو علی بن عثمان جلابی کا ہوں ایک وقت مجھے مشکل پڑی جس کا حل مجھ پر مشکل تھا میں نے ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کا قصد کیا جب میں طوس میں آپ کو اپنی گھر والی مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے پایا تو میرا واقعہ بعینہٖ آپ ستون سے بیان کر رہے تھے میں نے عرض کی اے شیخ آپ یہ باتیں کس سے کہتے تھے آپ نے فرمایا اے بیٹے اس ستون کو اللہ عزوجل نے مجھ سے گویا کیا ہے، یہاں تک کہ اس نے مجھ سے سوال کیا ہے، فرغانہ میں ایک گاؤں سلاٹک نام ہے وہاں ایک اوتاد الارض سے تھا اور اس کو باب عمر کہتے ہیں اور اس ملک کے تمام درویش بڑے مشائخ کو باب کے لقب سے بلاتے ہیں اور اس کی عورت بوڑھیا تھی جس کا نام فاطمہ تھا میں نے اس کی زیارت کا قصد کیا جب میں اس کے پاس آیا اس نے پوچھا کس لئے آئے ہو میں نے کہا شیخ کی زیارت کرنے کیلئے آیا ہوں اور اس نے مجھ کو شفقت کی نظر سے دیکھا اور فرمایا اے بیٹا میں خود تجھ کو فلاں روز سے دیکھ رہا تھا تاکہ مجھ سے تو پوشیدہ نہ ہو جائے میں تجھ کو

دیکھنا چاہتا تھا جب دن اور سال میں نے شمار کئے تو وہ دن میری ابتدائی توبہ کا تھا۔ کہا اے لڑکے مسافت کا طے کرنا بچوں کا کام ہوتا ہے اس زیارت کے پیچھے ارادہ کر کہ جسم کے حضور میں کوئی چیز تعلق والی نہیں ہے پھر فرمایا اے فاطمہ جو کچھ تیرے پاس کھانے کیلئے موجود ہے اس پیش کرو تاکہ یہ کھائے فاطمہ ایک طبق تازہ انگوروں کا بھر کر میرے پاس لائی اور وہ موسم انگوروں کا نہ تھا اور اس پر چند تر و تازہ کھجوریں تھیں اور فرغانہ میں کھجوروں کا نام و نشان نہ تھا۔

میں ایک دفعہ مہنہ نام گاؤں میں شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی تربت پہ تنہا بیٹھا ہوا تھا اپنی عادت کے موافق میں نے ایک سفید رنگ کبوتر کو دیکھا کہ وہ غلاف کے نیچے آکر چھپ گیا میں نے خیال کیا کہ یہ کسی سے جان خلاصی کرا کر آیا ہے جب میں نے اٹھ کر اس کی تلاش کی تو وہ غلاف کے نیچے نہ تھا اسی طرح چار روز تک برابر یہی معاملہ دیکھتا رہا اور میں بوجہ تعجب کے عاجز آرہا تھا اور اس بھید کا مجھ پر انکشاف نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے خواب میں شیخ علیہ الرحمۃ کو دیکھا اور اس واقعہ کے حل کی درخواست کی شیخ نے فرمایا وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو ہر روز میری ہمنشینی کے لئے آتی ہے،

ابو بکر وراق فرماتے ہیں کہ ایک دن ابو علی ترمذی نے مجھے چند اجزاء اپنی تصنیف کے دیئے کہ اس کو دریا میں ڈال آؤ جب میں انہیں لیکر باہر آیا تو ان میں عمدہ اور پر لطف مضامین تھے میرے دل کو پیارے معلوم ہوئے میں نے اپنے گھر میں رکھ چھوڑے اور واپس آکر کہہ دیا کہ میں نہیں دریا میں پھینک کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے کیا کچھ دیکھا میں نے کہا کہ کچھ نہیں دیکھا آپ نے فرمایا تو نے وہ اجزاء نہیں پھینکے جاؤ پھینک کر آؤ۔ اب میرے لئے دو مشکلیں پیش آئیں ایک تو یہ کہ آپ کیوں انہیں حوالہ دریا فرمانے کا حکم دے رہے ہیں اور دوسرا یہ کہ آپ نے کیسے معلوم کر لیا۔ کہ میں نے وہ اجزاء پانی میں نہیں پھینکے ناچار ان جزوں کو لیکر دریا کے کنارے پہنچا اور میں نے انہیں اپنے ہاتھ سے پانی میں ڈال دیا۔ میں نے دیکھا کہ پانی پھٹ گیا ہے اور ایک صندوق اندر سے کھلے منہ والا ظاہر ہوا ہے اور اجزاء اس میں پڑے ہوئے ہیں اور صندوق کا ڈھکنا اس پر مضبوطی سے لگ گیا ہے اور پانی نے پہلے کی طرح اپنی حالت پر چلنا شروع کیا میں واپس ہوا اور تمام ماجرا عرض کر دیا آپ نے فرمایا کہ اب تم نے کام کر دیا ہے میں نے عرض کی کہ اے شیخ آپکو خداوند کریم کی عزت کی قسم ہے

اس کا بھید مجھ پر ضرور ظاہر فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اس طائفہ کے علم میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا سمجھنا تمام عقول پر مشکل تھا۔ اور میرے بھائی خضر علیہ السلام نے میری طرف درخواست بھیجی کہ وہ کتاب میرے پاس پہنچاؤ۔ اس صندوق کو ایک مچھلی آپ کے حکم سے لائی تھی۔ خداوند تعالیٰ نے اس پانی کو اس تک پہنچانے کا حکم دیا ہے، اگر اس قبیل کی تمام حکایات لاؤں تو یہ معاملہ طے ہونے والا نہیں اور میری مراد اس کتاب کے لکھنے سے طریقت کے اصول کا فروع اور معاملات میں ثابت کرنا ہے اور اس علم کے نقل کرنے والوں نے خود بہت سی کتابیں بنائی ہیں اور جمع کی ہیں۔ اور واعظ منبر پر بیٹھ کر ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اب وہ فصلیں کہ جو اس سے متعلق ہیں اس کتاب میں کھول کر بیان کرتا ہوں تاکہ دوسری جگہ تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ انشاء اللہ عزوجل۔

اب نبیوں کی اولیاء پر فضیلت کے بیان میں کلام شروع ہوتا ہے

جان لو کہ اس طریقت کے تمام شیوخ کا اتفاق ہے کہ ہر حال میں اولیاء انبیاء کے پیرو ہیں اور ان کی دعوتوں کی تصدیق کرنے والے ہیں اس لئے کہ نبوت کی ابتدا ولایت کی انتہا ہے اور تمام انبیاء اولیاء ہوتے ہیں مگر کوئی ولی نبی نہیں بن سکتا۔ اور نبی صفات بشریت کی نفی میں اصل ہیں۔ اور اولیاء اس میں عارضی ہیں اس لئے کہ اس گروہ کیلئے یہ حال طاری ہے اور اس گروہ کیلئے مقام ہے اور جو اولیاء کا مقام ہوتا ہے وہ انبیاء کا حجاب ہے اور علمائے اہل سنت اور اس طریقت کے محققوں میں سے کوئی اس معنی کے خلاف نہیں ہے ماسوا حشویوں کے ایک گروہ کے جنہیں اہل خراسان کا مجسمہ کہا جاتا ہے اور اصول توحید میں ان کا باہمی کلام مخالف ہے، جو اس طریقت کے اصول کو نہیں شناخت کرتے اور اپنے آپ کو ولی خیال کئے بیٹھے ہیں۔ اور ہیں بھی واقعی ولی مگر شیطان کے ولی ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اولیاء فضیلت میں نبیوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ان کی گمراہی کیلئے اتنی ہی شہادت کافی ہے۔ اس لئے کہ ایک جاہل گروہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کہتے ہیں۔ اور ایک دوسرا گروہ مشبہ کا بھی ہے جو انہیں کی پیروی کرتے ہیں۔ اور خدا کا نزول اور حلول انتقالی معنی میں روا رکھتے ہیں۔ اور خدا کے تجزیہ کے قائل ہیں۔ اور یہ وہ مذمت کردہ فرقے ہیں کہ جن کے متعلق میں نے اس کتاب میں بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ میں ان کا تذکرہ تمام بیان کروں گا انشاء اللہ الرحمٰن اور مع اعمال کلام

یہ ہے کہ یہ دو گروہ جو کہ اسلام کے مدعی ہیں نبیوں کی تخصیص کی نفی میں براہمنوں کے موافق ہیں اور جو شخص
نبیوں کی تخصیص کی نفی کا اعتقاد رکھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے پس انبیاء صلوات اللہ علیہم دعوت دینے
والے اور امام ہیں۔ اور اولیاء اچھے طریق سے ان کے پیرو ہیں۔ اور مقتدی کا امام سے فضیلت والا ہونا
محال ہے اور کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اولیاء کے تمام معاملے اور انفاس اور احوال نبی کے ایک پہلو
میں تو خیال کرے۔ تو وہ تمام احوال اور انفاس تلاش کرنیوالے ہوں گے اسلئے کہ اولیاء طلب
کرتے ہیں اور چلتے ہیں اور انبیاء پہنچے ہوتے — اور پائے ہوئے ہیں۔ پھر بفرمانِ دعوت واپس
تشریف لائے ہوئے اور قوم کو دعوت سے راہِ حق پر چلاتے ہیں۔ اگر کوئی ان ملحد بیدینوں سے کہ اللہ
کی ان پر لعنت ہو یہ کہے کہ پروردگارِ عالم کی دعوت ہی ایسی ہو چکی ہے کہ جس کسی کی طرف رسول بھیجتا
ہے تو وہ ہمیشہ اس رسول سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل سے
افضل ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول سے مرسل الیہ فضیلت والا ہے ایسے انبیاء رسول ہیں اور اولیاء
مرسل الیہ یعنی مبعوث الیہ ہیں تو بموجب اس قاعدہ کے اولیاء فضیلت میں رسول سے بڑھے ہوئے ہونے
چاہئیں۔ اور ان کا یہ خیال غلط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب بادشاہ ایک خاص آدمی کی طرف رسول بھیجے
تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قاصد فضیلت والا ہو اس شخص سے کہ جس کو اس کی طرف بھیجا گیا ہے
جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام کو ایک ایک رسول کے پاس بھیجا اور ان کا ہر ایک جبرائیل سے فضیلت
میں بڑھا ہوا تھا لیکن اگر قاصد کو کسی قوم کی طرف بھیجا جائے تو وہ قاصد ضرور اس قوم سے
زیادہ فضیلت والا ہوگا۔ جیسا کہ پیغمبروں کو ان کی امتوں کی طرف مبعوث کیا اور اس میں کسی عقلمند
کو بحکمِ احادیث کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا پس نبیوں کا ایک فرد تمام زمانے کے ولیوں سے
فضیلت میں بڑا ہوا ہے اس واسطے کہ جب اولیاء بموجب عادت اور عرف کے ولایت کی انتہا کو
پہنچتے ہیں اس وقت مشاہدہ سے خبر دیتے ہیں۔ اور بشریت کے حجاب سے خلاصی پاتے ہیں ہر چند کہ عین
بشر ہوتے ہیں۔ اور رسولوں کا پہلا قدم مشاہدہ میں ہوتا ہے جب رسول کی ابتدا ولایت کی انتہا ہے
تو ان کا ان پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تمام خدا کے طالب ولی اس امر پر متفق ہیں
کہ جمع کا مقام بہ نسبت تفرق کے ولایت کا کمال ہوتا ہے اور اس کی صورت ایسی ہے کہ بندہ دوستی
کے غلبہ سے ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے جو اس کی عقل فعل کے دیکھنے میں مغلوب ہو جاتی ہے اور

فاعل کے شوق کے سبب تمام جہان کو فاعل ہی جانتا ہے اور فاعل ہی فاعل دیکھتا ہے۔ جیسا کہ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں لَوْ زَالَتْ عَنَّا رُوْیَتُہٗ عَبْدَ تُہٗ اگر اس کا دیدار ہم سے دور ہو جائے تو عبودیت کا نام ہم سے گر پڑے اس لیئے کہ ہم عبادت کا شرف اور بزرگی اس کے دیدار کے سوا نہیں پاتے اور یہ معانی نبیوں کے ابتدائی حال ہوتے ہیں اس لیئے کہ ان کے معاملہ میں تفرقہ صورت نہیں پکڑتا اس لیئے کہ نفی اور اثبات اور چلنے اور بند رہنے اور متوجہ ہونے اور منہ موڑنے اور ابتدا اور انتہا میں وہ سب عین جمع میں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ابتدائی حال میں آفتاب کو دیکھ کر کہا ھٰذَا رَبِّیْ۔ یہ میرا رب ہے ایسا ہی اور ستاروں کو دیکھ کر کہا ھٰذَا رَبِّیْ یعنی یہ میرے رب ہیں یعنی یہ کلمہ اس سے اس لیئے صادر ہوا کہ اس کے دل پر حق کا غلبہ تھا اور خدا کے اجتماع سے عین جمع کی حالت میں غیر کو نہ دیکھا اور اگر دیکھا بھی تو جمع کی آنکھ سے دیکھا عین دیدار کی حالت میں اپنی دید سے بیزاری کی اور فرمایا۔ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ یعنی میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ابتدا بھی جمع کے ساتھ ہوئی اور انتہا بھی جمع کے ساتھ ہوئی یہانتک کہ ولایت کیلئے ابتدا اور انتہا دونوں ہیں اور نبوت کیلئے نہیں ہیں جب ہوئے نبی ہوئے جب تک رہیں گے نبی ہی رہیں گے اور جب تک موجود نہ تھے اس وقت بھی حق تعالی کے ارادہ میں نبی ہی تھے۔ اور ابو یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ انبیاء کے حال میں کیا فرماتے ہیں۔ جواب دیا افسوس ہم کو ان میں کسی قسم کا تصرف نہیں ہے، جو کچھ ان میں ہم خیال کرتے ہیں۔ وہ سب ہم ہی ہوتے ہیں۔ حق تبارک و تعالیٰ نے ان کی نفی اور اثبات کو اس درجہ میں رکھا ہے کہ جہاں مخلوق کی آنکھ نہیں پہنچ سکتی پس جس طرح اولیاء کا مرتبہ مخلوق کے ادراک سے پوشیدہ ہے ویسے ہی انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے بھی پوشیدہ ہے اور ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ زمانہ کی صحبت ہوئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اَوَّلُ مَاسِرْتُ اِلَی الْوَحْدَانِیَّۃِ رَفِیْتُ طَیْرًا جِسْمُہٗ مِنَ الْاَحَدِیَّۃِ وَجَنَاحُہٗ مِنَ الدَّیْمُوْمِیَّۃِ فَلَمْ اَزَلْ اَطِیْرُ فِیْ ھَوَاءِ الْھُوِیَّۃِ حَتّٰی اِلٰی ھَوَاءِ التَّنْزِیْہِ ثُمَّ اَشْرَفْتُ عَلٰی مَیْدَانِ الْاَزَلِیَّۃِ وَرَاَیْتُ شَجَرَ الْاَحَدِیَّۃِ فَنَظَرْتُ فَعَلِمْتُ اَنَّ ھٰذَا کُلَّہٗ خُدْعَۃٌ یعنی میں نے پہلے وحدانیت کی طرف سیر کی پس میں ایک پرندہ ہو گیا کہ جس کا جسم احدیت سے تھا اور اس کے پر دیمومیت سے تھے پس ہمیشہ میں ہوائے ہویت میں اڑتا رہا یہاں تک کہ میری

پرواز ہوائے تنزیہی تک ہوئی پھر میں وہاں سے اڑتا ہوا ازلیت کے میدان پر چڑھا اور میں نے وہاں پر احدیت کا درخت دیکھا پس میں نے نظر کی سو مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب خدا کا غیر ہے" یعنی میں نے دیکھا کہ میرا سر آسمانوں پر پہنچا۔ اور کسی طرف نگاہ نہ کی اور بہشت اور دوزخ مجھے دکھلائے گئے میں نے ان کی طرف بھی توجہ نہ کی اور تمام مخلوقات اور پردوں سے بھی گذار دیا فصرت طیرا پس میں ایک ایسا مرغ ہو گیا جس کا جسم احدیت کا تھا اور اس کے پر و بال دیمومیت سے تھے۔ انہیں پروں سے اڑتا ہوا ہوائے ہویت سے پیوند ہوا یہاں تک کہ ہوائے تنزیہت سے بھی میں گذرا اور ازلیت کے میدان پر چڑھا وہاں احدیت کا درخت دیکھنے میں آیا میں نے اس میں اچھی طرح نگاہ کی وہ سب میں ہی تھا۔ میں نے عرض کی اے بار خدایا جب تک میں ہوں۔ تیری طرف مجھے راستہ نہ ملیگا اور اپنی خودی کے حجاب سے میرا گذر نہیں مجھے کیا کرنا چاہیے خدا وند کریم کا فرمان آیا اے ابو یزید تیری خلاصی اپنے آپ سے اسی امر میں ہے، کہ تو ہمارے دوست کی متابعت میں قائم رہ اور اس کے قدموں کی خاک اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا اور اس کی متابعت پر ہمیشگی کر۔ اور یہ حکایت بہت لمبی ہے اور اس طریقت کے اہل اس کو ابو یزید کا معراج کہتے ہیں۔ اور معراج کے معنی ہوتے ہیں قرب اور انبیاء کا معراج ظاہری جسم سے ہوتا ہے اور اولیاء کا معراج ہمت اور اسرار سے اور پیغمبروں کا دل صفائی اور پاکیزگی اور نزدیکی میں اولیاء کے دل کی مانند اور ان کے اسرار کی مثل ہوتا ہے اور یہ ظاہری بزرگی ہے انبیاء کی اولیاء پر اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ولی کو اپنے حال میں مغلوب کرتے ہیں تاکہ مست ہو جائے پھر بھید کے درجوں میں اس کو اس سے غائب کرتے ہیں۔ اور خدا کے قرب سے آراستہ کرتے ہیں جب کام صحو کی حالت میں واپس آتا ہے اس وقت وہ دلائل اس کے دل میں صورت کھینچتے ہیں اور اس کا علم اس کو حاصل ہوتا ہے پس بڑا فرق ہے درمیان اس کے کہ ایک شخص کا جہاں جسم پہنچتا ہے اس جگہ دوسرے کا صرف وہم اور فکر ہی اس جگہ لیجاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب :

یہ کلام اس امر میں شروع ہوتا ہے کہ ولیوں اور نبیوں کو فرشتوں پر فضیلت ہے

جان تو کہ باتفاق اہلسنت والجماعت اور جمہور مشائخ طریقت انبیاء اور وہ اولیاء جو کہ حفاظت کیئے

گئے ہیں فرشتوں سے بزرگ ہیں۔ بخلاف معتزلوں کے کہ وہ فرشتوں کو نبیوں سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فرشتے رفیع القدر ہیں اور پیدایش میں بہت ہی لطیف ہیں۔ اور خداوند کریم کے سب سے زیادہ فرمانبردار ہیں لہذا ان کا سب سے فضیلت والا ہونا ضروری ہے میں کہتا ہوں کہ یہ حقیقت تمہاری صورت کے خلاف ہے اس لئے کہ بدن فرمانبرداری کرنیوالا ہے اور رتبہ کی بلندی اور پیدائش کی لطافت فضیلت کی علت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بزرگی اس کی ہوگی جس کی بزرگی حق جل علا نے مقرر فرمائی ہو اور یہ سب باتیں جن کو یہ بیان کرتے ہیں ان سب کا مجموعہ ابلیس علیہ اللعنۃ تھا اور وہ سب کے نزدیک ملعون و خوار و ذلیل قرار دیا گیا پس بزرگی اسی کیلئے ہے جس کو حق جل علا بزرگی دے اور اپنی مخلوقات سے برگزیدہ کرے اور انبیاء کی بزرگی پر دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اور یہ مقرر ہو چکا ہے کہ جس کو سجدہ کیا جائے وہ سجدہ کرنیوالے سے بلند رتبہ ہوتا ہے اور اگر یہ اعتراض اپنی طرف سے کریں کہ خانہ کعبہ ایک پتھر اور جماد ہے اور مومن بالاتفاق اس سے فضیلت رکھتے ہیں۔ اور اس کو سجدہ بھی کرتے ہیں پس جائز ہوگا کہ فرشتے بزرگی میں آدم سے بڑھ کر ہوں اگرچہ انہوں نے اس کو سجدہ کیا میں کہتا ہوں کہ کوئی مومن یہ بات کہنے کے لئے تیار نہ ہوگا کہ میں دیواروں کو یا محراب کو یا گھر کو سجدہ کر رہا ہوں۔ اور سب کا یہی عقیدہ ہے کہ ہم خدائے پاک کو سجدہ کر رہے ہیں اور نیز یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ فرشتے آدم کو سجدہ کرتے ہیں خداوندی کلام کی موافقت بجا لانے کیلئے اسلئے کہ جب سجدہ کا ذکر فرمایا کہا اُسْجُدُوْا لِآدَمَ یعنی سجدہ کرو آدم کو یعنی فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اور جب مومنوں کے سجدے کا ذکر کیا اس وقت فرمایا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ یعنی خداوند کریم کو سجدہ کرو اور خدا کی بندگی میں دھیان لگاؤ۔ پس خانہ کعبہ مثل آدم کے نہیں اس لئے کہ مسافر جب چاہے خداوند کریم کی پرستش سواری کی پشت پر کر سکتا ہے، چاہے اس کا منہ خانہ کعبہ کی طرف ہو اور چاہے نہ ہو۔ اگر سواری کی حالت میں منہ عبادت کرنے والے کا خانہ کعبہ کی طرف نہ ہو۔ تو معذور اور بادل کا سایہ ڈالے ہوئے ہوگا۔ اگر کوئی شخص جنگل میں قبلہ کی سمتیں یاد نہ رکھتا ہو اور اس کو پتہ نہ چلے کہ قبلہ کدھر ہے تو جس طرف اس کا جی چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لے اور ملائکہ کو آدم علیہ السلام کے سجدہ کرنے میں کوئی عذر نہ تھا۔ اور جس ایک نے اپنی طرف سے عذر کیا

وہ ملعون اور ذلیل ہوا اور صاحبانِ بصیرت کیلئے یہ دلیلیں واضح ہیں۔ اور یہ بھی جان لو کہ ملائکہ رتبہ میں کس طرح افضل ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ خدا کی معرفت میں وہ انبیاء سے مساوی ہیں ان کی پیدائش میں تو شہوت نہیں رکھی گئی اور ان کے دل میں حرص اور آفت موجود نہیں اور نہ ہی ان کی طبیعت میں فریب اور حیلہ سازی رہی ہے ان کی غذا فرمانبرداری رہی ہے اور ان کا مشرب خدا کے فرمان پر قائم رہنا ہے اور پھر آدمی کی طرف توجہ کرو کہ اس کی طبیعت میں شہوت گوندھی گئی ہے اور نافرمانی کے ارتکاب کا اس سے احتمال ہے، اور دنیا کی زینت اس کے دل میں موثر اور حرص اور حیلہ اس کی طبع میں منتشر ہے اور شیطان کو اس کے جسم میں اسقدر غلبہ ہے کہ اس کی رگوں میں مانند خون کے جاری و ساری ہوتا ہے، اور نفس شیطنت سے پیوند کیا گیا ہے جو کہ تمام شرارتوں کی دعوت کرنے والا ہے پس جس کے وجود میں یہ تمام اوصاف ہوں پھر وہ غلبہ شہوت کے باوجود ہر قسم کے فسق و فجور سے پرہیز کرے اور باوجود حرص کے دنیا سے روگردانی کرے اور وسواس شیطانی کے دل میں باقی ہونے کے باوجود نافرمانی کے کاموں سے رجوع کرے اور آفت نفسانی سے منہ موڑے یہاں تک کہ عبادتوں پر قیام اور فرمانبرداری پر ہمیشگی اور نفس پر مجاہدہ اور شیطان کے ساتھ مجادلہ وغیرہ کرنے میں مشغول ہو۔ تو حقیقت میں یہ اس سے بزرگی و رتبہ میں بڑھ کر ہوگا کہ جس کی طبیعت کی صفت نہ تو شہوت کا میدان ہو اور نہ ہی اس کی طبع میں غذا کی خواہش ہو اور نہ ہی لذتیں ہوں نہ ہی عورت اور فرزند کا غم ہو اور نہ ہی خویش و اقارب میں مشغول ہو اور نہ ہی اسباب اور آلات کا محتاج ہو۔ اور نہ ہی حرص اور آفت میں مستغرق ہو۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ میں اس شخص سے متعجب ہوں کہ جو فضیلت فعلوں میں دیکھتا ہے۔ اجمال میں عزت یا مال کی تحصیل میں بزرگی دیکھتا ہے حالانکہ بہت جلدی اس نعمت پر اور نیز اپنے پر زوال کو دیکھتا ہے کیوں مالک الملک کی مہربانی کو نہیں دیکھتا اور کیوں خدائے قدوس کی رضا میں عزت نہیں دیکھتا اور بزرگی ایمان اور معرفت میں اس کو نظر نہیں آتی حالانکہ یہ نعمت اس پر ہمیشہ رہے اور دونوں جہان میں اپنے دل کو اس سے خوش دیکھے جبرائیل علیہ السلام جو اتنے ہزار برس خلعت حاصل کرنے کیلئے عبادت کرتے رہے۔ ان کی خلعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غاشیہ برداری تھی یہاں تک کہ معراج کی رات آپ کے سواری کے جانور کی اس نے خدمت کرنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا پھر وہ کس طرح فضیلت والے ہوں گے ان سے جو دنیا میں نفس کو

ریاضت شاقہ میں کریں اور رات دن نفس سے مجاہدہ کرتے رہیں پھر اللہ عزوجل اپنی مہربانی سے
اپنے دیدار سے بھی ان کو مشرف اور معظم کرے، اور تمام خطروں سے ان کو صحیح وسالم رکھے۔ اور
جب فرشتوں کا غرور حد سے بڑھا۔ اور ہر ایک نے اپنے معاملہ اور صفائی کے نور کو اپنی حجت ٹھہرائی
اور آدمیوں پر انہوں نے ملامت کی زبان دراز کی حق تعالیٰ نے چاہا تاکہ ان کا حال ان پر کھولے
فرمایا کہ ان تین فرشتوں کو جو تم سب سے زیادہ بندگی والے ہیں برگزیدہ کرو تاکہ انہیں زمین پر
آدمیوں کا خلیفہ بنا کر مخلوق کی اصلاح و ہدایت کیلئے بھیجیں۔ اور آدمیوں میں عدل اور انصاف
قائم کریں انہوں نے تین فرشتوں کو جو قابل بھروسہ تھے برگزیدہ کیا ان میں سے ایک نے تو
زمین پر اترنے سے پہلے ہی زمین کا فساد ملاحظہ کیا۔ اور حق تعالیٰ سے واپس آسمان پر پہنچنے کی
درخواست کی اس کی درخواست منظور ہوئی وہ تو واپس ہو گیا اور دو فرشتے زمین پر اترے جن کی
خلقت کو حق تعالیٰ نے تبدیل کر دیا اور ان میں کھانے پینے اور جماع کرنے کی خواہش پیدا
کر دی۔ اور انہوں نے زمین پر آتے ہی نفسانی خواہش کی پیروی کی اور اسی طرف مائل ہوئے
اس کے سبب اللہ عزوجل نے ان کو سزا دی۔ اور آدمیوں کی بزرگی فرشتوں پر ظاہری طور
پر ثابت ہوئی۔ الغرض خواص مومن خواص فرشتوں سے فضیلت رکھتے ہیں اور عوام مومن عوام
ملائکہ سے افضل ہیں پس وہ مومن کہ جو گناہوں سے محفوظ اور معصوم نہیں ہیں وہ ملائکہ حفظہ اور کراماً
کاتبین سے افضل ہیں واللہ اعلم بالصواب: اور اس بیان میں گفتگو کی بہت گنجائش ہے اور
مشائخ سے ہر ایک نے اس کے متعلق کچھ کہا ہے خداوند تعالیٰ جس کو جس پر فضیلت دینی
چاہتا ہے فضیلت عطا فرماتا ہے، وللہ التوفیق۔ الغرض تصوف میں حکیموں کے مذہب
کے متعلقات اور اہل تصوف کا باہمی اختلاف یہی ہے کہ جس کو میں نے بطور اختصار ذکر کر
دیا ہے اور جان تو کہ ولایت حقیقت میں خداوند کریم کے بھیدوں سے ایک بھید ہے سوا
پوشیدگی اور اس پر چلنے کے ظاہر نہیں ہوتا اور ولی کو ماسوا ولی کے دوسرا کوئی پہچان نہیں سکتا اور
اگر اس معنی اور بات کا اظہار تمام عقلا پر جائز ہوتا۔ تو دوست دشمن سے ظاہر ہو جاتا اور واصل
باللہ کی غافل باللہ سے تمیز نہ ہوتی پس خداوند تعالیٰ نے چاہا کہ دوستی کے جوہر کو سیپ
میں مخفی رکھ کر بلا کے دریا میں ڈال دے تاکہ دوستی کا طالب اس کی جستجو میں بوجہ اس کے عزیز

ہونے کے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دے اور اس خونی دریا سے گذر کرے اور دریا کی تہ میں جا کے اور اپنی مراد کو نکالے اور یا اس کی جستجو ہی میں دنیا سے گذر جائے اور میں چاہتا ہوں کہ اس اصل کو لمبا کروں مگر تیرے ملال کا خوف اور میری طبیعت کی نفرت مانع ہوتی ہے اور حقانی ارادتمند کو اس طریقت میں اسی قدر کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب :۔

فرقہ خرازیہ کا بیان شروع ہوتا ہے

اور فرقہ خرازی کے لوگ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی پیری کرتے ہیں آپ کی اس طریقہ میں بہت تصانیف موجود ہیں۔ اور تجرید اور انقطاع میں بڑی شان رکھتے تھے اور فنا اور بقا کی اصطلاح پہلے انہی نے جاری کی ہے اور اپنی تمام عبارتوں کو انہی دو لفظوں میں انہوں نے چھپایا ہے، اب میں ان کا مطلب بیان کرتا ہوں اور لوگوں نے ان کی مراد سمجھنے میں جو غلطیاں کی ہیں اس باب میں لاتا ہوں تاکہ تو جان لے کہ ان کا مذہب کیا ہے، اور مقصود اس طائفہ کا جو ان دو عبارتوں سے شائع و ذائع ہے کیا ہے۔

بقا اور فنا میں کلام شروع ہوتا ہے

خدا عزوجل نے فرمایا مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے فانی ہوتا ہے اور جو کچھ خدا کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے اور دوسری جگہ فرمایا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ یعنی جو کچھ زمین پر ہے فانی ہو جائیگا اور باقی رہے گی ذات پروردگار کی۔ جو بزرگی اور انعام کا صاحب ہے، جان تو کہ فنا اور بقا حال اور علم کی لغت کی رو سے اور معنی میں ہے اور ظاہری لوگ اس طائفہ کی کسی عبارت میں اتنے متحیر نہیں ہیں جتنے کہ اس میں متحیر ہیں پس بقا علم کی رو اور لغت کے مقتضا سے تین قسم پر ہے، ایک بقا وہ ہے کہ جس کی پہلی طرف فنا میں ہے اور آخری طرف بھی فنا میں ہے، جیسا کہ یہ جہان کہ اس کی نہ تو ابتدا تھی اور نہ ہی انتہا ہوگی اور اس وقت باقی ہے اور دوسری وہ بقا ہے جو ہرگز نہ تھی اور باقی ہوئی اور باقی رہیگی اور کبھی فانی نہ ہوگی اور وہ بہشت اور دوزخ ہے، اور

وہ جہان اور اس جہان کے رہنے والے اور تیسرے وہ بقا ہے کہ جس کے لئے فنا کبھی نہ تھی اور نہ ہی ہوگی وہ خدا کی بقا اور اس کی وہ صفات کہ نہ ان پر کبھی زوال آیا اور نہ آئیگا۔ اور اس کی تمام صفتیں قدیمی ہیں۔ اور مراد بقائے دوام سے اسی کا وجود ہے اور کسی شخص کو اس کے اوصاف میں اس کے ساتھ مشارکت نہیں ہے پس علم فنا کا وہ ہوتا ہے، کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ دنیا فانی ہے اور علم بقا کا یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ عقبیٰ باقی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى یعنی آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے اور اس جگہ اَبْقٰى بطور مبالغہ خدا نے فرمایا اس واسطے کہ اس جہان کی عمر کو فنا نہیں ہے، مگر حال کا بقا اور فنا یہ ہے کہ جب جہل و نادانی فنا ہو جائے تو ضرور علم باقی ہوتا ہے، اور جب نافرمانی فانی ہوتی ہے، تو فرمانبرداری باقی ہوتی ہے، جب بندہ اپنی فرمانبرداری کا علم حاصل کرتا ہے غفلت فانی ہوتی ہے اور بقا کا ذکر باقی رہتا ہے، یعنی جب بندہ خدا کے علم کا عالم ہو جاتا ہے اس کے علم کے ساتھ باقی ہوتا ہے اور اپنے جہل سے اس کے ساتھ فانی ہوتا ہے، اور جب غفلت سے فانی ہوتا ہے اس کے ذکر کے ساتھ باقی ہوتا ہے اور ان اوصاف محمودہ کے قیام کے ساتھ اوصاف مذمومہ کا گرانا ہوتا ہے لیکن اس قصہ میں خاص لوگوں کی وہ مراد نہیں جو ہم نے بیان کی ہے اور ان کا اشارہ اس اصل میں علم اور حال کے ساتھ نہیں اور وہ فنا اور بقا کو اہل ولایت کے کمال کے درجہ کے سوا استعمال نہیں کرتے وہ وہ لوگ ہیں جو کہ مجاہدہ کی تکلیف سے خلاصی پائے ہوئے ہیں۔ اور مقامات کی قید اور احوال کے تغیر سے رہائی پائے ہوئے ہیں۔ اور ان کی جستجو یافت کے درجہ پر پہنچی ہوئی ہے، اور سب مناظر کو دیدۂ بصارت سے دیکھے ہوئے اور سب سننے والی چیزوں کو گوش ہوش سے سنے ہوئے اور سب جاننے والی باتوں کو دل سے جانے ہوئے اور سب پانے کی چیزوں کا سر پائے ہوئے اور خدا کی یافت میں آفت کو پائے ہوئے اپنے آپ کو دیکھے ہوئے اور سب سے منہ موڑے ہوئے اور قصد کو مراد میں کئے ہوئے اور راہ پر پہنچے ہوئے۔ اور اپنے دعویٰ سے بیزار ہوئے اور معنی سے علیحدہ ہوئے اور کرامتوں کو حجاب معلوم کئے ہوئے مقامات کا معائنہ کئے ہوئے اور احوال کو آفت کا لباس پہنائے ہوئے عین مراد میں بیمراد ہو کر سب مشرب گرائے ہوئے اور الفت والی چیزوں سے محبت دور کئے ہوئے ہیں۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ

وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ چاہیئے کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جو کہ ہلاک ہو دلیل سے اور چاہیئے کہ زندہ رہے وہ شخص کہ جو زندہ ہو دلیل سے، اور اسی دل میں کہتا ہوں " شعر " فَنَیْتُ فَنَائِیْ بِفَقْدِ ھَوَائِیْ ۔ فَصَارَ ھَوَائِیْ فِی الْاُمُوْرِ ھَوَاکَ ۔ فَاِذَا فَنَا الْعَبْدُ عَنْ اَوْصَافِہٖ اَدْرَکَ الْبَقَاءَ بِتَمَامِہٖ ۔ یعنی میں نے اپنی خواہش کے گم کرنے سے اپنی فنا کو گم کیا۔ پس میری خواہش تمام کاموں میں تیری خواہش ہو گئی پس جس وقت بندہ اپنے اوصاف سے فنا ہو جاتا ہے بقا اس کو تمامہ پالیتی ہے یعنی جب بندہ اوصاف کے وجود کی حالت میں اوصاف کی آفتوں سے فانی ہوا ہو تو مراد کی بقا کے ساتھ فنائے مراد میں باقی ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کو قرب اور دوری اور وحشت اور محبت اور صحو اور سکر اور فراق اور وصال اور طمس[1] اور اصطلام[2] اور علم واسم اور سمات اور مقام ان معنی سے کچھ نہ جانتا ہوگا مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک شیخ اس معنی میں کہتا ہے " شعر " وَطَاحَ مَقَامِیْ وَالرُّسُوْمُ کِلَاھُمَا ۔ فَلَسْتُ اَرٰی فِی الْوَقْتِ قُرْبًا وَّلَا بُعْدًا ۔ فَنَیْتُ بِہٖ عَنِّیْ فَبَانَ لِیَ الْھُدٰی ۔ فَھٰذَا ظُھُوْرُ الْحَقِّ عِنْدَ الْفَنَاءِ قَصْدًا ۔ اور میرا مقام اور رسوم دونوں کی دونوں پامال ہوئیں پس میں کسی وقت میں نزدیکی اور دوری کو نہیں دیکھتا پس میں اپنے آپ سے فنا ہوا۔ پس ظاہر ہوئی میرے لئے ہدایت پس یہ حق کا ظہور ہے جب قصد فنا کا کیا۔ الغرض کسی چیز کا فنا ہونا اس کی آفت کی رؤیت کے اور نیز اس کی ارادت کی نفی کے بغیر درست نہیں آتا اور جس شخص کا یہ خیال بندھا ہوا ہے کہ کسی چیز کی فنا اس چیز کے فنا کے بغیر درست آسکتی ہے وہ غلطی پر ہے، ایسا نہیں کہ جب آدمی کسی کو دوست رکھے اور کہے کہ میں اس کے ساتھ باقی ہوں یا کسی چیز کو دشمن رکھے اور کہے کہ میں اس فانی ہوں اس لئے کہ یہ دونوں صفتیں طالب کی ہیں۔ اور فنا میں محبت اور عداوت نہیں ہے اور بقا میں رویت جمع اور تفرقہ کی نہیں ہے، اور ایک گروہ کو اس معنی میں غلطی لگی ہوئی ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ فنا ذات کے گم کرنے اور کسی شخص کے نیست ہونے کے معنی میں ہے اور بقا وہ ہے کہ خدا کی بقا بندہ سے پیوستہ ہو اور یہ دونوں باتیں محال ہیں۔ اور ہندوستان میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو کہ تفسیر لکھنے اور بیان کرنے اور وعظ گوئی اور علم کا مدعی تھا اس نے

---

[1] طمس ناپدید شدن یا محو شدن۔ [2] اصطلام زمین کندن ۱۲۔

ساتھ اس معنی میں اس نے مناظرہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ خود فنا اور بقا اور قدیم اور محدث میں فرق سمجھتا ہے اور نہ ہی ان کے معنی کی شناخت رکھتا ہے اور اس طائفہ کے جاہلوں سے اس قسم کے لوگ بہت ہیں۔ جو فنا کلی کو جائز رکھتے ہیں اور یہ کھلم کھلا مکابرہ ہے اس لئے کہ ہرگز فنا کیلئے اجزائے طینتی اور ان کا انقطاع جائز نہ ہوگا۔ خاص کر ان جاہلوں خطاکاروں کو کہتا ہوں کہ تمہاری مراد اس فنا سے کیا ہے، اگر کہیں کہ عین فنا مراد ہے تو یہ محال ہے، اور اگر کہیں وصف کی فنا ہماری مراد ہے تو اس کو ہم بھی جائز رکھتے ہیں۔ فنا ایک صفت ہے جس کا قیام بقا والی صفت سے ہے، اور یہ دونوں صفتیں بندہ کا جمال ہوتی ہیں۔ اور محال ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنی صفت کے بغیر غیر کی صفت سے قائم ہو۔ رومیوں اور نصاریٰ کا مذہب یہی ہے اور اس کا نام مذہبِ نسطوریوں ہے اس لئے کہ نسطوری مذہب والے کہتے ہیں۔ کہ مریم علیہ السلام بسبب مجاہدوں کے اپنے تمام ناسوتی صفات سے فانی ہوئی۔ اور بقالاہوتی سے پیوند ہوئی اور اس نے اس کیساتھ بقا پائی یہاں تک کہ خدا کی بقا کے ساتھ باقی ہوئی اور عیسیٰ علیہ السلام اس کا نتیجہ ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی ترکیب کا اصل مادہ انسانیت کے مادہ سے نہیں کیونکہ اس کی بقا الوہیت کی بقا کی تحقیق سے ہوئی ہے پس عیسیٰ علیہ السلام اور اس کی ماں اور خدا تینوں باقی رہنے والے ہیں مختلف بقاؤں سے نہیں ہے بلکہ ایک ہی بقا سے ان کی بقا ہے، اور بقا قدیمی صفت ہے اور اس کا قیام حق سے ہے پس یہ سب کا سب بیان حشویوں کے دونوں گروہ مجسمہ اور مشبہ کے موافق ہے اس لئے کہ دونوں گروہ خداوند کریم کی ذات کو حوادثات کا محل جانتے ہیں۔ اور قدیم پر محدث کی صفت روا رکھتے ہیں۔ میں ان سب کو جواب دیتا ہوں کہ کس طرح محدث محل قدیم کا ہوسکتا ہے اور کس طرح قدیم محل محدث کا ہوسکتا ہے، اور کس طرح قدیم محدث کا وصف ہوسکتا ہے اور کس طرح محدث قدیم کا وصف ہوسکتا ہے، اور پھر اس کا جائز رکھنا دہریوں کا مذہب ہے، اور حدوثِ عالم کی دلیل کو یہ خیال باطل کرتا ہے، اور صنع اور صانع کو قدیم کہنا چاہیئے یا دونوں کو محدث کہنا ہوگا اور ملاوٹ مخلوق کی غیر مخلوق سے روا رکھنی ہوگی اور حلول غیر مخلوق کا مخلوق میں جائز ماننا ہوگا۔ اور اتنا ہی نقصان اور خسران ان کیلئے کافی ہے، اس لئے کہ جب قدیم کا محل حوادث کا یا حوادث کو محل قدیم کا کہو گے تو صنع اور

صانع کو بھی قدیم کہنا پڑیگا پس جب دلیل کی ضرورت پیش آئے تو صنعت صانع کو اور پھر اس کے صانع کو بھی محدث کہنا چاہیئے۔ کیونکہ کسی چیز کا محل عین چیز کی طرح ہوتا ہے اور جب محل محدث ہو تو حال کو بھی محدث کہنا چاہیئے۔ پس اس سب تقریر سے لازم آیا کہ محدث کو قدیم کہیں یا قدیم کو محدث کہیں پس یہ دونوں باتیں گمراہی اور ضلالت کی ہیں الغرض جب ایک دوسری چیز کے ساتھ پیوند اور نزدیک کی ہوئی اور اتحاد کی گئی اور ملاوٹ کی گئی ہو تو حکم دونوں کا ایک ہی چیز کی طرح ہوگا۔ پس بقا ہماری ہماری صفت ہے اور ہماری فنا ہماری صفت ہے اور ہمارے اوصاف کی تخصیص میں ہماری فنا مثل ہماری بقا کے ہوگی اور ہماری بقا ہماری فنا کی طرح ہوگی۔ پس فنا ایک وصف ہوگی دوسرے کے وصف کی فنا کے ساتھ اور پھر اگر کوئی شخص فنا سے یہ مراد لے کہ بقا کا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہے تو جائز ہوگا اور اگر وہ بقا سے یہ مراد رکھے کہ فنا کا اس سے تعلق نہیں ہے تو بھی جائز ہوتا ہے، اس لئے کہ مراد پس فنا سے غیر کے فکر کی فنا ہوتی ہے اور بقا خدا کے ذکر کی بقا ہے، مَن فَنٰی بِالْمُرَادِ بَقِیَ بِالْمُرَادِ یعنی جو شخص اپنی مراد سے فانی ہوتا ہے حق کی مراد سے باقی ہوتا ہے اس لئے کہ تیری مراد فانی ہے۔ اور مراد حق کی باقی ہے جب اپنی مراد سے تو قائم ہوگا تیری مراد فانی ہوگی اور قیامت ساتھ فنا کے ہوتی ہے پھر جب حق کی مراد کا تو متصرف ہوگا تب تو باقی ہوگا اور اس وقت قیامت ساتھ بقا کے ہوگی۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جو کوئی تیز آگ میں پڑے گا۔ اس کے زور سے اس کی صفت کے ہمرنگ ہوگا پس جب آگ کا غلبہ اور تیزی کسی شئے کے وصف کو شئے میں مبدل کرتی ہے تو خدا کی ارادت کا غلبہ تو آگ کی ارادت کے غلبہ سے بدرجہ اولیٰ ہے لیکن یہ تصرف آگ کا لوہے کے وصف میں ہے ولیکن اس کا عین وہی لوہا ہی ہے اسلئے کہ لوہا کبھی آگ نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل

اور مشائخ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کیلئے اس معنی میں لطیف رمزیں ہیں ابو سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فَنَاءُ الْعُبُوْدِیَّۃِ وَالْبَقَاءُ بَقَاءُ الْعَبْدِ بِمُشَاهَدَۃِ الْاُلُوْهِیَّۃِ یعنی بندہ کی فنا بندگی کے دیکھنے سے فانی ہوتی ہے اور بندہ کی بقا الوہیت کے بقا کے ساتھ باقی رہتی

ہے یعنی کام میں بندگی کا دیکھنا آفت ہوتا ہے، اور بندہ بندگی کی حقیقت کو اسوقت پہنچتا ہے جب کہ اس کو اپنے کام کا دیکھنا نصیب نہ ہو اور نیز اپنے فعل کے دیکھنے سے فانی ہو جائے، اور خداوند کریم کی مہربانی کے دیکھنے سے باقی ہو یہاں تک کہ اس کے معاملہ کی نسبت سب کی سب خداوند تعالیٰ کی طرف ہوگی نہ کہ اپنی طرف اس لئے کہ جو کچھ بندہ کیساتھ اس کے افعال کے ساتھ مقرون ہوگا سب ناقص ہوگا ماسوا اس کے جو خداوند کریم کی طرف اسکے ساتھ ملا ہوا ہوگا وہ سب کا سب کامل ہوگا پس جب بندہ اپنے متعلقات سے فانی ہوتا ہے تو الوہیت کا کمال باقی ہوتا ہے اور ابو یعقوب نہرجوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ کہتے ہیں صِحَّۃُ الْعُبُوْدِیَّۃِ فِی الْفَنَاءِ وَالْبَقَاءِ یعنی بندہ کی بندگی کی درستی فنا اور بقا میں ہے کیونکہ جب تک بندہ اپنے کل نصیب سے بیزاری ظاہر نہ کرے اس وقت تک مخلصانہ خدمت کے لائق نہیں ہوتا پس جیسے نصیب سے بیزاری کا اظہار آدمیت کی فنا ہوتا ہے ویسے ہی اخلاص عبودیت میں فنا ہوتا ہے اور ابراہیم شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں عِلْمُ الْفَنَاءِ وَالْبَقَاءِ یَدُوْرُ عَلٰی الْاِخْلَاصِ وَالْوَحْدَانِیَّۃِ وَصِحَّۃِ الْعُبُوْدِیَّۃِ وَمَا کَانَ غَیْرَ ھٰذَا وَھُوَ الْمَغَالِیْطُ وَالزَّنْدَقَۃُ یعنی فنا اور بقا کے علم کا قاعدہ وحدانیت کے اخلاص پر ہے یعنی جب بندہ خدا کی واحدانیت کا اقرار کرنے والا ہوتا ہے اس وقت اپنے آپ کو خدا کے حکم کا مقہور اور مغلوب دیکھتا ہے، اور مغلوب غالب کے غلبہ میں فانی ہوتا ہے اور جب اس کا فنا اس پر درست ہوتا ہے، اپنی عاجزی کا اقرار کر لیتا ہے اور بجز بندگی کے کوئی چارہ نہیں دیکھتا اور رضا کی درگاہ کے حلقہ میں جھنگل مارتا ہے اور جو اشخاص فنا اور بقا کی کچھ اس کے علاوہ اور مراد لیتے ہیں یعنی وہ لوگ جو فنا کو عین فنا جانتے ہیں اور بقا کو بھی عین بقا جانتے ہیں وہ بیدین اہل زندقہ ہیں اور یہی نصاریٰ کا مذہب ہے جیسا کہ اس سے پیشتر گذرا۔ اور میں جو علی بن عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں کہ یہ تمام باتیں از روئے معنی کے ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اگرچہ بقا عبارت میں مخالف ہے مگر حقیقت اس کی یہی ہوتی ہے، کہ بندہ کی فنا حق کے جلال سے ہوتی ہے اور اس کی عظمت کا کشف دل پر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے جلال کے غلبہ میں دنیا اور عقبیٰ اس کے دل سے فراموش ہو جاتی ہے اور احوال اور مقام اس کی ہمت کی نگاہ میں حقیر ہو جاتے ہیں۔ اور کرامات کی نمائش اس کے معاملہ میں پراگندہ

ہوتی ہے اس وقت عقل اور نفس فنا سے فانی ہوتا ہے اور عین اس فنا کے فنا میں اس کی زبان حق سے بولنے والی ہوتی ہے اور اس کا دل اور بدن خشوع اور خضوع کرنے والا ہوتا ہے، جیسا کہ ابتدا میں آدم علیہ السلام کی پشت سے اولاد کا اخراج عبودیت کے اقرار کرنے کے وقت سب عیوب سے پاک تھا۔ اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم میں سے ایک شیخ اس معنی کو عربی زبان میں ادا کرتے ہیں شعر: اِنْ كُنْتُ اَدْرِیْ كَيْفَ السَّبِيْلُ اِلَيْكَ ‌• فَنَيْتُ عَنْ جَمِيْعِيْ فَصِرْتُ اَبْكِيْ عَلَيْكَ۔ یعنی اگر میں جانتا ہوتا کہ آپ کی طرف پہنچنے کا راستہ کونسا ہے۔ میں سب سے پہلے اپنے آپ کو فانی کرتا اور ہمیشہ آپ کی یاد میں رو تا رہتا۔ اور دوسرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فَفِيْ فَنَائِيْ فَنَاءُ فَنَائِيْ ‌• وَفِيْ فَنَائِيْ وَجَدْتُ اَنْتَ ‌• مَحَوْتُ اِسْمِيْ وَرَسْمَ جِسْمِيْ ‌• سُئِلْتُ عَنِّيْ فَقُلْتُ اَنْتَا یعنی میرے فنا میں میرا فنا ہونا ہے اور میں نے اپنے فنا میں تجھ کو پایا اور میں نے اپنے نام اور اپنے جسم کی رسم کو مٹا دیا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ تو کون ہے میں نے جواب میں کہا کہ تو ہی ہے۔ فقر اور تصوف کے باب میں فنا اور بقا کے احکام یہ ہیں۔ تھوڑے سے احکام لایا ہوں اور اس کتاب میں فنا اور بقا کا جہاں کہیں ذکر کرونگا اس سے مراد یہی ہوگی۔ خرازیوں کے مذہب کی یہ اصل ہے اور سب اہل زمانہ اس نیک اصل کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے پیرو ہیں۔ وہ جدائی اور فراق کہ جو دلیل وصل اور ملاپ کی ہو بے اصل نہیں ہوتی اور اس طائفہ کی زبان پر یہ کلام مشہور ہے اور جاری وساری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فرقہ خفیفیہ کا بیان

مگر خفیفی مذہب والے ابو عبداللہ محمد بن خفیف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرتے ہیں اور وہ اس طائفہ کے سردار ہوئے ہیں، اور اس قوم میں نادر الوجود آدمی ہیں۔ اور اپنے وقت میں ظاہری اور باطنی علوم کے عالم تھے اور آپ کی تصنیف علم طریقت کے فنون میں مشہور ہیں اور آپ کے مناقب اس سے زیادہ مشہور ہیں جو ان سب کا احاطہ کرسکیں۔ الغرض وہ مرد زمانے میں عزیز اور نفس میں نادر اور عفیف النفس ہوئے ہیں اور نفسانی شہوتوں کی پیروی سے منہ موڑنے والے تھے میں نے سنا ہے کہ آپ نے چار سو نکاح کئے تھے کیونکہ آپ ... بادشاہوں کی اولاد سے تھے

اور جب آپ نے توبہ کی اور شیراز کے ایک بزرگ مرد سے تقرب حاصل کیا۔ تب آپ کا مرتبہ بلند ہوا بادشاہوں اور رئیسوں کی بیٹیاں برکت حاصل کرنے کی خاطر آپ سے نکاح کرتی تھیں اور آپ انہیں قبل الدخول طلاق دیدیتے تھے۔ اور کنواریوں کی کنواری ہی واپس چلی جاتی تھیں مگر ان میں سے چالیس عورتیں دو دو تین تین ہو کر بستر وغیرہ بچھانے کی نوکری اور خدمت پر مقرر تھیں اور ایک عورت تو چالیس برس تک آپ کی خدمت میں رہی۔ اور وہ وزیر کی لڑکی تھی۔ اور میں نے ابوالحسن شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ ایک دن وہ سب عورتیں جو آپ کے حکمِ نکاح میں تھیں جمع ہوئیں اور ہر ایک نے آپ کی طرف سے قصہ شروع کیا سب اس امر پر متفق تھیں کہ انہوں نے شیخ کو خلوت میں اسباب شہوت کے ساتھ نہیں دیکھا ان کے دل میں وسواس پیدا ہوا اور انہوں نے بہت ہی تعجب کیا کیونکہ اس سے بیشتر ہر ایک یہی معلوم کئے ہوئے تھی کہ وہ اس کے ساتھ مخصوص ہے سب عورتوں نے کہا کہ شیخ کی صحبت سے بجز وزیر کی عورت کے اور کوئی واقف نہیں اس لئے کہ وہ سالہا سال سے آپ کی صحبت میں ہے، اور سب عورتوں سے زیادہ محبوب آپ کو وہی ہے دو عورتوں کو بھیجا کہ وزیر زادی سے پوچھو کہ شیخ کی تیرے ساتھ بہت ہی محبت ہے ہم کو ان کی صحبت کے بھید سے واقف کر وزیر زادی نے کہا کہ جب شیخ مجھے اپنے نکاح میں لائے ہیں۔ تو کسی نے مجھے آکر کہا کہ آج شیخ تیرے گھر آئیں گے۔ میں نے عمدہ عمدہ کھانے پکائے اور اپنے آپ کو زیب و زینت سے آراستہ کیا جب آئے کھانا پیش کیا آپ نے کھانے سے فارغ ہو کر مجھے بلایا اور تھوڑی دیر میری طرف دیکھتے رہے پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی آستین میں ڈال دیا۔ آپ کے سینہ سے ناف تک اندرون پیٹ کی طرف سے بارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ آپ نے فرمایا اے وزیر کی لڑکی مجھ سے پوچھو کہ یہ گرہیں کیسی لگی ہوئی ہیں میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب جلن اور صبر کی سختی ہے جس کی گرہیں باندھی ہوئی ہیں ایسے چہروں اور ایسے عمدہ کھانوں سے میں نے صبر کیا ہے اتنی بات فرما کر اٹھے اور چلے گئے اور سب گستاخیوں سے بڑھ کر میں نے یہی گستاخی کی ہے۔ اور آپ کے مذہب کی زینت غیبت اور حضور کے تصوف میں ہے جو عبارت میں اس کا بیان نہیں آسکتا میں بقدر امکان اس کا بیان کرتا ہوں۔ اگر اللہ عزوجل کو منظور ہوا۔

غیبت اور حضور میں کلام شروع ہوتا ہے۔

اور یہ عبارتیں ہیں کہ جن کی طرز عین بمعنی مقصود مثل عکس کے ہے مگر وہ ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ اور اصحاب معانی اور اہل لغت کے درمیان مستعمل اور شائع و ذائع ہیں پس حضور سے مراد دلالت یقینی سے دل کا حاضر ہونا ہے یہاں تک کہ اس کا غیبی حکم مثل حکم عینی کے ہوتا ہے، اور مراد غیبت سے دل کا ماسوی اللہ سے غائب ہونا ہے یہاں تک کہ اپنے آپ سے غائب ہو اور اپنی غیبت سے بھی غائب ہو۔ حتٰی کہ اپنی غیبت کے ساتھ اپنے آپ کا نظارہ کرے اور اس کی نشانی رسموں کی طرف سے روگردانی ہوتی ہے، جیسا کہ نبی حرام سے بچا ہوا ہوتا ہے پس اپنے سے غائب ہونا حضور بحق کی دلیل ہے، اور حضور بحق اپنے سے غائب ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ جو شخص اپنے آپ سے غائب ہوگا حق کے پاس حاضر ہوگا اور جو ساتھ حق کے ... ہوگا وہ اپنے آپ سے غائب ہوگا پس دل کا مالک خداوند کریم ہے، جب خدا کے جذبوں سے کوئی جذبہ طالب کے دل کو مقہور کر دیتا ہے اس کے نزدیک دل کی غیبت مثل حضور کے ہو جاتی ہے، اور شرکت اور تقسیم اٹھ جاتی ہے، اور اپنی طرف نسبت کرنا اٹھ جاتا ہے، جیسا کہ مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک شیخ کہتے ہیں" شعر، وَلِی فُؤَادٌ وَّاَنْتَ مَالِکُہٗ بِلَا شَرِیْکَ فَکَیْفَ یَنْقَسِمُ ٭ جب دل کا سوا خدا کے کوئی مالک نہ ہوگا تو چاہے غائب رکھے یا حاضر اس کے تصرف میں ہوگا اور نظر کرنے کے حکم میں سب دلیلیں ہی ہوں گی۔ احباب کا طریقہ یہی ہے مگر جب اختلاف پڑتا ہے، تب مشائخ رحمہم اللہ کو اس میں کلام ہے، ایک گروہ حضور کو غیبت پر مقدم رکھتا ہے اور ایک گروہ غیبت کو حضور پر مقدم رکھتا ہے، جیسا کہ سکر اور صحو کی بحث میں ہم نے بیان کیا ہے، لیکن صحو اور سکر اوصاف کے بقا کا نشان بیان کرتے ہیں، اور غیبت اور حضور اوصاف کے فنا کی علامت بتاتے ہیں پس یہ اس کا حقیقت میں اعزاز ہوگا اور وہ لوگ جو غیبت کو حضور پر مقدم رکھتے ہیں ان میں سے ایک تو ابن عطا اور حسین بن منصور اور ابوبکر شبلی اور بندار بن حسین اور ابو حمزہ بغدادی اور سمنون محب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور عراقیوں کی ایک جماعت کہتی ہے، کہ خدا کی راہ میں حجاب اعظم تو خود ہے جب تو اپنے آپ سے غائب ہو

جائیگا۔ تیری ہستی کی ثابت کرنیوالی آفتیں تجھ میں فانی ہو جائیں گی اور زمانہ کا قاعدہ پھرا مریدوں کے تمام
مقامات تیرا حجاب ہوئے، اور طالبوں کے تمام احوال تیری آفت گاہ ہوئے اور اسرار زنار ہوئے
اور موجودات تیرے ارادہ میں خوار ہوئی اور آنکھ اپنے سے اور اپنے غیر سے بند ہوئی، بشریت کے
اوصاف اپنے [illegible] میں نزدیکی کے شعلہ سے جل گئے اور صورت ایسی بندھی کہ خداوند کریم نے
تیری غیبت کی حال میں تجھ کو آدم کی پشت سے باہر نکالا اور [illegible] عزیز کلام تیرے گوش گذار کیا
اور توحید کی خلعت اور مشاہدے کے لباس کے ساتھ مخصوص گردانا۔ تاکہ تو اپنے آپ سے غائب
ہونا اور حق کے ساتھ بے حجاب حاضر ہونا اور جب اپنی صفات سے حاضر ہوتا۔ قربت سے غائب
ہوتا۔ پس تیری ہلاکت تیرے حضور میں ہے، اور یہی معنی ہیں خداوند کریم کے قول وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا
فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ کے یعنی تم ہمارے پاس فردا فردا آئے [illegible] تمکو پہلی مرتبہ پیدا
کیا۔ اور پھر حارث محاسبی اور جنید اور سہل بن عبداللہ اور ابو حفص حداد اور ابو حمدون قصار اور
ابو محمد جریری اور حصری صاحب مذہب اور محمد بن خفیف رضی اللہ عنہم ایک دوسری جماعت
کے ساتھ اس پر ہیں کہ حضور غیبت پر مقدم [illegible] اس لئے کہ تمام جمال حضوری ہی میں مقید
ہیں۔ اور غیبت اپنی طرف سے حق کی حضوری کا ایک راستہ ہے اور جب حضوری حاصل ہوگئی
تو راہ کا طے کرنا آفت ہوا پس جو شخص اپنے آپ سے غائب ہوتا ہے البتہ خدا کی حضوری والا ہوتا
ہے اور فائدہ غیبت کا حضوری ہے، اور غیبت بے حضوری جنون اور دیوانگی ہوتی ہے اور
تیرے لئے غفلت کا ترک لازمی ہے تاکہ تیرا مقصود غیبت سے حضو[illegible] مقصود موجود
ہوا علت ساقط ہوئی شعر، لَیْسَ الْغَائِبُ مَنْ غَابَ مِنَ الْبِلَادِ ۔ اِنَّمَا الْغَائِبُ مَنْ غَابَ
مِنَ الْمُرَادِ ۔ وَلَیْسَ الْحَاضِرُ مَنْ لَیْسَ لَهٗ مُرَادٌ ۔ اِنَّمَا الْحَاضِرُ مَنْ لَیْسَ لَهُ الْمُرَادُ ۔ حَتّٰی
اسْتَقَرَّ فِیْهِ الْمُرَادُ ۔ یعنی غائب وہ نہیں ہوتا جو کہ شہر اور ولایت سے غائب ہو بلکہ غائب
وہ ہوتا ہے کہ جو کل ارادوں سے غائب ہو یہاں تک کہ خدا کا ارادہ اس کا ارادہ ہو۔ حاضر وہ
وہ نہیں ہوتا کہ جس کا ارادہ چیزوں کا نہ ہو بلکہ حاضر وہ ہوتا ہے کہ اس کا دل بہانہ ہو یہاں
تک کہ اس میں ذکر دنیا اور آخرت کی نہ ہو اور اس کا آرام خواہش سے وابستہ نہ ہو، اور مشائخ
رحمہم اللہ سے ایک شیخ اس معنی میں فرماتے ہیں شعر، مَنْ لَمْ یَکُنْ بِكَ فَانِیًا عَنْ نَفْسِهٖ

وَمِنَ الْهَوٰی بِالْاُنْسِ وَالْاَحْبَابِ ٭ فَكَاَنَّمَا بَيْنَ الْمَرَاتِبِ وَاقِفٌ ٭ لِمَنَالِ حَظٍّ اَوْ لِحُسْنِ مَآبِ ٭ یعنی جو شخص اپنے نفس اور خواہش کے ساتھ محبت اور دوستوں سے اپنے آپ سے فانی نہ ہو پس گویا کہ وہ درمیان مراتب کے کھڑا ہوا ہے حظ کو اٹھاتے ہوتے اور خوبی کی طرف بازگشت کئے ہوتے ہے، اور مشہور ہے کہ ذوالنون کے مریدوں سے ایک مرید نے بایزید کی زیارت کا قصد کیا جب اس کی عبادت گاہ کے دروازہ پر آیا تو دروازہ کو دستک دی بایزید نے کہا کون ہے اور کس سے ملنا چاہتا ہے، اس نے کہا بایزید سے ملنا چاہتا ہوں جواب دیا کہ بایزید کون ہے اور کہاں رہتا ہے اور کیا چیز ہے اور مجھے مدت ہوئی ہے کہ میں نے بایزید کی تلاش کی ہے اور نہ پایا اور جب وہ شخص ذوالنون مصری کے پاس گیا اور سب ذکر کیا تو ذوالنون نے کہا اَخِیْ اَبُوْ یَزِیْدَ ذَهَبَ فِی الذَّاهِبِیْنَ اِلَی اللّٰهِ یعنی میرا بھائی بایزید خدا کی طرف جانے والی جماعت میں شریک ہوا ایک شخص جنید کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ تھوڑی دیر میرے پاس حاضر رہتا کہ میں آپ سے ایک بات کہوں جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے جوانمرد تجھ سے وہ چیز طلب کرتا ہے جس کی میں مدت سے تلاش کر رہا ہوں میں کئی سالوں سے چاہتا ہوں کہ ایک لمحہ اپنے آپ پر حاضر ہوں مگر حاضر نہیں ہو سکتا اس گھڑی میں تیرے ساتھ کس طرح حاضر ہو سکتا ہوں پس غیبت میں وحشت حجاب ہوگی۔ اور حضور میں کشف کی رحمت اور تمام احوال میں کشف حجاب کی مانند ہوگا اور اس معنی میں شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎ شعر: تَقَشَّعَ غَیْمُ الْهَجْرِ عَنْ قَمَرِ الْحُبِّ ٭ وَاَسْفَرَ نُوْرُ الصُّبْحِ عَنْ ظُلْمَةِ الْغَیْبِ ٭ یعنی حبیب کی حضوری سے جدائی اور فراق کا بادل پراگندہ ہوا اور صبح کا نور غیب کے اندھیرے سے روشن ہوا اور اس معنی کے فرق میں مشائخ کے حالی لطیفے بھی ہیں اور ظاہر کے رو سے قالی بھی ہیں۔ اور یہ عبارتیں آپس میں ملی ہوئی ہیں یعنی کیا حاضر ہونا ساتھ حق کے اور کیا اپنے آپ سے غائب ہونا اس لئے کہ مراد غیبت سے اپنے سے غائب ہونا ہے، اور جو اپنے آپ سے غائب نہیں وہ خدا کے ساتھ بھی حاضر نہیں اور وہ جو حاضر ہے غائب ہے جیسا کہ جب ایوب علیہ السلام جزع بلا کے وارد ہونے کے وقت اپنے آپ کے ساتھ نہ تھے بلکہ اس وقت اپنے آپ سے غائب تھے۔ تو لامحالہ حق تعالیٰ نے ان کے جزع کو صبر سے جدا نہ کیا جب ایوب علیہ السلام نے اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ کہا یعنی اے میرے پروردگار مجھے تکلیف

پہنچی ہے تو خداوند کریم نے فرمایا اِنَّہٗ کَانَ صَابِرًا یعنی وہ تحقیق صابر تھا۔ اور یہ حکم بعینہٖ اس قصہ سے ظاہر ہے اچھی طرح سے غور کرتا کہ تجھے معلوم ہو جائے اور جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ کہا ایک دن ایسا ہوا ۔۔۔ کہ اہل زمین اور اہل آسمان میری حیرت پر روتے تھے پھر کبھی ایسا ہوتا تھا کہ میں ان کی رغبت و خواہش پر روتا تھا۔ اور اب پھر ایسا ہے کہ نہ ان سے بے خبر سکتا ہوں اور نہ اپنے آپ سے اور یہ حضور کی طرف عمدہ اشارہ ہے، غیبت اور حضور کے بھی یہی معنی ہیں۔ جوکہ میں نے مختصر طور پر بیان کئے ہیں۔ تاکہ صوفیوں کے مذہب کی تجھے کامل طور پر واقفیت ہو جائے اور نیز تجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مراد اس قوم کی غیبت اور حضور سے کیا ہو گی اور اس مسئلہ کی شرح اور بسط سے کام لینا اس کتاب کو لمبا کرنا ہے۔ اور میرا مذہب اس کتاب میں اختصار کا ہے وباللّٰہ التوفیق۔

فرقہ سیاریہ کا ذکر ہوتا ہے

اور سیاری فرقہ کے لوگ ابو العباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو ہیں۔ اور وہ مرو میں امام تھے اور تمام علوم میں عالم اور ابوبکر واسطی کے مصاحب تھے۔ آج کے دن نسا اور مرو میں اس کے اصحاب سے بہت لوگ ہیں۔ اور تصوف میں کوئی مذہب اپنے اصلی حال پر نہیں ہاں مگر یہ مذہب اصلی حالت پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نسا اور مرو میں کوئی وقت اس مذہب کے مقتدا سے خالی نہیں گذرا ہے کیونکہ اس کے اصحاب اس کے مذہب کی اقامت پر آج تک رعایت کرتے رہے ہیں۔ اور خاص کر اہل نسا کے پاس اس کے اصحاب کے عمدہ رسائل ہیں۔ اور ایسے ہی اہل مرو کے پاس بھی رسائل ہیں۔ اور ان کا کلام ایک دوسرے کے پاس خط و کتابت کے ذریعے پہنچتا رہا ہے اور میں نے ان کے بعض رقعات کا خوب مطالعہ کیا ہے بہت ہی عمدہ ہیں۔ اور ان کی عبارتوں کی بنا جمع اور تفرقہ پر مبنی ہے، اور یہ لفظ تمام اہل علم کے درمیان مشترک ہے۔ اور ہر ایک گروہ اپنی صنعت میں اس لفظ پر کاربند ہے تاکہ ان کی عبارتیں احاطہ فہم میں آئیں مگر ہر ایک کی مراد اس سے علیحدہ علیحدہ ہے، جیسا کہ محاسبی جمع اور تفرق سے مراد اعداد کی جمع اور تفریق رکھتے ہیں۔ اور نحوی اسموں اور صفتوں کا اتفاق مراد رکھتے ہیں اور ان کے معانی کا افتراق جائز رکھتے ہیں۔ اور فقہا قیاس کا جمع ہونا اور نص کی صفات کا تفرقہ یا جمع ہونا! اور نص کی صفات کا تفرقہ یا جمع اور قیاس کا تفرقہ اور اصولی صفات عقل کا جمع ہونا اور فعل کی صفتوں

کا تفرقہ مگر صوفیوں کے گروہ کی یہ مراد نہیں ہے یہ سب ہم نے بیان کیا اب میں اس گروہ کے مقصود کو بیان کرتا ہوں اور ان کا اختلاف جو اس بارہ میں ہے بیان کرتا ہوں تاکہ اس کی حقیقت تجھ کو معلوم ہو جائے اور مقصود مشائخ کے ہر گروہ کا جو جمع اور تفرقہ سے ہے۔ تجھے معلوم ہو جائے وباللہ التوفیق۔

جمع اور تفرقہ میں کلام شروع ہوتا ہے

خداوند تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی دعوت میں جمع کیا جیسا کہ یاد کیا وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ یعنی اللہ عزوجل تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے پھر ہدایت کے حق میں فرق بیان کیا اور کہا۔ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی جس کو چاہتا ہے راہِ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے اور سب کو از روئے دعوت کے بلایا۔ اور ایک گروہ کو مشیت کا حکم ظاہر کرنے کے موجب ہنکایا اور جمع کیا اور سب کو حکم دیا۔ اور ایک گروہ کو خواری کے ساتھ مردود کیا اور بعضوں کو توفیق کے ساتھ مقبول کیا اور نیز نہی کے ساتھ جمع کیا اور ایک گروہ کو اپنے حکم سے بیگناہ کیا اور ایک گروہ کو آفت کی طرف مائل کیا پس اس معنی میں حقیقت اور سرِ معلوم کا جمع کرنا اور امر اور نہی کے اظہار کا تفرقہ حق کی مراد ہوگی جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسمعیل کا سر کاٹنے کیواسطے حکم دیا۔ مگر ارادہ کاٹنے کا نہیں تھا۔ اور ابلیس سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کر اور ارادہ سجدہ کرانیکا نہیں تھا۔ اور آدم علیہ السلام سے کہا کہ گندم نہ کھاؤ۔ اور خواہش یہ کی کہ کھالے اور اس کی مثل بہت سی باتیں ہیں پس اَلْجَمْعُ مَا جَمَعَ بِاَوْصَافِهٖ وَالتَّفْرِقَةُ مَا فَرَّقَ بِاَفْعَالِهٖ پس جمع وہ ہے کہ جو اپنے اوصاف سے جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے کہ جو اپنے افعال سے جدا ہو اور یہ سب خدا کا ارادہ ثابت کرتے ہیں مخلوقات کے تصرف کا ترک اور ارادے کا منقطع کرنا ہوگا۔ اور جس قدر میں نے بیان کیا ہے اس قدر جمع اور تفرقہ کے بیان میں تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے مگر معتزلہ اس کے خلاف ہیں اور ان کا اس طریقت کے مشائخ سے اختلاف ہے۔ اور اس کے پیچھے ان عبارتوں کے استعمال میں اختلاف کرنیوالے ہیں ایک گروہ تو اپنی توحید پر چلاتا ہے اور کہتا ہے کہ جمع کے دو درجہ ہیں۔ ایک خدا کے اوصاف میں اور ایک بندہ کے اوصاف میں اور وہ جو خدا کے اوصاف میں ہے وہ توحید کا بھید ہے اور بندہ کا کسب اس سے منقطع ہے اور جو بندہ کے اوصاف میں ہے تو وہ صدقِ عقیدت

اور عبودیت کی صحت کے ساتھ توحید مراد ہے اور یہ قول ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور
دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو اوصاف پر چلاتا اور کہتا ہے کہ جمع خدا کی صفت ہے اور اس کے
فعل کا تفرقہ ہے اور بندہ کا کسب اس سے منقطع ہے اس لیے کہ اس کی الوہیت میں اس کے
ساتھ کوئی جھگڑا کرنیوالا نہیں ہے پس اس کی ذات اور صفات کیلئے جمع ہے اس لیے کہ اَلْجَمْعُ
التَّسْوِیَۃُ فِی اَلْاَصْلِ - جمع اصل میں مساوی کرنا ہوتا ہے یعنی اس کی ذات اور صفات میں اس
کا کوئی مساوی نہیں اور ان کے فرق کرنے میں مخلوق کی تفصیل ہے اور عبارت کیساتھ وہ جمع ہونے
والا نہیں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں قدیم ہیں۔ اور وہ ان کے ساتھ
مخصوص ہے، اور ان کا قیام ان کے ساتھ ہے اور ان کے وجود کا اختصاص اس کے ساتھ
ہے وہ اور اس کی صفتیں دو نہیں ہیں اسلئے کہ اس کی واحدانیت میں فرق اور عدد روا نہیں ہے
اور اس پر حکم جمع کا سوا ان معنوں کے روا نہیں ہے۔

تفرقہ فی الحکم کا بیان شروع ہوتا ہے

اور یہ افعال اللہ جل جلالہ کے ہیں۔ جو سب حکم میں جدا جدا ہیں۔ ایک کو حکم وجود کا ہے اور ایک
کو حکم عدم کا لیکن عدمی جو ممکن الوجود ہوتا ہے ایک کو حکم فنا کا اور ایک کو حکم بقا کا اور پھر ایک گروہ
کو علم کی طرف لیجاتے ہیں اَلْجَمْعُ عِلْمُ التَّوْحِیْدِ وَالتَّفْرِقَۃُ عِلْمُ الْاَحْکَامِ یعنی جمع توحید کا علم
ہے پس علم اصول جمع ہوگا اور علم فروع تفرقہ۔ اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم میں سے ایک نے اس کی
مثل یہ بھی کہا ہے اَلْجَمْعُ مَا اجْتَمَعَ عَلَیْہِ اَھْلُ الْعِلْمِ وَالتَّفْرِقَۃُ مَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ یعنی جمع وہ
ہے کہ جس پر اہل علم نے اتفاق کیا ہے اور تفرقہ وہ ہے کہ جس پر اہل علم نے اختلاف کیا ہے اور
جمہور صوفیائے کرام رضی اللہ عنہم کی عبارتوں کے اجرا اور ان کی رمزوں میں لفظ تفرقہ سے مراد
مکاسب ہے اور لفظ جمع سے مراد مواہب یعنی مجاہدہ اور مشاہدہ ہے پس جو بندہ مجاہدہ کی راہ
سے اس کی طرف راہ پاتا ہے وہ تو سب کا سب تفرقہ ہے اور وہ جو محض خدا کی ہدایت اور عنایت
بندہ پر ہوتی ہے وہ سب جمع ہے۔ اور بندہ کی عزت اس میں ہوتی ہے کہ اپنے افعال سے جو
اور مجاہدہ کے امکان میں اپنے فعل کی آفت سے خدا کے جمال کے ساتھ خلاصی پائے ہوتے ہو۔ اور

اپنے فعلوں کو خدا کی مہربانیوں میں غرق پائے اور مشاہدہ کو رعایت کے پہلو میں نفی کیا گیا پائے پس اس کا کل قیام حق کے ساتھ ہو اور حق تعالیٰ اس کے اوصاف کا نائب ہو یعنی اس کے اوصاف کا وکیل اور اس کے تمام فعل کی نسبت اس کے ساتھ ہو یہاں تک کہ اپنے کسب کی نسبت سے خلاصی پائے ہوئے ہو۔ جیسا کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جبرائیل سے خبر دی اور جبرائیل نے خداوند کریم سے جیسا کہ فرمایا لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّیَدًا وَّلِسَانًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ یعنی میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا تقرب حاصل کر سکتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں تب میں اس کے کان آنکھ اور ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں پھر وہ مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے بولتا ہے اور مجھ سے پکڑتا ہے یعنی جب ہمارا بندہ بسبب مجاہدہ کے ہمارا قرب حاصل کر لیتا ہے ہم اس کو اپنی دوستی پر پہنچا دیتے ہیں۔ اور اس کی ہستی کو اس میں فانی کر دیتے ہیں اور اس کی نسبت اس کے افعال سے ہٹا رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ ہم سے سنتا ہے جو کچھ کہ سنتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے ہمارے ساتھ کہتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے ہمارے ساتھ دیکھتا ہے اور جو کچھ پکڑتا ہے ہمارے ساتھ پکڑتا ہے یعنی ہماری یاد میں ہمارے ذکر کا مغلوب ہوتا ہے یہاں تک کہ ہمارے غلبہ کے حال میں اس صفت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے جو کہ ابویزید نے کہا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ اور جس نے کہا اس بولنے میں کا نشانہ بیان کیا اور وہ کہنے میں سچا ہوتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ یعنی عمرؓ کی زبان پر حق جاری ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت ایسی ہوتی ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کی قہریت بندہ پر اپنا غلبہ ظاہر کرتی ہے اس کو اس کی ہستی سے نکال دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا نطق سب کا سب اس کا نطق ہوتا ہے [illegible] کے بغیر [illegible] کو مخلوق کے ساتھ ملاوٹ ہو گی یا حق تعالیٰ کو مصنوعات [illegible] اور چیزوں میں حلول ہوگا تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ وَعَمَّا یَصِفُهُ الْمُلْحِدَةُ عُلُوًّا کَبِیْرًا پس جائز ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی دوستی بندہ کے دل پر غالب ہو جائے اور عقل اور طبیعت بسبب غلبہ افراط اس کے اٹھانے سے عاجز ہو اور پھر اس کا اختیار اس کے کسب سے ساقط ہو جائے اس وقت اس درجہ کو جمع کہیں گے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مستغرق اور مغلوب تھے جو فعل آپ سے صادر ہونا تھا اس

کی نسبت حق جل و علا اپنی طرف کرتا تھا۔ اور اس کی نسبت پیغمبر رسول کی ذات سے اٹھا دیتا تھا اور فرمایا کہ وہ فعل میرا تھا تمہارا فعل نہیں تھا ہر چند کہ نشانہ آپ کے فعل کا ہوتا تھا۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو مٹھی دشمنوں کے منہ پر تو نے ڈالی تھی وہ تو نے نہیں ڈالی تھی بلکہ ہم نے ڈالی تھی جیسا کہ ایک فعل اسی جنس سے داؤد علیہ السلام سے حاصل آیا اس کو کہا وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ یعنی داؤد کو جالوت نے مارا کیونکہ داؤد علیہ السلام تفرقہ کی حالت میں تھے اور فرق ہوتا ہے درمیان اس کے جو اس کے فعل کو اس کی ذات کی طرف نسبت کیجائے اور وہ محل آفت اور حوادث کا ہوتا ہے اور درمیان اس شخص کے کہ جس کے فعل کو خداوند کریم اپنی طرف نسبت کرے اور وہ قدیم اور بے آفت اور حوادث ہے اور جب حق تعالیٰ کا فعل ظاہر ہوتا ہے آدمیوں پر اور وہ آدمیوں کی افعال کی جنس سے نہیں ہوتا تو خواہ مخواہ ضروری وہ فعل حق جل جلالہ کا ہوتا ہے اور معجزے اور کرامتیں سب اس سے پیوستہ ہوتی ہیں پس افعالِ معتادہ سب کے سب تفرقہ ہوتے ہیں اور خلافِ عادت فعل سب کے سب جمع ہوتے ہیں اس واسطے کہ ایک رات میں قاب قوسین تک ہو آنا موافق عادت کے نہیں ہے اور نہ بجز فعل حق تعالیٰ کے نہیں ہوتا اور بہت ہی فصیح کلام کرنا موافق عادت کے نہیں ہے اور یہ بھی خدا ہی کا فعل ہو سکتا ہے پس حق تعالیٰ نے انبیا اور اولیا کو یہ کرامتیں عطا کیں اور اپنے فعل کو ان کی طرف نسبت کی اور ان کے فعل کی اپنی طرف نسبت کی جب فعل دوستوں کا اس کا فعل ہوتا ہے اور بیعت ان کی خدا کی بیعت اور ان کی فرمانبرداری خدا کی فرمانبرداری جیسا کہ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ یعنی اے میرے حبیب تحقیق وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں سوا اس بات کے نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور نیز فرمایا۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی پس اولیاء خدا کے اسرار کے ساتھ جمع ہیں اور معاملت اور اظہار میں تفرقہ کی حالت میں ہیں یہاں تک کہ بھیدوں کی جمع کے ساتھ دوستی مستحکم ہوتی ہے اور عبودیت کے قیام کے اظہار کے ساتھ فرق صحیح ہوتا ہے چنانچہ مشائخ رضی اللہ عنہم سے ایک شیخ جمع کی حالت میں کہتے ہیں

شعر۔ قَدْ تَحَقَّقْتُ بِسِرِّيْ فَنَاجَاكَ لِسَانِيْ ٭ فَاجْتَمَعْنَا لِمَعَانٍ وَافْتَرَقْنَا لِمَعَانِيْ ٭ فَلَئِنْ غَيَّبَكَ التَّعْظِيْمُ عَنْ لَحْظِ عِيَانِيْ ٭ وَلَقَدْ صَيَّرَكَ الْوَجْدُ مِنَ الْاَحْشَاءِ دَانِيْ ٭

یعنی میں نے اپنے اسرار کو متحقق کیا پس میری زبان نے تیری مناجات کی پس بہت سے معنوں میں ہم جمع ہوئے اور بہت سے معنوں میں جدا ہوئے یعنی اسرار کے اجتماع کو جمع سے تعبیر کیا اور زبان کی مناجات کو تفرقہ فرمایا پھر جمع اور تفرقہ دونوں کا اپنے اندر نشان دیا ہے اور اپنے آپ کو اس کا قاعدہ بیان کیا اور یہ بہت ہی لطیف بات ہے۔ و باللہ التوفیق۔

فصل

باقی رہا اس جگہ اختلاف جو ہمارے اور اس گروہ کے درمیان ہے وہ کہتے ہیں کہ جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی ہوتی ہے اس لئے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لئے کہ جب ہدایت کا غلبہ غالب ہوا اور حق تعالیٰ اور مجاہدہ کا کسب باطل ہوا اور یہ محض بیکار ہوگا میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہمارے عقیدہ کے خلاف ہے اس لئے کہ جب تک معاملہ کا امکان اور کسب اور مجاہدہ کی طاقت ہوتی ہے کبھی بندہ سے کرنے والا نہیں ہوتا اس لئے کہ جمع تفرقہ سے جدا نہیں ہے جیسا کہ نور آفتاب سے اور عرض جوہر سے اور صفت موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی پس ایسے ہی مجاہدہ ہدایت سے اور شریعت حقیقت سے اور یافت طلب سے بھی جدا نہ ہوگی لیکن مجاہدہ کا مقدم ہونا ضروری ہے مگر کسی وقت موخر بھی ہوتا ہے مگر جس پر مجاہدہ مقدم ہوتا ہے اس پر مشقت زیادہ ہوتی ہے اسلئے کہ وہ غیبت میں ہوتا ہے اور جس پر مجاہدہ موخر ہوتا ہے اس پر رنج اور تکلیف نہ ہوگی اس واسطے کہ وہ حضوری میں ہوتا ہے اور جس کا مشرب نفی اعمال کی ہوتی ہے وہ عین عمل کی نفی کرتا ہے اور وہ بہت غلطی پر ہوتا ہے اور جاہل ہوتا ہے۔ جو بندہ اپنے درجہ پر پہنچے کہ جس درجہ پر اپنے تمام اوصاف کو معیوب اور ذی علت جانے جب اپنے اوصاف حمیدہ کو عیب کی آنکھ سے دیکھے اور ناقص دیکھے تو وہ ضرور اپنے اوصاف مذمت شدہ کو زیادہ نقص دار خیال کرے گا اور یہ معنی اس لئے لایا ہوں کہ جاہلوں کی ایک جماعت کو اس معنی میں غلطی لگی ہے اسلئے کہ وہ بیگانگی سے پھندی گئی ہے۔ اس لئے کہ وہ جاہل کہتے ہیں کہ یافت سے کوئی چیز ہماری کوشش میں نہیں آتی اور ہمارے افعال اور فرمانبرداریاں عیب دار ہیں اور ناقص مجاہدوں کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہے میں ان سے کہتا ہوں کہ ہمارے فعلوں کو جب بالاتفاق فعل خیال کرتے ہو اور فعلوں کو محل علت اور

عذر اور شرارت کہتے ہوتے نہ کہتے ہوتے کو کبھی عذر و فعل کہنا چاہیے جب دونوں فعل آئے اور فعل محلِ علت
ہوا میں تم لوگ کیوں نا کردہ کو کردہ سے بہتر جانتے ہو اور یہ ظاہری خسارہ اور
نقصان علم کہلاتا ہے پس یہ ایمان اور کفر کے درمیان بہت عمدہ فرق ظاہر ہوا اسلئے کہ مومن اور
کافر متفق ہیں کہ ان کے فعل علت کا محل ہیں پس مومن حکم کی تعمیل کرنا نہ کرنے سے بہتر جانتا ہے پس
کافر حکم کی تعمیل نہ کرنے کو کرنے سے بہتر جانتا ہے پس جمع وہ ہوتی ہے کہ آفت کے دیکھنے میں
تفرقہ کا حکم اس سے گر جائے۔ اور تفرقہ وہ ہے کہ جمع کے حجاب میں تفرقہ کو جمع جانے اور اس معنی میں
فرمان کبیر فرماتے ہیں اَلْجَمْعُ الْخُصُوْصِيَّةُ وَالتَّفْرِقَةُ الْعُبُوْدِيَّةُ مَوْصُوْلٌ اَحَدُهُمَا بِالْاٰخَرِ
غَيْرُ مَفْصُوْلٍ عَنْهُ حق تعالیٰ کی خصوصیت بندہ کیلئے جمع ہوتی ہے اور عبودیت بندہ کیلئے تفرقہ
اور یہ اس سے جدا نہیں ہے۔ اس لئے خصوصیت کا نشان عبودیت کی محافظت ہے۔ جب
کوئی معاملت میں عبادت پر قائم نہ ہو تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے پس جائز ہوتا ہے کہ حکم کی
تعمیل میں طبیعت کی سختی اور مجاہدے کا بوجھ مجاہدے کا حق اور تکلیف اس کی بندہ سے اٹھے
مگر یہ کہ ان جمع میں بغیر عذر ظاہر کئے جو کہ شریعت کے حکم میں عالم ہے جائز نہیں، اور میں ان
معنوں کو بیان کروں گا تاکہ تجھ کو اچھی طرح معلوم ہو جائیں۔ جان تو کہ جمع دو قسم پر ہے ایک جمع
سلامت اور دوسرے جمع تکسیر جمع سلامت وہ ہوتی ہے کہ جو احوال کے غلبہ اور قوت اور وجد اور شوق
کی بیقراری میں اللہ عزوجل ظاہر فرمائے اور حق تعالیٰ بندہ کی حفاظت کرنے والا ہو اور اپنا حکم
علی الاعلان بندہ پر جاری فرمائے اور اس کو اس کے گذارنے پر نگاہ رکھے اور اس کو مجاہدہ سے
آراستہ کرے، جیسا کہ سہل بن عبد اللہ اور ابو حفص حداد اور ابو العباس سیاری مروزی صاحب
مذہب اور ابو یزید بسطامی اور ابو بکر شبلی اور ابو الحسن حصری اور ایک جماعت بزرگوں کی کہ
اللہ عزوجل ان کی روحوں کو پاکیزہ فرمائے ہمیشہ مغلوب رہتے تھے۔ ہاں جب نماز کا وقت آتا
تھا۔ ہوش میں آجاتے تھے اور جب نماز پڑھ لیتے تھے۔ پھر مغلوب ہو جاتے تھے ماسواسطے
کہ جب تو تفرقہ کے محل میں ہو گا تو تو ہی ہو گا اس حالت میں خدائی حکم کی تعمیل تو کرے گا اور
جب خداوند کریم تجھے اپنی طرف کھینچ لیگا تب اپنے امر پر سب سے بہتر تیری حفاظت رکھے گا اور یہ
حفاظت دو جہتوں کیلئے ہوگی: ایک تو یہ ہے کہ کہیں بندگی کا نشان تجھ سے نہ اٹھ جائے اور

دوسرا یہ ہے کہ بحکم صدق قیام کیسے کروں میں ہرگز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ نہ کروں گا لہٰذا جمع مکسیرہ ہوتی ہے جو بندہ کو حکم میں فریفتہ اور مدہوش ہو جائے اور اس کا حکم مثل حکم مجنونوں کے ہوتا ہے پس ایک تو اس معاملہ سے معذور ہوتا ہے اور دوسرا مشکور ہوتا ہے اور مشکور کا معاملہ بہ نسبت معذور کے زیادہ قوی ہوتا ہے الغرض جمع کیلئے مقام مخصوص نہیں ہے، اور نیز حال مفرد نہیں اسلئے کہ جمع اپنے مطلوب معنی میں ہمت کا جمع کرنا ہے، لہذا ایک گروہ کو ان معنی کا کشف مقامات میں ہوتا ہے اور ایک گروہ کو احوال میں کشف ہوتا ہے اور دونوں وقت میں مراد صاحب جمع کی مراد کی نفی سے حاصل ہوتی ہے لِاَنَّ التَّفَرُّقَۃَ فَصْلٌ وَالْجَمْعَ وَصْلٌ۔ اسلئے کہ تفرقہ جدائی ہے اور جمع وصل ہے اور یہ سب چیزوں میں درست آتا ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کی ہمت کا یوسف علیہ السلام کے ساتھ جمع ہونا ہے اس لئے کہ یوسفؑ کے ارادہ کے سوا یعقوب علیہ السلام کا اور کوئی ارادہ نہ رہا تھا۔ اور مجنون کے ارادہ کا جمع ہونا لیلیٰ میں اسلئے کہ مجنون کو سوا لیلیٰ کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا اس کے خیال میں تمام جہان بلکہ کل موجودات لیلیٰ کی صورت ہو رہا تھا اور اس کی مانند بہت باتیں ہیں جیسا کہ ابویزید رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنی عبادت گاہ میں تھے ایک شخص آیا اور اس نے کہا ھَلْ اَبُوْ یَزِیْدَ فِی الْبَیْتِ فَقَالَ اَبُوْ یَزِیْدَ ھَلْ فِی الْبَیْتِ اِلَّا اللہُ یعنی کیا ابویزید گھر میں ہے اس نے جواب دیا کہ اپنے اس گھر میں سوا خدا کے دوسری کوئی چیز نہیں ہے، اور مشائخ رحمہم اللہ سے ایک درویش مکہ معظمہ میں آیا پورا ایک سال بیت اللہ شریف کے مشاہدہ میں بیٹھا رہا اس عرصہ میں نہ تو اس نے کچھ کھایا اور نہ سویا اور نہ ہی غسل کیا۔ کیونکہ اس کی ارادت خانہ کعبہ کے دیدار میں جمع ہو رہی تھی۔ جو اس کو اپنی طرف منسوب کیا وہی اس کے بدن کی غذا اور جان کا قوام ہو رہا تھا۔ لہٰذا اس سب کی اصل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی محبت کے خمیر کو جو وہ ایک جوہر تھا جز جز تقسیم فرمایا۔ اور ہر ایک کو دوستوں سے اس کی محبت کے اندازہ کے موافق اس کل کے اجزا سے ایک جز مخصوص کیا پھر انسانیت کو جوش اور طبیعت کا لباس اور مزاج کا پردہ اور روح کا حجاب اس پر چھوڑا یہاں تک کہ وہ جز تمام جزوں کی طاقت کیساتھ جو اس کے ساتھ پیوند کی گئی ہے اپنی صنعت کی طرف پھراتی ہے یہاں تک کہ کل محبت ہو رہا پا محبت ہوئی اور تمام حرکتیں اور اس کے لحظے اس کی مانند ہیں یہ اس لئے تھا کہ ارباب معانی

اور اصحاب زبان نے اس کا نام جمع رکھا ہے، اور اس معنی میں حسین بن منصورؒ ارشاد فرماتا ہے، شعر،

لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ یَا سَیِّدِیْ وَمَوْلَائِیْ — لَبَّیْکَ یَا مَقْصُوْدِیْ وَمَعْنَائِیْ
یَا عَیْنَ عَیْنِیْ وَجُوْدِیْ یَا مُنْتَھٰی ھِمَمِیْ — وَیَا مَنْطِقِیْ وَاِشَارَاتِیْ وَاِیْمَائِیْ
وَیَا کُلَّ کُلِّیْ وَیَا سَمْعِیْ وَیَا بَصَرِیْ — وَیَا جُمْلَتِیْ وَتَبَاعُضِیْ وَاَجْزَائِیْ

یعنی حاضر ہوں میں حاضر ہوں میں اے میرے سردار اے میرے مولا حاضر ہوں میں حاضر ہوں میں اے میرے مقصد اور اے میرے معنیٰ۔ اے میرے وجود کی آنکھ اے میرے وجود اے میرے ارادے کی انتہا اور اے میرے بولنے کی جگہ اور اے میرے اشارے اور ایماء۔ اور اے کل کے کل اور اے میری کان اور اے میری آنکھ۔ اور اے میرے کل اور بعض اور جزء۔

پس وہ شخص کہ جو اپنے اوصاف میں مستعار ہوتا ہے اپنی ہستی کا ثابت کرنا اس کو عار ہوتا ہے، اور اس کی توجہ کونین کی طرف نثار ہوتی ہے، اور موجودات اس کے ارادہ میں ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ اور پھر اہل زبان کا ایک گروہ دقتِ کلام اور عبارتوں کے تعجب میں آکر کہتا ہے کہ جمع الجمع ہے، اور یہ کلمہ عبارت کی رو سے تو بہت اچھا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ تو جمع کو جمع نہ کہہ کیونکہ تفرقہ چاہیئے تاکہ جمع اس کو جائز ہو اور جب جمع جمع ہو تو تفرقہ ہوگا جمع کو اپنے حال سے ڈال دے گا اسلئے کہ یہ عبارت تہمت کا محل ہے اسلئے کہ مجتمع کو اپنے سے باہر اور اوپر اور نیچے کا دیدار نہ ہوگا کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات دونوں جہان دکھائے گئے آپ نے کسی چیز کی طرف التفات نہ کیا اسلئے کہ آپ جمع الجمع میں تھے۔ اور مجتمع کو تفرقہ کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی آپ کی آنکھیں نہ تو مائل ہوئیں اور نہ ہی انہوں نے سرکشی کی اور میں نے ابتدائی حال میں ایک کتاب اس معنی میں تصنیف کی تھی۔ اور اس کا نام کتاب البیان لاہل العیان رکھا تھا۔ اور بحر القلوب میں جہاں اس کی فصل لایا ہوں اس کو بالتفصیل میں نے بیان کیا ہے اب میں اختصار کو مدنظر رکھتا ہوا اسی مقدار پر اکتفا کرتا ہوں۔ صوفیائے کرام سے سیاریوں کا مذہب یہی ہے جس کی طرف میں مشغول ہوا صوفیائے کرام کے تمام فرقوں سے یہ فرقہ مقبول ہے اور سب سے شہود کو محقق ہے اب میں اس گروہ کی طرف توجہ کو مبذول کرتا ہوں۔ جو

کہ ملحد ہیں اور صوفیوں کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔ اور ان کی عبارتوں کو اپنی بیدینی کے اظہار کا آلہ و واسطہ بنائے ہوتے ہیں۔ اور اپنی ذلت کو ان کی عزت میں پوشیدہ کئے ہوئے ہیں تاکہ ان کی غلطیاں ظاہر نہ ہو جائیں۔ اور مرید ان کے مکروہ دعویٰ سے کہیں پرہیز نہ شروع کر دیں اور اپنے آپکو محفوظ رکھنے کا ذریعہ نہ بنالیں وَالْاَمْرُ کُلُّہٗ بِیَدِہٖ یعنی تمام کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

حلولیہ فرقے کا بیان شروع ہوتا ہے

فرقہ حلولیہ اس فرقہ والوں پر خدا کی پھٹکار نازل ہو۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ یعنی حق کے پیچھے سوا گمراہی کے اور کیا ہے پس تم کہاں پھرتے ہو ان دو گروہ مردودہ کا جو اتباع کرتے ہیں۔ اور ان کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ تو ابو حلمان دمشقی کا اتباع کرتے ہیں۔ اور ان سے ایسی روایات مخالف بیان کرتے ہیں جو کہ مشائخ کی کتب میں لکھی ہوئی باتوں کے خلاف ہوں۔ اور صوفی لوگ اس پیر مرد کو شیدائیوں سے سمجھتے ہیں لیکن وہ ملاحدہ اس کو حلول اور امتزاج اور نسخ ارواح کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں نے متقدمین کی کتابوں میں دیکھا ہے جو اس میں طعن کیا ہے، اور علمائے اصول کو اس سے خیال بند ہوا ہے اور خداوند کریم بہتر جانتا ہے اور ایک دوسرا گروہ ہے کہ جو اپنے مقالات کی نسبت فارس کی طرف کرتا ہے، اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ مذہب حسین بن منصور کا ہے بجز اس کے کسی شخص کا مذہب اصحاب حسین سے نہیں ہے، اور میں نے ابو جعفر صیدلانی کو دیکھا ہے کہ چار ہزار کے قریب حلاجی عراق میں پھیلے ہوتے ہیں۔ سب فارس پر بسبب ان مقالات کے لعنت کرتے تھے اور اس کی کتابوں میں جو اس کی تصنیفیں ہیں سوا تحقیق کے اور کچھ نہیں ہے اور میں جو علی بن عثمان جلابی ہوں کہتا ہوں کہ میں فارس اور ابو حلمان کو نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں اور انہوں نے کیا کہا ہے مگر جو شخص ایسی باتوں کا قائل ہوتا ہے جو کہ خلاف توحید ہوں اور بغیر خلاف تحقیق ہوں تو اس کا دین میں کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اور جبکہ دین کہ جو اصل ہے مستحکم نہیں ہوتا تو تصوف جو صرف فرع اور نتیجہ ہے، بدرجہ اولیٰ خلل والا ہوگا۔ کیونکہ اظہار کرامات اور کشف آیات بجز اہل دین اور توحید کے صورت نہیں بند ہو سکتا اور خاص کر اس کے

قائلوں کو سبب غلطی روح میں لگی ہے اور اب میں جملہ کلام اور اس کے احکام کو بیان کرتا ہوں
مگر سنت کے قانون قاعدہ کے موافق اور ان ملحدوں کے مقولے اور مغالطے اور شبہات ابھی
واضح کروں گا۔ تاکہ تجھ کو کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو قوت دے اس کے ساتھ قوت ہو اس لئے کہ اس میں
بہت بڑا فساد ہے وباللہ التوفیق۔

روح کے بیان میں کلام شروع ہوتا ہے

جان تو کہ روح کی ہستی کا علم ہونا ضروری ہے، اور اس کی کیفیت معلوم کرنے سے عقل عاجز ہے
اور علماء اور حکماء میں سے ہر شخص اپنے قیاس کے موافق اس میں کلام کیا ہے، اور اعتقادی گروہ کی بھی
اس میں کلام موجود ہے جیسا کہ کفار قریش نے یہودیوں کے سکھانے سے نضر بن حارث کو
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ وہ حضور علیہ السلام سے روح کی کیفیت دریافت کرے
اور نیز اس کی ماہیت سے اطلاع حاصل کرائے خداوند تعالیٰ نے پہلے اس کے عین کو ثابت
کیا اور فرمایا وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ یعنی تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں پھر اس کے قدم
کی نفی کی اور فرمایا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ فرما دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے، اور
حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا
اِخْتَلَفَ یعنی روحیں لشکر جمع کئے ہوئے ہیں پس جو آپس میں آشنا ہوئے وہ آپس میں محبت
کرنے لگے اور جو آشنا نہ ہوئے وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے اور مانند اس کی بہت سی ...
کیفیت میں تصرف کئے بغیر، اور بہت سے دلائل ہیں پس ایک گروہ نے کہا ہے اَلرُّوْحُ
هُوَ الْحَيٰوةُ الَّتِيْ يَحْيٰى بِهِ الْجَسَدُ یعنی روح وہ ایک زندگی ہے کہ بدن اس سے زندہ ہوتا ہے
اور متکلمین کے ایک گروہ کا بھی یہی خیال ہے، اور اس معنی کی رو سے روح عرض ہے اس لئے کہ
حیوان کی زندگی اللہ عزوجل کے حکم سے اس کے ساتھ ہے، اور رغبت اور الفت اور اجتماع
کی حرکت اسی سے ہے، اور ایسے ہی ہیں وہ اعراض کہ جن سے شخص ایک حال سے دوسرے
حال کی طرف ہوتا ہے، اور دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ هُوَ غَيْرُ الْحَيٰوةِ وَلَا يُوْجَدُ الْحَيٰوةُ
اِلَّا مَعَهَا كَمَا لَا يُوْجَدُ الرُّوْحُ اِلَّا مَعَ الْبَدَنِيَّةِ وَاَنْ لَّا يُوْجَدُ اَحَدُهُمَا دُوْنَ الْاٰخَرِ كَالْاَلَمِ

وَالْعِلْمُ بِهَا لِاَنَّهُمَا شَيْئَانِ لَا يَنْفَكَّانِ یعنی روح زندگی کے سوا ایک چیز ہے مگر زندگی کا حال اس سے قائم ہے جیسا کہ روح نہیں پایا جاتا مگر ساتھ جسم کے اور دونوں ان میں سے ایک دوسرے کے سوا نہیں پایا جاتا جیسے درد اور اس کا علم اس لئے کہ وہ دونوں چیزیں جدا نہیں ہیں۔ اور ان معنوں سے بھی عرض ہوتا ہے جیسا کہ زندگی اور یہ عقیدہ مشائخ و بہت سے اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ روح جوہر ہے عرض نہیں کیونکہ جب تک وہ قالب سے پیوست ہوتا ہے تو خداوند کریم کی عادت جاریہ کے مطابق قالب میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے اور آدمی کی زندگی صفت ہے اور اس کی زندگی اسی کے ساتھ ہے مگر روح اس کے جسم میں ودیعت یعنی امانت رکھی گئی ہے اور یہ بھی جائز ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی سے جدا ہو اور مرنے کے بعد زندہ رہے جیسا کہ خواب کی حالت میں روح چلی جاتی ہے اور وہ زندہ رہتا ہے مگر یہ جائز نہیں کہ اس کے چلے جانے کی حالت میں عقل اور علم رہے اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ارواح شہدا کے پرندوں کے پوٹوں میں رہتے ہیں پس لامحالہ اس کا جوہر ہونا ضروری ٹھہرا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ اور جنود کا باقی رہنا ضروری ہے اور عرض پر بقا جائز نہیں ہوتی اور عرض اپنی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہوتا پس وہ ایک لطیف جسم ہوتا ہے جو کہ خدا کے حکم سے آتا ہے اور اسی کے حکم سے جاتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات آدم صفی اللہ اور یوسف صدیق اور موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون حلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین کو آسمانوں میں دیکھا۔ تو ضرور بالضرور وہ ان کی روحیں ہی تھیں اگر روح عرض والی ہوتی تو اپنی ذات کے ساتھ قائم نہ ہوتی یہاں تک کہ ہستی کی حالت میں اس کو نہ دیکھ سکتا اس لئے کہ اگر عرضی ہوتی تو اس کے وجود و ہستی کیلئے محل کی ضرورت ہوتی اور وہ محل جوہر ہوتا اور جواہر مرکب اور کثیف ہوتے ہیں پس معلوم ہوا کہ وہ لطیف اور جسم ہوگا۔ اور جب جسم ہوگا اس کا دیکھنا بھی جائز ہوگا۔ مگر دل کی آنکھ سے اور یہ بھی جائز ہوگا کہ پرندوں کے پوٹوں میں رہیں اور جائز ہوگا کہ لشکری ہوں اس لئے کہ لشکریوں کیلئے آمد و رفت ہوتی ہے اور ارواح کیلئے بھی آمد و رفت ہوتی ہے جیسا کہ احادیث اس پر ناطق ہیں چنانچہ فرمایا حق تعالیٰ نے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ

رَبِّیْ یعنی روح میرے پروردگار کا امر ہے، اب اس جگہ بیدینوں اور ملحدوں کا اختلاف باقی رہا۔ اسلئے کہ روح کو وہ قدیم کہتے ہیں۔ اور اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اور اشیاء کا فاعل اور ان کا مدبر بجز اس کے اور کسی کو نہیں جانتے۔ اور وہ روحوں کو معبود کہتے ہیں۔ اور ان کو ہمیشہ کیلئے مدبر مانتے ہیں اور ایک شخص سے دوسرے کی طرف بدلنے والا سمجھتے ہیں اور کسی شبیہ پر مخلوقات اتنی مبتلا نہیں کہ جتنی اس پر متفق ہے اسلئے کہ اسی شبیہ پر تمام نصاریٰ ہیں۔ ہر چند کہ مراد اس کے مخالف بیان کرتے ہیں۔ اور تبت اور چین۔ اور ماچین کے تمام ہندو اسی پر ہیں اور شیعوں اور قرامطہ اور باطنیوں کا اسی پر اجماع ہے اور وہ دو گروہ باطل بھی اسی کے قائل ہیں اور ہر گروہ ان سب سے جو ہم نے بیان کئے ہیں خاص کر اس قول کو زیادہ مقدم رکھتے ہیں۔ اور دلائل کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں۔ میں ان مقدمات سے کہتا ہوں کہ تم سب اس لفظ قدیم سے کیا مراد رکھتے ہو۔ محدث وجود میں مقدم، یا قدیم ہمیشہ۔ اگر کہو کہ اس قول سے مراد محدث متقدم فی الوجود ہے پس اصلی خلاف اٹھا اس لئے کہ ہم بھی روح کو محدث کہتے ہیں اور اس کے وجود کا تقدم ہے ہر شخص کے وجود پر اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِاَلْفَیْ اَلْفَ عَامٍ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ نے روحوں کو دو لاکھ برس جسموں سے پہلے پیدا فرمایا ہے اس کا حادث ہونا درست ہوا لامحالہ حادث حادث کے ساتھ حادث ہوتا ہے اور یہ خداوند کریم کی مخلوق سے ایک جنس ہوتی ہے جو کہ دوسری جنس سے ملتی ہے اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ ملنے سے خداوند تعالیٰ اپنی تقدیر سے زندگی عطا فرماتا ہے تو روح کو جسم سے ملنے کا حکم دیتا ہے جب روح جسم سے ملتی ہے تو اللہ پاک اپنی قدرت کاملہ سے اس میں زندگی عطا فرما دیتا ہے، مگر اس کا ایک شخص سے نکل کر دوسرے شخص میں جانا جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ ایک شخص کو دو حیاتیں جائز نہیں ہوتیں اور ایک روح کو دو شخص بھی روا نہیں ہوتے۔ اگر اخبار اس پر شہادت نہ دیتیں اور رسول علیہ السلام اپنی اخبار میں سچے نہ ہوتے تو از روئے عقل کے معقول روح زندگی کے بغیر کچھ اور نہ ہوتی۔ وہ عرض ثابت ہوتی نہ کہ عین، اور اگر کہو کہ ہماری مراد اس قول ہمیشہ کا قدیم ہونا ہے یعنی روح ہمیشہ سے قدیم ہے میں کہتا ہوں کہ اپنی ذات سے قائم ہے یا غیر سے اگر کہو کہ قدیم بالذات ہے میں کہتا ہوں

کہ وہ خداوند عالم ہے یا نہیں۔ اگر تم کہو کہ خداوند عالم نہیں ہے، تو دوسرا قدیم ثابت ہوگا۔ اور یہ بات معقول نہیں ہے اسلئے کہ قدیم محدود نہ ہوگا اور ایک کی ذات کا وجود دوسرے کی ضد ہوگا اور یہ محال ہوتا ہے اور اگر کہو کہ خداوند عالم ہے تو میں کہتا ہوں پس وہ قدیم ہے اور خلق محدث محال ہوگی۔ اسلئے کہ محدث کو قدیم سے ملاوٹ ہوگی یا اتحاد ہوگا اور یا حلول ہوگا۔ اور یا محدث کا مقام قدیم ہوگا اور یا قدیم اس کا اٹھانے والا ہوگا۔ اس لئے کہ جو چیز کسی چیز کے ساتھ ملتی ہے، مثل اس کے وصل ہوتی ہے، اور فصل سوا مجانست کے جائز نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ دوسرے کی جنس ہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ اگر تم کہو کہ اپنے ساتھ قائم نہیں ہے اور اس کا قیام غیر سے ہے تو وہ حال سے باہر نہ ہوگا۔ یا صفت ہوگا اور یا عرض۔ اگر عرض کہیں تو ضرور اس کیلئے محل ہونا چاہیئے۔ یا محل نہ ہونا چاہیئے۔ اگر محل میں کہیں تو محل اس کا اسکی مثل ہوگا اور نام قدامت کا ہر ایک سے باطل ہوگا اگر لامحل میں کہیں تو محال ہوگا جب عرض اپنے ساتھ قائم نہیں ہوتا تو وہ لامحل میں کس طرح سمجھا جا سکتا ہے اور اگر کہیں کہ قدیمی صفت ہے۔ جیسا کہ حلولی اور تناسخ والے کہتے ہیں اور اس صفت کو خدا کی صفت کہتے ہیں۔ یہ بھی محال ہوگا اس لئے کہ خدا کی قدیمی صفت خاص مخلوق کی صفت ہو جائیگی۔ اور اگر جائز ہو کہ اس کی حیات مخلوق کی صفت ہو جائے اور یہ بھی جائز نہ ہوگا اس لئے کہ اس کی قدرت مخلوق کی قدرت ہوگی۔ اور پھر صفت ساتھ موصوف کے قائم ہوگی پس کس طرح جائز ہوگا کہ خاص قدیمی صفت کیلئے موصوف محدث ہو پس لامحالہ قدیم کا ساتھ محدث کے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اور ملاحدہ کا قول اس میں باطل ہے اور روح پروردگار عالم کے حکم سے مخلوق ہے اور جو شخص اس کے سوا کچھ اور کہتا ہے وہ کھلم کھلا مکابرہ کرتا ہے اور وہ محدث کا قدیم سے فرق نہیں جانتا۔ اور جائز نہیں کہ ولی اپنی ولایت کی صحت میں خدا کے اوصاف سے جاہل ہو الحمد للہ کہ اللہ عزوجل نے ہم کو بدعتوں اور خطروں سے محفوظ رکھا ہے، اور عقل دی کہ ہم اس کے ساتھ استدلال اور نظر کریں اور ایمان دیا تاکہ اس کو پہچان لیں۔ وہ حمد کہ جس کی انتہا نہیں اس لئے کہ حمد متناہی نامتناہی نعمتوں کے مقابلہ میں مقبول نہیں ہوگی اور جب اہل ظاہر نے یہ بات صوفیوں سے سنی انہوں نے معلوم کیا کہ سب صوفیوں کا یہی مذہب اور اعتقاد ہے یہاں تک کہ بسبب بڑی غلطی اور نقصان واضح کے ان خبروں کے جال

سے محجوب ہوتے ہیں۔ اور خدا کی ولایت کا لطیفہ اور ربانی تجلیات ان پر پوشیدہ ہوتی ہیں اس
لئے کہ بزرگوں اور سرداروں کو خلعت کا رد کرنا ان کے قبول کے برابر ہوتا ہے اور ان کا قبول
کرنا رد کے برابر ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

فصل

اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک کہتا ہے الرُّوحُ فِي الْجَسَدِ كَالنَّارِ فِي الْحَطَبِ فَالنَّارُ
مَخْلُوقَةٌ وَالْفَحْمُ مَصْنُوعَةٌ یعنی جان بدن میں مثل آگ کے ہے لکڑی میں اور آگ مخلوق ہے اور
کوئلے مصنوع ہیں۔ اور قدم اللہ عزوجل کی ذات اور صفات کے سوا کسی چیز پر جائز نہیں ہے اور
مشائخ رضی اللہ عنہم سے ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ کی ارواح میں بہت کلام ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ الارواح
فی عشرۃ مقامات یعنی جانیں دس مقام پر ہوتی ہیں۔ پہلے مقام تاریکی کا ہے کہ جس میں مفسدہ
بدنفسوں کی جانیں قید کی ہوتی ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور دوسرے
مقام پارساؤں کا ہے جو آسمان دنیا میں ہے اپنے اچھے اعمال سے خوش رہتے ہیں اور فرمانبرداری
کے ساتھ خوش ہو کر اس کی قوت کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور تیسرے مریدوں کی جانیں کہ جن کا مقام
چوتھا آسمان ہے، اپنے اعمال کے سایہ اور صدق کی لذتوں میں فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔
اور چوتھے صاحبان احسان کی جانیں کہ جن کی قندیلیں عرش کے نیچے لٹکی ہوتی ہیں۔ اور
ان کی غذا رحمت ہے اور ان کا شربت لطف اور قرب ہے، اور پانچویں اہل وفا کی جانیں ہیں کہ جو
صفا کے حجاب اور اصطفا کے مقام میں خوشی مناتے پھرتے ہیں۔ اور چھٹے شہیدوں کی جانیں
ہیں کہ جو پرندوں کے پوٹوں میں بہشت کے باغوں میں جہاں ان کا جی چاہتا ہے کا سیر
کرتے رہتے ہیں۔ ساتویں مشتاقوں کی جانیں ہیں کہ جو نوری صفت پردوں میں ادب کی بساط
پر قیام کئے ہوئے ہیں۔ آٹھویں عارفوں کی جانیں ہیں کہ جو قدس کی کوٹھڑی میں صبح و شام
خدا کی باتیں سنتے رہتے ہیں اور اپنے مکانوں میں دنیا اور آخرت میں دیکھتے رہتے ہیں۔ نویں
دوستوں کی جانیں ہیں کہ جو جمال کے مشاہدہ اور کشف کے مقام میں غرق شدہ ہیں۔ اور اس
کے سوا کسی کو نہیں جانتے اور اس کے سوا کسی چیز کے ساتھ آرام نہیں پاتے۔ دسویں درویشوں

کی جاتی ہیں کہ جو فنا کے محل میں متقرب ہو رہی ہیں۔ اور ان کے اوصاف مبدل اور ان کے احوال متغیر شدہ ہیں۔ اور مشائخ سے بیان کرتے ہیں کہ انہیں سے ہر ایک نے ان کو علیحدہ صورت میں دیکھا ہے اور یہ روا ہوگا اس لئے کہ ہم نے کہا ہے کہ روح موجود ہے اور اسکے لئے جسم لطیف چاہیے تاکہ دیکھنے کے قابل ہو جب خداوند تعالیٰ چاہتا ہے بندہ کو دکھاتا ہے جسطرح چاہتا ہے۔

اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں۔ کہ میری تمام زندگی خداوند کریم کے ساتھ ہے اور ہمارا قیام اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ اور ہمارا زندہ رہنا فعل حق ہے ہم اس کے پیدا کرنے سے زندہ ہیں۔ اس کی ذات اور صفات سے نہیں۔ اور روحیوں کا قول سب باطل ہے اور مخلوقات میں بڑی گمراہی ایک یہ ہے کہ روح کو قدیم کہتے ہیں ہر چند کہ عبارت بدلدی گئی ہے مگر اسی کو ایک گروہ نفس اور ہیولیٰ سے تعبیر کرتا ہے اور ایک گروہ نور اور ظلمت سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اس طریقہ کے مبطل لوگ فنا اور بقا کہتے ہیں اور یا جمع اور تفرقہ اور یا مانند اس کے کوئی اور عبارت گھڑ لیتے ہیں۔ اور اپنے کفر پر تحسین اور آفرین کرتے ہیں۔ اور صوفی لوگ ان سے بیزار ہیں اسلئے کہ خدا کی محبت کی حقیقت اور ولایت کا ثبوت اس کی معرفت کے سوا درست نہیں آتا۔ اور جب کوئی شخص قدیم کو محدث سے نہ پہچان سکے وہ جو کچھ بھی کہے گا اپنے کہنے میں جاہل ہوگا۔ اور عقلا جاہلوں کی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اب وہ جو مقصود ان دو گروہ باطل کا تھا ان دو بابوں میں آگیا اگر اس سے زیادہ کی ضرورت ہو تو دوسری کتابوں میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس جگہ مراد کتاب طویل کرنے کی نہیں ہے اب میں حجابوں کا کشف اور معاملات کے ابواب اور اہل تصوف کی تحقیقیں ظاہری دلائل کیساتھ اس کتاب میں بیان کرونگا تاکہ مقصود راستہ جاننے کا تجھ پر بہت آسان ہو جائے اور منکروں میں جو کہ اہل بصیرت ہوں اس کے ساتھ راہ پر آجائیں اور اس وجہ سے مجھے ثواب اور دعا حاصل ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کشف حجاب پہلے کا خدا تعالیٰ کی معرفت میں

خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر کی جتنا کہ اسکی قدر کا حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَوْ عَرَفْتُمُ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ

لَمَشَیْتُمْ عَلَی الْبُحُوْرِ وَلَزَالَتْ بِدُعَائِکُمُ الْجِبَالُ یعنی اگر تم اللہ تبارک و تعالیٰ کو پہچانتے جیسا کہ حق اسکے پہچاننے کا ہے تو چلتے تم دریاؤں پر اور ضرور تمہاری دعاؤں سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جاتے پس معرفت اللہ عزوجل کی دو قسم پر ہے۔ ایک علمی اور دوسری حالی، اور معرفت علمی دنیا اور آخرت کی سب نیکیوں کا قاعدہ ہے اور بندے کیلئے تمام حالات و اوقات میں سب کاموں سے زیادہ مشکل خداوند تعالیٰ کی پہچان ہے، اور خداوند جل و علا نے فرمایا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ای لِیَعْرِفُوْنِ یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو معرفت کے سوا اور کسی کام کے لئے نہیں پیدا کیا۔ مگر اکثر خلقت اس سے روگردان ہے۔ سوا ان لوگوں کے کہ جنہیں اللہ عزوجل نے برگزیدہ کیا ہے، اور دنیا کی تاریکیوں سے انہیں خلاصی دی ہے اور ان کے دلوں کو اپنی ذات کیلئے زندہ کیا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے عمر بن الخطاب کے ذکر سے ہم کو خبر دی ہے اور فرمایا۔ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا یعنی ابوجہل علیہ اللعنۃ ہے۔ یعنی بنایا ہم نے نور جس میں وہ چلتا ہے یعنی وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ ہیں۔ کیا مانند اس کے ہے جس کی مثل اندھیروں میں ہے وہ اس سے نکلنے والا نہیں ہے یعنی وہ ابوجہل ہے خدا کی اس پر لعنت ہو پس معرفت دل کی زندگی ہوتی ہے۔ یعنی اس کا دل خدا سے زندہ ہوتا ہے اور ماسوا ذات الٰہی کے سب سے روگردان ہوتا ہے۔ اور اندازہ اور قیمت ہر شخص کی بقدرِ معرفت ہوتی ہے، اور جس کسی کو معرفت نہ ہو گی وہ بے قیمت ہو گا پس علماء اور فقہا . . . . خداوند کریم کے علم کی صحت کو معرفت کہتے ہیں۔ اور اس طائفہ کے مشائخ خداوند کریم سے صحیح حال رکھنے کو معرفت کہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ معرفت کو علم سے زیادہ فضیلت والا کہتے ہیں۔ اس لئے کہ حال کی صحت علم کی صحت کے سوا نہ ہو گی اور علم کی صحت حال کی صحت نہ ہو گی یعنی جو شخص خداوند کریم کے ساتھ عالم نہ ہو گا وہ اس کا عارف بھی نہ ہو گا اور وہ لوگ کہ جو اس معنی سے ان دونوں گروہوں سے جاہل ہوتے ہیں۔ وہ آپس میں بیفائدہ بحثیں کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ گروہ اس گروہ کا انکار کرتا ہے اور یہ گروہ اس کا۔ اور اب میں اس مسئلہ کے بھید کو کھولتا ہوں۔ تاکہ دونوں گروہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل

جان تو کہ اللہ عزوجل تجھے نیک بخت کرے کہ لوگوں کو خداوند کریم کی معرفت اور اس کے علم
کی صحت میں بہت اختلاف ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ اس کی معرفت عقلی ہے اور بجز عقلمند کے
اس کی معرفت کوئی حاصل نہیں کرتا۔ اور یہ قول باطل ہے اس لئے کہ وہ دیوانے کہ جو دار اسلام
میں ہیں ان کو حکم معرفت کا حکم ہے اور ... وہ بچے کہ جو عقلمند نہ ہوں ان کا حکم ایمان کا حکم
ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر حکم معرفت کا عقلی ہوتا تو جنہیں عقل نہیں ہے ان پر معرفت کا حکم نہ ہوتا
اور وہ کافر جو عقل رکھتے ہیں انہیں کافر نہ کہا جاتا بلکہ مومن یا عارف کے لفظ سے یاد کیا جاتا اگر معرفت
کا حکم عقلی ہوتا تو ہر عاقل کو عارف کہنا چاہئے تھا۔ اور تمام بے عقلوں کو جاہل اور ... حالانکہ یہ بات
اور ایک گروہ کہتا ہے کہ خدا کی معرفت کی علت استدلال ہے اور بجز مستدل کے کوئی نہیں پہچانتا
کہ اپنے آپ کو عارف کہے۔ اور یہ قول ابلیس کی مثال سے باطل ہے کیونکہ اس نے بہت سے نشان
دیکھے تھے جیسے بہشت دوزخ عرش کرسی اور ان سب کا دیکھنا اس کیلئے معرفت کی علت نہ ہوا
اللہ عزوجل نے فرمایا۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ
كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ یعنی اگر ہم فرشتوں کو کافروں کی طرف
بھیجتے یہاں تک کہ وہ ان سے باتیں بھی کر لیتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرتے اور ہر چیز کو
سامنے ان کے کلام میں لاتے وہ پھر بھی کبھی ایمان نہ لاتے جب تک کہ خداوند کریم نہ چاہتا اور اگر اشیاء
کی رویت اور ان کا استدلال معرفت کی علت ہوتا ... تو خداوند تعالیٰ معرفت کی علت ان کو
گردانتا نہ کہ اپنی مشیت کو اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک عقل کی صحت اور اس کی آیتوں کی رویت
معرفت کا سبب ہے نہ کہ معرفت کی علت۔ تو خوب جان لے کہ معرفت کی علت خداوند کریم
کی مشیت اور عنایت کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اللہ عزوجل کی عنایت کے بغیر عقل اندھی
ہوتی ہے، اسلئے کہ عقل اپنے آپ سے جاہل ہے اور عقلمندوں سے کسی عقلمند نے اپنی حقیقت
کی شناخت نہیں کی جب وہ اپنے آپ سے جاہل ہے تب غیر کو کس طرح شناخت کر سکتی ہے اور
جب تک حق جل وعلا کا فضل نہ ہو قدرت کا نشان دیکھنے کیلئے دلیل کا خواہاں ہوتا ہے اور غور و فکر

کرنا خطا ہوتی ہے اس لیئے کہ اہل ہوا اور ملحدوں کے گروہ سب استدلال کرنیوالے ہوتے ہیں۔
لیکن اکثر عارف نہیں ہوتے اور پھر وہ شخص کہ جو اہل عنایت سے ہے اس کی تمام حرکتیں معرفت کی علامت ہیں اور اس کے استدلال کی طلب اور استدلال کی ترک تسلیم اور معرفت کی صحت میں تسلیم طلب سے بہتر نہیں ہوتی اس لئے کہ طلب اصل ہے جس کا ترک روا نہیں اور تسلیم اصلی ہے اس لیئے کہ اس میں اضطراب کو دخل نہیں اور ان دونوں کی حقیقت معرفت نہیں اور درحقیقت بندہ کی راہنمائی اور دلکشائی بجز خداوند کریم کے نہیں ہے اور عقل کے وجود اور دلائل کیلئے امکان ہدایت کا نہیں ہے اور اس سے دلیل واضح تر نہ ہوگی اسلئے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ یعنی اگر کافر قیامت سے دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تو پھر بھی اسی چیز کی طرف لوٹیں گے کہ جس سے انہیں منع کیا گیا ہے جیسا کہ امیرالمؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معرفت کے متعلق لوگوں نے پوچھا تو آپ نے جواب دیا عَرَفْتُ اللّٰهَ بِاللّٰهِ وَعَرَفْتُ مَا دُوْنَ اللّٰهِ بِنُوْرِهٖ یعنی اللہ عزوجل کو تم نے اللہ عزوجل سے پہچانا اور خداوند کریم کے ماسوا کو بھی خدا کے نور سے پہچانا۔
پس خداوند تعالیٰ نے بدن کو پیدا فرمایا اور اس کی زندگی جان کے حوالے کی اور دل کو پیدا کیا اور اس کی زندگی اپنے حوالے کی پس جب عقل اور نشان کو بدن کے زندہ کرنے کی قدرت نہیں ہوتی تو محال ہوگا کہ وہ دل کو زندہ کرے جیسا کہ فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ کیا جو شخص مردہ ہے پس ہم نے اس کو زندہ کیا۔ اس میں حیات کا حوالہ اپنی طرف کیا۔ پھر فرمایا۔ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ یعنی ہم نے بنایا اس کیلئے نور کو جو لوگوں میں ساتھ اس کے چلتا ہے یعنی اس نور کا پیدا کرنے والا میں ہی ہوں کہ جس میں مومنوں کیلئے روشنی ہے اور نیز فرمایا۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کیا پس جس شخص کا کھول دیا اللہ نے اس کے سینہ کو واسطے اسلام کے پس وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے، دل کے کھلنے کو اپنے حوالہ کیا اور دل کے باندھنے کو بھی اپنے ہی حوالے کیا اور فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ یعنی مہر لگائی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر اور نیز فرمایا۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا یعنی نہ فرمانبرداری کر تو اس شخص کی کہ غافل کیا ہم نے اس کے دل کو اپنی یاد سے پس جب قبض اور بسط اور شرح اور ختم دل کا اس کے ساتھ ہے، تو یہ محال

ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو راہنما نہ جانیں اسلئے کہ جو کچھ ماسوا اللہ کے ہے سب علت اور سبب ہے، اور ہرگز علت اور سبب بے علت مسبب کے راہ نہیں دکھلا سکتا اس لئے کہ حجاب راہزن ہے نہ کہ راہبر اور خدا تعالیٰ نے بھی فرمایا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الخ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایمان کو پسند فرمایا اور زینت دی اس کو تمہارے دلوں میں۔ دیکھو اس آیت میں تزئین اور تحبیب کی نسبت حق جل وعلا نے اپنی طرف فرمائی۔ اور الزام اور تقویٰ جو عین معرفت ہے اسی سے ہے، اور ملزم کو اپنے الزام میں اختیار دفع کرنے اور کھینچنے کا نہیں پس تعریف خدا کے بغیر مخلوق کا نصیب خدا کی معرفت سے بجز عاجزی کے نہ ہوگا۔ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتا ہے لَا دَلِيْلَ عَلَى اللّٰهِ سِوَاهُ اِنَّمَا الْعِلْمُ يُطْلَبُ لِاٰدَابِ الْخِدْمَةِ سوا اس کے دلوں کا کوئی راہنما نہیں ہے کہ جس سے اس کی معرفت حاصل ہو علم آداب خدمت کیلئے طلب کرتے ہیں۔ نہ معرفت کی صحت کیلئے اور مخلوقات سے کسی کو طاقت نہیں ہے کہ جو کسی کو خدا تک پہنچا دے ابوطالب سے بڑھ کر کوئی استدلال لانے والا نہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی بزرگ نہیں جب ابوطالب پر حکم کا جاری ہونا بدبختی پر تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی نے اس کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا استدلال کا پہلا درجہ حق جل علا سے منہ موڑنا ہے اسلئے کہ دلیل طلب کرنیکے معنے غیر میں غور و فکر کرنا ہے اور معرفت کی حقیقت غیر سے منہ موڑنا ہے اور عادت میں سب مطلوبات کا وجود استدلال سے ہوتا ہے اور اس کی معرفت برخلاف عادت ہے پس جب اس کی معرفت عقل کی دوامی حیرت کے سوا نہیں ہے اور اس کی عنایت کا حصول بندہ کے کسب سے نہیں ہے، کیونکہ مخلوق کے کسب کو اس میں دخل نہیں ہے، اور بجز اس کے خاص بندہ کے پاس کوئی دلیل نہیں ـــ اور وہ دلوں کا فتح کرنے والا اور غیبی خزانوں والا ہے، اس لئے کہ اس کے ماسوا جو کچھ ہے سب محدث ہے اور روا ہے کہ محدث اپنے مثل کو پہنچے۔ اور جائز نہیں کہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہنچے کہ باوجود پیدا کنندہ کے اس کا کسب کنندہ ہو۔ اور وہ جو کسی کے تحت نہیں آیا اس پر سب کا کسب غالب ہوتا ہے، اور حاصل کیا ہوا مغلوب پس کرامت یہ نہیں ہوتی کہ عقل فعل کی راہنمائی کے ساتھ فاعل کی ہستی کو ثابت کرے، بلکہ کرامت یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا

سبحانہٗ و تعالیٰ کی توفیق سے اپنی ہستی کی نفی کرے۔ اس ایک کو معرفت قالی حاصل ہوتی ہے اور اس
دوسرے کو معرفت حالی ملتی ہے، اور وہ چیز کہ ایک گروہ اس کو معرفت کی علت جانتا ہے، وہ
عقل ہے۔ خوب غور سے دیکھو کہ وہ دل میں عین معرفت سے کیا چیز ثابت کرتا ہے، اور جو
کچھ عقل ثابت کرتی ہے پس معرفت اس کی نفی کا اقتضا کرتی ہے یعنی وہ جو دل میں عقل کی دلالت
سے صورت پیدا ہوتی ہے کہ خدا ہے حقیقت میں وہ اس کے مخالف ہے، اور اگر اس کے
برخلاف کوئی چیز دوسری صورت پکڑے تو وہ اس کے بھی خلاف ہے پس یہاں کس جگہ عقل
کو کیا طاقت کہ وہ اپنے استدلال سے معرفت حاصل کر لے۔ اس لئے کہ عقل اور وہم دونوں
ایک ہی جنس سے ہیں اور جہاں جنس ثابت ہوئی معرفت کی نفی ہوئی پس عقل کے استدلال سے
ثابت کرنا تشبیہ ہوتا ہے اور اس کی نفی تعطیل ہے۔ اور اس کی گنجائش ان دو اصل کے سوا نہیں
ہے اور یہ دونوں باتیں فکر اور معرفت میں ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ مشبہ اور معطلہ موحد نہیں ہوتا پس
جب عقل اپنے مقدار کے موافق چلی اور جو کچھ اس سے آتا ہے خود تمام اس کا ہوتا ہے۔ اور
دوستوں کے دل کو سوا تحیر کے چارہ نہیں ہوتا اور عاجزی کی درگاہ پر بغیر ذریعہ کے آرام پاتے ہیں
اور اپنے آرام میں بے آرام ہوتے ہیں۔ اور ہاتھ عاجزی کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور اپنے دلوں
کیلئے مرہم ڈھونڈتے ہیں۔ اور ان کی راہ ان کی قدرت اور طلب کی قسموں سے چھپی ہوتی تھی۔
خدا کی قدرت ان کی قدرت ہوئی یعنی اس کی طرف سے ہی اس کو راستہ ملا اور غیبت کی تکلیف
سے انہوں نے آرام پایا۔ اور ہنر محبت کے روضہ اور روح اور سرور میں انہوں نے جگہ پائی۔
جب عقل نے دلوں کی مراد پوری ... ہوتی دیکھی تو اپنا تصرف پورا کیا اور دریافت کرنے میں رہ
گیا جب رہ گیا متحیر ہوا جب متحیر ہوا معزول ہوا جب معزول ہوا تو خداوند کریم نے خدمت کا
لباس اس کو پہنایا اور فرمایا کہ جب تو بسبب اپنے تصرف اور آلہ کے اپنے آپ میں ہوگا تو
محجوب ہوگا اور جب آلاتِ تصرف فانی ہوئے۔ تو رہ گیا جب تو رہ گیا تو پہنچا پس دل کے حصہ
میں قربت آئی۔ اور عقل کی خدمت اور معرفت خود معرفت ہوئی پس خداوند کریم نے اپنی
تعریف اور شناخت سے شناسا کیا۔ تاکہ اس کو اس سے شناخت کر لے نہ وہ شناخت کرنی
کہ جو آلہ سے ملی ہوتی ہو۔ بلکہ یہ شناخت جس کا وجود اس میں عاریت تھا کیونکہ عارف کو ہر وجہ

سے انانیت خیانت ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کا ذکر بغیر نسیان کے ہوا اور اس کا معاملہ بے
قصور اس کی معرفت حالی ہوتی نہ کہ مقالی ہوتی۔ اور ایک گروہ نے یہ بھی کہا ہے، کہ اس کی معرفت
الہامی ہے اور یہ بھی محال ہے، اس لئے کہ معرفت کیلئے دلیل باطل اور حق ہے، اور ملہموں کیلئے
خطا اور صواب پر دلیل نہ چاہیئے کیونکہ ایک کہتا ہے کہ میرے الہام میں خداوند کریم امکان میں ہے،
اور ایک کہتا ہے کہ میرے علم میں لامکان ہے، لامحالہ یہ دونوں دعوے متضاد ہیں اور حق ایک ہی
کے پاس ہوگا اور دونوں شخص الہام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو ضروری دلیل ہونی چاہیئے تاکہ ان
دونوں مدعیوں کے دعویٰ میں حق و باطل کی تمیز ہو سکے پھر دلیل سے جانے جائیں گے اور الہام
کا بطلان ہو جائیگا۔ اور یہ قول براہمنوں اور الہامیوں کا ہے۔ اور اس زمانہ میں میں نے ایک قوم
دیکھی ہے جو کہ اس میں بہت غلو کرتے ہیں۔ اور اپنے حال کی نسبت نیکبخت مردوں کے طریق پر
رکھتے ہیں مگر سب گمراہی اور ضلالت میں ہیں۔ اور ان کا قول سب عقلمندوں کے مخالف ہے،
چاہے وہ کافر ہوں یا مسلمان اسلئے کہ دس مدعیان الہام کو ایک ہی بات کے متعلق دس الہام یا
مخالف و متضاد ہوتے ہیں وہ سب باطل پر ہوتے ہیں اور کوئی شخص ان میں سے حق پر نہیں ہوتا
اور اگر کہیں کہ وہ جو خلاف شرع ہوتا ہے وہ حق پر نہیں ہوتا اور اس کا الہام خدا کی طرف سے نہ
سمجھا جائیگا۔ میں کہتا ہوں کہ تو اصل میں مخطی ہے اور غلطی پر ہے کیونکہ تو شریعت کو الہام کے قیاس
سے اختیار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ الہام کا ثبوت اس کے ساتھ ہے پس معرفت شرعی ثبوتی
اور ہدایتی چیز ہوگی نہ کہ الہامی اور الہام معرفت میں ہر وجہ سے باطل ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ
خدا کی معرفت بدیہی ہے اور یہ بھی محال ہے اس لئے کہ جس چیز میں بندہ کا علم بدیہی ہو چاہیئے
کہ تمام عقلمند اس میں شریک ہوں اور جب میں دیکھتا ہوں کہ عقلمندوں کا ایک گروہ اس کا انکار
کرتا ہے، اور تشبیہ اور تعطیل کو جائز قرار دیتا ہے، تو اس کا بدیہی ہونا صحیح ثابت نہ ہوا۔ اور نیز
اگر معرفت حق جل و علا کی بدیہی ہوتی اس کے ساتھ تکلیف درست نہ آتی اس لئے کہ جس چیز
کا علم بدیہی ہو اس کی شناخت کی تکلیف دینی محال ہوتی ہے جیسا کہ اپنی آپ کی معرفت اور آسمان
اور زمین اور دن اور رات اور درد اور لذت وغیرہم کی معرفت اسلئے کہ عقلمند کو ان کے وجود میں
ایسا شبہ نہیں پڑ سکتا۔ کہ جن میں مضطر اور بیقرار ہو۔ اور اگر اس کو پہچاننا نہ چاہے تو نہ پہچان سکے مگر صوفیوں

کا ایک گروہ کہ جو اپنے یقین کی صحت پر توجہ رکھتے ہیں۔ کہ ہم اس کو ضروری پہچانتے ہیں اس واسطے کہ دل میں کسی قسم کا شک نہیں پاتے اور انہوں نے یقینی کا نام بدیہی رکھا ہے اس معنی میں مستحق ثواب ہیں۔ مگر عبارت میں مخطی ہیں اس لئے کہ بدیہی علم میں صحیح کی تخصیص جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ تمام عقلمند ایک جیسے ہیں۔ اور نیز بدیہی علم وہ ہوتا ہے کہ جو دوستوں کے دل میں بغیر سبب اور دلیل کے ظہور پکڑتا ہے اور خداوند کریم اور اس کی معرفت کا جاننا ضروری ہے، لیکن استاد ابو علی دقاق اور شیخ ابو سہل صعلوکی اور ان کا باپ ابو سہل کہ جو رئیس اور امام نیشاپور کے تھے۔ اس امر پر ہیں۔ کہ ابتدا میں معرفت نظری اور استدلالی چیز ہے اور آخر میں بدیہی ہو جاتی ہے اور اہلسنت والجماعت کے ایک قول میں بھی ایسا ہی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا۔ کہ بہشت میں خداوند کریم کا علم بدیہی ہے اور جب اس کا بدیہی ہونا وہاں پر جائز ہے تو یہاں پر اس کا بدیہی ہونا لازمی ہے، اور نیز اس جگہ بھی خدا کے پیغمبر صلوات اللہ علیہم اجمعین جب خداوند کریم سے بیواسطہ کلام سنتے ہیں۔ تو ان کے نزدیک خدا کی معرفت بدیہی ہوتی۔ اور ایسا ہی حال ہے جب کہ فرشتہ کے واسطے یا وحی کے ذریعہ سے سنیں، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بہشتی بہشت میں اس کو بدیہی پہچانتے ہیں۔ کیونکہ بہشت تکلیف کا مکان نہیں، اور پیغمبر مامون العاقبۃ اور مفارقت سے بےخوف ہیں۔ اور جو کوئی بھی اس کو بدیہی طور سے شناخت کر لیتا ہے اس کو خوف اور قطعیت نہ ہوگی اور ایمان اور معرفت کی بزرگی اس امر پر ہے، کہ وہ غیب ہے جب عین ہوگا ایمان خبر ہو جائیگا۔ اور اس کے عین میں جو اختیار ہے اٹھ جائیگا۔ اور شریعت کا اصول مضطرب ہوگا اور ردت کا حکم باطل ہو جائے گا۔ اور تکفیر کا فتویٰ بلعم اور ابلیس اور برصیصا پر درست نہ آئیگا۔ کیونکہ وہ بالاتفاق عارف ہوئے ہیں جیسا کہ ابلیس کی حالت سے ہم کو خبر دی اور اس کے مردود ہونے اور سنگسار ہونے سے بھی خبر دی اس لئے کہ اس نے کہا۔ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ یعنی تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔ اور حقیقت میں کلام کرنا اور جواب سننا معرفت کا متقاضی ہے اور عارف جب تک عارف ہوتا ہے قطعیت سے بےخوف رہتا ہے، اور قطعیت معرفت کے زوال سے حاصل ہوتی ہے، اور علم کا زوال بدیہیت کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ اور یہ مسئلہ مخلوق میں پر آفت ہے، اور شرط یہ ہے کہ تو اس قدر جان لے تاکہ تو آفت سے بچ جائے، اس لئے کہ

خداوند کریم کی معرفت کا علم اس کی ہدایت اور توفیق کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا لیکن جائز ہے کہ بندہ کا یقین معرفت میں کبھی زیادہ . . . . اور کبھی کم مگر اصل معرفت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی زیادتی میں نقصان ہوتا ہے اور نقصان میں نقصان ہوتا ہے، اور خداوند تعالیٰ کی معرفت وشناخت میں تقلید نہ کرنی چاہیئے۔ اور اس کو کامل صفتوں سے پہچاننا چاہیئے۔ اور یہ بات بھی خدا کی عنایت اور حسنِ رعایت کے سوا درست وصحیح نہیں آتی۔ اور دلیلیں اور عقلیں سب خدا کے تصرّف میں ہیں اگر وہ چاہے تو ایک فعل کو اپنے افعال سے اس کے لئے موجبِ ہدایت بنا دے اور اگر چاہے تو اسی فعل کو اس کیلئے اس کے حجاب کا موجب بنا دے، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک قوم کے لئے خدا کی معرفت کی دلیل ہوتے اور دوسری قوم کیلئے حجاب ہوئے یہاں تک کہ ایک گروہ نے اُن کو خدا کا بندہ کہا اور ایک گروہ نے خدا کا بیٹا کہا اور ایسے ہی ایک گروہ نے چاند اور سورج سے خدا کی معرفت حاصل کی اور ایک گروہ نے انہیں اپنا معبود بنا لیا اور اگر دلیل معرفت کی علت ہوتی تو جو شخص مستدل ہوتا اس کیلئے عارف ہونا ضروری و لازمی ہوتا اور یہ ظاہری مکابرہ ہے پس خداوند تعالیٰ ایک کو برگزیدہ فرماتا ہے اور ان کیلئے تمام جہان کو دلیل گردانتا ہے یہاں تک کہ اس کے سبب خدا تک پہنچ جاتا ہے اور اس کو جان لیتا ہے پس دلیل اس کے لئے سبب آئی نہ کہ علت اور سبب سبب سے مسبب کے حق میں بہتر نہیں ہوتا اور مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ معرفت کا ثبوت عارف کو زنّار سے مل جاتا ہے اور غیر معرفت کی طرف توجہ کرنا شرک ہو جاتا ہے وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ یعنی جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ جب لوح محفوظ میں نہیں بلکہ خدا کی مرادوں میں کسی شخص کے نصیب میں شقاوت ہو دلیل اور استدلال اس کو کس طرح ہادی بن سکتا ہے۔ مَنِ الْتَفَتَ اِلَی الْاَغْیَارِ فَمَعْرِفَتُہٗ زُنَّارٌ یعنی جو شخص غیر کی طرف توجہ کرتا ہے ۔ معرفت اس کی زنّار ہے یعنی جو شخص خداوند تعالیٰ کے قہر میں مستغرق اور متلاشی ہے کس طرح اس کے گریبان میں کوئی چیز بدون حق کے آسکتی ہے جب ابراہیم علیہ السلام غار سے باہر آئے دن میں کچھ نہ دیکھا حالانکہ دن میں عجائب بہت زیادہ اور دلائل عجیب تر تھے جب رات آئی دلّای گوز کیا انہوں نے تاروں کو دیکھا اگر اس کی معرفت کی علت دلیل ہوتی دلائل دن میں بہت سے ظاہر ہوتے

اور عجائب واضح ہوتے ہیں خداوند کریم جس طرح چاہتا ہے بندہ کو اپنی راہ دکھلاتا ہے اور معرفت کا دروازہ اس پر کشادہ کرتا ہے، یہاں تک کہ عین معرفت میں اس درجہ پر پہنچتا ہے کہ عین معرفت اس کو غیر نظر آتی ہے، اور معرفت اس کی صفت ہو جاتی ہے، اور بسبب معرفت کے ذی معرفت سے محجوب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا معرفت کی تحقیق پاس درجہ پر پہنچ جاتی ہے جو اس کی معرفت اس کا دعویٰ ہو جاتی ہے، اور ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اِیَّاکَ اَنْ لَّا تَکُوْنَ بِالْمَعْرِفَۃِ مُدَّعِیًا یعنی تیرے لئے لازمی ہے کہ تو معرفت کا دعویٰ نہ کرے" شعر" یَدَّعِی الْعَارِفُوْنَ مَعْرِفَتَہٗ + اَقْرَرْتُ بِالْجَہْلِ ذٰلِکَ مَعْرِفَتِیْ "یعنی عارف لوگ اپنی معرفت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور میں اس معرفت سے اپنی جہالت کا اقرار کرتا ہوں" یعنی تجھ پر لازم ہے کہ تو معرفت کا دعویٰ نہ کرے اس لئے کہ اس میں تو ہلاک ہوگا۔ اس کے معنی کے ساتھ تعلق کرتا کہ تیری نجات ہو پس جو کوئی خدا کے کشف پر اور اس کے جلال پر محکم ہوتا ہے اس کی ہستی اس کی وبال ہو جاتی ہے، اور اس کی صفتیں سب اس کی آفت گاہ ہو جاتی ہے۔ اور جو حق کی طرف ہو اور حق اس کی طرف ہو اس کی کوئی چیز نہیں ہوتی کہ دونوں جہان میں اس کی نسبت اسی چیز کے ساتھ درست وصحیح ہو۔ اور معرفت کی حقیقت خدا کے ملک کا جاننا ہے جب کوئی شخص اس کے تصرف میں کل ملک کو جانے اس کو مخلوق سے کیا کام رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھ یا مخلوق سے محجوب ہو اس کا تمام حجاب بسبب جہالت کے ہوتا ہے جب جہل فانی ہوگا حجاب کھل جائے گا اور دنیا بمنزلہ آخرت کے ہو گی۔

فصل

مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس معنی میں بہت رمزیں ہیں بطور حصول فائدہ ان کے بعض مقولے مشیت ایزدی سے لاؤں گا۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ اَلْمَعْرِفَۃُ اَنْ لَّا تَتَعَجَّبَ مِنْ شَیْءٍ۔ معرفت یہ ہوتی ہے کہ کسی شی سے تعجب نہ آئے اسلئے کہ تعجب اس فعل سے کرنا چاہیئے کہ کوئی شخص اپنے مقدور سے زیادہ کرے جب خدا قادر کریم کمال پر ہے عارف کو اس کے افعال پر تعجب کرنا محال ہوگا۔ اور اگر تعجب صورت پکڑتا تو اس مشت خاک کا اس درجہ تک پہنچنا،

ضروری ہوتا کہ وہ صاحب فرمان ہو جاتا اور قطرۂ خون کا اس درجہ تک پہنچنا ضروری ہوتا کہ دوست کا کلام اور اس کی معرفت اختیار کرتا اور اس کی جستجو کی طلب اور اس کے وصل اور قربت کا قصد رکھتا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں حَقِیْقَۃُ الْمَعْرِفَۃِ اِطِّلَاعُ الْحَقِّ عَلَی الْاَسْرَارِ بِمُوَاصِلَۃِ لَطَائِفِ الْاَنْوَارِ معرفت کی حقیقت خدا کے اسرار پر اطلاع پانا ہے اس لئے کہ معرفت کے انوار کے لطیفے اس کے ساتھ ملتے ہیں یعنی جب تک حق تعالیٰ اپنی عنایت کے ساتھ بندہ کے دل کو عقل کے نور کے ساتھ آراستہ نہ کرے اور تمام آفتوں سے اس کو محفوظ نہ رکھے وہ سب آفتوں کے قریب ہوتا ہے جب تک سب موجودات اور مثبتات کو اس کے دل میں رائی کے وزن سے بھی کم حقیقت للانہ دکھائی دے باطنی اور ظاہری اسرار کے مشاہدے اس پر غلبہ نہیں کرتے اور جب یہ کیا تو سب معاملہ مشاہدہ ہو جاتا ہے اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلْمَعْرِفَۃُ دَوَامُ الْحَیْرَۃِ یعنی معرفت دوامی حیرت ہے اور حیرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہستی میں اور دوسری کیفیت میں اور حیرت ہستی میں کفر اور شرک ہوتی ہے، اور حیرت کیفیت میں معرفت ہے اس لئے کہ اس کی ہستی میں عارف شک پذیر نہیں ہو سکتا اور اس کی کیفیت میں عقل کی کوئی گنجائش نہیں پس اس جگہ حق تعالیٰ کے وجود میں حق رہا اور اس کی کیفیت میں حیرت رہی اور یہی وجہ سے ہے وہ مقولہ جو کسی نے کہا ہے، یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا۔ اے متحیرین کے راہنما ہماری حیرت کو زیادہ فرما پہلے اس کے اوصاف کمال اور وجود کی معرفت ثابت کی اور بتلایا کہ وہی مخلوق کا مقصود ہے اور نیز دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے، اور متحیروں کو حیرت اس کے ماسوا نہیں ہے پھر حیرت کی زیادتی کی درخواست کی اور جان لیا کہ مطلوب میں عقل کو حیرت اور سرگردانی کے سوا کوئی دخل اور شرکت نہیں۔ اور یہ معنی بہت عمدہ ہیں۔ اور نیز احتمال ہو سکتا ہے کہ اپنی ہستی کی معرفت اپنا تقاضا کرتی ہے اسلئے کہ بندہ جب خدا کی شناخت کرتا ہے تب تمام اپنے آپ کو اس کے قہر میں دیکھتا ہے جبکہ اس کا وجود اور عدم اس سے ہوتا ہے سکون اور حرکت اس کی قدرت میں متحیر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب کل کا قیام اس کے ساتھ ہے تو میں خود کون ہوں اور کیا ہوں اور انہی معنوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ یعنی جس نے اپنے آپ کو فنا کے ساتھ پہچانا حق کو بقا کے ساتھ پہچانیگا۔ اور فنا سے

عقل اور صفت باطل ہو جائے گی اور جب عین چیز عقل میں نہ آئے اس کی معرفت میں ماسوا حیرت
کے اور کچھ ممکن نہ ہوگا۔ اور ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَنْ تَعْرِفَ اَنَّ حَرَكَاتِ الْخَلْقِ وَسَكَنَاتِهِمْ
بِاللّٰہِ یعنی معرفت یہ ہے کہ تو جان لے کہ مخلوق کی حرکات و سکنات خدا کی طرف سے ہیں اور
کسی شخص کو اس کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے اور عین اس کیساتھ
عین ہے اور اثر اس کے ساتھ اثر ہے اور صفت اس کے ساتھ صفت ہے اور متحرک اس کے
ساتھ متحرک ہے اور ساکن اس کے ساتھ ساکن ہے، اس لئے کہ وجود کی بنیاد میں فرمانبرداری
کی توفیق جب تک پیدا نہ کرے اور دل میں ارادت نہ رکھے تب تک بندہ کوئی فعل نہیں کر
سکتا اور فعل بندہ کا مجازی ہے اور خداوند کریم کا حقیقی ہے اور محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ عارف
کی صفت میں کہتے ہیں، قَالَ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ قَلَّ كَلَامُهٗ وَدَامَ تَحَيُّرُهٗ یعنی عارف وہ ہے کہ
اس کا کلام تھوڑا ہو اور اس کی حیرت ہمیشہ ہوتی ہو۔ اس لئے کہ بیان اس چیز کا کر سکتے
ہیں کہ جو بیان میں آسکے اور علم حقیقت میں بیان کی ایک حد ہوتی ہے اور مصیر یعنی حق تعالےٰ
محدود نہیں کہ جو بیان کی بنیاد اس پر رکھیں لفظی بیان کے لئے عبارت ہوتی ہے اور معبر یعنی
خداوند کریم کس طرح لفظی بیان میں آسکتا ہے اور جب مقصود لفظی بیان میں نہ سما سکے تو بندہ
کو اس سے کوئی چارہ نہ ہوگا اور نیز دائمی حیرت کے سوا اس کو کیا چارہ ہوگا شبلی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں اَلْعَجْزُ عَنِ الْمَعْرِفَةِ یعنی معرفت کی حقیقت سے عجز ہے وہ چیز کہ بندہ اس کی
حقیقت میں ماسوا عجز کے نشان نہ کر سکتا ہو تو بندہ کے لئے اسکے ادراک کا خود بخود دعویٰ
کرنا روا نہیں اس لئے کہ اس کا عجز ہونا بجز طلب کے ہوتا ہے اور جب تک طالب اپنی صفت
اور آلہ میں قائم ہو عاجزی کا نام اس پر صحیح نہیں ہوتا۔ اور جب اس آلت اور اوصاف تلف ہو جاتا
ہے، اس وقت فنا ہوتا ہے نہ کہ عاجز۔ اور ایک گروہ مدعیوں کا آدمیت کی صفت کے اثبات
کی حالت میں اور صحت خطا کیساتھ تکلیف کی بقا میں اور اپنے پر خداوند کریم کی حجت کے
قیام میں کہتا ہے کہ معرفت عجز ہوتی ہے اور ہم عاجز ہوتے ہیں اور سب بار رہے ہیں اور یہ
گمراہی اور نقصان ہے، میں کہتا ہوں کہ تم کس چیز کی طلب میں عاجز ہوتے ہو کیونکہ اس عجز
کے دو نشان ہوتے ہیں اور وہ دونوں تم میں نہیں ہیں ایک نشان آلہ طلب کا فنا ہونا اور دوسرا تجلی

کا اظہار جہاں کہ فنا آلہ ہوتا ہے عبارت پراگندہ ہوتی ہے، اور اگر عجز سے مراد لکھے تو عجز سے مراد عجز کیسے نہ ہوگی اور جس جگہ اظہار تجلی کا ہوگا نشان قبول نہ کریگا اور تمیز صورت اختیار نہ کریگی یہاں تک کہ عاجز کو اپنے عاجز ہونے کا پتہ نہ چلیگا۔ یا وہ جو ساتھ اس کے منسوب ہے اس کو بھی عجز کہیں گے یہ بھی صورت نہ بندے کی اسلئے کہ عجز غیر ہوتا ہے، اور معرفت کا ثابت کرنا سوا معرفت کے نہ ہوگا اور جب تک غیر کا دل میں خیال ہے یا عارف سے تمیز قرار ہے اس وقت تک معرفت درست نہ ہوگی اور جب تک عارف غیر سے کنارہ نہ کریگا اس وقت تک عارف عارف نہ ہوگا۔

اور ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ مُنْذُ عَرَفْتُ اللّٰہَ مَا دَخَلَ فِیْ قَلْبِیْ حَقٌّ وَّلَا بَاطِلٌ یعنی جب سے میں نے خداوند کریم کو پہچانا ہے اس وقت سے میرے دل میں حق اور باطل کا فکر نہیں ہوا ہے، اس لئے کہ جب مخلوق کا مقصد حرص وہوا ہوتا ہے، دل کی طرف رجوع کرتی ہے، یہاں تک کہ دل اس کو نفس کے حوالہ کرتا ہے اور وہ محل باطل کا ہوتا ہے، اور جب دوامی عزت پالیتی ہے، اس وقت بھی دل کی طرف رجوع کرتی ہے یہاں تک کہ دل اس کو روح کے تسپرد کر دیتا ہے اس لئے کہ وہ منبع یعنی سرچشمہ حق اور حقیقت . . . کا ہوتا ہے، اور جب دل میں غیر آیا عارف کا رجوع اس سے بدل جاتا ہے، پس تمام مخلوقات معرفت کے برہان کی طلب دل سے کرتی ہے اور حرص وہوا کی طلب بھی دل سے کرتی ہے۔ اور جب ان کو حرص نہ تھی انہوں نے دل کی طرف رجوع نہ کیا اور ماسوا حق کے انہوں نے آرام نہ پایا۔ یہاں تک کہ حق کو انہوں نے دل سے طلب کیا جب مخلوق دلیل کا نشان چاہتی ہے، خدا کی طرف رجوع کرتی ہے، نہ کہ دل کی طرف پس فرق ظاہر ہو گیا اس بندہ میں کہ رجوع اس کا دل کی طرف ہوتا ہے اور اس بندہ کہ رجوع اس کا خدا کی طرف ہوتا ہے، ابوبکر واسطی رضی اللہ عنہ کہتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ اِنْقَطَعَ عَنِ الْکُلِّ بَلْ خَرِسَ وَانْقَمَعَ یعنی جس نے اللہ کو پہچانا سب چیزوں سے جدا ہوا بلکہ گونگا ہوا اور جدا ہوا۔ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ یعنی میں تیرے اوصاف کا شمار نہیں کر سکتا۔ جیسے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ یعنی جب تک غیبت کی حالت میں تھے یہی فرماتے رہے کہ میں عرب وعجم کا فصیح ہوں جب آپ غیبت سے حضوری میں آگئے۔ آپ نے فرمایا کہ میری زبان میں یا خدایا

تیری ثنا کہنے کی طاقت نہیں ہے میں کیا کہوں کہ کلام کہنے سے گونگا ہوا ہوں اور حال سے بیحال ہوں تو وہی ہے کہ تو ہے میرا کلام میرے ساتھ ہو گا یا تیرے ساتھ ہو گا اگر اپنے آپ کے ساتھ کہوں محجوب ہوں گا اگر تیرے ساتھ کہوں تو اپنے کسب کے ساتھ تیرے قرب کی تحقیق میں محجوب ہوں گا پس میں نہیں کہتا حکم آیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کہتے ہیں لعمرك إذا سكت عن ثنائي فالكل منك ثنائي یعنی جب تو اپنے آپ کو میری ثنا سے عاجز شمار کرتا ہے میں تمام عالم کے اجزا کو تیرا نائب کرتا ہوں تاکہ وہ میری ثنا کہیں اور پھر اس کو تیرے سپرد کریں واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرا کشف الحجاب توحید میں

خداوند تعالیٰ نے فرمایا وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ یعنی تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اور نیز فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ یعنی فرما دیجئے کہ معبود ایک ہی ہے اور نیز فرمایا لَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَاحِدٌ یعنی نہ بناؤ دو معبود سوا اس بات کے نہیں کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِي مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ إِلَّا التَّوْحِيْدَ فَقَالَ لِأَهْلِهِ إِذَا مِتُّ فَأَحْرِقُوْنِيْ ثُمَّ اسْحَقُوْنِيْ ثُمَّ ذَرُّوْنِيْ نِصْفِيْ فِي الْبَرِّ وَنِصْفِيْ فِي الْبَحْرِ فِيْ يَوْمٍ رَائِحٍ فَفَعَلُوْا فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلرِّيْحِ وَالْمَاءِ اجْمِعَا مَا أَخَذْتُمَا فَإِذَا هُوَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ لَهُ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ فَقَالَ اسْتِحْيَاءً مِنْكَ فَغَفَرَ لَهُ۔ یعنی تم سے پہلے ایک مرد تھا اس نے سوا توحید کے کوئی نیک کام نہ کیا... تھا جب وہ مرنے کے قریب ہوا۔ تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا جب میں مر جاؤں۔ مجھ کو جلاؤ اور میری خاکستر کو ہوا میں اڑا دو آندھی سخت میں۔ آدھی دریا میں پھینکنا اور آدھی بیابان میں اڑانا تاکہ میرا کوئی نشان نہ رہے انہوں نے ایسا ہی کیا خداوند تعالیٰ نے پانی اور ہوا کو حکم دیا کہ ان کو جمع کر رکھو یعنی اس کی راکھ کو جمع رکھو قیامت کے روز تک وہ انہیں اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔ پھر اس کو بروز قیامت اللہ عزوجل زندہ فرما کر پوچھیگا کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ وہ کہیگا کہ اے... خدایا تیری شرم سے اسلئے کہ میں سخت دل والا بدکار تھا پھر خداوند تعالیٰ اس کو بخش دیگا اور حقیقت توحید کی کسی چیز کی یگانگت اور اس کی صحت علم پر حکم کرنا ہوتا ہے جب خداوند تعالیٰ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ایک ہے اور اپنی ذات و صفات میں،

بے مثل ہے اور اس کے فعلوں میں کوئی شریک نہیں ہے، اور موحدوں نے اس کو اسی صفت سے معلوم کیا ہے اور دانش نے ان کو توحید کی یگانگت میں بلایا ہے اور توحید کی تین قسمیں ہیں۔ ایک توحید خدا کی خدا کے واسطے اور اس کا علم یگانگت پر ہوتا ہے اور دوسری توحید خدا کی مخلوق کے واسطے اور وہ اسکا حکم بندہ کی توحید پر ہوتا ہے اور توحید بندہ کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور تیسری توحید خدا کیلئے مخلوق کی ہے اور وہ خدا کی وحدانیت کا علم ہے، پس جب بندہ خدا کا عارف ہوتا ہے اس کی وحدانیت پر حکم کر سکتا ہے جان تو کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے وصل اور فصل کو قبول نہیں کر سکتا۔ اور دوئی اس پر روا نہیں ہوگی اور اس کی وحدانیت عددی نہیں ہے، تاکہ دوسرے کے ثابت کرنے سے وہ عدد نہ ہو جائیں اور وہ محدود نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی جہتیں ہیں اور یہ ثابت کرنا بے انتہا معطل کا ہوگا اور اس کا مکان نہیں ہے، اور مکان میں بھی نہیں ہے کیونکہ مکان کے ثابت کرنے سے حاجت لاحق ہوتی ہے اس لئے کہ اگر مکان میں سکونت اختیار کرنے والا ہوتا۔ تو مکان میں سکونت اختیار کرنیوالے کا بھی مکان چاہیئے تھا۔ اور حکم فعل اور فاعل اور قدیم اور محدث کا باطل ہوتا۔ اور وہ عرض نہیں ہے کیونکہ عرض جوہر کا محتاج ہوتا ہے اور وہ حال نہیں کیونکہ حال اپنے محل میں باقی رہتا ہے اور جوہر نہیں ہے اس لئے کہ اس کا وجود اپنے مثل کے سوا درست نہیں آتا اور طبعی نہیں ہے کیونکہ وہ مبدا سکون اور حرکت کا نہیں ہے، اور روحی نہیں ہے کیونکہ وہ محتاج جسم کا نہیں اور جسم نہیں ہے کیونکہ اس کے اجزاء مرکبہ نہیں ہیں۔ اور چیزوں میں قوت [illegible] حال نہیں ہے، کیونکہ چیزوں کی جنس نہیں ہے اور کسی چیز کے ساتھ اس کا پیوند نہیں کیونکہ کوئی چیز اس کی جزو دار نہیں ہے، وہ تمام نقائص سے بری ہے اور تمام آفتوں سے پاک ہے اور سب عیبوں سے برتر ہے" اس کی مانند کوئی نہیں ہے، تاکہ وہ اپنی مانند سے دو چیز ہو جائے۔ اور اس کا فرزند نہیں تاکہ اس کی نسل اس کے مثل کا اقتضا کرے، اور تغیر اس کی ذات اور صفات پر روا نہیں تاکہ وجود اس کا اس سے متغیر ہو، اور متغیر کے حکم میں مثل تغیر ہو جائے اور موصوف ہے ان کامل صفتوں سے جو مومنوں اور موحدوں نے بحکم بصیرت اس کے لئے ثابت کی ... ہیں۔ اس لئے کہ اس نے ان صفتوں سے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور بری ہے ان صفات سے جو کہ بیدین ملحد اپنی خواہش سے

اس کیلئے بیان کرتے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو ان صفتوں سے موصوف نہیں کیا ۔۔۔ حی اور
علیم ہے رؤف اور رحیم ہے مرید اور قدیر ہے سمیع اور بصیر ہے متکلم ہے باقی ہے اس کا علم
اس میں حلول نہیں کرتا اور اس کی قدرت میں سختی نہیں اور سمع اور بصر اس کی اس میں نئی نہیں اور
اس کا کلام اس کا بعض نہیں اور نیز اس کے کلام میں تجدید بھی نہیں۔ اور ہمیشہ اس کی صفتیں قدیم
ہیں اور معلومات اس کے علم سے باہر نہیں۔ اور موجودات کو بجز اس کی ارادت کے چارہ نہیں۔
جو کچھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو کچھ چاہتا ہے اس کو جانتا ہے مخلوق کا اس پر تصرف
نہیں اس کا حکم سب حق ہے اس کے دوستوں کو بجز اس کے ماننے کے چارہ نہیں اس
کا حکم بلا نتیجہ نہیں اس کے دوستوں کو سوائے تعمیلِ حکم چارہ نہیں، نیکی بدی کا
مقدر ہونا اس کے سوا نہیں اور امید اور خوف سوا اس کے لائق نہیں نفع اور ضرر کا خالق
ہے حکم سوا اس کے کسی کا نہیں۔ اور حکم اُسکا سب کا سب حکمت ہے بغیر اس کی قضا کے نہیں۔
اور کسی شخص کو اس کے وصل کی خوشبو نہیں اور اس تک پہنچنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ اس کا دیدار
بہشتیوں کو روا ہے اس کی تشبیہ اور جہت نہیں اور مقابلہ اور مواجہہ کو اس کی ہستی پر ممکن
نہیں۔ اور دنیا میں اولیاء کو اس کا مشاہدہ جائز ہے اور انکار شرط نہیں جو اس کو ایسا جانے
اہل قطعیت یعنی جدائی سے نہیں۔ اور جو کوئی اس کے برخلاف جائیگا۔ اسمیں دیانت نہیں۔
اور اس معنی میں اصولی اور وصولی باتیں بہت ہیں کتاب دراز ہو جانے کے خوف سے اسی پر اکتفا
کرتا ہوں۔ اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہو کہتا ہوں کہ اس فصل کی ابتدا میں جو میں نے کہا کہ توحید
کسی چیز کی وحدانیت پر حکم ہوتا ہے اور حکم بدون علم نہیں ہو سکتا پس اہل سنت بھی خداوند
حقیقی کی یگانگت پر حکم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے صنعتیں لطیف دیکھیں اور کام نادر
بہت سے عجوبہ اور لطیفوں کے ساتھ دیکھے ان کا ہونا اپنے سے انہوں نے محال جانا۔
اور ہر چیز میں انہوں نے حدوث کی علامتیں پائیں۔ لامحالہ فاعل کا ہونا ضروری ہے کہ جو ان کو عدم
سے وجود میں لایا یعنی جہان کو ساتھ زمین و آسمان اور سورج اور چاند اور تری اور خشکی جنگل اور پہاڑوں
اور ان کی صورتوں کو بمعہ حرکات و سکنات اور علم اور نطق اور موت اور زندگی سمیت پیدا کیا پس
ان سب کو سوا صانع کے چارہ نہیں ہوتا یہ سب دو تین صانع ہونیکے محتاج نہ تھے۔ بلکہ ایک ہی صانع

کے بغتے جو کہ کامل۔ حی اور قادر اور مختار دوسرے شریکوں کی شرکت سے بے نیاز ہے اور جب فعل کو ایک فاعل کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ اور دو فاعل ایک فعل میں ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے تو لامحالہ بے شک و ریب علم یقینی کے ساتھ ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اور یہ خلاف ہمارے ساتھ ثنویوں نے کیا ہے، مگر ساتھ ثابت کرنے نور اور تاریکی کے۔ اور گبریوں نے ساتھ ثابت کرنے یزدان اور اہرمن کے اور طبعیوں نے ساتھ ثابت کرنے طبع اور قوت کے اور فلکیوں نے ساتھ ثابت کرنے سات ستاروں کے اور معتزلہ نے ساتھ ثابت کرنے خالقوں اور صانعوں بے نہایت کے۔ اور میں سب کے رد کیلئے دلیل کو مختصر کرتا ہوں اور یہ کتاب ان کی خرافات کے ثابت کرنے کیلئے نہیں اور اس علم کے طالب کو یہ مسئلہ دوسری کتاب سے تلاش کرنا چاہیئے اور وہ کتاب بنام الرعایۃ بحقوق اللہ میں نے تیار کی ہے، اور یا پہلے اہل حقیقت کی کتابوں کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔ اب میں واپس ہوتا ہوں ان رموز کے ساتھ جو کہ مشائخ رحمہم اللہ نے توحید کے بارہ میں ذکر کی ہیں۔ انشاء اللہ و الامر بیدہ۔

فصل

اور جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلتَّوْحِیْدُ اِفْرَادُ الْقِدَمِ مِنَ الْحَدَثِ۔ یعنی توحید حادث سے قدیم کو جدا کرنا ہے یعنی قدیم کو محل حادث کا نہ سمجھ اور حادث کو قدیم کا محل نہ سمجھ۔ اس لیئے کہ حق تعالیٰ قدیم ہے اور تو محدث ہے اور تیری جنس کی کوئی چیز اس کیساتھ چسپاں نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی صفات سے کوئی چیز تیرے اندر نہیں مل سکتی اسلیئے کہ قدیم . . . محدث کا ہمجنس نہیں بلکہ قدم وجود سے پیشتر از قبیل حوادث تھا۔ جیسا کہ حوادث کے وجود کے پہلے قدیم تھا۔ اور محدث کا محتاج نہ تھا ویسے ہی محدث کے وجود کے پیچھے بھی اس کی طرف محتاج نہیں۔ اور یہ خلاف ان لوگوں کا ہے کہ جو ارواح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں! ور ان کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اور جب کوئی شخص قدیم کو محدث میں اترنے والا کہے گا یا محدث کو قدیم کے متعلق جانے تو خداوند تعالیٰ کے قدیم اور جہان کے حادث ہونے پر کوئی دلیل نہ رہیگی۔ اور یہ مذہب دہریوں کیطرف لے جاتا ہے فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اِعْتِقَادِ السُّوْءِ پس ہم پناہ مانگتے ہیں۔

اللہ کے نام سے بُرے اعتقاد سے الغرض محدثات کی حرکتیں توحید کی دلیلیں ہیں اور خداوند کریم کی قدرت پر گواہ ہیں، اور اس کے قِدم کے ثبوت پر شاہد ہیں لیکن بندہ اس سے غافل ہے جو اس کی ذات کے سوا اور کو چاہتا ہے اور اس کی یاد کے بغیر آرام پاتا ہے جب تیرے نیست اور ہست کرنے میں اس کو شریک کی ضرورت نہیں۔ محال ہو گا کہ تیری تربیت میں کوئی اس کا شریک ہو۔

اور حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اَوَّلُ قَدَمٍ فِی التَّوْحِیْدِ فَنَاءُ التَّفْرِیْدِ یعنی پہلا قدم توحید میں تفرید کی فنا ہے اس واسطے کہ تفرید کسی آفت کے جُدا ہونے پر حکم کرنیکا نام ہے اور توحید کسی چیز کی وحدانیت پر حکم کرنا ہوتا ہے۔ پس فردانیت میں غیر کا ثابت کرنا جائز ہوتا ہے اور غیر خدا کو اس صفت پر نہ ہونا چاہیئے اور نہ جاننا چاہیئے۔ پس تفرید عبارت مشترک آئی۔ اور توحید شرک کی نفی کرنے والی ہے پس توحید کا پہلا قدم شریک کی نفی کرنا ہو گی۔ اور راستہ سے مزاج کا دور کرنا اس واسطے کہ مزاج راستہ میں مثل طلب راستہ کے ہو گی ساتھ چراغ کے۔ اور حضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اُصُوْلُنَا فِی التَّوْحِیْدِ خَمْسَۃُ اَشْیَاءَ رَفْعُ الْحَدَثِ وَاِثْبَاتُ الْقِدَمِ وَھَجْرُ الْاَوْطَانِ وَمُفَارَقَۃُ الْاِخْوَانِ وَنِسْیَانُ مَا عَلِمَ وَجَہِلَ۔ ہمارا اصول توحید میں پانچ چیزیں ہیں ایک اٹھانا حدث کا اور ثابت کرنا قدامت کا اور وطن کا ترک اور بھائیوں کی جُدائی اور بھولنا معلوم اور نامعلوم کو لیکن رفع حدث توحید کی متانت سے محدثات کی نفی ہوتی ہے اور اس مقدس ذات سے حوادث کا محال کی طلب کرنا۔ اور خداوند کریم کو ہمیشہ سے قدیم کہنا اس کا دائمی قدیم ہونا ہے، اور اس سے پیشتر جنید رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں میں نے اس کی شرح بیان کر دی ہے اور ہجر اوطان سے مُراد نفس کی مرغوب چیزوں کو چھوڑنا اور دل کی آرامگاہوں اور طبیعت کی قرارگاہوں کو ترک کرنا ہے، اور نیز دنیا کی رسموں سے مریدوں کو اور اعلیٰ مقامات اور بہتر حالات اور بلند کرامتوں سے اپنی خواہشوں کو دور رکھنا ہے اور بھائیوں کی جُدائیوں سے مراد خلقت سے رُوگردانی کرنی ہے اور خدا کی صحبت کی طرف متوجہ ہونا ہے، اس لئے کہ ہر خیال جو کہ موحدوں کے دل میں گذرتا ہے حجاب ہوتا ہے اور اس قدر کیفیت اور آفت جو کہ موحد کے دل پر جاگزین ہوتی ہے اس سے خدا کی توحید سے محجوب ہوتا ہے، کیونکہ باتفاق امت

توحید ہمتوں کی جمع ہوتی ہے، اور غیر کے ساتھ آرام پانا تفرقہ ہمت کا ہوتا ہے اور کسی چیز کے جاننے نہ جاننے سے توحید کی مراد یہ ہے، کہ خلقت کا علم یا ساتھ صفت کے ہوتا ہے، یا ساتھ کیفیت کے اور یا ساتھ جنس کے اور یا ساتھ طبع کے ہوتا ہے. اور جو کچھ علم خدا کی توحید میں ثابت کروگے توحید اس کی نفی کرے گی اور جو ان کی جہالت ثابت کرو ان کے علم کے خلاف پر ہوگا اس واسطے کہ توحید جہل جہل نہیں اور توحید حقیقی کا علم سوائے تصرف کے درست نہیں آتا۔ اور علم اور جہل میں سوا تصرف کے اور کچھ نہیں ہے ایک اعلیٰ درجہ البصیرت ہوتا ہے۔ اور ایک علیٰ درجہ الغفلت اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک فرماتے ہیں کہ میں حضرمی کی مجلس میں تھا مجھے خواب آیا کہ میں نے دو فرشتے دیکھے کہ جو آسمان سے زمین پر آتے ہیں۔ اور ایک عرصہ تک حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنتے رہے ہیں۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ جو کچھ یہ کہتا ہے علم توحید کا بیان کرتا ہے، عین توحید کو بیان نہیں کرتا جب میں خواب سے بیدار ہوا تو آپ توحید کی عبارت بیان کر رہے تھے آپ نے میری طرف رخ کرتے سخن کیا اور فرمایا کہ [illegible] توحید سے سوا علم کے اور کچھ بیان میں نہیں آ سکتا۔ اور جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلتَّوحِيدُ اَنْ يَّكُوْنَ الْعَبْدُ شَخْصًا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى تَجْرِيْ عَلَيْهِ تَصَارِيْفُ تَدْبِيْرِهٖ فِيْ مَجَارِيْ اَحْكَامِ قُدْرَتِهٖ فِيْ لُجَجِ بِحَارِ تَوْحِيْدِهٖ بِالْفَنَاءِ عَنْ نَفْسِهٖ وَعَنْ دَعْوَةِ الْخَلْقِ لَهٗ وَعَنِ اسْتِجَابَتِهٖ لَهُمْ بِحَقَائِقِ وُجُوْدِ وَحْدَانِيَّتِهٖ فِيْ حَقِيْقَةِ قُرْبِهٖ بِذَهَابِ حِسِّهٖ وَحَرَكَتِهٖ لِقِيَامِ الْحَقِّ لَهٗ فِيْمَا اَرَادَ مِنْهُ وَهُوَ اَنْ يَّرْجِعَ اٰخِرُ الْعَبْدِ اِلٰى اَوَّلِهٖ فَيَكُوْنَ كَمَا كَانَ قَبْلَ اَنْ يَّكُوْنَ۔ یعنی توحید وہ ہوتی ہے کہ بندہ خدا کی قدرت کے گذرگاہ میں خدا کی تقدیر کے تصرف جاری ہونے میں مثل پتلے کی ہو جائے اور اپنے ارادے اور اختیار سے خدا کی توحید کے دریا میں خالی ہو جائے، اور اپنے نفس کے فنا سے اور مخلوق کی دعوت کے قطع ہونے سے مخلوق کی دعوت کی قبولیت کو معرفت کی وحدانیت کے ساتھ قربت کے محل میں اس کی حرکت جاتی رہے، اور حق کا قیام اس کے ساتھ ہو اور جس چیز میں خدا کا ارادہ ہے، اس سے آخر بندہ اس محل میں اس کے اوّل کی مانند ہو، اور وہ ایسا ہو جائے کہ جو کچھ ہو رہا ہے پہلے ہی سے ہو رہا ہے پس اس سب سے مراد یہ ہے، کہ موحد کو خدا کے اختیار میں اختیار نہیں رہے پس خدا کی وحدانیت

میں اس کو خود نظارہ نہیں اس واسطے کہ قربت کے محل میں اس کا نفس فانی ہوتا ہے اور اس کی حس چلی جاتی ہے، اور رشد کے احکام اس پر جاری ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے فنا کے ساتھ بندہ کا تصرف کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ توحید کے زمانہ کے حال میں اول میں قبرہ تھا اور جو ایسا ہو خلقت کو اس کے ساتھ آرام نہیں رہتا۔ تاکہ وہ اس کو کسی چیز کی دعوت کریں اور اس کو کسی کے ساتھ محبت نہ ہو تاکہ ان کی دعوت کو قبول کرے اور اس قول کا اشارہ فنا کی صفت اور صحت تسلیم کی طرف ہوتا ہے کشف جلال کی حالت میں۔ اس واسطے کہ بندہ کو اپنے اوصاف سے فانی گردانتا ہے تاکہ جوہر لطیف کا آلہ ہو جائے، یہاں تک کہ اگر اس کے جگر میں نیزہ ماریں تو وہ بلا تمیز پارہ ہو جائے، اور اگر پیٹھ پر خنجر ماریں بے اختیار کاٹ دے اور سب میں سب سے فانی ہو جائے اور اس کا وجود خدا کے اسرار کا مظہر۔ تاکہ اس کا نطق خدا کے سپرد ہو جائے اور سب رویت سے فانی ہو جائے اور یہ صفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی۔ کہ جب معراج کی رات آپ کو انہوں نے قرب کے مقام پر پہنچایا جگہ دور تھی مگر قرب کے لئے دوری نہ تھی اور آپ کا حال عقلمند مخلوق کے فہم سے دور ہوا اور وہموں سے دور ہوا اس حد تک کہ جہان نے آپ کو غائب پایا اور آپ نے اپنے آپ کو گم کیا۔ اور صفت بے صفت کی فنا میں بدلنے والی ہوئی۔ اور طبیعتوں کی تربیت اور مزاج کا اعتدال پراگندہ ہوا۔ نفس دل کے محل میں پہنچا۔ اور دل جان کے درجہ پر اور جان سر کے مرتبہ پر اور سر قرب کی صفت میں سب کا سب جدا ہوا۔ چاہا تاکہ جسم خراب ہو جائے اور وجود کو چھوڑے اور خدا کی مراد کی اس سے حجت قائم ہو حکم آیا کہ حال پر رہ اس کے ساتھ قوت پائی اور اس کی قوت اس کی قوت ہوئی۔ اور اپنی نیستی سے خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہستی ظاہر ہوئی اور فرمایا۔ اِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ فَیُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ یعنی میں مثل ایک کے تم سے نہیں ہوں اس لئے کہ مجھ کو میرا پروردگار کھلاتا اور پلاتا ہے، اس لئے کہ میری زندگی اور قیام اسی کے ساتھ وابستہ ہے اور نیز آپ نے فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ یعنی مجھ کو خداوند تعالیٰ سے ایک وقت ہے کہ اس میں نہیں سما سکتا میرے ساتھ کوئی فرشتہ مقرب اور نبی مرسل، اور سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا، ذَاتُ اللّٰہِ مَوْصُوْفَۃٌ بِالْعِلْمِ غَیْرَ

مُدْرِكَةٌ بِلَا اِحَاطَةٍ وَلَا مَرْئِيَّةٌ بِالْاَبْصَارِ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا وَهِيَ مَوْجُوْدَةٌ بِحَقَائِقِ الْاِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ حَدٍّ وَلَا حُلُوْلٍ وَتَرَاهُ الْعُيُوْنُ فِي الْعُقْبٰى ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا فِيْ مُلْكِهٖ وَقُدْرَتِهٖ وَقَدْ حَجَبَ الْخَلْقَ عَنْ مَعْرِفَةِ كُنْهِ ذَاتِهٖ وَدَلَّهُمْ بِاٰيٰتِهٖ وَالْقُلُوْبُ تَعْرِفُهٗ وَالْعُقُوْلُ لَا تَنَالُهٗ يَنْظُرُ اِلَيْهِ الْمُؤْمِنُوْنَ بِالْاَبْصَارِ مِنْ غَيْرِ اِحَاطَةٍ وَّلَا اِدْرَاكِ نِهَايَةٍ، یعنی توحید یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ خداوندکریم کی ذات موصوف بالعلم ہے بغیر اس کے کہ اس کو حس سے پا سکیں۔ یا دنیا میں آنکھ سے دیکھ سکیں اور حقیقت میں ایمان بے حد و نہایت موجود ہے اور آمد و رفت سے باہر ہے، اور اپنے ملک میں وضع قدرت کے ساتھ مخلوقات اس کی ذات کی کنہ کی معرفت سے محجوب ہے اور وہ عجائب اور آیات کے اظہار سے راہ دکھلانے والا ہے اور دل اس کی یگانگت کو پہچانتے ہیں۔ اور عقلیں از روئے کیفیت کے اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور دیکھیں گے مومن اس کو یعنی عقبیٰ میں سر کی آنکھوں سے بغیر اس کے کہ اس کی ذات کو دیکھیں اور یا اس کی انتہا اور غایت کا ادراک کر سکیں۔ اور خاصکر یہ لفظ توحید کے کل احکام کو جامع ہیں اور جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اَشْرَفُ كَلِمَةٍ فِي التَّوْحِيْدِ قَوْلُ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلْ لِخَلْقِهٖ سَبِيْلًا اِلٰى مَعْرِفَتِهٖ اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ۔ یعنی پاک ہے وہ ذات پاک کہ جس نے مخلوق کو اپنی معرفت کا راستہ نہیں دکھایا سوا اس کے کہ اپنی معرفت میں انہیں عاجز کیا۔ اور اہل جہان اس کلمہ میں غلطی پر ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ عجز معرفت سے بے معرفت ہوتا ہے اور یہ محال ہے اس لئے کہ عجز حالت موجودہ میں صورت پکڑتا ہے حالت معدوم پر عجز صورت نہیں پکڑتا ہے، جیسا کہ مردہ زندگی سے عاجز نہیں ہوتا اس لئے کہ موت میں موت سے عاجز ہوتا ہے، اس کی قوت کو عجز کا نام مستعمل کرتا ہے، اور اندھا آنکھ سے عاجز نہیں دیکھتا ہے اس لئے کہ نابینائی کی حالت میں بینائی سے عاجز ہوتا ہے۔ اور لنگڑا کھڑا ہونے سے عاجز نہیں ہوتا۔ بلکہ بیٹھنے میں بیٹھنے سے عاجز ہوتا ہے۔ جیسا کہ عارف معرفت سے عاجز نہیں ہوتا حالانکہ معرفت موجود ہوتی ہے اور یہ جب اس کو ضرورت ہو پس ہم محمول کرتے ہیں صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کو جو کہ بوسہل اور استاد ابوعلی دقاق بیان فرماتے ہیں۔ کہ معرفت ابتدا میں کسبی و نظری ہوتی ہے، اور ضروری یعنی بدیہی ہو جاتی ہے، اور علم ضروری وہ ہوتا ہے،

کہ اس علم کا عالم اس کے پاس پہنچانے کی حالت میں اس کے دور کرنے اور کوشش کی حالت میں بیقرار اور عاجز ہو پس اس قول سے بندہ کے دل میں توحید کا فعل حق ہوگا۔ اور پھر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اَلتَّوْحِیْدُ حِجَابُ الْمُوَحِّدِ عَنْ جَمَالِ الْاَحَدِیَّۃِ۔ یعنی توحید موحد کا حجاب تھی خدا کی احدیت کے جمال سے اس لئے کہ توحید کو بندہ کا فعل کہتے ہیں اور لامحالہ بندہ کا فعل خدا کے کشف کے لئے علت نہیں ہوسکتا۔ اور عین کشف جو چیز کشف کی علت نہ ہو حجاب ہوتی ہے اور بندہ اپنے کل اوصاف سے غیر ہوتا ہے اس لئے کہ جب اپنی صفت کو گننے تو لامحالہ صفت کے موصوف کو حق گننا چاہیئے۔ پھر موحد اور توحید اور احد تینوں ایک دوسرے کے وجود کی علت ہوتے ہیں۔ اور یہ بعینہٖ نصاریٰ کی تثلیث ہوتی ہے، اور ہر وہ صفت جو طالب کو اپنی فنا سے توحید میں مانع ہے ابھی اس صفت سے محجوب ہے موحد نہیں، لِاَنَّ مَاسِوَاہُ مِنَ الْمَوْجُوْدَاتِ بَاطِلٌ۔ اس لئے کہ ماسوا اس کے تمام موجودات باطل ہیں۔ جب صحیح طور پر معلوم ہوا کہ سوا اس کے جو کچھ ہے سب باطل ہے اور طالب بھی اس کے ماسوا ہے، اور حق کا جمال کھولنے میں طالب کی صفت باطل ہوتی ہے، اور یہ تفسیر لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی ہوگی۔ اور حکایتوں میں مشہور ہے کہ جب ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں حسین بن منصور کی زیارت کے لئے آئے حسین بن منصور نے کہا کہ اے ابراہیم تو نے اپنی عمر کس طرح بسر کی آپ نے فرمایا میں نے توکل کو ٹھیک کیا ہے حسین نے فرمایا ضَیَّعْتَ عُمْرَکَ فِیْ عِمْرَانِ بَاطِنِکَ فَاَیْنَ اَنْتَ فِی الْفَنَاءِ فِی التَّوْحِیْدِ یعنی تو نے اپنی عمر باطن کی آبادانی میں ضائع کی بس کہاں ہے تیری فنا توحید میں۔ اور توحید کی عبارتوں میں مشائخ کا بہت کلام ہے، اور ایک گروہ اس کو فنا کہتا ہے اس لئے کہ فنا میں صحت درست نہیں آتی۔ اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ اپنی فنا کے سوا توحید کی کوئی صفت نہیں۔ اور اس کو جمع اور تفرقہ پر قیاس کرنا چاہیئے، تاکہ معلوم ہو جائے اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں کہ توحید خدا کی طرف سے بندہ پر اسرار ہے عبارت سے اس کا اظہار نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ کوئی شخص ملمع ساز عبارت سے بیان نہیں کرسکتا اس لئے کہ بیان اور اس کا بیان کرنے والا دونوں غیر ہوتے ہیں اور غیر کا ثابت کرنا توحید کے ثابت کرنے میں شرک ہوتا ہے پھر توحید کھیل ہو جاتی ہے اور موحد الہی ہوتا

ہے، الاہی نہیں ہوتا۔ توحید کے احکام یہ ہیں۔ اور ارباب معرفت کے مقولوں کے مسلک بھی یہی ہیں جو کہ میں نے مختصر طور پر بیان کئے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

تیسرا کشف الحجاب ایمان میں

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اے مومنو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور نیز دوسری کتنی جگہوں پر فرمایا یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ الخ۔ یعنی ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں کو مانے آخر حدیث تک، اور ایمان کی از روئے لغت تصدیق ہوتی ہے اور آدمیوں کو اس کا محکم ثابت کرنے میں شریعت میں بہت کلام ہے، اور اکثر معتزلہ کا اختلاف ہے، تمام علمی اور معاملتی فرمانبرداریوں کو ایمان کہتے ہیں اور بندہ کو بسبب گناہ کے ایمان سے خارج کرتے ہیں۔ اور خارجیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے، بلکہ وہ تو بندہ کو بسبب گناہ کرنے کے کافر کہتے ہیں۔ اور ایک دوسرا گروہ ہے وہ ایمان کو قول فرد کہتے ہیں۔ اور ایک گروہ صرف معرفت کا نام ایمان رکھتے ہیں۔ اور اہل سنت متکلمین کا ایک گروہ ایمان مطلق تصدیق کو کہتے ہیں اور میں نے اس کے بیان میں ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے، اور اس جگہ میری مراد صوفیوں کا اعتقاد بیان کرنا ہے، اور جمہور صوفی دو قسم ہیں۔ جیسا کہ فریقین کے فقہاء اور اہل یقین سے ایک گروہ کہتا ہے کہ قول اور تصدیق اور عمل ایمان ہے، جیسے فضیل بن عیاض اور بشر حافی اور خیر النساج اور سمنون المحب اور ابوحمزہ بغدادی اور ابو محمد جریری اور ان کے سوا اور بھی بہت بڑی جماعت ہے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان قول اور تصدیق ہے، جیسے ابراہیم بن ادہم اور ذوالنون مصری اور ابویزید بسطامی اور سلیمان دارانی اور حارث محاسبی اور جنید اور سہل بن عبداللہ تستری اور شقیق بلخی اور حاتم اصم اور محمد بن فضل بلخی رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ دوسری جماعت فقہائے امت کی بھی یہی کہتی ہے، جیسے مالک اور شافعی اور احمد حنبل اور ان کے ماسوا بھی اسی پہلے قول پر ہیں اور پھر ابوحنیفہ اور حسن بن فضل بلخی اور شاگرد امام ابوحنیفہ کے جیسے محمد بن الحسن اور داؤد طائی اور ابو یوسف رحمہم اللہ علیہم اجمعین اسی پچھلے قول پر ہیں۔ اور حقیقت میں یہ اختلاف عبارتی

ہے، معنی کی طرف نہیں لوٹتا۔ اب میں اس کا تھوڑا سا بیان کرتا ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو معلوم ہو جائے گا۔ اور اس خلاف میں کسی کو ایمان میں مخالف الاصل نہ کہوں گا۔ وباللہ التوفیق۔

فصل

جان تو کہ اہل معرفت اور اہل سُنّت والجماعت کے درمیان اس امر پر اتفاق ہے کہ ایمان کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ ایمان کی اصل دل کی تصدیق ہوتی ہے اور اس کی فرع امورات کی رعایت کرنا ہے، اور عرب کے عرف اور عادت میں ہے، کہ کسی چیز کی فرع کو استعارہ کی بنا پر اس کے اصل سے پکارتے ہیں۔ جیساکہ آفتاب کے نور کو آفتاب کہتے ہیں تمام لغتوں میں اور اسی معنی کی بنا پر وہ لوگ طاعت کو بطور استعارہ ایمان کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسلئے کہ بندہ بغیر اس کے خدا کے عذاب سے امن نہیں پا سکتا اور محض تصدیق امن کا اقتضا نہیں کرتی۔ جب تک خدا کے فرمانوں کی اطاعت نہ کی جائے، پس جو شخص اطاعت زیادہ کریگا اس کو امن بھی زیادہ ہوگا۔ چونکہ فرمانبرداری کرنی خدا کے عذاب سے امن حاصل کرنے کا سبب ہے بشرطیکہ تصدیق اور قول بھی ساتھ ہو لہذا اس کو ایمان کہتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ امن کی علت معرفت ہے نہ کہ طاعت کیونکہ طاعت بدون معرفت کچھ فائدہ نہیں دیتی اور اگر معرفت موجود ہو۔ اور طاعت نہ ہو آخر بندہ نجات پا جائے گا ہر چند کہ اس کا حکم مشیت میں تھا کہ اپنے فضل سے درگذر فرمائے یا پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخشے اور یا اس کے جرم کے موافق عذاب اس کو کرے اور پھر اس کو دوزخ سے نکالے اور بہشت میں پہنچائے پس جب اصحاب معرفت اگرچہ کتنے ہی مجرم ہوں ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے۔ اور صاحبان عمل بے معرفت محض عمل سے بہشت نہ پائیں گے پس معلوم ہوا کہ اس جگہ فرمانبرداری امن کی علت نہیں ہو سکتی۔ رسول خدا نے فرمایا ہے لَنْ يُّنْجِيَ اَحَدَكُمْ عَمَلُهٗ قِيْلَ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ یعنی تم سے کوئی شخص بسبب اعمال کے نجات نہ پائے گا صحابہ نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی یا رسول اللہ عمل سے رہائی نہ پائیں گے آپ نے فرمایا میں بھی خلاصی نہ پاؤں گا مگر

اللہ عزوجل مجھے بھی اپنی رحمت میں لے لیگا پس از روئے تحقیق اور حقیقت بغیر اختلاف امت ایمان معرفت ہے، اور عمل کے قبول کرنے کا اقرار کرنا ہے اور جو کوئی خدا کو پہچانے گا۔ تو وہ اس کے اوصاف ہی سے اس کی معرفت وشناخت کرے گا اور اس کے اوصاف حسنہ تین قسم پر ہیں بعض تو جمال سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض جلال سے اور بعض کمال سے پس مخلوقات کو اس کے کمال کی طرف راہ نہیں ہے، بجز اس کے کہ اس کی صفات کمالیہ کو ثابت کریں اور نقص کو اس سے دور کریں۔ رہا اس جگہ جلال اور جمال۔ وہ شخص کہ معشوق اسکا خدا کا جمال ہو۔ وہ ہمیشہ معرفت میں رؤیت کا مشتاق ہوتا ہے، اور جس کا معشوق خدا کا جلال ہو۔ وہ ہمیشہ اپنے اوصاف سے متنفر رہتا ہے اور اس کا دل محبت کے محل میں ہوتا ہے پس شوق محبت کی تاثیر ہوتی ہے اور اوصاف بشریت سے نفرت ہوتی ہے، اس لئے کہ بشریت کے اوصاف کے حجاب کا کشف ماسوا عین محبت کے اور کچھ نہیں ہوتا پس اب ثابت ہوا کہ ایمان اور معرفت محبت ہوئی اور محبت کی علامت فرمانبرداری ہے اس لئے کہ جب دل مشاہدہ کا محل ہوتا ہے اور آنکھیں دیکھنے کا محل اور جان بدن کی عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا محل ہو تو بدن کیلئے ضروری ہونا چاہیئے کہ وہ خدا کے حکم کا ترک کرنے والا نہ ہو۔ اور جس کا بدن امر الٰہی کا تارک ہوتا ہے، اس کو خدا کی معرفت سے کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اور یہ آفت اس زمانہ میں صوفیوں میں بہت ظاہر ہو چکی ہے، کیونکہ بیدینوں کے ایک گروہ نے جب سچے صوفیوں کی شان جمال اور ان کی قدر و منزلت معلوم کی تو انہوں نے اپنے آپ کو بھی ان کے ہمشکل بنایا۔ اور انہوں نے کہا کہ رنج و تکلیف اسی حد تک ہے کہ تو نے نہ پہچانا جب تو نے پہچان لیا تو فرمانبرداری کی تکلیف بدن سے اُٹھ جائے گی ولیکن ان کا یہ کہنا خطا ہے، میں کہتا ہوں کہ جب تو نے پہچان لیا تو تیرا دل شوق کا محل ہوا۔ فرمان کی تعظیم کرنی زیادہ ہوتی ہے اور ہم اس کو بھی جائز کہتے ہیں کہ مطیع اس درجہ پر پہنچ جائے کہ فرمانبرداری کی تکلیف اس سے دور ہو جائے اور فرمانبرداری کے بجالانے کی اس کو توفیق جناب باری سے زیادہ ملے اور مخلوق کو جس قدر تکلیف فرمانبرداری میں ہوتی ہے اس کو بالکل نہ ہو اور یہ معنی بجز شوق غلبات والے اور غلغلہ والے اور جان کندنی والے کے نہیں پاسکتے اور پھر ایک گروہ تمام ایمان کو خدا کیطرف سے کہتا ہے اور ایک گروہ سب ایمان کو بندہ کیطرف سے کہتا ہے، اور ماوراء النہر میں یہ خلاف

لوگوں کے درمیان زد و بحث پر ہے پس جو سب ایمان خدا کی طرف سے کہتا ہے یہ تو جبر محض ہے، اور
جو سب کو بندہ کی طرف سے کہتا ہے، تو وہ محض قدر ہے اسلئے کہ بندہ سوا اس کی علامتوں کے
اس کو شناخت نہیں کر سکتا۔ اور توحید کا راستہ جبر کے نیچے اور قدر کے اوپر ہوتا ہے، اور حقیقت
میں ایمان بندہ کا فعل ہوتا ہے مگر خدا کی ہدایت سے ملا ہوا۔ اسلئے کہ بندہ سوا اپنے کو گم کئے ہوئے
اس کی راہ نہیں جانتا اور اس کی راہ پر آیا ہوا گم نہیں ہوتا جیسا کہ حق جل علا نے فرمایا ہے، فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ
اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا۔
یعنی جس شخص کو اللہ تبارک تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ ہدایت کیلئے کھول دیتا ہے اور جس کو
گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینے کو حرج سے تنگ کر دیتا ہے، اس اصل پر چاہیئے کہ گردش ہدایت
حق ہو اور مطیع ہونا بندہ کا فعل ہو پس گرویدہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ دل میں توحید کا اعتقاد جانشین
ہو اور آنکھوں پر منہیات سے بچنے کا عقیدہ ہو اور نیز آیتوں اور علامتوں میں عبرت پانا اور کانوں
پر اس کے کلام کا سننا ہے، اور معدہ کا اس کے حرام سے خالی کرنا ہے، اور زبان پر اس کے
صدقِ قول اور بدن پر منہیات سے پرہیز کرنا تاکہ معنی اور دعویٰ کے درمیان موافقت ہو اور اسی
وجہ سے اس گروہ نے ایمان کی معرفت میں نقصان اور زیادتی کو روا رکھا ہے اور سب میں اتفاق
ہے کہ ایمان کی معرفت میں زیادتی اور نقصان جائز نہیں ہوتا ہے، اور اگر معرفت میں نقصان اور
زیادتی ہوتی تو معروف یعنی خدا میں بھی زیادتی اور نقصان روا ہوتا۔ اور جب معروف پر زیادتی اور
نقصان روا نہیں معرفت پر بھی روا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ معرفت معرفت کی توڑنے والی نہیں
ہوتی پس چاہیئے کہ زیادتی اور نقصان فرع اور عمل میں بھی نہ ہو اور بالاتفاق اطاعت پر زیادتی
اور نقصان روا ہوتا ہے، اور خاص کر کے حشویوں کو جو اپنے آپ کو ان دونوں فریقوں کی
طرف منسوب کرتے ہیں دلوں پر سخت صدمہ ہوتا ہے اور حشویوں کا ایک گروہ طاعت کو ایمان
سے خیال کرتا ہے، اور ایک گروہ ایمان کو محض قول کہتا ہے، اور یہ دونوں باتیں غیر منصفی کی ہیں
الغرض حقیقت میں ایمان یہ ہے کہ بندہ کے تمام اوصاف خدا کی طلب اور جستجو میں لگے ہوئے ہوں
اور تمام مومنوں کو اس پر اتفاق کرنا چاہیئے۔ کیونکہ معرفت کے بادشاہ کا غلبہ تب سے اوصاف کو مغلوب
کر دیتا ہے، اور جس جگہ ایمان ہوتا ہے، تب سے اسباب وہاں سے جدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ

کہتے ہیں۔ اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ عَطَلَ الْمِصْبَاحُ یعنی جب صبح طلوع ہو تی تب چراغ کا جمال ناچیز
ہوا اور سورج پر دلیل اور بیان قائم نہیں کر سکتے۔ جیساکہ اس توفیق پائے ہوئے نے کہا ہے۔ کہ روز
روشن کی دلیل نہیں ہونی چاہیئے، اور خداوند کریم جل وعلانے فرمایا اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً
اَفْسَدُوْهَا یعنی بادشاہوں کا جب کسی بستی پر گذر ہوتا ہے تو وہ اس کو خراب کر دیتے ہیں۔ اور جب
معرفت کی حقیقت کسی کے دل کو حاصل ہوتی ہے تو ظن اور شک اور انکار کی ولایت باطل ہو
جاتی ہے، اور اس کی حجت معرفت اس کے حواس اور حرص کو اپنا مسخر کر لیتی ہے، یہاں تک
کہ جس میں دیکھتا ہے یا جو کچھ کرتا ہے اور یا جو کچھ کہتا ہے سب امر کے دائرہ میں ہوتا ہے، اور میں نے
حکایات میں پایا ہے کہ جب ابراہیم سے لوگوں نے ایمان کی حقیقت کے متعلق پوچھا۔ تو آپ نے جواب
دیا کہ اب اس کا میں جواب نہیں رکھتا اس واسطے کہ جو کچھ کہتا ہوں عبارت ہوتی ہے اور مجھے
چاہیئے کہ معاملہ سے جواب دوں۔ مگر میں مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تو بھی اسی ارادے پر میرے
ساتھ صحبت کا ارادہ کر تاکہ مسئلہ کا جواب تجھے خود موصول ہو جائے۔ سائل نے کہا کہ میں نے ایسا ہی
کیا۔ جب میں آپ کے ساتھ جنگل میں گیا ہر روز دو پیالے پانی اور دو روٹیاں جنگل سے نمودار
ہو جاتیں ایک مجھے آپ دے دیتے اور ایک آپ لے لیتے۔ یہاں تک کہ ایک روز جنگل میں
ہمیں ایک بوڑھا سوار آتا ہوا دکھلائی دیا۔ جب اس سوار نے آپ کو دیکھا گھوڑے سے نیچے اترا اور
ایک دوسرے سے باتیں پوچھتے رہے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد بوڑھا گھوڑے پر سوار ہوا
اور رخصت ہوا میں نے عرض کی کہ اے شیخ مجھے بتاؤ کہ یہ بوڑھا کون تھا۔ فرمایا تیرے سوال کا
جواب تھا میں نے عرض کی کہ کس طرح آپ نے فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام تھا اس نے مجھ سے صحبت
اختیار کرنے کی اجازت طلب کی مگر میں نے ان کی اس استدعا کو قبول نہ کیا میں نے عرض کی کہ کیوں
آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں اس کی صحبت میں خدا کا بھروسہ چھوڑ کر اس پر اعتماد نہ
کر لوں۔ اور کہیں میرا توکل تباہ نہ ہو جائے، اور ایمان کی حقیقت توکل کی محافظت ہوتی ہے، جیسا
کہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ یعنی اللہ پر ہی تمہیں بھروسہ
کرنا چاہیئے اگر تم ایماندار ہو۔ اور محمد حنیف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلْاِيْمَانُ تَصْدِيْقُ الْقَلْبِ
بِمَا عَلِمَ بِهِ الْغُيُوْبُ یعنی ایمان دل کا یقین کرنا ہوتا ہے اس پر کہ جو غیب سے اس پر ظاہر ہوا اسلئے

کہ ایمان کا حصول غیب سے ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتا جب تک معنی میں تقویت آلہی ظہور نہ پکڑے بندہ کا یقین ظہور نہیں پکڑتا۔ اور وہ خداوند کریم کے معلوم کرانے کے ساتھ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عارفوں کو معرفت سکھلانے والا اور عالموں کو علم سکھلانے والا خداوند کریم ہوتا ہے، کیونکہ اسی نے ان کے دل میں معرفت اور علم پیدا فرمایا اور معرفت اور علم کا حوالہ ان کے کسب سے جدا کیا پس جو شخص دل کو خدا کی معرفت کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے وہ مومن ہوتا ہے، اور خدا کی ذات سے واصل ہوتا ہے۔ اور اس کتاب کے علاوہ میں نے اس کو خوب بیان کیا ہے اس جگہ اس کا اتنا ہی بیان کافی ہے تاکہ کتاب لمبی نہ ہو جائے اور اسی قدر اہل بصیرت کیلئے کافی دوائی ہے، اب معاملات کے اسرار کی طرف آتا ہوں اور اس کے حجابوں کو کھولتا ہوں اگر خداوند کریم کو منظور ہوا وباللہ التوفیق۔

چوتھا کشف الحجاب نجاست سے پاکی حاصل کرنے میں:

ایمان کے پیچھے بندہ کیلئے طہارت کرنی فرض ہوتی ہے بالخصوص نماز کے ادا کرنے کیلئے اور وہ طہارت بدن کی ہوتی ہے نجاست اور جنابت سے اور دھونا تین جوڑ کا اور مسح کرنا سر کا موافق شریعت کے یا تیمم کرنا بوقت نہ پائے جانے پانی کے یا سخت بیماری کی وجہ سے اور احکام اس کے خود معلوم ہیں جان تو کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں ایک طہارت باطنی اور ایک ظاہری جیسا کہ بغیر طہارت بدن کے نماز درست نہیں ویسے ہی بغیر طہارت دل کے معرفت درست نہیں اور طہارت بدن کے واسطے مطلق پانی کا ہونا ضروری ہے اور پانی نجس اور مستعمل نہ چاہیئے ویسے ہی دل کی طہارت کیلئے محض توحید کا اعتقاد چاہیئے۔ اعتقاد خلط ملط اور ڈانواں ڈول نہ چاہیئے پس یہ طائفہ بظاہر ہمیشہ ساتھ طہارت کے رہتا ہے اور اس کا باطن توحید سے معمور ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دُمْ عَلَی الْوُضُوْءِ یُحِبُّکَ حَافِظَاکَ یعنی تو ہمیشہ وضو پر رہ تیرے محافظین فرشتے تجھ کو دوست رکھیں گے اور خداوند کریم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ یعنی تحقیق اللہ توبہ کرنیوالوں کو اور نیز پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے پس جو شخص اپنے ظاہر کو ہمیشہ پاک صاف رکھیگا فرشتے اس کو دوست رکھیں گے اور جو شخص اپنے باطن کو توحید سے پاک رکھتا ہے، اور

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دعاؤں میں کہتے تھے اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ اے میرے پروردگار میرے دل کو نفاق سے پاک صاف رکھ اور کوئی نفاق آپ کے دل میں صورت نہیں پکڑتا لیکن اپنی کرامتوں کا دیکھنا غیر کا اثبات دکھاتا ہے، اور اثبات غیر کا توحید کے محل میں نفاق ہوتا ہے ہر چند مشائخ نے ایک ذرہ کرامتوں کا جب کبھی مریدوں کی آنکھوں کیلئے سرمہ بنایا تو آخر یہی ذرہ ان کے کمال میں حجابِ اعظم وارد ہوا کیونکہ جو غیر ہوتا ہے اس کا دیکھنا آفت ہوتا ہے اور اسی قبیل سے ہے جو کہ ابویزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نِفَاقُ الْعَارِفِیْنَ اَفْضَلُ مِنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ یعنی خدا رسیدہ کا نفاق مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے یعنی مرید کا مقام کامل کیلئے حجاب ہوتا ہے، مرید کی ہمت کامل کے حصول کو چاہتی ہے اور کامل کی ہمت مکرم اور معظم ہونے کو چاہتی ہے، الغرض کرامتوں کا ثابت کرنا اہل حق کیلئے نفاق ہوتا ہے، اسلئے کہ وہ معائنہ غیر کا ہوتا ہے ایسے ہی دوستانِ خدا جس کو آفت سمجھتے ہیں اس کو تمام گنہگار اپنے لئے خلاصی کا موجب تصور کرتے ہیں۔ اور گنہگاروں کی آفت تمام گمراہوں کی گمراہی سے نجات ہوتی ہے، اگر کافر جانتے کہ ہمارے نافرمانی کے کام خدا کو پسند نہیں جیسا کہ نافرمان جانتے ہیں تو سب نجات پا جاتے، اور اگر گنہگار جانتے کہ ان کے معاملات علت کا محل ہیں جیسا کہ خدا کے دوست جانتے ہیں۔ تو ضرور سب کے سب گناہوں سے نجات پا جاتے، اور تمام آفتوں سے پاک ہو جاتے پس ظاہری طہارت کو باطنی طہارت کے موافق کرنا ضروری ہے، یعنی جب ہاتھ دھوؤ تو تمہارے لئے لازمی ہے کہ دل کو دنیا کی زندگی سے دھوؤ۔ اور جب استنجا کرو تو تمہارے لئے لازمی ہے کہ جیسا ظاہری بدن کو نجاست سے پاک صاف رکھتے ہو ایسے ہی غیر کی دوستی سے اپنے باطن کی خلاصی تلاش کرو۔ اور جب پانی منہ میں ڈالو تو اپنے منہ کو غیر کے ذکر سے پاک کرنا چاہیئے اور جب ناک صاف کرو تو تمام شہوتوں کو اپنے اوپر حرام کر دینا چاہیئے۔ اور جب منہ دھوؤ تو تمام مرغوب چیزوں سے دفعتہً منہ موڑنا چاہیئے۔ اور خدا کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے۔ اور جب ہاتھ دھوؤ تو اپنے ہاتھوں کو اپنے نصیبوں سے علیحدہ کرنا چاہیئے اور جب سر کا مسح کرو تو اپنے تمام کاموں کو خدا کے سپرد کرنا چاہیئے۔ اور جب پاؤں دھوؤ تو خداوند کریم کی موافقت کے سوا اقامت نہیں کرنی چاہیئے حتی کہ دونوں طہارتیں اس کو حاصل ہو جائیں کیونکہ تمام ظاہری کام شریعت کے باطن سے ملے ہوئے ہیں جیسا کہ ایمان میں زبان کا قول ظاہر کے ساتھ ہے ویسے ہی تصدیق ساتھ دل کے اور نیت کی حقیقت دل کے ساتھ

ملی ہوئی ہے اور نیز فرمانبرداری کے احکام شریعت میں جیسے بدن پر عائد ہیں ویسے ہی دل کی طہارت تدبر اور تفکر کے ساتھ ہوتی ہے اور اس امر کا غور کرنا کہ یہ دنیا سے غدار ہے اور اس میں آفتیں ہیں اور فنا کا محل ہے دل کو اس سے خالی کرنا چاہیئے اور یہ مجاہدوں کی کثرت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اور سب مجاہدوں سے مشکل ترین مجاہدہ یہ ہے کہ اپنے ظاہری آداب کی محافظت کرے اور ہر حال میں اس پر التزام کرے، اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں خدا سے اس کا حق بجا لانے کیلئے ابدی عمر کی درخواست کرتا ہوں تاکہ تمام مخلوق دنیا میں دنیا کی نعمت میں مشغول ہو اور حق کو بھول جائے اور میں دنیا کی بلاؤں میں شریعت کے آداب کی محافظت کے ساتھ قیام کروں اور حق کو یاد رکھوں۔ اور حکایات میں مذکور ہے کہ ابوبکر طاہر حرمی چالیس برس تک مکہ میں مجاوری کرتے رہے اور مکہ میں طہارت نہ کی اور ہر دفعہ طہارت کرنے کیلئے آپ حرم شریف سے باہر تشریف لے جاتے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ جس زمین کو اللہ عزوجل نے اپنی طرف منسوب فرمایا میں اس جگہ طہارت کرنے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ اور نیز وضو کا مستعمل پانی بہانا اچھا نہیں سمجھتا۔ اور حضرت ابراہیم خواص سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ رے کی جامع مسجد میں مرض اسہال سے بیمار ہو گئے ایک رات دن میں آپ نے ساٹھ غسل کئے تھے بالآخر آپ کی وفات پانی میں ہی ہوئی۔ اور ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کچھ مدت وسواس کی بلا میں گرفتار رہے۔ آپ جب وضو کرنے لگتے تب وسوسوں میں مبتلا ہوتے آپ ایک دفعہ دریا پر طہارت کیلئے تشریف لیگئے اور آفتاب کے طلوع ہونے تک طہارت کے وسوسہ سے فارغ نہ ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب سورج نکل آیا۔ تب مجھے بہت صدمہ ہوا میں نے عرض کی کہ۔۔۔ بارِ خدایا اَلْعَافِيَةُ اَلْعَافِيَةُ ہاتف نے دریا سے آواز دی اَلْعَافِيَةُ فِيْ اُلعِلْمِ یعنی عافیت علم میں ہے۔ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک نماز کیلئے آپ نے ساٹھ مرتبہ طہارت کی اس بیماری میں کہ جس میں اس دنیا سے گذرنے کا وقت آگیا اور کہا اے خدایا جب تک موت کا وقت آئے مجھے باوضو رکھیو کہتے ہیں کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن مسجد میں آنیکے ارادے سے وضو کیا ہاتف سے آواز آئی کہ تو نے اپنے ظاہر کو آراستہ کیا مگر باطن کی صفائی کہاں گئی۔ پھر واپس ہوئے۔ اور تمام مِلک اور میراث خدا کی راہ میں دیا اور ایک سال تک سوا ان کپڑوں کے کہ جس مقدار سے نماز روا ہوتی ہے کچھ اپنے پاس نہ رکھا پھر جنید رح

کے پاس آئے جنیدؒ نے اس سے کہا اے ابوبکر وہ طہارت بہت ہی اچھی اور نفع مند تھی جو کہ تو نے کی۔ خداوند تعالیٰ ہمیشہ تجھ کو طہارت کے ساتھ رکھیگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کے پیچھے کبھی بے طہارت نہ ہوا یہاں تک کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے آپ کی طہارت میں نقص وارد ہوا آپ نے مرید کو وضو کرانے کا اشارہ فرمایا اس نے آپ کو وضو کرایا لیکن ڈاڑھی کا خلال کرنا بھول گیا اور آپ میں گویائی کی طاقت نہ تھی۔ اس مرید کا ہاتھ پکڑ کر ڈاڑھی کی طرف کیا یہاں تک کہ اس نے ڈاڑھی کا خلال کیا۔ اور نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں کسی وقت بھی بے وضو نہیں رہا اور وضو کے آداب کو میں نے کبھی ترک نہیں کیا تب میرے باطن میں ایک نصیحت ظاہر ہوئی۔ اور ابویزید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، کہ آپ نے فرمایا کہ جب کبھی میرے دل پر دنیا کا کوئی اندیشہ مداخلت کرتا ہے تو میں وضو کر لیتا ہوں اور جب کبھی عقبیٰ کا فکر و اندیشہ میرے دل پر گذرے تو میں غسل کر لیتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا حادث ہے۔ اور عقبیٰ غیبت اور آرام کی جگہ ہے، اس کی فکر جنابت کی فکر ہوتی ہے پس حدث سے طہارت واجب ہوتی ہے اور جنابت سے غسل واجب ہوتا ہے اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک روز وضو فرمایا جب آپ مسجد کے دروازہ پر پہنچے تو آپ کے اندر سے آواز آئی۔ کہ اے ابوبکر تو وہ طہارت رکھتا ہے کہ جس کے سبب سے تو گستاخانہ ہمارے گھر میں آتا ہے آپ نے یہ آواز سنی اور وہاں سے واپس ہوئے پھر آواز آئی کہ ہماری درگاہ سے واپس ہوتا ہوا کہاں جائیگا اس وقت نعرہ مارا پھر آواز آئی کہ ہم پر طعنہ کرتا ہے اسی جگہ کھڑا ہو گیا پھر آواز آئی کہ ہم پر تحمل بلا کا دعویٰ کرتا ہے شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اَلْمُسْتَغَاثُ مِنْكَ اِلَيْكَ یعنی فریاد تجھ سے تیرے ہی آگے ہے۔ اور مشائخ صوفیہ کے نزدیک طہارت کی تحقیق میں بہت کلام ہے اور مریدوں کو ظاہری اور باطنی طہارت کا ہمیشہ حکم فرمایا کرتے تھے۔ اور خدا کی بارگاہ میں جانے کیلئے جب کوئی ظاہری طہارت سے آراستہ ہو کر جائے، تو اس کو چاہیئے کہ باطنی طہارت سے بھی آراستہ ہو کر جائے ظاہری طہارت تو پانی سے ہوتی ہے اور باطنی طہارت توبہ اور رجوع الی اللہ سے ہوتی ہے، اب میں توبہ کے حکم کو مع اس کے متعلقات کے مشرح طور پر بیان کرتا ہوں تاکہ اس کی حقیقت تجھکو معلوم ہو جائے انشاء اللہ عزوجل۔

باب توبہ اور اس کے متعلقات میں

اور جان تو کہ پہلا مقام خدا کے راستے پر چلنے والوں کا توبہ ہے جیساکہ طالبان خدمت کا پہلا درجہ طہارت تھا۔ اور اسی قبیل سے ہے جو کہ خداوند کریم نے فرمایا۔ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔ اے لوگو خدا کی طرف رجوع کرو خالص۔ اور نیز فرمایا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اے مومنو خدا کی طرف رجوع کرو تاکہ تم خلاصی پاؤ اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مَامِنْ شَیْئٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ شَابٍ تَائِبٍ یعنی جوان توبہ کرنے والے سے کوئی چیز خدا کو محبوب نہیں اور نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ ثُمَّ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَنْ یَّضُرَّہٗ ذَنْبٌ ثُمَّ تَلَا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔ یعنی توبہ کرنے والا گناہ سے پاک ہو جاتا ہے، اور جب خداوند تعالیٰ بندہ کو دوست رکھتا ہے تب گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچاتا صحابہ نے عرض کی کہ توبہ کی علامت کیا ہے، آپ نے فرمایا ندامت، مگر وہ جو حضور نے فرمایا کہ گناہ خدا کے دوستوں کو نقصان نہیں پہنچاتا یعنی بندہ گناہ سے کافر نہیں ہوتا اور اس کے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا پس جب ایمان کو گناہ نقصان نہیں دیتا تو نقصان اس نافرمانی کا کہ جس کا انجام خلاصی ہو۔ درحقیقت نقصان پہنچانے والا نہیں ہوتا اور خوب جان لے کہ توبہ کے لغوی معنے رجوع کے ہوتے ہیں جیساکہ کہا تَابَ اَیْ رَجَعَ پس خوف کے سبب سے خداوند کریم کی نہی سے ہٹا رہنا حقیقتاً خداوند کریم کے امر سے توبہ کرنا ہوتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلنَّدَمُ التَّوْبَۃُ یعنی توبہ پشیمانی ہوتی ہے، اور یہ قول ہے کہ توبہ کی تمام شرطیں اس میں امانت رکھی گئی ہیں اور توبہ کی شرط مخالفت پر تاسف ہے اور دوسرا ترک کی حالت میں ذلیل ہونا اور تیسرا لوٹ کر برا کام نہ کرنا۔ اور یہ تینوں شرطیں ندامت کی مظہر ہیں۔ اس لئے کہ جب ندامت حاصل ہو گی تب دل میں یہ دونوں شرطیں اس کی تابع ہوں گی اور ندامت کے تین سبب ہوں گے جیساکہ توبہ کی تین شرطیں ہوتی ہیں ایک جب عقوبت کا خوف دل پر غالب ہوگا۔ اور برے کاموں کا غم دل پر خیال پکڑے گا ندامت حاصل ہو گی۔ اور دوسرا نعمت کا ارادہ اس کے دل پر غالب ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ برے فعل اور اس کی بیفرمانی سے نہیں آتا اس سے پشیمان ہوتا ہے۔ تیسرا خداوند کریم کی شرم اس کی محافظ و شاہد ہوتی ہے اور مخالفت سے پشیمان ہوتا ہے پس

ان تینوں سے ایک تائب ہوتا ہے اور دوسرا منیب اور تیسرا اَوّاب ہوتا ہے پس توبہ کے بھی تین مقام ہیں ایک توبہ اور دوسری انابت اور تیسری اَوْبَتْ پس توبہ خوف عقوبت کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے اور انابت طلب ثواب کیلئے اور اَوْبَتْ فرمان کی رعایت کیلئے ہوتی ہے اسواسطے کہ توبہ عام مومنین کا مقام ہے اور وہ کبیرہ گناہ سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔ یعنی اے مومنو خدا کی طرف مخلصانہ رجوع کرو اور انابت مقام اولیاء اور خدا کے مقربین کا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ۔ یعنی جو شخص اللہ عزوجل سے غائبانہ ڈرا اور عاجزی والے دل سے آیا تو وہ سلامتی سے بہشت میں داخل ہوگا۔ اَوْبَتْ مقام انبیاء کا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ یعنی بہت اچھا بندہ ہے جو کہ خدا کی طرف رجوع کرنیوالا ہے۔ پس توبہ کبیرہ گناہ سے فرمانبرداری کیطرف رجوع دلاتی ہے، اور انابت صغیرہ گناہوں سے محبت کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور اوبت اپنے آپ سے رجوع خدا کی طرف ہوتا ہے، بہت بڑا فرق ہے اس میں کہ فواحش سے اوامر کی طرف رجوع کیا جائے اور اس میں کہ قصوروں اور فاسد تفکرات سے محبت کی طرف رجوع کرے اور اس میں کہ اپنی خودی سے خدا کی طرف رجوع کرے۔ اور اصل توبہ خداوند تعالیٰ کی ان باتوں سے ہوتی ہے کہ جن پر اس نے تنبیہ فرمائی ہے، اور دل کی بیداری خواب غفلت چھوڑنے سے ہوتی ہے اور عیب حالی کا دیکھنا ہوتا ہے پس جب بندہ اپنے بُرے احوال اور قبیح افعال میں تفکر کرے اور ان سے خلاصی کی جستجو کرے تو حق تعالیٰ توبہ کے سبب اس پر سہل فرما دیتا ہے، اور اس کو معصیت کی بدبختی سے خلاصی دیتا ہے۔ اور اس کو فرمانبرداری کی ولایت میں پہنچا دیتا ہے اور اہل سنت و الجماعت اور تمام مشائخ اہل معرفت کے نزدیک جائز ہے کہ کوئی شخص ایک گناہ سے توبہ کرے اور دوسرے گناہ کرتا رہے تو خداوند کریم اس کو بسبب اُس گناہ کے جس سے وہ رکا ہے اس کو ثواب دیتا ہے اور اس کی برکت سے اس کو دوسرے گناہوں سے بھی ہٹا دے، جیسا کہ ایک شخص میں دو عیب ہوتے ہیں مثلاً زانی بھی ہوتا ہے اور شرابی بھی۔ زنا سے توبہ کرتا ہے اور شراب پینے پر اصرار کرنے والا ہوتا ہے، اس کی توبہ ایک گناہ سے درست ہوتی ہے، باوجودیکہ وہ دوسرے گناہ کا مرتکب ہے۔ اور معتزلہ کا ایک گروہ جو بہشمی کہلاتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس وقت تک توبہ کا نام درست

نہیں آتا جب تک کہ تمام گناہوں سے توبہ نہ کرے اور یہ بات محال ہے کیونکہ بندہ جس قدر گناہ کرتا ہے اسی قدر اس کو ان کی وجہ سے عذاب ہوگا جب بندہ ایک قسم کا گناہ ترک کر دے تو اس قسم کے گناہ کے عذاب سے بیخوف رہے گا کیونکہ اُس نے اُس سے توبہ کر لی ہے اور نیز اگر کوئی شخص بعض فرائض ادا کرے اور بعض کو چھوڑ دے تو ضرور ان کا اس کو ثواب ملے گا کیونکہ ان کو پورا کامل کرتا ہے، اور ایسا ہی جن نوافل پر عمل نہیں کرتا اس کو عذاب ہوگا اور اگر کسی شخص کے پاس معصیت کا آلہ نہ ہو اور اس کے اسباب تیار نہ ہوں اور وہ اس سے توبہ کرے تو وہ توبہ کرنے والا ہوگا اس لئے کہ توبہ کا ایک رکن ندامت بھی ہے اور اس کو بسبب اس کے گزشتہ کئے ہوئے پر ندامت ہوتی ہے اور فی الحال اس جنس معصیت سے روگرداں ہوتا ہے، اور پختہ ارادہ کرتا ہے کہ اگر یہ گناہ موجود ہوتا اور اس کا سبب حاصل ہوتا تو میں ہرگز اس گناہ کے خیال کی طرف توجہ نہ کرتا۔ اور مشائخ نے اختلاف کیا ہے توبہ کے وصف اور اس کے صحت میں اور سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک جماعت کیساتھ اس امر پر متفق ہیں کہ اَلتَّوْبَةُ اَنْ لَا تَنْسٰی ذَنْبَكَ یعنی توبہ یہ ہے کہ گناہ کئے ہوئے کو فراموش نہ کرے اور ہمیشہ اس کے فکر میں رہے، یہاں تک کہ اگرچہ بہت عمل رکھے تو ان میں مغرور نہ ہو۔ کیونکہ برے عملوں پر حسرت کرنی اعمال صالح پر مقدم ہوتی ہے اور کبھی وہ آدمی مغرور نہ ہوگا۔ کہ جو گناہ کو فراموش نہیں کرتا اور پھر جنید رحمۃ اللہ علیہ ایک جماعت کے ساتھ اس امر پر ہیں کہ اَلتَّوْبَةُ اَنْ تَنْسٰی ذَنْبَكَ یعنی توبہ یہ ہوتی ہے کہ تو گناہ کو بھلا دیوے اس واسطے کہ توبہ کرنے والا محب ہوتا ہے اور محب مشاہدہ میں ہوتا ہے اور مشاہدہ میں ذکر گناہ کا ظلم ہوتا ہے اور پھر کچھ عرصہ شغل کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر کچھ عرصہ وفا میں ذکر جفا کیساتھ وفا سے حجاب ہوتا ہے اور اس خلاف کی بازگشت مجاہدہ اور مشاہدہ کے خلاف میں باندھی ہوئی ہے، اور اس کا ذکر سہیلیوں کے مذہب میں تلاش کرنا چاہیئے۔ جو شخص توبہ کر لینے والے کو اپنے ساتھ قائم رکھتا ہے گناہ کا ذکر اس کو شرک نظر آتا ہے الغرض اگر توبہ کرنے والا باقی الصفۃ ہو تو اس کے اسرار کا عقدہ حل نہ ہوا ہوگا۔ اور جب فانی الصفۃ ہوگا تو اس کی صفت کا ذکر درست نہیں آتا موسیٰ علیہ السلام نے کہا تُبْتُ اِلَیْكَ یعنی میں نے تیری طرف رجوع کیا تو یہ قول بقائے صفت کی حالت میں آپ نے کہا ہے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ یعنی میں تیری صفت کا احاطہ نہیں کر سکتا تو یہ حضور نے مقولہ،

غلبۂ صفت کی حالت میں کہا ہے حاصل کلام یہ ہے وحشت کا ذکر قربت کے محل میں وحشت ہوتا ہے، اور توبہ کرنیوالے کو چاہیئے کہ اپنے آپ سے یاد نہ کرے تو اس کو اپنے گناہ کس طرح یاد آویں گے اصل الحقیقت اپنے گناہ کی یاد بھی گناہ ہوتی ہے، کیونکہ وہ محل روگردانی کا ہوتا ہے جیسا کہ گناہ روگردانی کا محل ہوتا ہے تو اس کا ذکر بھی روگردانی کا مقام ہوتا ہے اور اس کے غیر کا ذکر بھی ویسے ہی ہوتا ہے جیسا کہ جرم کا ذکر بھی جرم ہوتا ہے، کیونکہ ذکر اور نسیان دونوں کا تعلق تو بہ سے ہوتا ہے اور جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت کتابیں پڑھیں مگر مجھے کسی چیز سے اتنا فائدہ نہیں ہوا جتنا فائدہ کہ مجھے اس بیت سے ہوا ہے شعر۔ اِذَا قُلْتُ مَا اَذْنَبْتُ قَالَتْ مُجِیْبَۃً ؕ حَیٰوتُکَ ذَنْبٌ لَا یُقَاسُ بِہٖ ذَنْبٌ ۔ یعنی جس وقت میں نے کہا کہ میں نے گناہ نہیں کیا۔ تو جواب دینے والی نے مجھے جواب دیا کہ تیری زندگی ایسا گناہ ہے جس پر کسی دوسرے گناہ کا قیاس نہیں کیا جاسکتا اور جب دوست کا وجود دوست کے حضور میں گناہ ہوتا ہے تو اس کے وصف کی کچھ قیمت نہ رہیگی اور حاصل کلام یہ ہے کہ توبہ ربانی تائید ہوتی ہے اور گناہ جسمانی فعل ہوتے ہیں جب دل پر ندامت آئی تو بدن پر کوئی آلہ نہ ہوگا کہ جو دل کی ندامت کو دفع کرے اور جب ابتدائے فعل میں اس کی ندامت توبہ کو نہیں روک سکتی تو انتہا میں بھی اس کا فعل توبہ کی حفاظت کرنیوالا نہ ہوگا اور خداوند کریم نے فرمایا فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔ یعنی پھر رجوع کیا اللہ نے اس پر تحقیق وہ توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے اور خاص اس کی نظیریں کتب کی نص میں بہت ہیں۔ اس حد تک کہ ان کے مشہور ہونے کی وجہ سے ان کے ثابت کرنے کی حاجت نہیں یعنی توبہ تین قسم پر ہوتی ہے ایک خطا سے طرف صواب کے اور دوسرے صواب سے طرف صواب کے اور تیسرے اپنے آپ سے خداتعالیٰ کی طرف۔ اور وہ جو خطا سے طرف صواب کے ہوتی ہے، اس کا ذکر خدا نے اس طرح فرمایا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ الیہ۔ اور وہ لوگ کہ جس وقت انہوں نے بےحیائی کا کام کیا یا اپنے نفسوں پر ظلم کیا یاد کرتے ہیں اللہ کو پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ اور صواب سے صواب کی طرف رجوع کرنے کے یہ معنی ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تُبْتُ اِلَیْکَ یعنی میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا اور اپنے آپ سے حق کی طرف رجوع کرنا اس طرح ہے جیسا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ

گفت اِنّی لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی کُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً یعنی میرا دل خوش ولا ہوجاتا ہے اور تحقیق میں اللہ تعالیٰ سے ہر دن ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں معصیت اور خطا کا مرتکب ہونا برا ہے۔ اور رجوع کرنا خطا سے طرف صواب کے عمدہ اور قابلِ تعریف ہے یہ توبہ عام ہے اور حکم اس کا ظاہر ہے اور جب تک صواب ہو گا صواب کے ساتھ قرار پکڑنا وقف اور حجاب ہے اور رجوع صواب سے طرف صواب کے اہلِ ہمّت کے درجہ میں قابل تعریف ہے، اور یہ توبہ خاص ہے اور محال ہو گا کہ خواص لوگ معصیت سے توبہ نہ کریں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمام جہان تو خداوند عالم کے دیدار کی حسرت میں ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے توبہ کی اس لئے کہ رویت ساتھ اختیار کے مانگی اور دوستی میں اختیار آفت ہوتا ہے، اور اس کے اختیاری آفت کے ترک نے بالخصوص مخلوق کو رویت کا ترک دکھایا۔ اور اپنے آپ سے رجوع خدا کی طرف محبت کے درجہ میں ہے، جس طرح کہ بلند مکان کی آفت سے بلند مقام پر کھڑا ہونے سے توبہ کرنا ہے اور مقاموں اور احوالوں کی دید سے بھی توبہ کرنا ہے۔ جیسا کہ مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر دم ترقی پر ہوتا تھا جب اعلیٰ مقام پر پہنچتے نیچے کے مقام سے استغفار کرتے تھے۔ اور اس مقام کے دیکھنے سے توبہ بجا لاتے تھے واللہ اعلم بالصواب

فصل

جان لو کہ توبہ کیلئے شرط تائید کی نہیں ہے بشرطیکہ بندہ پختہ ارادہ کر لیوے کہ میں اس گناہ کو چھوڑ کروں گا اگر توبہ کرنیوالے کو سستی لاحق ہو جائے اور پھر اسی گناہ کی طرف رجوع کرے کہ جس سے اس نے توبہ کی تھی تو جتنے روز توبہ کرنے کے بعد اس سے رو گردان رہا اور توبہ میں رہا تو اس کا ثواب اس کو ملیگا اور اس گروہ کے مبتدیوں اور توبہ کرنے والوں سے ایسے بھی ہوئے ہیں کہ جنہوں نے توبہ کی اور پھر سستی میں پڑ گئے اور بسبب خرابی واقع ہو جانے کے پھر اسی کام کو شروع کر دیا اور پھر جب انہیں اطلاع اور تنبیہ ہوئی تو انہوں نے توبہ کی یہاں تک کہ ایک شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے جس گناہ سے توبہ کی بابلدہ توبہ مجھ سے ٹوٹ جاتی تھی حتیٰ کہ میں نے ستر مرتبہ توبہ کی اور ستر مرتبہ توبہ کو توڑا اور اکہترویں مرتبہ توبہ پر مجھے استقامت نصیب ہوئی۔ اور ابو عمر جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدا میں ابو عثمان حیری کی مجلس میں توبہ کی تھوڑے ہی عرصہ تک توبہ پر قائم رہا تھوڑے سے عرصہ

کے بعد دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوئی اور توبہ توڑ دی معصیت میں مبتلا ہوا اور اسی کے تابع ہوا اور اس پیر کی صحبت سے میں نے روگردانی کی۔ اور جب کبھی میں آپ کو دور سے دیکھتا تو بوجہ شرم و ندامت کے بھاگ جاتا تھا تاکہ آپ مجھے نہ دیکھ لیں ایک دن اچانک آپ کے پاس پہنچا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹے اپنے دشمنوں سے صحبت نہ رکھ۔ مگر اس وقت کہ تجھ میں بچنے کی طاقت پیدا ہو جائے اس لئے کہ دشمن تیرے عیب دیکھتے ہیں اور جب تو عیب کرتا ہو گا دشمن خوش ہوں گے جب تو عیبوں سے بچے گا وہ غمگین ہوں گے اگر تیرا جی گناہ کرنے کو چاہے تو میرے پاس آ۔ تاکہ میں تیری بلا اٹھاؤں اور تو دشمن کا مقصد پورا نہ کرے آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرا دل گناہ سے سیر ہو گیا اور میری توبہ ٹھیک ہوئی اور نیز میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے گناہوں سے توبہ کی اور پھر گناہ کی طرف متوجہ ہوا پھر پشیمان ہوا ایک دن اپنے آپ سے کہنے لگا۔ کہ اگر میں خدا کی بارگاہ میں گیا تو میرا کیا حال ہو گا ہاتف سے آواز آئی اَطَعْتَنَا فَشَکَرْنَاکَ ثُمَّ تَرَکْتَنَا فَأَمْهَلْنَاكَ فَإِنْ عُدْتَّ إِلَيْنَا قَبِلْنَاكَ یعنی تو نے ہماری اطاعت کی تو ہم نے تیری قدر کی پھر تو نے بیوفائی کی تو ہم نے تجھ کو مہلت دی پھر اگر اب تو ہماری طرف واپس آئے تو ہم بڑی خوشی سے تجھ کو قبول کریں گے، اب ہم پھر مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فصل

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ تَوْبَةُ الْعَوَامِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَتَوْبَةُ الْخَوَاصِ مِنَ الْغَفْلَةِ یعنی توبہ عوام کی گناہ سے ہوتی ہے اور توبہ خواص کی غفلت سے ہوتی ہے اس لئے کہ عوام کو ظاہر حال سے پوچھتے ہیں اور خواص کو معاملت کی تحقیق سے پوچھتے ہیں۔ کیونکہ غفلت عوام کیلئے نعمت ہے اور خواص کیلئے حجاب ہے، اور ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لَيْسَ لِلْعَبْدِ فِي التَّوْبَةِ شَيْءٌ لِأَنَّ التَّوْبَةَ إِلَيْهِ لَا مِنْهُ یعنی توبہ بندہ کے لئے کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ توبہ خدا سے طرف بندہ کے ہے نہ بندہ سے طرف خدا کے اور اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ توبہ کسبی چیز نہیں۔ اس لئے کہ توبہ خداوند کریم کے انعامات سے ایک انعام ہے اور اس قول کا تعلق جنید رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ہے، اور ابوالحسن بوشنجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّوْبَةُ إِذَا

ذَکَرْتَ الذَّنْبَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَحَلَاوَۃً عِنْدَ ذِکْرِہٖ فَھُوَ التَّوْبَۃُ یعنی جس وقت تو گناہ کو یاد کرے پھر اس کا ذکر کرنے کیوقت مٹھاس نہ پائے پس وہ توبہ ہے، کیونکہ معصیت کا ذکر یا حسرت کے ساتھ ہوتا ہے یا ارادت کے ساتھ، جب کوئی شخص حسرت اور ندامت سے اپنے گناہ کو یاد کرتا ہے تو وہ تائب ہے اور جو شخص ساتھ ارادہ کے اپنے گناہ کو یاد کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے کیونکہ معصیت کے فعل میں اتنی آفت نہیں ہوتی کہ جتنی اس کے ارادت کے موقع پر ہوتی ہے، اس واسطے کہ وہ فعل ایک لحظہ کیلئے ہوتا ہے اور اس کی ارادت ہمیشہ ہوتی ہے پس وہ شخص جو جسم کو ایک گھڑی گناہ میں ملوث کرتا ہے اس شخص کی مانند نہیں کہ جو رات دن دل میں اس گناہ کی یاد اختیار کئے ہوئے ہے۔ اور ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اَلتَّوْبَۃُ تَوْبَتَانِ تَوْبَۃُ الْاِنَابَۃِ وَتَوْبَۃُ الْاِسْتِحْیَاءِ فَتَوْبَۃُ الْاِنَابَۃِ اَنْ یَّتُوْبَ الْعَبْدُ خَوْفًا مِّنْ عُقُوْبَتِہٖ وَتَوْبَۃُ الْاِسْتِحْیَاءِ اَنْ یَّتُوْبَ حَیَاءً مِّنْ کَرَمِہٖ یعنی توبہ کی دو قسمیں ہیں ایک توبہ انابت اور ایک توبہ استحیاء اور توبہ انابت یہ ہوتی ہے کہ بندہ خداوند تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے توبہ کرتا ہے، اور توبہ استحیاء وہ ہوتی ہے کہ توبہ کرتا ہے خداوند کریم کی شرم سے پس توبہ خوف کی جلال کے کشف سے ہوتی ہے اور توبہ حیا کی جمال کے نظارہ سے پس ایک تو جلال میں خوف کی آگ سے جلتا ہے، اور ایک جمال میں حیا کے نور سے روشن ہوتا ہے، اور ایک ان دونوں سے سکر میں ہوتا ہے، اور دوسرا مدہوش اور اہل حیا صاحبان سکر ہوتے ہیں۔ اور اہل خوف اصحاب صحو ہوتے ہیں۔ اور کلام اس میں لمبا تھا مگر میں نے مختصر کر دیا۔ وباللہ التوفیق واللہ اعلم۔

پانچواں کشف الحجاب نماز میں

خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ یعنی قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ کو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی نماز کی حفاظت کرو اور جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے، اور نماز کے لغوی معنے ذکر اور فرمانبرداری کے ہوتے ہیں۔ اور فقہا کی عبارتوں کے دوران میں ان احکام کیساتھ مخصوص ہے جو کہ معتادہ ہیں اور وہ حق تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہے کہ پانچ نماز پانچ وقت میں ادا کرو اور اس کے داخل ہونے

سے پہلے اس کی چند شرطیں ہیں۔ ایک ان سے ظاہری طہارت ہے نجاست سے اور دوسرا باطنی طہارت ہے شہوت سے، اور دوسرے کپڑے کا پاک ہونا ہے ظاہر میں نجاست سے اور باطن میں یہ ہے کہ وہ کپڑا حلال کی کمائی کا ہو اور تیسرے جگہ کا پاک ہونا ظاہری آفتوں اور حادثوں سے اور باطن کا پاک ہونا فساد اور گناہ سے اور چوتھے قبلہ رُخ ہونا اور قبلہ ظاہری خانہ کعبہ ہے اور قبلہ باطنی عرش ہے اور اس سے مشاہدہ کا بھید مقصود ہے۔ اور پانچویں قیام ظاہر کا قدرت کی حالت میں اور قیام باطن کا قربت کے بعض میں بشرطیکہ داخل ہونا اس کے وقت کا شریعت کے ظاہر میں اور باطن میں ہمیشہ کا وقت حقیقت میں چھٹے نیت کا خالص ہونا۔ خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے وقت اور ساتویں تکبیر کہنا ہیبت اور فنا کے۔ قائم میں اور قیام وصل کے محل میں اور قرأت ساتھ آہستگی اور ترتیب اور عظمت کے اور رکوع ساتھ خشوع کے اور سجدہ ساتھ عاجزی کے اور التحیات ساتھ اجتماع کے اور سلام فنا کی صفت کے ساتھ ادا کرنا اور احادیث میں آیا ہے کہ۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَفِي جَوْفِهِ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ یعنی جب پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے آپ کے دل میں جوش ہوتا جیسا کہ اس کانسی کی دیگ کے جوش کی آواز آتی ہے کہ جس کے نیچے آگ جل رہی ہو اور جب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نماز کا ارادہ کرتے تو آپ کے جسم میں لرزہ واقع ہو جاتا اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنیکا وقت آگیا ہے کہ جس کے اٹھانے سے آسمان اور زمین اور پہاڑ عاجز ہے مشائخ رحمہم اللہ سے ایک شیخ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نماز کسطرح گذارتے ہیں فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تب میں ایک وضو ظاہری کرتا ہوں اور ایک باطنی۔ ظاہری وضو پانی سے کرتا ہوں۔ اور باطنی توبہ سے کرتا ہوں۔ پھر مسجد میں آتا ہوں اور مسجد حرام کا مشاہدہ کرتا ہوں اور مقام ابراہیمی میں درمیان دو ابروؤں کے سجدہ کرتا ہوں۔ اور بہشت کو اپنی داہنی طرف جانتا ہوں اور دوزخ کو بائیں طرف۔ اور اپنے قدموں کو پلصراط پر دیکھتا ہوں اور اپنی پشت کے پیچھے ملک الموت کا یقین کرتا ہوں اس وقت تکبیر کہتا ہوں تعظیم کے ساتھ، اور قیام کرتا ہوں بڑی عزت کے ساتھ، اور قراءت پڑھتا ہوں ہیبت سے اور رکوع کرتا ہوں تواضع سے اور جلسہ کرتا ہوں حلم اور وقار سے اور سلام پھیرتا ہوں ساتھ شکر کے؛ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل

جان تو کہ نماز ایک عبادت ہے کہ جس میں مرید ابتدا سے انتہا تک خدا کا راستہ پاتے ہیں اور ان کے مقامات نماز میں منکشف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مریدوں کی طہارت بجائے توبہ کے ہوتی ہے ویسے ہی پیر کے ساتھ تعلق پیدا کرنا قبلہ شناسی کی جا بجا ہے اور بجائے قیام کے نفس کے مجاہدہ کا قیام ہے۔ اور بجائے قراتِ قرآن مدام ذکر ہے۔ اور رکوع کی بجائے تواضع کرنی ہے۔ اور نفس کی معرفت بجائے سجود کے ہے۔ اور امن کا مقام بجائے تشہد ہے اور دنیا سے علیحدہ ہو جانا بجائے سلام کے ہے۔ اور نیز مقامات کی قید سے باہر آنا ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے کہ جب حضور علیہ السلام کھانے پینے سے فارغ ہوتے تو کمال حیرت کے مقامِ شوق کے طالب ہوتے اور تعلق ایک مشرب سے مقرر فرما لیتے پھر فرماتے اَرِحْنَا یا بلالُ بالصلوٰۃ یعنی اے بلال نماز کی اذان سے آپ ہمیں خوش کریں اور مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس میں کلام ہے اور ہر ایک کا ایک درجہ ہے ... ایک گروہ کہتا ہے، کہ نماز حضوری کا آلہ ہے، اور ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت کا آلہ ہے اور ایک گروہ جو کہ غائب ہوتا ہے نماز میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور ایک حاضر تھا مگر نماز میں غائب ہوتے ہیں، جیسا کہ اس جہان میں رویت کے محل میں ایک گروہ خداوند کریم کو دیکھتا ہے غائب ہوتے ہی حاضر ہو جائیں گے اور ایک گروہ جو کہ حاضر ہوتا ہے وہ غائب ہو جاتا ہے۔ اور میں جو علی بن عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں کہ نماز امر ہے جو کہ حضور اور غیبت کا آلہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ امر کسی چیز کا آلہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ علت حضور کی عین حضور ہوتی ہے اور علت غیبت کی بھی عین غیبت ہوتی ہے اور خداوند تعالیٰ کا امر کسی چیز کے تعلق کا سبب نہیں ہے کیونکہ اگر نماز حضور کا آلہ ہوتا تو مناسب تھا کہ حاضر کے بغیر کوئی ادا نہ کرتا۔ اور اگر غیبت کی علت نہ ہوتی۔ تو چاہیئے تھا کہ غائب اس کے ترک کرنے سے حاضر ہوتا اور جب حاضر اور غائب کو اس کے ترک اور ادا کے ساتھ عذر نہیں ہے پس نماز کو اپنے نفس میں غلبہ ہے اور غیبت اور حضور میں بند نہیں ہے۔ پس نماز اہل مجاہدہ اور اہل استقامت زیادہ تر پڑھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں جیسا کہ مشائخ مریدوں کو رات اور دن میں چار سو رکعت نماز پڑھنے کا حکم فرماتے تھے تاکہ بدن کو نماز پڑھنے کی عادت

ہو جائے۔ اور اہل استقامت بھی نماز کثرت سے پڑھتے ہیں خدا کے حضور میں قبولیت پا جانے کی بدولت بطور شکر یہ نماز ادا کرتے رہیں۔ باقی رہے اس جگہ ارباب حال اور ان کی دو قسمیں ہیں اور وہ دو گروہ پر منقسم ہیں ایک وہ گروہ ہے کہ ان کی نماز کمال مشرب میں مقام جمع کی بجائے ہوتی ہے بسبب اس کے وہ مجتمع ہو جاتے ہیں اور ایک گروہ وہ ہے کہ ان کی نمازیں انقطاع مشرب میں تفرقہ کے مقام کی بجائے ہوتی ہیں بسبب اس کے کہ منفرق ہوتے ہیں اور جو لوگ نمازیں جمع ہوتے ہیں وہ رات اور دن نمازیں پڑھتے ہیں ماسوا فرضوں اور سنتوں کے زیادہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور جو نمازیں منفرق ہوتے ہیں وہ ماسوا فرضوں اور سنتوں کے نماز کم گذارتے ہیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے یعنی میری تمام خوشیاں نماز میں ہیں اسواسطے مشرب اہل استقامت کا نماز میں ہی ہوتا ہے، اور یہ حالت اس طرح ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کو لے گئے اور قربت کے محل میں انہوں نے پہنچایا اور آپ کا نفس طرح طرح کی قیدوں سے منقطع ہوا اس درجہ پر پہنچے کہ آپ کا دل ہوا اور آپ کا نفس دل کے درجہ پر پہنچا اور دل جان کے درجہ ہوا اور جان سر کے محل میں پہنچی اور سر تمام درجوں سے فانی ہوا۔ اور تمام مقاموں سے محو ہوا اور نشانیوں سے بے نشان ہوئے اور مجاہدہ میں مشاہدہ سے غائب ہوئے اور معائنہ سے معائنہ کی طرف دوڑے اور آپ کا انسانی مشرب بکھرا۔ اور آپ کی نفسانیت کا مادہ جل گیا اور آپ کی قوت طبعی نیست ہوئی اور شواہد ربانی اپنی ذات میں عیاں ہوئے اپنے آپ سے پیچھے ہٹے معنی معنی کی طرف پہنچا اور کشف لم یزل میں محو ہوتے اپنے اختیار کے بغیر شوق کے خیال .... اختیار کر کے کہا کہ .... بار خدایا مجھے اس مصیبت کے گھر میں نہ پہنچا اور طبیعت اور ہوا کی قید میں نہ ڈال۔ فرمان آیا کہ ہمارا حکم آپ کو واپس ہی کر دینے کا ہے، دنیا میں ہماری شریعت کو قائم کرو۔ جو کچھ ہم نے آپ کو یہاں پہ دیا ہے وہی کچھ آپ کو وہاں پر ملے گا جب دنیا میں واپس تشریف لائے، جس وقت آپ کا دل اس مقام معلی کا مشتاق ہوتا فرماتے اَرِحْنَا يَا بِلَالُ بِالصَّلٰوةِ یعنی اے بلال ہم کو نماز کی اذان سے خوش فرماؤ پس ہر نماز آپ کیلئے معراج ہوتی اور نیز نزدیکی کا موجب ہوتی اور خلقت آپ کو نماز میں دیکھتی مگر آپ کی جان نماز میں ہوتی اور آپ کا دل نیاز میں اور آپ کا سر راز میں اور آپ کا بدن گداز میں ہوتا یہاں تک

کہ آپ کی نماز آپ کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی۔ آپ کا بدن ملک میں ہوتا اور آپ کی روح عالم ملکوت میں ہوتی آپ کا بدن انسانی ہوتا آپ کی روح محبت اور اُنس کے محل میں ہوتی۔ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عَلَامَةُ الصِّدْقِ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ تَابِعٌ مِّنَ الْحَقِّ اِذَا دَخَلَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ بَعَثَهٗ عَلَيْهَا وَيُنَبِّهُهٗ اِنْ كَانَ نَائِمًا یعنی صادق وہ ہوتا ہے کہ خداوند کریم اسپر فرشتہ بھیجتا ہے جب نماز کا وقت آتا ہے وہ فرشتہ اس کو نماز کیلئے اٹھا دیتا ہے اور جب سویا ہوا ہو تو فرشتہ اس کو نیند سے جگا دیتا ہے، اور یہ بات سہل بن عبداللہ میں ظاہر تھی کیونکہ وہ زمانے کے بوڑھے مرد تھے مگر نماز کا وقت آتا تو بالکل تندرست ہو جاتے تھے اور جب نماز ادا فرما لیتے وہیں پر پڑے رہتے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک شیخ بیان کرتے ہیں مُحْتَاجُ الْمُصَلِّيْ اِلٰى اَرْبَعَةِ اَشْيَاءَ فَنَاءُ النَّفْسِ وَذِهَابُ الطَّبْعِ وَصَفَاءُ السِّرِّ وَكَمَالُ الْمُشَاهَدَةِ یعنی نمازی چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے (۱) نفس کی فنا (۲) طبع کا جاتے رہنا (۳) باطن کی صفائی (۴) مشاہدہ کا کمال۔ یعنی نماز پڑھنے والے کو بجز فنائے نفس کے چارہ نہیں ہے، اور وہ ہمت کی جمع کے سوا، نہیں ہوتا جب ہمت مجتمع ہوئی نفس کی ولایت کو پہنچا کیونکہ اس کا وجود تفرقہ سے ہے جمع کی عبارت کے تحت میں نہیں آسکتا۔ اور طبع کا گم ہونا جلال کے ثابت کرنیکے سوا نہیں ہوتا اسلئے کہ خدا کا جلال غیر کے زوال کا موجب ہوتا ہے، اور باطن کی صفائی محبت کے سوا نہیں ہوتی۔ اور مشاہدہ کا کمال باطنی صفائی کے ماسوا نہیں ہوتا۔ اور روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حسین بن منصور ایک رات دن میں چار سو رکعت نماز اپنی فریضہ نماز سے زائد پڑھا کرتے تھے کچھ لوگوں نے پوچھا کہ جس درجہ میں آپ ہیں اتنا رنج کیوں اٹھا رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ رنج اور راحت تیرے حال کا نشان دیتے ہیں اور وہ دوست جو کہ فانی الصفت ہوتے ہیں۔ رنج اور تکلیف ان میں اپنا اثر نہیں دکھلاتی۔ دیکھو کاہلی کا نام رسیدگی نہ رکھنا اور حرص کو طلب نہ کہنا ایک کہتا ہے کہ میں ذوالنون کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ جب ذوالنون نے تکبیر تحریمہ کہی تو بیہوش ہو گیا اور گر پڑا اور آپ کا جسم بالکل بے حس ہو گیا۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ جب بوڑھے ہو گئے جوانی کے وِردوں میں سے کوئی وِرد آپ نے نہ چھوڑا۔ مریدوں نے عرض کی کہ اے شیخ آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ کچھ قدرے نوافل میں تخفیف فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ وِرد ہیں کہ انہی کی بدولت میں اس درجہ پر پہنچا ہوں

بڑی مشکل ہے کہ انہیں ان کو چھوڑ دوں اور مشہور ہے کہ ملائکہ ہمیشہ عبادت میں ہیں اور ان کا مشرب فرمانبرداری ہے، اور ان کی غذا بھی عبادت ہی ہے کیونکہ وہ روحانی ہیں۔ اور ان کا نفس نہیں ہے اور بندہ کو طاعت سے روکنے والا نفس ہے ہر چند کہ وہ مقہور زیادہ ہوتا ہے بندگی کرنیکا طریق اسپر زیادہ آسان ہوتا ہے، اور جب نفس فانی ہوتا ہے تو غذا اور مشرب اس کا عبادت ہو جاتا ہے، جیسا کہ فرشتوں سے نفس کی فنا صحیح ہوتی ہے، اور عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک عورت کو اپنے بچپن کے زمانے میں دیکھا اور وہ عابدہ عورت تھی نماز کی حالت میں بچھو نے اس کے چالیس جگہ ڈنگ مارا اور اس میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہ ہوا جب نماز سے فارغ ہوئی میں نے کہا اے ماں کس لئے اس بچھو کو تو نے اپنے آپ سے دور نہیں پھینک دیا اس نے کہا اے بیٹے تو ابھی بچہ ہے کس طرح جائز ہو سکتا تھا کہ میں خدا کے کام میں اپنا کام شروع کر دیتی۔ ابو الخیر اقطع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کو گوشت خورہ لگا ہوا تھا۔ طبیبوں نے پاؤں کاٹنے کی صلاح دی اور آپ نے رضامندی ظاہر نہ فرمائی مریدوں نے کہا کہ نماز پڑھنے کی حالت میں ان کا پاؤں کاٹ دینا چاہیئے کیونکہ آپ کو اس وقت کچھ ہوش نہیں رہتا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، آپ نے اپنا پاؤں کٹا ہوا دیکھا۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت روایت ہے کہ آپ جب رات کی نماز میں قرآن پڑھتے تو آہستہ آواز سے پڑھتے، اور عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کی نماز میں بلند آواز سے قرات پڑھتے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تو کیوں آہستہ قرات پڑھتا ہے۔ تو جواب میں عرض کیا۔ یَسْمَعُ مَنْ اُنَاجِیْ یعنی جس کی میں مناجات کرتا ہوں وہ سنتا ہے چاہے اونچی مناجات کروں یا نیچی۔ اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیوں بلند آواز سے تو قرات پڑھتا ہے آپ نے جواب عرض کی اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّیْطٰنَ یعنی میں سوئے ہوؤں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو دھتکارتا ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ تو آہستہ پڑھا کر اور ابوبکرؓ تو بلند آواز سے پڑھا کر یعنی اپنی عادتوں کے خلاف کرو پس اس طائفہ کے بعض تو فرائض کو آشکارا کر کے پڑھتے ہیں اور نوافل پوشیدہ طور پر پڑھتے ہیں۔ اور یہ اسلئے کرتے ہیں تاکہ ریا سے خلاصی حاصل کریں کیونکہ جب کوئی شخص معاملہ میں ریا کو اختیار کرتا ہے اور مخلوقات کی توجہ اس کی طرف

ہو جاتی ہے تو وہ ریاکار ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اگرچہ ہم معاملہ کو نہیں دیکھتے مخلوق کو تو دیکھتے ہیں اور یہ بھی ریا ہوتا ہے۔ اور ایک گروہ فرائض اور نوافل کو بھی آشکارا کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ریا باطل ہے اور خدا کی طاعت میں محال ہو گی کہ باطل کی خاطر حق کو ہم پوشیدہ کریں گے بس ریا کو دل سے باہر کرنا چاہیئے۔ اور عبادت جس جگہ تیرا جی چاہے کر۔ اور مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عبادت کے آداب کا حق رکھتے ہیں۔ اور مریدوں کو اس کا حکم فرماتے رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ میں نے چالیس برس سفر کیا میں نے کوئی نماز جماعت کے بغیر نہیں پڑھی ہر جمعہ کو میں قصبہ میں ہوتا تھا اور اس کے احکام اس سے زیادہ ہیں اس لئے کہ اس کے احکام حصر میں نہیں آسکتے اور جو کچھ نماز میں قبل ہوتا ہے محبت کے مقامات سے ہوتا ہے اب ہم اس کے احکام کو تمام لاتے ہیں اگر اللہ عزوجل کو منظور ہوا۔

باب محبت اور اس کے متعلقات کا بیان

خدائے عزوجل نے فرمایا۔ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جو شخص تم سے اپنے دین سے پھر جائے پس عنقریب اللہ عزوجل ایسی قوم کو پیدا فرمائے گا کہ وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ اور نیز فرمایا۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اور بعض لوگوں سے ایسے ہیں کہ اللہ عزوجل کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بنا لیتے ہیں۔ کہ ان کو اللہ کی طرح دوست رکھتے ہیں اور ایمانداروں کی محبت اللہ عزوجل سے سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبرائیل سے سنا اور اس نے خدائے عزوجل سے سنا کہ اللہ صاحب نے ارشاد فرمایا مَنْ اَهَانَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْمُحَارَبَةِ وَمَا تَرَدَّدْتُ فِیْ شَیْءٍ كَتَرَدُّدِیْ فِیْ قَبْضِ نَفْسِ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ یَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّیَدًا وَّرِجْلًا وَّلِسَانًا الخ[1] اور نیز فرمایا اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ لِجِبْرِیْلَ یَا جِبْرِیْلُ اِنِّیْ

[1] والیہ قال من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ

أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرَائِيلُ ثُمَّ يَقُولُ جِبْرَائِيلُ لِأَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا
فَأَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ الْأَرْضِ وَفِي بَعْضِ الرِّوَايَةِ
مِثْلُ ذٰلِكَ یعنی جس نے میرے ولی کی اہانت کی پس تحقیق اس نے مجھ سے لڑائی کرنے میں مقابلہ
کیا اور میں نے اتنا تردد کبھی کسی شے میں نہیں کیا جتنا کہ اس مومن کی جان لینے میں تردد کرتا ہوں۔ جو موت
کو مکروہ سمجھتا ہے اور میں اس کی ناگواری نہیں چاہتا حالانکہ اس کو اس کی ضرورت ہے،
اور نہیں تقرب حاصل کر سکتا کوئی بندہ نزدیک میرے سوا ادا کرنے فرائض کے اور ہمیشہ
بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے نوافل کے ادا کرنے سے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا
ہوں پس جس وقت میں اس کو دوست رکھتا ہوں ہو جاتا ہوں میں اس کے کان اور اس کی آنکھیں
اور اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں اور اس کی زبان الخ اور نیز فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے جو شخص دوست رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو اور جو شخص
مکروہ سمجھتا ہے اللہ کی ملاقات کو اللہ اس کی ملاقات کو مکروہ سمجھتا ہے اور نیز فرمایا رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے فرماتا ہے جبرائیل سے کہ اے جبرائیل
تحقیق میں دوست رکھتا ہوں فلاں آدمی کو پس تو بھی اس کو دوست رکھ جبرائیل بھی اس کو
دوست رکھتا ہے پھر جبرائیل آسمانوں میں منادی کرتا ہے کہ اے آسمان کے رہنے والو
تحقیق اللہ عزوجل دوست رکھتا ہے فلاں شخص کو پس تمام آسمان والے اس کو دوست رکھتے
ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین کے رہنے والوں میں ہوتی ہے پس دوست رکھتے ہیں اس
کو باشندگان زمین اور بعض روایتوں میں مثل ذالک کا لفظ ہے۔

جان تو کہ محبت اللہ عزوجل کی بندہ کو اور محبت بندہ کی خدا کو درست ہے کتاب و سنت
اس پر شاہد ہے اور امت اس پر متفق ہے کہ خداوند تعالیٰ میں ایک صفت ہے کہ اولیاء اس کو
دوست رکھتے ہیں اور وہ اپنے اولیا کو دوست رکھتا ہے اور لغت میں محبت حبت سے ماخوذ ہے
اور وہ تخم ہوتا ہے جو کہ صحرا کی زمین پر گر پڑتا ہے پس دانہ کو حب اسی لئے کہتے ہیں کیونکہ زندگی کی
اصل اس میں ہے جیسا کہ جڑیں انگوریوں کی مانند میں جیسا کہ تخم کو جنگل میں ڈالیں اور خاک میں چھپا
دیں اور اس پر بارش ہو اور پھر آفتاب کی حرارت اس کو پہنچے اور سردی و گرمی کا اس پر گذر ہو

اور وہ ساتھ تیز زمانے کے متغیر نہ ہو اپنے موسم پر آتا ہے پھر پھول اور پھل نکالتا ہے ایسا ہی حب محبت مسکین کے دل میں قرار پکڑتی ہے، تو حضور اور غیبت اور بلا اور محنت اور راحت اور لذت اور فراق اور وصال سے نہیں بدلتی اور اس معنی میں ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر، یَا مَنْ سَقَامُ جُفُوْنِهٖ لِسَقَامِ عَاشِقِهٖ طَبِيْبٌ جَاءَتْ لِمَوَدَّةٍ فَاسْتَوٰى عِنْدِيْ حُضُوْرُكَ وَالْمَغِيْبُ یعنی اے وہ شخص بیمار ہوئے اس کے پلک البتہ بیمار ہوا اس کا عاشق طبیب، تمہاری دوستی پس برابر ہوا میرے نزدیک تیرا حضور اور غیبت۔ اور نیز کہتے ہیں کہ ماخوذ ہے حب سے کہ جس میں پانی بہت بھرا ہوا ہو اور چشموں کا پانی اس میں دور کرنے جانے والا ہو۔ اور اس کو باز رکھنے والا ہو اور ایسے ہی حُب طالب کے دل میں جمع ہوتی ہے اور اس کا دل بھرا ہوا ہوتا ہے، دوست کی باتوں کے بغیر اس کے دل میں جگہ رہتی جیسا کہ جس وقت خداوند تعالیٰ خلیل کو خلّت کی خلعت کے ساتھ مشرف کرتا ہے اور سوا حدیث حق کے اس کو خالی کرتا ہے عالم اور اہل عالم اس کا حجاب ہونے ہیں تو وہ بسبب دوستی خدا کے تمام حجابوں کا دشمن ہوا اس وقت اس کے حال اور کلام سے ہم کو خبر دی اور فرمایا۔ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ پس تحقیق وہ میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین اور اس معنی میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سُمِّیَتِ الْمَحَبَّۃُ لِاَنَّھَا تَمْحُوْ مِنَ الْقَلْبِ مَاسِوَی الْمَحْبُوْبِ یعنی محبت کا نام اس واسطے محبت رکھا گیا ہے کہ وہ دلوں سے ماسوی محبوب کے سب کو مٹا دیتی ہے اور نیز کہتے ہیں کہ حب اس چوپائی .... لکڑی کا نام ہے کہ جس پر گندہ پانی کا رکھتے ہیں پس حب کو حب اسی لئے کہتے ہیں کہ محب دوست کی عزت اور ذلت اور رنج اور بلا اور جفا اور وفا وغیرہ کو اٹھا سکتا ہے اور اس پر گراں نہیں گذرتا۔ کیونکہ اس کا کام وہی ہوتا ہے جیسا کہ ان لکڑیوں کا کام بوجھ اٹھانے کا ہوتا ہے پس محب کی ترکیب اور پیدائش دوست کا بوجھ اٹھانے کو ہوتی ہے اور اس معنی میں کہتا ہے، شعر، اِنْ شِئْتَ جُوْدِیْ وَاِنْ شِئْتَ فَامْتَنِعْ نَوْ کِلَاھُمَا مِنْكَ مَنْسُوْبٌ اِلَی الْكَرَمِ یعنی اگر چاہے تو بخشش میری اور اگر چاہے تو میرا روکنا دونوں طرف تیری نسبت کی گئی طرف بخشش کی اور نیز کہتے ہیں کہ محبت ماخوذ حب سے ہے اور وہ میم دل کا حبہ ہوتا ہے اور حبہ دل کا محل لطیف ہے، اور قوام دل کا اس کے ساتھ ہوتا ہے اور محبت کا قیام بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے پس محبت کا نام حب اس کے محل کے نام سے مقرر کیا گیا ہے،

اس لئے کہ اس کا قرار محبت کے دل میں ہے، اور عرب کسی چیز کا نام اس کے محل کے نام کیسا تھ کرتے ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ ماخوذ ہے حُبَابُ الْمَاءِ وَغَلَيَانُهُ عِنْدَ الْمَطَرِ الشَّدِيْدِ یعنی وہ ایک پانی کا جوش ہوتا ہے جس وقت کہ بارش زوروں پر ہو پس محبت کا حب نام اس لئے مقرر کیا ہے کہ لِاَنَّهٗ غَلَيَانُ الْقَلْبِ عِنْدَ الْاِشْتِيَاقِ اِلٰى لِقَاءِ الْمَحْبُوْبِ یعنی ہمیشہ دوست کا دل دوست کے دیدار کے شوق میں مضطرب اور بیقرار ہوتا ہے، جیسا کہ جسم روحوں کے مشتاق ہیں اور جیسا کہ قیام جسم روح سے ہوتا ہے ایسے ہی حُب کا قیام محبت کے ساتھ ہوتا ہے، اور محبت کا قیام محبوب کے وصل اور رویت سے ہوتا ہے، اور اس معنی میں کوئی کہنے والا کہتا ہے، شعر، اِذَا تَمَنَّى النَّاسُ رَوْحًا وَّرَاحَةً ۔ تَمَنَّيْتُ اَنْ اَلْقَاكَ يَا عِزُّ خَالِيًا ۔ یعنی جس وقت آرزو کرتے ہیں لوگ فرحت اور آرام کی تب اس وقت آرزو کرتا ہوں کہ اے عزیز تجھ کو تیرے حال پر رہنے دوں، اور نیز کہتے ہیں، کہ محبت دوستی کی صفائی کا نام موضوع ہے کیونکہ عرب انسان کی آنکھ کی سفیدی کی صفائی کو حبۃ الانسان کہتے ہیں۔ ویسے ہی دل کے نقطۂ سیاہ کی صفائی کو حبۃ القلب کہتے ہیں پس یہ ایک محبت کا مقام ہوا اور وہ دوسرا رویت کا مقام ہوا۔ اس معنی سے ثابت ہوتا ہے کہ دل اور آنکھ دوستی میں آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس معنی میں کوئی کہتا ہے شعر، اَلْقَلْبُ يَحْسُدُ عَيْنِيْ لَذَّةَ النَّظَرِ ۔ وَالْعَيْنُ يَحْسُدُ قَلْبِيْ لَذَّةَ الْفِكْرِ ۔ یعنی دل میری آنکھ میں لذت نظر کو پاتا ہے اور آنکھ میرے دل میں فکر کی لذت کو پاتی ہے،

فصل

جان تو کہ لفظ محبت علماء تین معنوں میں استعمال کرتے ہیں ایک محبوب کے ساتھ ارادت کیلئے کے معنی میں، مگر بغیر آرام یعنے نفس کے اور میلان دل اور آرزو قلب کے اور ان سب کا تعلق قدیم پر جائز نہ ہوگا اور یہ تمام معانی مخلوقات کیلئے جائز ہوتے ہیں یعنی مخلوق کو ایک دوسرے کی طرف رغبت اور آرزو ہوتی ہے، اور خداوند تعالیٰ مستغنی اور بلند ہے، ان سب باتوں سے اس کی شان ان سب سے بالا ہے۔ اور دوسرے محبت بمعنی احسان ہوتی ہے، خاص کر بندے پر جو اس پر برگزیدہ کرتا ہے اور کمال ولایت کے درجہ پر پہنچاتا ہے اور طرح طرح کی کرامتوں سے اس کو

مخصوص فرماتا ہے۔ اور تیسرے محبّت بمعنی ثنائے جمیل بندہ۔ اور متکلّمین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خدا کی محبت کہ جس سے ہم کو خبر دی گئی ہے منجملہ سمعی صفات کے ایک صفت ہے جیسے وجہ اور ید اور استواء اس لئے کہ اگر کتاب اور حدیث سے اس پر شہادت نہ ہوتی تو ان کا وجود عقل کی رو سے خدا کی ذات کیلئے محال ہوتا پس اس محبت کو میں ثابت کرتا ہوں اور واپس ہوتا ہوں اس کی طرف لیکن ان کے تصرّف کرنے میں توقّف کرتا ہوں اور اس طائفہ کی مراد یہ ہے، کہ وہ اس لفظ کا اطلاق خداوند کریم پر جائز نہیں رکھتے اور یہ سب مقولے ہیں کہ جو میں نے بیان کئے ہیں۔ میں اس کی حقیقت انشاء اللہ تعالیٰ بیان کروں گا۔ جان تو کہ حق تعالیٰ کی محبّت بندہ پر اس کا نیک ارادہ اور بندے پر رحمت کرنا ہے۔ اور محبّت ارادت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جیسے رضا اور غضب اور رحمت اور شفقت وغیرہم ان ناموں کا ارادتِ الٰہی کے ناموں کے سوا استعمال جائز نہیں اور محبّت ایک قدیمی صفت ہے اور وہ اپنی فعلوں کو اسی سے یاد فرمایا کرتا ہے پس مبالغہ کے حکم اور فعل کے اظہار میں بہ نسبت بعض کے بعض ان صفتوں سے زیادہ مخصوص ہیں اور کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم کی محبّت بندہ پر یہ ہے کہ خداوند کریم اس کو نعمت عطا فرمائے اور اس کو دنیا اور آخرت میں ثواب عطا کرے، اور عذاب کے مقام سے اس کو بےخوف کرے، اور اس کو گناہوں سے بچائے رکھے، اور بلند احوال اور اونچے مقامات سے اس کو سرفراز فرمائے اور اس کے سر کو غیر کی طرف جھکنے سے توڑ دے اور عنایت ازلی کو اس کے ساتھ پیوند کرتا ہے تاکہ سب سے علیحدہ ہو جائے، اور بالخصوص رضا کی جستجو کیلئے اس کو چن لیتا ہے اور جب خدا تعالیٰ بندہ کو ان معانی سے مخصوص فرماتا ہے اس کے اس خاص ارادے کا نام محبّت رکھتے ہیں۔ اور یہ مذہب حارث محاسبی اور جنیدؒ اور مشائخ کی ایک جماعت کا ہے اور فقہا اور متکلّمین اہل سنّت ہر دو کا مسلک اس سے بھی اوپر ہے، اور جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت ثنائے جمیل بندہ کے معنی میں ہے اور اس کی ثنا اس کا کلام ہوتا ہے، اور اس کا کلام غیر مخلوق ہوتا ہے، اور غیر مخلوق کا پیوند مخلوق سے کس طرح درست ہو سکتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ محبّت بمعنی احسان ہے اس کا احسان اس کے فعل کے ساتھ ہوتا ہے، اور یہ سب مقولے معنی کے حکم میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اور حکم سب کا موجود ہے لیکن بندہ کی محبت خاص خدائے عزوجل کیواسطے

یہ ہے کہ بندہ کی محبت ایک صفت ہے جو کہ مطیع مومن کے دل میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ محبت
معنی میں تعظیم اور تکثیر کے ہے تاکہ محبوب کی رضا کو طلب کرے اور اس کی رویت کی طلب میں
بے خبر ہو ، اور اس کی نزدیکی کی آرزو میں بیقرار ہو ، اور بدون اس کی ذات کے کسی سے
قرار نہ پاوے اور اسی کے ذکر کی عادت کرے اور اس کے غیر کے ذکر سے بیزاری ظاہر کرے ،
آرام اس پر حرام ہو جاتا ہے اور قرار اس سے بھاگ جاتا ہے ، اور تمام مرغوب اشیاء اور انس والی
اشیاء سے علیحدہ ہو جاتا ہے اپنی خواہشوں سے روگردان ہوتا ہے اور دوستی کے بادشاہ کی
طرف توجہ کرتا ہے ، اور اس کے حکم کی تعمیل کیلئے گردن نیچی کرتا ہے ۔ اور خداوند تعالیٰ کی
کامل صفتوں کو پہچانتا ہے اور کبھی بھی یہ جائز نہ ہوگا کہ خالق کی محبت مخلوق کی محبت کے ہمجنس ہو جائے
اور وہ ایک دوسرے کا احاطہ کرنے کیلئے مائل ہونا اور محبوب کو پالینا ہوتا ہے اور یہ صفت
اجسام کی ہوتی ہے پس حق تعالیٰ کے محب اس کے قرب کی ہلاکت طلب کرنیوالے ہوتے ہیں ۔
نہ اس کی کیفیت کے طلب کرنیوالے ہوتے ہیں اس لیئے کہ طالب خود بخود دوستی میں قائم ہوتا
ہے اور مستہلک یعنی ہلاکت کی طلب کرنیوالا محبوب کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور محبت کے
میدان میں سب محبتوں سے زیادہ محب مستہلک اور مقہور ہیں ۔ کیونکہ حادث کو قدیم کے ساتھ
اسکے قدیمی شہر کے سوا توصل نہ ہوگا اور جو شخص حقیقی محبت سے خبردار ہو جاتا ہے اس کو
کوئی شک اور شبہ اور کسی قسم کی مشکل نہیں رہتی ۔ تمام شبہات اور مشکلیں یک لخت اٹھ جاتی ہیں
پس محبت کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک محبت جنس کی جنس کی طرف ہے اور نفس کا مائل ہونا اور وطن
بنا لینا ہے اور محبوب کی ذات کا ازراہ ممارست یعنی کوشش کرنیکے اور ازراہ ملازمت یعنی
چمٹنے کے طالب ہوتا ہے اور دوسری محبت جنس کی غیر جنس کی طرف اور وہ قرار کی جستجو
کرتا ہے تاکہ محبوب کے اوصاف سے کسی صفت کے ساتھ آرام پالے ، اور انس پکڑے جیسے
کلام کا سننا اور یاد رکھنا اس کے دیدار کا اور خدا کی محبت کے گرویدہ دو قسم پر ہیں ایک تو وہ ہیں
کہ اپنے پر خدا کا انعام اور احسان دیکھتے ہیں اور محسن اور منعم کی محبت کا احسان اور دیدار کے
انعام کا تقاضا کرتے ہیں ، اور دوسرے وہ ہیں ۔ جو کل انعاموں کو دوستی کے غلبہ کی وجہ سے حجاب
کے محل میں رکھیں اور ان کا راستہ نعمتوں کے دیکھنے سے منعم کی طرف ہوتا ہے اور یہ راستہ منعم

کا بہت عالی ہے واللہ اعلم بالصواب

فصل

اور محبت ہر طرح کی خلقت میں مشہور ہے اور تمام زبانوں میں مشہور ہے اور تمام زبانوں میں شائع و ذائع ہے اور عقلمندوں کی کوئی قسم ایسی نہیں کہ جو محبت کے نام سے آشنا نہ ہوں۔ اور صوفیوں کے گروہ شیخ سمنون المحبؒ محبت میں ایک مذہب خاص اور مشرب مخصوص رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خداوند کریم کے راستہ کا قاعدہ محبت ہی ہے اور احوال اور مقامات کی منزلیں اسی پر موقوف ہیں جس منزل اور محل میں طالب ہو اس میں زوال روا ہو سکتا ہے بجز خداوند کریم کی محبت کے مقام کے کہ کسی صورت میں اس پر زوال نہیں آسکتا جب تک کہ راہ محبت کی موجود ہو۔ اور دوسرے تمام مشائخ نے آپ سے اس معنی میں موافقت کی ہے مگر باوجود اس کے کہ یہ عام نام تھا اور اہل ظاہر نے چاہا کہ اس معنی کا حکم مخلوق سے چھپا دیں اور نام کو انہوں نے اس حقیقی معنی کے ہٹے جانے سے بدل دیا۔ پس محبت کی صفا کا نام انہوں نے صفوت مقرر کیا اور محب کو صوفی کہنا شروع کیا۔ اور ایک گروہ نے محب کے اختیار چھوڑنے کو حبیب کے اختیار ثابت کا نام فقر رکھا اور محب کو فقیر کہا۔ کیونکہ بہت درجہ محبت کا موافقت ہے اور حبیب کی عیب اور حبیب میں موافقت ہوتی ہے مخالفت نہیں ہوتی۔ اور میں نے ابتداء کتاب میں صفوت اور فقر کا ذکر کیا ہے اور اس معنی میں وہ پیر بزرگوار کہتا ہے، اَلْحُبُّ عِنْدَ الزُّهَّادِ اَظْهَرُ مِنَ الْاِجْتِهَادِ یعنی حب اہدوں کے نزدیک اجتہاد سے زیادہ تر مشہور ہے، وَعِنْدَ التَّائِبِیْنَ اَوْجَدُ مِنْ اَنِیْنٍ وَّحَنِیْنٍ اور توبہ کرنیوالوں کے نزدیک آہ وزاری کرنے سے زیادہ آسان ہے وَعِنْدَ الْاَتْرَاکِ اَشْهَرُ مِنَ الْفِتْرَاکِ اور ترکوں کے نزدیک حب گھوڑے کی فتراک (یعنی وہ رسی جو کہ زین کے دائیں بائیں شکار لٹکانے کیلئے بندھی ہوئی ہوتی ہے) سے زیادہ مشہور ہے وَصَبِیُّ الْحُبِّ عِنْدَ الْهُنُوْدِ اَظْهَرُ مِنَ الْمَحْمُوْدِ وَرَحْمٌ وَنَهْبٌ اور محبت ہندوؤں کے نزدیک محمود کے ہندوستان پر زخم کرنے سے زیادہ مشہور ہے وَقِصَّةُ الْحُبِّ وَالْحَبِیْبِ عِنْدَ الرُّوْمِ اَشْهَرُ مِنَ الصَّلِیْبِ یعنی قصہ محبت اور حبیب کا روم میں صلیب سے زیادہ مشہور ہے۔

وَقِصَّةُ الْحُبِّ فِي الْعَرَبِ اَدَبٌ فِي كُلِّ حَيٍّ مِنْهُ طَرَبٌ اَوْ وَيْلٌ وَحَرَبٌ وَحُزْنٌ۔ اور قصہ محبت کا
عرب میں اس کے ہر قبیلہ میں اس کے خوشی یا غم و افسوس اور ہزیمت وغیرہ سے زیادہ مشہور
ہے، اور مُراد اس سے یہ ہے کہ کوئی جنس آدمیوں کی ایسی نہیں ہے کہ جس کے دل میں محبت
کی کشایش اور فرحت نہ ہو اور یا اس کا دل محبت کی شراب سے مست نہ ہو اور یا محبت کے
قہر یعنی غلبہ سے مخمور نہ ہو۔ کیونکہ دل کی ترکیب بیقراری سے ہے، اور عقل کا دریا دوستی کی شراب
میں ہے، اور دل کی محبت کھانے پینے کی خواہش کے مثل ہے اور جو دل محبت سے خالی ہو
وہ خراب ہے اور تکلف کو اس کے دور کرنے اور اپنی طرف کھینچنے میں راہ نہیں ہے اور نفس
ان لطائف سے جو دل پر گذرتے ہیں آگاہ نہیں ہے۔

اور عمرو بن عثمان مکی محبت کے باب میں لکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے دلوں کو جسموں سے
ستر ہزار برس پہلے پیدا فرمایا اور قرب کے مقام میں جگہ دی اور ان کی جانوں اور دلوں سے
ستر ہزار برس پہلے پیدا فرمایا اور ان کو انس کے درجہ میں رکھا اور سروں کو جانوں سے ستر ہزار برس
پہلے پیدا فرما کر وصل کے درجہ میں رکھا اور ہر روز تین سو ساٹھ دفعہ سر پر تجلی کی اور تین سو ساٹھ مرتبہ
جانوں پر کرامت کی نظر کی اور محبت کا کلمہ جانوں کو سنوایا۔ اور تین سو ساٹھ لطیفے محبت کے
دل پر ظاہر کئے یہاں تک کہ انہوں نے تمام جہان میں نظر کی اور اپنے سے کسی کو انہوں نے
زیادہ فضیلت والا نہ پایا اس وجہ سے ان میں فخر ظاہر ہوا حق تعالیٰ نے اس کی وجہ سے ان
کا امتحان کیا سر یعنی بھید کو جان میں مقید کیا، اور جان کو دل میں محبوس کیا۔ اور دل کو پھر بدن میں
رکھا پھر عقل کو اس میں مرکب کیا۔ اور انبیاء بھیجے اور حکم دیئے۔ پھر ہر شخص اپنے اس مقام کی تلاش
کرنے والا ہوا حق تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا۔ تاکہ بدن نماز میں ہو اور دل محبت کیساتھ ملا ہوا ہو اور جان
نزدیکی کو پہنچے بھید نے وصل کے ساتھ قرار پکڑا۔ الغرض محبت کا بیان لفظوں سے ادا نہیں ہو سکتا۔
اس لئے کہ محبت حالی چیز ہے اور کبھی قالی نہیں ہوتی۔ اگر ایک جہان چاہے کہ میں محبت کو اپنی طرف
کھینچ لوں ہرگز نہ کھینچ سکیگا اور اگر تکلف سے اس کو دور کرنا چاہیں تو بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے
کہ حال خداوند کریم کی بخششوں سے ہے نہ کہ بندہ کے کسبوں سے اور اگر تمام جہان محبت
کو اس شخص کیلئے کہ جو محبت کا طالب نہیں کھینچنے کی کوشش کرے تو نہیں کھینچ سکتا، اور

اگر تمام جہان مل کر اس کے اہل سے محبت کو دور کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ بلکہ عاجز ہو جائے گا۔ اس لئے کہ محبت الہٰی اور آدمی لاہی (دھکیل کرنے والا) ہے اور کوئی لاہی الہٰی کو نہیں پا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل

لیکن عشق میں مشائخ رحمہم اللہ کے بہت سے اقوال ہیں۔ اور ایک گروہ صوفیوں کا عشق کو حق تعالیٰ پر روا رکھتا ہے لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو روا نہیں رکھتا اور صوفی کہتے ہیں کہ عشق اپنے محبوب سے روکے جانے کی ایک صفت ہے اور بندہ حق تعالیٰ سے روکا گیا ہے اور حق تعالیٰ بندہ سے روکا گیا ہے پس عشق بندہ پر جائز ہو گا۔ اور خدا پر روا نہ ہو گا۔ اور پھر ایک گروہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ پر بندہ کا عشق بھی روا نہیں کیونکہ عشق حد سے گذرنا ہوتا ہے، اور خداوند کریم محدود نہیں ہے اور پھر متاخرین کہتے ہیں کہ عشق دو جہان میں درست نہیں آتا کیونکہ خدا کی ذات کے ادراک کی جستجو پر روا ہو سکتا ہے اور حق تعالیٰ مدرک نہیں ہے اور محبت صفت پر درست ہو سکتی ہے اور بندہ کا اس کی ذات پر عشق درست نہیں ہونا چاہیئے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عشق دیدار کے بغیر خیال میں نہیں آسکتا اور محبت سننے کیساتھ روا ہوتی ہے جب عشق دیدار کرنے پر موقوف ہے تو خدا پر روا نہ ہو گا اس لئے کہ دنیا میں کسی شخص نے اس کو نہیں دیکھا اور جب خداوند کریم کی طرف سے بے خبر تھی۔ ہر ایک نے اس کا دعویٰ کیا کیونکہ خطاب میں سب مساوی ہیں پس حق تعالیٰ ذات کے لحاظ سے مدرک اور محسوس نہیں ہے تاکہ مخلوق کو اس کا عشق درست آئے، اور جب وہ افعال اور صفات کے ساتھ اپنے اولیاء پر احسان کرنے والا اور کرم کرنے والا ہے، تو محبت ساتھ صفات کے درست آئیگی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب یعقوب علیہ السلام یوسف کی محبت میں غرق ہو گئے تو اس وقت آپ کی فراق کی حالت تھی اور جب پیراہن کی خوشبو پائی تو آنکھیں روشن اور بینا ہوئیں۔ اور جب زلیخا کو یوسف کے عشق نے ہلاک کیا جب تک یوسف علیہ السلام کا وصل نہ پایا آنکھیں بینا نہ ہوئیں اور یہ طریقہ بہت ہی عجیب ہے کہ ایک ہوا کو اختیار کرتا ہے اور ایک ہوا کو چھوڑتا ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عشق کی ضد نہیں ہے اور حق تعالیٰ کی بھی ضد نہیں ہے اب چاہیئے کہ عشق اس پر جائز ہو اور اس فصل میں لطیفے بہت

ہیں مگر میں بخوف طوالت اسی پر اکتفا کرتا ہوں واللہ اعلم بالصواب

فصل

اور دوستی کی تحقیق میں اس طائفہ کے مشائخ کی رمزیں بیشمار ہیں کہ جن کا احاطہ نہیں ہو سکتا
میں اس کتاب میں تھوڑی سی ان میں سے بیان کروں گا تاکہ برکت پیدا ہو جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ
اُستاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہے اَلْمَحَبَّۃُ مَحْوُ الْمُحِبِّ بِصِفَاتِہٖ وَاِثْبَاتُ الْمَحْبُوْبِ
بِذَاتِہٖ یعنی محبت یہ ہوتی ہے کہ محب اپنے تمام اوصاف کو اپنے محبوب کی طلب کے حق میں
خدا کی ذات کے ثابت کرنے کیلئے محو کرے یعنی حب محبوب باقی ہو اور محب فانی ہو جائے، اور
دوستی کی غیرت کو محبوب کی بقا مٹا دے یہاں تک ولایت تعلق اس کے لئے ہو جائے اور محب
کی صفت کی فنا محبوب کی ذات کے فنا ہونے کے سوا ثابت نہ کرے اور روانہ ہوگا کہ محب
اپنی صفت کے ساتھ قائم ہو۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنی صفت کیساتھ قائم ہوتا تو محبوب کے جمال
سے بے نیاز ہوتا۔ اور جب جانتا ہے کہ اس کی حیات محبوب کے جمال کے ساتھ ہے تو وہ ضرور
اپنی اوصاف کی نفی ثابت کرنیکا طالب ہوگا۔ اس واسطے کہ اس کو معلوم ہے کہ اپنی صفت کے ساتھ
محبوب سے محجوب ہوگا پس اپنے دوست کی دوستی سے اپنا دشمن ہو لیا ہے، اور مشہور ہے کہ جب حسین
بن منصور علیہ رحمۃ تعالیٰ عنہ کو لوگوں نے سولی پر چڑھا دیا اس کا آخری کلام تھا۔ حَسْبُ الْوَاجِدِ
اِفْرَادُ الْوَاحِدِ لَہٗ یعنی ایک کی محبت ایک کو یگانہ سمجھنا ہے یعنی محب کو صرف یہی کافی ہے کہ
اس کی ہستی دوستی کی راہ سے پاک صاف ہو جائے، اور نفس کی ولایت اس کے وجد میں پہنچے
اور تیر متلاشی ہو جائے اور ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْمَحَبَّۃُ اِسْتِقْلَالُ الْکَثِیْرِ مِنْ نَفْسِکَ
وَاسْتِکْثَارُ الْقَلِیْلِ مِنْ حَبِیْبِکَ اور محبت یہ ہوتی ہے کہ اپنے بہت کو تو تھوڑا جانے اور اپنے تھوڑے
کو بہت دوست رکھے اور یہ معاملہ حق کا بندہ پر اس لئے کہ نعمت دنیا کی اور جو کچھ بندہ کو دنیا میں
دیا گیا ہے اس کو حق جل وعلا نے تھوڑا کہا ہے، اور فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ فرما دو اے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ دنیا کا اسباب تھوڑا ہے جو کچھ تم کو دیا گیا ہے پھر اس تھوڑی عمر اور تھوڑی
جگہ اور تھوڑے اسباب میں ان کے تھوڑے ذکر کو بہت فرمایا۔ وَالذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتِ

یعنی اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں بہت ہیں۔ تاکہ جہان کی مخلوق جان لے کہ دوست حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ یہ صفت بالخصوص مخلوق کیلئے صحیح نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے کہ جو چیز خداوند کریم کی طرف سے بندہ کو موصول ہو وہ تھوڑی نہیں ہوسکتی۔ اور جو کچھ بندہ سے ہو وہ بہت تھوڑا ہے۔ اور سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْمَحَبَّۃُ مُعَانَقَۃُ الطَّاعَاتِ وَمُبَایَنَۃُ الْمُخَالِفَاتِ یعنی محبت یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت سے ہمکنار ہو اور اس کی مخالفتوں سے تو رُو گردانی کرے اور جدا ہو اس لئے کہ جس وقت دوستی دل میں قوی ہوتی ہے فرمان دوست کا دوست پر آسان ہو جاتا ہے، اور یہ رَد اس گروہ کا ہے جو کہ اپنی بیدینی کی وجہ سے کہتا ہے، کہ بندہ دوستی کے اس درجہ پہنچ جاتا ہے کہ اطاعت اس سے اٹھ جاتی ہے یعنی احکام شرعیہ کا مکلف نہیں رہتا۔ اور یہ محض بیدینی ہے کیونکہ محال ہے کہ عقل کی صحت کی حالت میں تکلیف کا حکم بندہ سے گر جائے کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کبھی منسوخ نہ ہوگی اور جب ایک شخص سے عقل کی حالت میں تکلیف کا اٹھنا جائز ہے تو سب سے روا ہو سکتا ہے، اور یہ محض زندیقی اور بیدینی ہے اور پھر مغلوب اور دیوانہ کا حکم دوسرا ہے۔ اور نیز معذور بھی دوسرا ہے، مگر یہ روا ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ اپنی دوستی کے اس درجہ تک پہنچاوے کہ جو فرمانبرداری کا رنج اٹھانا اس سے موقوف ہو جائے، اس واسطے کہ امر کی تکلیف امر کنندہ کی محبت کے مقدار پر صورت پکڑتی ہے، ہر چند کہ محبت قوی تر ہوگی فرمانبرداری کا رنج اُٹھانا اس پر سہل ہوگا اور یہ معنی ظاہر ہے، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حال میں کہ جب حق تعالیٰ کی طرف سے لَعَمْرُکَ سی قسم آئی آپ نے رات دن میں اس قدر عبادت کی کہ تمام کاموں سے رہ گئے اور آپ کے پاؤں مبارک پر آماس ہو گئی۔ یہاں تک کہ خداوند کریم نے فرمایا طٰہٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے قرآن کو اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں اور نیز ہوسکتا ہے کہ فرمان بجالانے کی حالت میں دیدار کرنا بندہ سے اٹھے جیسا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً یعنی تحقیق میرے دل پر پردہ ہو جاتا ہے اور ہر روز ستر بار میں اپنے اعمال پر استغفار کرتا ہوں کیونکہ خود بخود اپنے کاموں کو نہیں دیکھتے تھے تاکہ اپنی فرمانبرداری پر غرور نہ ہو جائے، بلکہ خدا کے حکم کی تعظیم کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے۔ کہ میرے

کام خدا کی بارگاہ کے لائق نہیں ہیں۔ اور سمنون محب رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے ذَهَبَ الْمُحِبُّوْنَ بِاللّٰهِ بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی خدا کے دوست دنیا اور آخرت کے شرف میں ہیں۔ کیونکہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یعنی آدمی اس شخص کے ساتھ ہوگا جس کو دوست رکھتا ہو پس وہ دنیا اور آخرت میں خدا کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور اس شخص سے غطا روا نہ ہوگی کہ جس کے ساتھ وہ ہوگا پس دنیا کا شرف یہ ہوتا ہے کہ خدا ان کے ساتھ ہے اور آخرت کا شرف یہ ہے کہ وہ خدا کے ساتھ ہوتے ہیں اور یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتا ہے کہ حَقِيْقَةُ الْمَحَبَّةِ لَا يَنْقُصُ بِالْجَفَاءِ وَلَا يَزِيْدُ بِالْبِرِّ وَالْعَطَاءِ یعنی محبت ظلم سے کم نہیں ہوتی اور نہ ہی نیکی اور عطا سے زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں محبت میں سبب ہیں۔ اور سبب وجود اعیان کی حالت میں غائب ہوتے ہیں۔ اور دوست کو دوست کی بلا اچھی معلوم ہوتی ہے، اور جفا اور وفا محبت کے طریق میں ایک جیسی ہوتی ہے، جب محبت حاصل ہوگی جفا مثل وفا کے ہوگی۔ اور حکایتوں میں مشہور ہے کہ شبلی کو تہمت دیوانگی کے باعث پاگل خانہ میں لیگئے اور وہاں بند رکھا ایک گروہ آپ کی زیارت کیلئے حاضر ہوا شبلی نے فرمایا۔ مَنْ اَنْتُمْ قَالُوْا اَحِبَّاؤُكَ فَرَمَاهُمْ بِالْحِجَارَةِ فَفَرُّوْا۔ کہ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم تیرے دوست ہیں پس شبلی نے ان کے پتھر مارے پس وہ سب بھاگ گئے۔ یہاں تک کہ آپ نے کہا۔ لَوْ كُنْتُمْ اَحِبَّائِيْ لَمَا فَرَرْتُمْ مِنْ بَلَائِيْ فَاصْبِرُوْا مِنْ بَلَائِيْ۔ یعنی اگر تم میرے دوست ہوتے تو میری بلا سے کیوں بھاگتے کیونکہ دوست دوست کی بلا سے نہیں بھاگتے، اس معنی میں کلام بہت ہے اور میں اسی قدر پر بس کرتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چھٹا کشف الحجاب زکوٰۃ میں!

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ یعنی قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ کو۔ اور مانند اس کے بہت سی آیات اور احادیث ہیں اور ایمان کے فرائض کے احکام سے ایک زکوٰۃ ہے جس شخص کو اس کے ادا کرنے کی طاقت ہو اور زکوٰۃ سے رُوگردانی روا نہیں ہے لیکن زکوٰۃ اتمام نعمت پر واجب ہوتی ہے، جیسا کہ دو سو درم جو پوری نعمت ہے کسی شخص کے تصرف میں

ہو تو ملکیت کے حکم کے مطابق اس پر پانچ درہم واجب ہوتے ہیں، اور بیس دینار بھی کامل نعمت ہوتی ہے اس سے بھی نصف دینار واجب ہوتا ہے اور پانچ اونٹ بھی کامل نعمت ہوتی ہے اس سے بھی ایک بکری واجب ہوتی ہے اور جو کچھ اموال بھی اس قسم کے ہوں لیکن جاہ و منزلت کیلئے بھی زکوٰۃ ہوتی ہے جیسا کہ مال میں کیونکہ وہ بھی کامل نعمت ہوتی ہے، اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَرَضَ عَلَیْکُمْ زَکٰوۃَ جَاھِکُمْ کَمَا فَرَضَ عَلَیْکُمْ زَکٰوۃَ مَالِکُمْ یعنی تحقیق اللہ عزوجل نے تم پر تمہارے مرتبہ کی زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جیسا کہ تمہارے مال پر زکوٰۃ فرض کی ہے، اور نیز فرمایا۔ اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ زَکٰوۃٌ وَ زَکٰوۃُ الدَّارِ بَیْتُ الضِّیَافَۃِ یعنی ہر شئی کیلئے زکوٰۃ ہے اور تمہارے گھر کی زکوٰۃ مہمانداری ہے، اور زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کا شکر گذارنا ہوتا ہے اور نیز اسی جنس سے تندرستی کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے، اور ہر عضو کے لئے زکوٰۃ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو عبادت میں مشغول رکھے اور کسی لہو و لعب کی طرف انہیں مشغول نہ کرے تاکہ نعمت کی زکوٰۃ کا حق ادا کرنے والا ہو پس باطن کی نعمت کیلئے بھی زکوٰۃ ہے اور اس کی، حقیقت بےشمار ہے، کیونکہ یہ نعمت بہت بڑی ہے پس اس کی زکوٰۃ بھی ضروری ہے اور وہ ظاہری اور باطنی نعمت کا عرفان ہوتا ہے، جب بندے نے جان لیا کہ خداوند تعالیٰ کی نعمت اس پر بے انداز ہیں، شکر بیحد گذارنا چاہیئے اور شکر بیحد گذارنا نعمت بے انداز کی زکوٰۃ ہوتی ہے، الغرض دنیا کی نعمت کی زکوٰۃ نکالنی اس طائفہ کے نزدیک اچھی نہیں ہوتی، اس لئے کہ بخل ہر دکیلئے قابلِ تعریف نہیں۔ اور اس سے بڑھکر بخل کیا ہوگا کہ دوسو درہم انسان ایک سال تک اپنے قبضہ میں رکھے پھر اس میں سے پانچ درہم ادا کرے، اور جب سخیوں کی عادت مال کا خرچ کرنا ہوتا ہے، اور سخاوت ان کی سیرت ہوتی ہے پس زکوٰۃ ان پر کب واجب ہوگی، اور میں نے حکایتوں میں پایا ہے کہ ایک ظاہری عالم نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے بطور آزمائش پوچھا کہ زکوٰۃ کتنے مال سے دینی چاہیئے۔ اس نے جواب دیا کہ دوسو درہم پر جب ایک سال گذر جائے تو پانچ درہم دینے چاہئیں، اور بیس دینار پر جب ایک سال اپنے قبضہ میں رکھتے ہوئے گذر جائے تو آدھا درہم دینا چاہیئے۔ اور یہ مسئلہ تیرے مذہب کا ہے مگر میرے مذہب میں کوئی چیز اپنے ملک میں نہیں رکھنی چاہیئے تاکہ زکوٰۃ کے مشغلہ سے خلاصی تو حاصل کرے، اس ظاہری عالم نے کہا کہ اس مسئلہ میں تیرا امام کون ہے اس نے

فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جب آپ نے تمام مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیا تو حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اپنے بال بچہ کیلئے کیا چھوڑ کر آئے ہو تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے قصیدہ بیان فرمایا شعر۔ فَمَا وَجَبَتْ عَلَیَّ زَکٰوۃُ مَالٍ وَ ھَلْ یَجِبُ الزَّکٰوۃُ عَلَی الْجَوَادِ یعنی مجھ پر زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب نہیں اور کیا جوانمردسخیوں پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے پس سخیوں کا مال خرچ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مال میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ اور نہ کسی سے جھگڑا کرتے ہیں۔ کیونکہ مال ان کی ملک میں نہیں ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شخص جہل کا مرتکب ہوتے ہوئے کہے کہ چونکہ میرے پاس مال نہیں ہے اور میں زکوٰۃ کے علم سے مستغنی ہوں۔ تو یہ محال ہوتا ہے کیونکہ علم کا سیکھنا فرض عین ہوتا ہے اور علم سے لاپرواہی ظاہر کرنی محض کفر ہوتا ہے، اور زمانہ کی آفتوں سے ایک یہ بھی آفت ہے کہ صلاح اور فقر کے مدعی بسبب جہالت کے علم کو چھوڑتے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ میں ایک دفعہ مبتدی صوفیوں کی جماعت کو ایک عبارت کی تلقین کر رہا تھا۔ ایک جاہل درمیان میں کود پڑا اور میں اونٹوں کے صدقہ کا باب بیان کر رہا تھا اور حکم بنتِ لبون اور بنت مخاض اور حقہ کا ظاہر کر رہا تھا اور اس جہالت کے مرتکب کا دل اس کے سننے سے تنگ پڑا اور اٹھا اس نے کہا میرے پاس اونٹ نہیں ہے تا کہ بنت لبون کا علم میرے کام آئے میں نے کہا اے مرد جیسے کہ زکوٰۃ دینے کا علم حاصل کرنا ضروری ہے ویسے ہی اس کے لینے کا علم بھی حاصل ہونا ضروری ہے، اگر کوئی شخص تجھے بنت اللبون دیوے اور تو اس کو لے لے پھر تو علم کی ترک سے بنت لبون بھی تجھے نہ لینی چاہیئے۔ اور کسی شخص کے پاس مال نہ ہو اور اس کو مال کی ضرورت بھی نہ ہو تو بھی اس سے علم کی فرضیت ساقط نہیں ہو سکتی۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْجَھْلِ۔

فصل

اور مشائخ صوفیوں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنہوں نے زکوٰۃ لی ہے اور کچھ ایسے ہوئے ہیں کہ جنہوں نے زکوٰۃ نہیں لی۔ اور جن کا فقر اختیاری ہوا ہے انہوں نے زکوٰۃ نہیں لی وہ کہتے ہیں کہ ہم مال جمع نہیں کرتے تا کہ ہمیں زکوٰۃ نہ دینی پڑے، اور اہل دنیا سے بھی ہم نہیں لیتے تا کہ ان کا ہاتھ

اونچا نہ ہو جائے، اور جو لوگ فقر میں بطور اضطرار ہیں۔ انہوں نے زکوٰۃ لی ہے اپنی ضرورت کیلئے نہیں بلکہ اس غرض کیلئے کہ مسلمان مرد کی گردن سے بوجھ ہلکا ہو جائے اور اس کا فریضہ ادا ہو جائے۔ اور جب یہ نیت ہوتی ہے تو ہاتھ نیچا نہیں ہوتا بلکہ اونچا ہو جاتا ہے یعنی اس فقیر کا ہاتھ اونچا رہتا ہے نہ کہ دینے والے کا۔ اگر دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا اور ہاتھ لینے والے کا نیچا ہوتا تو یہ معنی خداوند کریم کے قول وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ کو باطل کرتا۔ تو پھر ضروری تھا کہ زکوٰۃ دینے والا لینے والے سے زیادہ فضیلت والا ہوتا اور یہ اعتقاد عین گمراہی ہے۔ پس ہاتھ بلند وہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز مسلمان بھائی سے حکم کے واجب ہونیکے سبب لے لے تاکہ اس کا بوجھ اس کی گردن سے اتر جائے تو ایسے درویش دنیا کے نہیں ہیں بلکہ عقبیٰ کے ہیں۔ اگر اخروی درویش دنیاداروں کی گردن سے اس سانپ کو نہ اتارتے تو حکم فریضہ ان پر لازم رہتا اور قیامت میں اس کے باعث ماخوذ ہوتے، پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اخروی درویشوں کا امتحان آسان کیا۔ تاکہ دنیادار اس فریضہ کے بوجھ اپنی گردن سے اتار سکیں اور لامحالہ فقرا کا ہاتھ اونچا ہوگا کیونکہ وہ شریعت کے حق کے موافق اپنا حق لینے والے ہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ کیطرف سے اسپر واجب تھا اگر لینے والا یدِ سفلیٰ کے حکم میں ہوتا جیسا کہ حشویوں کا ایک گروہ کہتا ہے تو چاہیئے تھا کہ پیغامبروں کا ہاتھ نیچا ہوتا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا لیتے ہیں اور اس کے شرطیہ مصرف پہ خرچ کرتے ہیں اور حشوی غلطی پر ہیں کیا وہ جانتے نہیں کہ خدا کے حکم سے انہوں نے لیا ہے، اور پیغامبروں کے پیچھے ائمہ دین بھی اسی پر ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ حق بیت المال کا وصول کرتے تھے۔ اور غلطی پہ ہیں وہ لوگ کہ جو لینے والے ہاتھ کو نیچا ہاتھ کہتے ہیں۔ اور مال دینے والے کو اونچا ہاتھ کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں اصل تصوف میں قوی ہیں۔ اور یہ جگہ بابُ الجُوْدِ وَالسَّخَاء کے محل کی تھی میں قدرے اس کا ذکر اس کے ساتھ ملاتا ہوں وباللہ التوفیق والعصمۃ۔

بابُ جُود اور سخاوت کا

پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ وَبَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَبَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ یعنی سخی بہشت کے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے۔ اور بخیل دوزخ کے قریب ہے اور بہشت سے دور ہے، اور علماء کے نزدیک جود اور سخا مخلوق کی صفات میں

ہم معنی ہیں مگر خداوند کریم کو جواد کہتے ہیں وجودِ توفیق اور عدمِ توفیق کیلئے سخی نہیں کہتے کیونکہ آپنے آپ کو اس نام سے نہیں پکارا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں بتایا اور اہل سنت والجماعت کے اجماع میں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا اور کسی شخص کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ عقل کے مقتضا پر خدا کا نام رکھے اور لغت اور کتاب اور سنت اس پر شہادت دینے والی نہ ہو۔ جیسا کہ خداوند کریم عالم ہے اور باتفاق اہل سنت اس کو عالم کہنا چاہیئے مگر فقیہہ اور عاقل نہیں کہنا چاہیئے اگرچہ یہ تینوں ہم معنی ہیں عالم کے نام سے تو اس کو صحت توفیق کیلئے بلاتے ہیں۔ اور ان دو ناموں سے عدمِ توفیق کی خاطر احتراز کرینگے اور ایسا ہی جواد کے نام سے اس کو پکاریں گے صحتِ توفیق کیلئے اور سخی کے نام سے احتراز کرینگے عدم توفیق کی خاطر۔ اور لوگوں نے جود اور سخا میں فرق بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ سخی وہ ہوتا ہے کہ جو بخشش کے موقع پر تمیز کرے اور بخشش کی بنا کسی غرض سے ملی ہوئی ہو۔ اور یہ جود کا ابتدائی مقام ہے، اور جود وہ ہے کہ جس میں اپنے بیگانہ کی تمیز نہ ہو اس کا کرنا بےغرض اور اس کا فعل بےسبب ہو اور یہ حال دو پیغمبروں کا تھا ایک خلیل کا اور دوسرا حبیب کا اور صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام مہمان کے بغیر کوئی چیز نہ کھاتے تھے ایک دفعہ تین روز تک کوئی مہمان نہ آیا اتفاقاً ایک کافر آتش پرست کا آپ کے دروازے سے گذر ہوا آپ نے فرمایا تو کون ہے اس نے کہا کہ میں کافر ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو میری مہمانی اور دعوت کے لائق نہیں ہے تو جناب باری سے آپ کو عتاب ہوا کہ اس شخص کی ہم نے ستر برس سے پرورش شروع کی ہوئی ہے اور تجھ سے اتنا نہیں ہو سکا کہ ایک ٹکڑا روٹی کا تو اس کو دیدے پھر ادھر دیکھو کہ جب حاتم طائی کا لڑکا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ نے اپنی چادر بچھا کر اس کو اس پر بٹھایا اور فرمایا اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ یعنی جس وقت تمہارے پاس کوئی شخص کسی قوم کا آئے تو اس کی تعظیم کرو۔ اب خیال کرو کہ جس نے تمیز کی اور دریغ رکھا اور جس نے نبوت کی چادر بلا تمیز ایک کافر کے نیچے بچھا دی کتنا فرق ہے خوب سمجھ لو کہ ابراہیم علیہ السلام کا مقام سخاوت کا تھا اس میں تمیز ضروری تھی اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام جود کا تھا اس لئے آپ کی سخاوت میں کافر و مسلم کی تمیز نہیں ہوتی تھی اور سب سے عمدہ مذہب اس معنی میں وہ ہے کہ صوفیوں نے کہا ہے کہ پہلی خاطر کی پیروی کر لینے کا نام جود ہے اور جب خاطر دوسری خاطر کے ساتھ ملے

خاطر کو مغلوب کرلے تو علامت بُخل کی پیدا ہو جائیگی اور اہل حقیقت نے پہلی خاطر کو بزرگ جانا ہے۔ اس لئے کہ وہ صرف خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور میں نے حکایتوں میں پایا ہے کہ نیشاپور میں ایک سوداگر مرد تھا جو کہ ہمیشہ ابوسعید کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ ایک روز شیخ کے پاس ایک درویش آیا۔ اور اس نے کچھ مانگا اس سوداگر نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا سونے کا ہے پہلے اس کے جی میں آیا کہ دینار دیتا ہوں اور پھر دوسری مرتبہ جی میں یہ بات آئی کہ ٹکڑا سونے کا دینا چاہیئے اور دینار رکھ لینا چاہیئے۔ وہ سوداگر فرماتا ہے کہ میں نے وہ ٹکڑا سونے کا دیدیا جب شیخ صاحب سے بات چیت کی نوبت آئی۔ میں نے پوچھا کہ کسی شخص کو خدا سے جھگڑا کرنا درست ہوتا ہے شیخ نے فرمایا کہ تو نے ابھی خدا سے جھگڑا کیا ہے خدا نے تو تجھے دینار دینے کو فرمایا تھا مگر تو نے ریزہ سونے کا دیا۔

اور نیز میں نے حکایتوں میں پایا کہ شیخ ابوعبداللہ رودباری ایک مرید کے گھر تشریف فرما ہوئے وہ مرید گھر میں نہ تھا آپ نے حکم فرمایا کہ اس کے گھر کا سامان کو بازار میں لے چلو آپ نے سب فروخت کر دیا جب مرید گھر میں آیا تو یہ حال دیکھ کر بہت خوش ہوا مگر شیخ کی خوشی کی وجہ سے کچھ نہ بولا۔ اور جب عورت اندر آئی اور اس نے یہ حال دیکھا تو اس نے اپنے کپڑے اتار کر گھر میں پھینک دیئے اور کہنے لگی کہ یہ بھی گھر کے سامان سے ایک سامان ہے اور یہ بھی وہی حکم رکھتا ہے، مرد نے چلا کر عورت سے کہا کہ یہ تیرا تکلف ہے اور اختیار ہے جو کہ تو نے کیا۔ عورت نے کہا کہ اے مرد جو کچھ شیخ نے فرمایا وہ تو اس کا جود ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے نفس کے ملک میں تکلف کریں تاکہ ہمارے جود کا بھی اظہار ہو مرد نے کہا کہ ہاں ہم نے جب شیخ کو اپنا آپ سپرد کر دیا اس کا جود عین ہماری طرف سے تھا۔ اور آدمی کی صفت میں جود تکلف اور مجاز ہوتا ہے۔ اور مرید کو ہمیشہ چاہیئے کہ اپنے نفس اور ملک کو خدا کے حکم کی موافقت میں خرچ کرے۔ اور اسی قبیل سے ہے کہ جو کچھ سہل بن عبداللہ نے فرمایا۔ اَلصُّوْفِیُّ دَمُہٗ ھَدَرٌ وَّمِلْکُہٗ مُبَاحٌ یعنی صوفی کا خون ضائع ہے اور اس کی ملک مباح ہے اور شیخ ابومسلم فارسی سے میں نے سنا جو انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں نے ایک جماعت کی جمعیت کے ساتھ حجاز جانے کا ارادہ کیا۔ اور حلوان کے گرد نواح میں ڈاکوؤں نے ہمارا راستہ گھیر لیا اور ہمارے پاس جس قدر کپڑے تھے انہوں نے سب چھین لئے ہم نے بھی ان سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی اور ہم

نے ان کی مزاحمت نہ کرنے میں خوشی پائی ہم میں سے ایک شخص مقراضی کرتا تھا۔ ایک کرد نے تلوار سونت کر اس درویش کو مارنے کا قصد کیا ہم سب نے اس کی سفارش کی اس کرد نے کہا کہ یہ کسی صورت جائز نہیں ہو سکتا کہ میں اس کذّاب کو زندہ چھوڑوں میں ضرور اس کو قتل کروں گا۔ ہم نے اس سے اس کے مارنے کی علت پوچھی اس نے کہا کہ یہ صوفی مرد نہیں ہے اور اولیاء کی صحبت میں خیانت کرتا ہے اس شخص کا نابود کر دینا بہتر ہے ہم نے کہا کہ کیوں اس نے جواب دیا کہ کمترین درجہ صوفیوں کا جود ہے اور اس کے اس لباس میں بہت چیتھڑے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کس طرح صوفی ہو سکتا ہے کہ اتنی پونجی پہ صبر نہیں کر سکتا۔ اور یہ کیوں اپنے دوستوں کے ساتھ اتنا جھگڑا کرتا ہے، کیونکہ ہم کتنے ہی برسوں سے تمہارا کام کرتے ہیں اور تمہارا راستہ مارتے ہیں اور تعلقات تم سے قطع کئے ہوئے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر کا چراگاہ میں ایک گروہ پر گذر ہوا اور غلام حبشی کو دیکھا کہ وہ بکریوں کی رکھوالی کر رہا تھا۔ ایک کتا سامنے آکر بیٹھ گیا۔ ایک روٹی نکال کر حبشی غلام نے اس کو دی پھر دوسری پھر تیسری۔ عبداللہ اس کے پاس گیا۔ اور کہا اے غلام تیری روزی ہر روز کی کتنی ہے اس نے کہا کہ جو کچھ آپ نے دیکھا آپ نے فرمایا کہ کیوں تو نے کتے کو دیدیں غلام نے کہا کہ یہ کتوں کی جگہ نہیں ہے اور یہ کہیں دور کے راستہ سے امید رکھتا ہوا آیا ہے، اور میں نے خود گوارا نہیں کیا۔ کہ اس کی تکلیف ضائع ہو جائے، عبداللہ کو اس کی یہ بات پیاری معلوم ہوئی اس غلام کو ان بکریوں اور چراگاہ سمیت خرید لیا غلام کو آزاد کر کے کہا کہ یہ بکریاں اور باغیچہ تیرا ہے میں نے تجھ کو بخش دیا غلام نے آپ کے حق میں دعا کی اور بکریاں اس نے صدقہ دیدیں اور مال کو خرچ کر دیا اور وہاں سے چلا گیا۔

ایک مرد حسن بن علیؓ کے مکان کے دروازہ پر آیا اور اس نے کہا اے فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو چار سو درہم کی ضرورت ہے حسن بن علیؓ نے فرمایا آپ کے غلاموں نے چار سو درہم لا کر دیدئے اور آپ روتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے انہوں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ کیوں میں نے اس آدمی کو سوال کرنے کی فرصت دی کیونکہ میں نے اس آدمی کے حال دریافت کرنے میں سستی کی ہے اب مجھے چاہئیے تھا کہ اس کے سوال سے پہلے ہی اس کی حاجت کو پورا فرماتا اور خود پوچھتا۔ اور ابو سہل صعلوکی ہرگز کسی درویش کے ہاتھ پر صدقہ نہ رکھتے تھے اور جو چیز بخشتے کسی شخص کے ہاتھ نہ دیتے۔ بلکہ زمین پر رکھتے یہاں تک کہ محتاج لوگ خود اٹھا لیتے تھے آپ سے

مریدوں نے اس کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں دینار کی اس قدر عظمت نہیں خیال کرتا کہ کسی مسلمان کے ہاتھ میں دیا جائے اس حال میں کہ میرا ہاتھ اونچا ہو اور اس مسلمان کا ہاتھ نیچے ہو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ دو من کستوری حبشہ کے بادشاہ نے آپ کے پاس بطور ہدیہ بھیجی آپ نے اس سب کستوری کو ایک ہی دفعہ پانی میں ڈبو کر اپنے اوپر اور اپنے دوستوں کے جسم پر مل دی اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنگل میں جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا اور سب بکریوں سے پر تھا اور حضور علیہ السلام کی ملکیت تھیں حضور علیہ السلام نے وہ سب بکریاں اس کو بخش دیں جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا تو اس نے کہا اے قوم مسلمان ہو جاؤ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بخشش کرتا ہے کہ اس کو اپنے مفلس ہونے کا بھی خوف نہیں ہے

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی ہزار درہم کہیں سے آئے حضرت نے ان سب کو گودڑی پر ڈلوا دیا جب تک ان تمام دراہم کو حضور نے تقسیم نہ فرما لیا تب تک گودڑی سے نہ اٹھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو اس حالت میں اس وقت دیکھا کہ بوجہ بھوک کے آپ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔

میں نے ساکنین سے ایک درویش کو دیکھا۔ کہ ایک بادشاہ نے تین درم سونے کے آپ کی خدمت میں بھیجے کہ یہ لے لو اس وقت وہ درویش حمام میں تھے۔ وہ سب درہم حمام والوں کو عطا کر کے چلا گیا اور اس سے پیشتر نوریوں کے مذہب میں ایثار کے باب میں اس معنی میں میں نے کچھ کلمات بیان کئے ہیں لہذا اسی جگہ اسی پر اکتفا کرتا ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

ساتواں کشف الحجاب روزے میں

خداوند جل و علا نے فرمایا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ الایۃ یعنی اے لوگو جو کہ ایمان لائے ہو فرض کئے گئے ہیں تم پر روزے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی روزہ میرے واسطے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا کیونکہ عبادت روزہ کی سری ہے ظاہر کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور غیر کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اس کی جزا اس سبب سے بے انتہا ہے اور کہتے ہیں کہ مخلوق کا بہشت میں

دخول بسبب رحمت کے ہوگا اور درجہ عبادت کے ساتھ ہوگا اور بہشت میں ہمیشہ رہنا روزے کی جزا کے طور ہوگا۔ کیونکہ حق تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ کہ میں ہی اس کی جزا دوں گا اور جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا اَلصَّوْمُ نِصْفُ الطَّرِیْقَۃِ یعنی روزہ رکھنا آدھی طریقت ہے اور میں نے مشائخ کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی اجر کے حصول کیلئے ہوتا ہے اور اس طریق کا اختیار کرنا ریا کے ترک کیلئے ہوتا ہے اور میں نے ایسے بھی مشائخ دیکھے ہیں۔ کہ روزہ رکھتے ہیں مگر کسی کو معلوم نہیں ہونے پاتا جب کھانا سامنے آجاتے کھا لیتے ہیں اور یہ طریق موافق سنت ہے اور حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور انہوں نے کہا اِنَّا قَدْ خَبَّأْنَا لَکَ حَیْسًا فَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَمَا اِنِّیْ کُنْتُ اُرِیْدُ الصَّوْمَ وَلٰکِنْ قَرِّبِیْہِ سَاَصُوْمُ یَوْمًا مَّکَانَہٗ کہ ہم نے آپ کیلئے گوشت پکوایا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے روزے کا ارادہ رکھا ہوا تھا لیکن اس کو نزدیک کرو میں کھاؤں اور اس کی بجائے ایک اور روزہ رکھوں گا۔ اور میں نے بزرگوں کو دیکھا کہ ایام بیض اور عشرہ ماہ مبارک کے روزے رکھتے تھے اور رجب اور شعبان اور رمضان کے بھی روزے رکھتے تھے اور میں نے دیکھا کہ روزے داؤدی بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم داؤدی کو خیر الصیام فرمایا ہے اور وہ ایک دن روزہ رکھنا اور دوسرے دن نہ رکھنا ہے۔ میں ایک دفعہ شیخ احمد بخاری کے پاس آیا ایک طبق حلوے کا آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا اور کھا رہے تھے، آپ نے مجھے کھانے کا ارشاد کیا میں نے لڑکپن کی عادت پر کہہ دیا کہ میں روزہ رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کیوں میں نے عرض کی کہ فلاں شیخ کی موافقت میں فرمایا مخلوق کو مخلوق کی موافقت کرنی درست نہیں۔ میں نے روزہ چھوڑنے کا قصد کیا تو آپ نے کہا کہ جب اس کی موافقت سے تو نے بیزاری ظاہر کی، تو میری موافقت بھی نہ کر کہ میں بھی مخلوق سے ہوں کیونکہ یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اور روزہ کی حقیقت امساک ہوتی ہے اور کل طریقت اسی میں پوشیدہ ہے اور روزہ کا کمترین درجہ بھوکا رہنا ہے اسلئے کہ اَلْجُوْعُ طَعَامُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ یعنی بھوکا رہنا زمین میں خدائی طعام ہے، اور بھوکا رہنا سب کے نزدیک قابل تعریف ہے کیا شریعت کی رو سے اور کیا عقل کی رو سے پس ایک مہینہ کا روزہ ہمیشہ ہر عاقل و بالغ مسلم اور صحیح اور مقیم پر واجب ہے اور وہ ابتداء ماہ رمضان سے تا دیکھنے چاند ماہ شوال کے ہے، اور ہر روزہ نیت کا صحیح ہونا شرط

صادق چاہیئے۔ مگر امساک کی بہت شرطیں ہیں جیسا کہ پیٹ کو کھانے پینے سے نگاہ رکھنا ہے ویسے ہی آنکھوں کو شہوت کے نظارہ سے اور کان کو غیبت کے سننے سے اور زبان کو لغو باتیں کہنے سے اور بدن کو دنیا کی موافقت اور شرع کی مخالفت سے نگاہ رکھنا چاہیئے پھر یہ شخص روزہ دار حقیقتاً ہوگا کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا صُمْتَ فَلْیَصُمْ سَمْعُکَ وَبَصَرُکَ وَلِسَانُکَ وَیَدُکَ وَکُلُّ عُضْوٍ مِّنْکَ یعنی جس وقت تو روزہ رکھے تو چاہیئے کہ تو اپنے کانوں اور آنکھ اور زبان اور ہاتھ اور اپنے تمام اعضا کو تمام برے کاموں سے بچاتے رکھے، اور نیز فرمایا۔ رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صَوْمِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالْعَطْشُ یعنی بہت روزہ داروں کو بجز بھوکا اور پیاسا رہنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور میں جو علی بن عثمان جلابی کا ہوں میں نے ایک دفعہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ اَوْصِنِیْ یعنی اے اللہ کے رسول مجھے وصیت کرو آپ نے فرمایا اِحْبِسْ حَوَاسَّکَ یعنی اپنے حواس کو اپنے اندر بند کرنا پورا مجاہدہ ہے کیونکہ تمام علوم کا حصول انہیں پانچ دروازوں سے ہوتا ہے، ایک دیکھنا اور دوسرا سننا اور تیسرا چکھنا چوتھا سونگھنا پانچواں چھونا اور یہ پانچوں حواس علم اور عقل کے سپہ سالار ہیں۔ اور ان چار کیلئے واسطے مخصوص جگہ ہے، اور ایک تمام جوڑوں میں پھیلا ہوا ہے آنکھ محل نظر کا ہے کہ وہ جہان اور رنگ کو دیکھتی ہے اور کان سننے کا محل ہیں اس لئے کہ وہ خبر اور آواز سنتے ہیں۔ اور تالو محل ذوق کا ہے جو مزہ اور بیمزہ میں فرق بیان کرتا ہے، اور ناک سونگھنے کا محل ہے کیونکہ وہ خوشبو اور بدبو میں فرق بیان کرتی ہے۔ اور چھونے کا کوئی محل نہیں ہے وہ تمام اعضا میں پھیلا ہوا ہے اس لئے کہ وہ نرمی اور درشتی اور سردی اور گرمی محسوس کرنے کا ذریعہ ہے اور آدمی کی معلومات میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا حصول ان پانچ دروازوں سے نہ ہوتا ہو مگر بدیہی اور حق تعالیٰ کا الہام ان کا حاصل ہونا ان دروازوں سے مستثنیٰ ہے اور اس میں آفت کو دخل نہیں اور ان پانچوں دروازوں میں صفائی اور کدورت ہے جیسا کہ علم اور عقل اور روح کو ان میں گنجائش ہے ویسے ہی نفس اور ہوا کو بھی ہے اس لئے کہ وہ آلہ مشترک ہے درمیان فرمانبرداری اور معصیت کے اور نیکبختی اور بدبختی کے پس حق تعالیٰ کی ولایت کان اور آنکھ اور دیکھنے اور سننے میں خبر ہے اور اس نفس سے جھوٹ کے سننے اور شہوت کے دیکھنے اور چھونے اور چکھنے اور سونگھنے میں حکم کی مخالفت اور سنت کی پیروی بھی ہے اور اسی نفس سے خدا کے فرمان اور شریعت کی مخالفت ہے پس روزہ دار

ہونا چاہیئے تاکہ یہ سب حواس قابو میں لے آئے تاکہ مخالفت سے موافقت کی طرف آئے اور صحیح طور
سے روزہ دار ہو جائے، اور کھانے اور پینے سے روزہ رکھنا بچوں اور بوڑھوں کا کام ہے روزہ دنیاوی
مشرب اور نفسانی کاموں سے رکھنا چاہیئے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ
الطَّعَامَ یعنی ہم نے ان کا جسم ایسا نہیں بنایا جو کہ کھانا نہ کھاتا ہو اور نیز فرمایا اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ
عَبَثًا یعنی کیا تم نے گمان کیا ہے کہ تحقیق پیدا کیا ہم نے تم کو عبث پس ہم نے ہر مطبوع اور مخلوق کو
کھانے کا محتاج کیا ہے اور انہیں کھیلنے کیلئے نہیں پیدا کیا پس حرام اور کھیل سے رکنا چاہیئے نہ کہ
حلال کھانے سے اور میں اس شخص سے تعجب رکھتا ہوں جو کہ نفلی روزے رکھتا ہے اور فرض کو چھوڑ دیتا
ہے، اسلئے کہ گناہ نہ کرنا فرض ہے اور ہمیشہ نفلی روزے رکھنے سنت ہیں۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ قَسْوَةِ الْقَلْبِ
پس پناہ مانگتے ہیں ہم   اللہ سے دل کی سختی سے اور جب کوئی شخص گناہ سے معصوم ہو۔ تو اس
کی تمام حالتیں روزہ ہی ہوتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس روز پیدا
ہوئے تھے روزہ دار تھے اور جس روز وفات پائی روزہ دار تھے لوگوں نے پوچھا کہ کیسے طرح ہوا جواب دیا
گیا کہ جس روز آپ پیدا ہوتے صبح کا وقت تھا اس وقت سے شام تک آپ نے دودھ نہیں
پیا۔ اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئے روزہ دار تھے۔ اور روایت مذکورہ ابو طلحہ مالکی سے بیان
ہے اگر روزہ وصال میں نہی آئی ہے اس واسطے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے وصال کے
رکھے تو صحابہؓ نے بھی آپ کی موافقت کرنی چاہی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم وصال کے روزے نہ
رکھو اِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدِكُمْ اِنِّيْ اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّكُمْ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ کہ میں تمہاری طرح نہیں
ہوں اسلئے کہ مجھے ہر روز حق تعالیٰ کی طرف سے ہر رات کھانا اور پینا دستیاب ہوتا ہے پس ارباب
مجاہدہ نے کہا ہے کہ یہ نہی حقیقت کی ہے تحریم کی نہی نہیں اور ایک گروہ نے وصال کا روزہ رکھنا
خلاف سنت قرار دیا ہے، مگر در حقیقت وصال خود محال ہے کیونکہ جب دن گذارا تو پھر رات کو روزہ
نہیں ہوتا اور اگر روزہ کو رات سے ملایا جائے تو بھی وصال نہیں ہوگا۔ اور سہل بن عبداللہ تستری سے
حکایت بیان کرتے ہیں کہ ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو ایک دفعہ کھانا کھاتے۔ اور جب مہینہ رمضان کا ہوتا۔ تو
شروع مہینہ سے عید تک کچھ نہ کھاتے اور ہر رات چار سو رکعت نماز ادا کرتے پس یہ آدمیت کی
طاقت کے امکان سے باہر ہے سوا تائید الٰہی کے نہیں کر سکتا۔ اور وہ تائید۔ ہوتی ہے کہ بعینہٖ ذکر

الٰہی اس کی غذا ہو جاتا ہے، ایک کی غذا دنیا کا طعام ہوتا ہے اور ایک کی غذا مولیٰ کی تائید اور اس کا ذکر ہوتا ہے۔ اور شیخ ابو نصر سراج طاؤس الفقراء صاحب لمع کہ وہ رمضان کے مہینہ میں بغداد پہنچے اور مسجد شونیزیہ میں ایک علیحدہ حجرہ آپ کو دیا گیا۔ اور درویشوں کی امامت آپ کے سپرد کی گئی اور وہ عید تک اصحاب کو امامت کراتے رہے اور تراویحوں میں آپ نے پانچ ختم کئے۔ اور ہر رات کو آپ کا خادم ایک روٹی آپ کے مکان پر لاتا۔ اور آپ کو دیتا جب عید کا روز ہوا اور وہ نماز پڑھنے گئے خادم نے حجرہ میں نظر ڈالی تو تیس روٹیاں بدستور تھیں۔ اور علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ حفص مصیصی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے دیکھا کہ ماہ رمضان میں پندرہ دن گذر جانے کے بغیر کھانا نہ کھاتے۔ اور حضرت ابراہیم ادہم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پورا رمضان شریف کا مہینہ کھاتے پیتے نہ تھے۔ اور رمضان شریف کا یہ مہینہ بھی موسم گرما میں تھا۔ اور روزانہ گیہوں کو مزدوری پر کاٹتے، جو کچھ مزدوری سے میسر ہوتا درویشوں پر بانٹ دیتے۔ اور تمام رات آفتاب کے نکلنے تک نماز پڑھتے رہتے، لوگوں نے خوب پہرے لگا کر دیکھا۔ مگر آپ کا کھانا پینا کسی پر ثابت نہ ہوا۔ اور نہ ہی آپ سوتے تھے اور آپ کا سونا بھی کسی پر ثابت نہ ہوا۔ اور شیخ ابو عبداللہ خفیف سے لاتے ہیں کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو چالیس چلّے آپ نے یکے بعد دیگرے کاٹے۔ اور میں نے جنگل میں ایک بوڑھے کو دیکھا ہو کہ ہمیشہ ہر سال دو چلے کاٹا کرتا تھا۔ اور دانشمند ابو محمد بانغری رحمۃ اللہ علیہ جب دنیا سے رخصت ہوتے میں آپ کے پاس موجود تھا اسی روز سے آپ نے کچھ نہ کھایا تھا اور ہر روز ہر ایک نماز جماعت سے ادا کیا کرتے تھے اور متاخرین سے بہت درویش ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اسی رات دن میں ایک دفعہ بھی مطلق کوئی چیز کھائی پی نہیں اور اپنی کوئی نماز جماعت کے بغیر انہوں نے نہیں گذاری اور مرو میں دو پیر تھے ایک مسعودؒ نامی اور ایک شیخ بوعلیؒ سیاہ شیخ مسعودؒ نے شیخ بوعلی سیاہ کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ کب تک یہ دعویٰ کرو گے آؤ تاکہ ہم چالیس دن بیٹھیں اور کچھ نہ کھائیں۔ شیخ ابو علیؒ سیاہ نے کہلا بھیجا کہ آؤ ہم دن میں تین دفعہ کھائیں اور چالیس دن تک وضو کو قائم رکھیں اور اس مسئلہ کا اشکال ابھی تک قائم ہے۔ اور جہال تو اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں کہ وصال جائز ہوتا ہے، اور طبیب لوگ اس معنی کے اصل کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اور میں اس کا تمام بیان اس غرض کیلئے لاتا ہوں

تاکہ شبہ دور ہو جائے جان تو جو وصال کرنا بغیر اس کے کہ خلق خدا کے حکم میں آئے کرامت ہوتا ہے اور کرامت خصوصیت کا مقام ہے عمومیت کا مقام نہیں اور جب اس کا حکم عام نہ ہوگا حکم اس کے ساتھ درست نہ ہوگا اور اگر کرامت کا اظہار عام ہوتا ایمان جبری ہوتا اور معرفت پر عارفوں کو ثواب نہ ملتا پس جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صاحب معجزہ تھے اور آپ نے وصال کو ظاہر کر دیا اور اہل کرامات کو اس کے ظاہر کرنے سے منع کیا کیونکہ کرامتوں کی شرط ستر ہے اور معجزوں کی کشف یعنی کھولنا۔ اور یہ معجزہ اور کرامت کے درمیان بیّن فرق ہے اور اہل ہدایت کیلئے اسی قدر کافی ہے۔ اور ان کے چلہ کی اصل کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کے حال کے موافق ہے اور مکالمہ کے مقام کی حالت میں درست آتا ہے اور جب چاہتے ہیں کہ خداوند کریم کا کلام کانوں سے سنیں چالیس روز بھوکے رہتے ہیں۔ اور جب تیس روز گذرتے ہیں تو مسواک کرتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے دس روز دوسرے پورے فرماتے ہیں تو ضرور اللہ تبارک تعالیٰ ان سے پوشیدہ طور پر کلام کرتا ہے کیونکہ جو کچھ انبیا پر ظاہر فرماتا ہے اولیاء کو بھی اس سے خبردار کرتا ہے پس طبیعت کی بقا کی حالت میں خدا کا کلام کا سننا جائز نہیں۔ اور چاروں طبع کیلئے چالیس روز تک کھانے پینے کی نفی چاہیئے۔ تاکہ وہ طبیعتیں مغلوب ہو جائیں۔ اور ولایت کیلئے کل محبت کی صفائی اور روح کیلئے لطافت ہو جائے اور چونکہ باب الجوع اس جگہ کے موافق ہے اسلئے اسکے بیان کو ہم ظاہر کرتے ہیں تاکہ اسکی حقیقت معلوم ہو جائے انشاء اللہ تعالیٰ

باب بھوک اور اس کے متعلقات میں

خداوند جل و علا نے فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ یعنی ہم ضرور تم کو کچھ بھوک دیکر اور خوف دیکر اور مالوں کے نقصان اور جانوں اور پھلوں کے نقصان دیکر آزمائیں گے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَطْنٌ جَائِعٌ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَىٰ مِنْ سَبْعِينَ عَابِدٍ عَاقِلٍ یعنی بھوکے پیٹ رہنے والا خدا کے نزدیک ستر عقلمند عابد رہنے سے زیادہ محبوب جان تو کہ بھوکا رہنا سب ملتوں اور مذہبوں میں قابل تعریف اور بزرگی رکھنے والا ہے کیونکہ ظاہر کی رو سے بھوکے کی خاطر بہت تیز ہوتی ہے، اور نیز اسکا ذہن پاکیزہ اور تندرست ہوتا ہے بالخصوص جو شخص زیادہ خوراک ملانہ ہو اور ریاضت سے اپنے آپ کو تیار کئے ہوئے ہو بہت ہی پاکیزہ صفات

والا ہوتا ہے لِاَنَّ الْجُوْعَ لِلنَّفْسِ خُضُوْعٌ وَلِلْقَلْبِ خُشُوْعٌ یعنی بھوکا رہنے والے کا بدن خضوع کرنیوالا ہوتا ہے، اور دل خشوع کرنیوالا ہوتا ہے کیونکہ نفسانی قوت بھوک کے ساتھ ناچیز ہوتی ہے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَجِیْعُوْا بُطُوْنَکُمْ وَاظْمَاءُ وَاَکْبَادَکُمْ وَاَعْرُوْا اَجْسَادَکُمْ لَعَلَّ قُلُوْبُکُمْ تَرَی اللہَ عَیَانًا یعنی اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھو اور اپنے جگروں کو پیاسا رکھو اور اپنے بدنوں کو ننگا رکھو شاید کہ تم خداوند کریم کو دنیا میں دل کیساتھ دیکھو اگرچہ بدن کو بھوک سے تکلیف ہوتی ہے مگر دل بسبب اس کے روشن ہوتا ہے اور جان کو صفائی حاصل ہوتی ہے اور باطن کو ملاقات خدا کی ہوتی ہے جب باطن کو لقا حاصل ہوتی ہے تو بسبب اس کے جان کو صفائی حاصل ہوتی ہے، اور دل کو صفائی حاصل ہوتی ہے، اور دل کو روشنی حاصل ہوتی ہے تو اتنے فائدوں کے مقابل اگر بدن تکلیف پائے تو کیا حرج مگر پیٹ بھر کر کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اگر حرج کی بات ہوتی تو چارپائے پیٹ بھر کر نہ کھاتے، اس واسطے کہ پیٹ بھر کر کھانا چوپاؤں کا کام ہے اور بھوکا رہنا بیماروں کا علاج ہے اور یہ بھی ہے کہ بھوک سے باطن معمور ہو جاتا ہے اور پیٹ بھر کر کھانے سے پیٹ بھر جاتا ہے، ایک شخص عمر بھر باطن کی آبادی میں لگا رہتا ہے تاکہ ہمہ تن خدا کا ہو جائے اور تمام جھگڑوں سے علیحدہ رہے تو بھلا ایسا شخص اس شخص کے برابر کب ہو سکتا ہے جو کہ تمام عمر بدن کی تیاری میں رہتا ہے اور بدن ہی کی خواہشات کو پورا کرتا رہتا ہے، ایک کو طعام کھانے کیلئے چاہیے اور ایک کو کھانا عبادت کیلئے چاہیے، اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے کَانَ الْمُتَقَدِّمِیْنَ یَاکُلُوْنَ لِیَعِیْشُوْا وَاَنْتُمْ تَعِیْشُوْنَ لِتَاکُلُوْا یعنی متقدمین زندہ رہنے کیواسطے کھانا کھاتے تھے، اور تم اس لئے زندہ ہو تاکہ کھاؤ اَلْجُوْعُ طَعَامُ الصِّدِّیْقِیْنَ وَمَسْلَکُ الْمُرِیْدِیْنَ وَقَیْدُ الشَّیٰطِیْنَ یعنی بھوکا رہنا صدیقوں کا طعام اور مریدوں کا مسلک اور شیطانوں کی قید ہے اللہ جل جلالہ کی قضا و قدر کے بعد آدم کا بہشت سے نکلنا اور نیز خدا کے پڑوس کو چھوڑنا ایک لقمہ کیلئے تھا، حقیقت میں جو شخص بھوک کے سبب حالت اضطراری میں ہو بھوکا نہیں ہوتا۔ کیونکہ کھانے کی طلب کرنیوالا کھانا کھانے والے کے حکم میں ہوتا ہے پس جس کا درجہ بھوک کا ہوتا ہے وہ کھانے کو چھوڑنے والا ہوتا ہے، نہ کہ کھانا کھانے سے ممنوع ہوتا ہے، اور جو شخص کھانا موجود ہونے کی حالت میں کھانے کو چھوڑ دیتا ہے اور بھوکا رہنا اختیار کرتا ہے دراصل وہ بھوکا رہنے والا ہوتا ہے، اور شیطان کی قید اور نفس کی ہوا کا روکنا سوا بھوکا رہنے کے نہیں ہو

سکتا اور کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَمِنْ حُکْمِ الْمُرِیْدِ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْہِ ثَلٰثَۃُ اَشْیَاءٍ نَوْمُہٗ غَلَبَۃٌ وَّ کَلَامُہٗ ضَرُوْرَۃٌ وَّاَکْلُہٗ فَاقَۃٌ یعنی مرید کی شرط یہ ہے کہ اس میں تین چیزیں ہوں ۔ اس کی نیند بجز غلبہ کے نہیں ہوتی ۔ اور اس کا کلام بلا ضرورت نہیں ہوتا اور اس کا کھانا فاقہ کے سوا نہیں ہوتا ۔ اور فاقہ بعضوں کے نزدیک دو دن رات ہوتا ہے اور بعضوں کے نزدیک اس کی میعاد تین رات دن ہوتی ہے ، اور بعضوں کے نزدیک ایک ہفتہ اور بعضوں کے نزدیک چالیس روز ہے اور محقق لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ سچی بھوک چالیس رات دن کے پیچھے ایک مرتبہ لگتی ہے اور وہ جان رکھنے کیلئے (لگتی ہے) اور اس کے درمیان جو بھوک معلوم ہوتی ہے وہ طبیعت کی شرارت اور غرور پر ہوتی ہے جان تو کہ اللہ عزوجل تجھے عافیت دے کہ اہل معرفت کی تمام رگوں میں خدا وند کریم کے بھید ہیں اور ان کے دل علوی نظر کی جگہ ہیں ۔ اور دلوں سے ان کے سینہ میں دروازے کھلے ہوتے ہیں اور عقل اور ہوا ان کی درگاہ پہنچی ہوتی ہے بالخصوص روح عقل کو مدد دیتی ہے اور ایسے ہی نفس ہوا کو مدد دیتا ہے اور جس قدر طبیعتیں غذا کے ساتھ پرورش پائیں گی اسی قدر نفس زیادہ قوت پائیگا اور ہوا کی تربیت زیادہ ہوگی اور اس کا دبدبہ اعضا میں پھیلنے والا ہوتا ہے اور ہر رگ میں اس کے پھیلنے سے دوسری طرح کا حجاب پھیلتا ہے ، اور جب غذاؤں کے طالب کا ہاتھ نفس سے واپس ہوتا ہے عقل بہت مضبوط ہو جاتی ہے ، اور نفس کی قوت رگوں سے ٹوٹ جاتی ہے اور اسرار اور براہین ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور جب نفس اپنی حرکتوں سے عاجز ہوا اور ہوا اپنے وجود سے فانی ہوئی تو باطل خواہش و ارادہ خدا کے اظہار میں محو ہوا اس وقت مرید کی تمام مراد پوری ہو جاتی ہے ،

اور ابو العباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں ۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میری فرمانبرداری اور گناہ دو گرہوں میں بندھا ہوا ہے ، جب میں کھاتا ہوں تو تمام گناہوں کی اصل اپنے اندر پاتا ہوں اور جب کھانا نہیں کھاتا تو تمام فرمانبرداریوں کی اصل اپنے اندر پاتا ہوں لیکن بھوکا رہنے کا ثمرہ خدا کا مشاہدہ کرنا ہے ، کیونکہ مجاہدہ اس کا راہنما ہے پس مشاہدہ سے سیر ہونا بہتر ہے یا مجاہدہ بھوکا رہنے سے کیونکہ مشاہدہ مردوں کا میدان ہے اور مجاہدہ بچوں کا کھیل ہے فَالشِّبَعُ بِشَاھِدِ الْحَقِّ خَیْرٌ مِّنَ الْجُوْعِ بِشَاھِدِ الْخَلْقِ یعنی خدا کے مشاہدہ سے سیر ہونا مخلوقات کے مشاہدہ سے بہتر ہے اور اس معنی میں کلام بہت ہے مگر میں اسی پر اختصار کرتا ہوں تاکہ کتاب بہت لمبی نہ ہو جائے واللہ اعلم ۔

آٹھواں کشف الحجاب حج میں!

خداوند جل و علا نے فرمایا وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا یعنی خدا تعالیٰ کا لوگوں پر خانۂ کعبہ کے حج کرنیکا حق ہے اور یہ حق الٰہی لوگوں پر ہے جو کہ اس کے راستہ کو طے کرنیکی طاقت رکھتے ہوں یعنی عین فرضوں سے ایک عین فرض حج بھی ہے اور اس کیلئے بندہ کا صحیح العقل اور بالغ ہونا اور مسلمان ہونا اور اس کے راستہ کی طاقت کا حاصل ہونا شرط ہے اور حصول استطاعت سے مراد یہ ہے کہ احرام باندھے میقات پر اور وقوف کرے عرفات میں اور خانہ کعبہ کا طواف کرنا با تفاق ہے اور یہ اختلاف صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا اور بغیر احرام حرم میں نہ جانا چاہیئے اور حرم کو حرم اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں مقام ابراہیم ہے اور ابراہیم کیلئے امن کے محل دو ہیں۔ ایک مقام اس کے بدن کا اور دوسرا مقام اس کے دل کا۔ مقام تن کا مکۂ معظمہ ہے اور مقام دل کا خلت ہے اور جو شخص اس کے بدن کے مقام کا ارادہ کرے اس کو تمام خواہشوں اور لذتوں سے اعراض کرنا چاہیئے اور نیز کفن پہنے اور شکار حلال کرنے سے ہاتھ ہٹائے اور تمام حواس کی دربندی کرے اور عرفات میں حاضر ہو اور اس جگہ سے پھر مزدلفہ اور مشعر الحرام میں جائے اور پتھر اٹھائے اور مکہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر کے منا میں آئے اور اس جگہ تین دن رہے اور پتھر شرط کے موافق پھینکے اور اسی جگہ سر کے بال منڈوائے اور قربانی دے اور کپڑے پہنے۔ پھر جب کوئی شخص ابراہیم کے دل کے مقام کا قصد کرے اس کو تمام محبوب چیزوں سے منہ موڑنا چاہیئے اور لذتوں اور راحتوں کو الوداع کرے اور غیروں کی یاد سے منہ پھیرے کیونکہ اس جہان کی طرف توجہ کرنا ممنوع ہے پھر عرفات کے میدان میں معرفت کا قیام کرے اور اس جگہ سے الفت کے مزدلفہ کا قصد کرے اور پھر سر کو خدا کے حرم تنزیہہ کے طواف میں بھیجے اور منا میں خراب فکروں اور حرص کے پتھروں کو پھینکے اور نفس کو مجاہدہ کی قربان گاہ میں قربان کرے اور خلت کے مقام میں پہنچے پھر دشمنوں سے اور ان کی تلواروں سے محفوظ ہے کا دخول امن و امان کے مقام میں ہوگا اور دل کا داخل ہونا قطعیت اور اس کے متعلقات سے امن ہوتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْحَاجُّ وَفْدُ اللّٰہِ یُعْطِیْھِمْ مَا سَأَلُوْا وَیَسْتَجِیْبُ لَھُمْ مَا دَعَوْا یعنی حاجی خدا کا گروہ ہیں جو کچھ وہ خدا سے مانگتے ہیں پاتے ہیں خدا کی طرف سے ملتا ہے اور جو دعا مانگتے ہیں اللہ عزوجل ان کی دعا کو قبول فرماتا

ہے، جو کچھ وہ مانگتے ہیں ان کے حوالہ کرتا ہے اور ان کو جواب دیتا ہے اور ایک دوسرا گروہ پناہ مانگتا ہے اور یہ دوسرا گروہ نہ کچھ مانگتا ہے اور نہ ہی پناہ چاہتا ہے بلکہ اللہ عزوجل کے سپرد ہوتا ہے جیسا کہ ابراہیم صلوٰۃ اللہ وسلامہ نے کیا وَاِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی جس وقت ابراہیم سے اس کے پروردگار نے کہا فرمانبردار ہو تو اس نے کہا کہ میں پروردگار عالم کا فرمانبردار ہوا ہوں اور جب ابراہیم علیہ السلام خُلّت کے مقام میں پہنچے تو اس نے تمام تعلقات ترک کر دیئے اور دل کو غیر سے منقطع کیا۔ تب خداوند تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق پر اُن کو جلوہ نما کرے، نمرود کو مقرر فرمایا تاکہ اس کے اور اس کے والدین کے درمیان جدائی ڈالے اس نے آگ جلائی اور ابلیس نے گوپیا تیار کیا اور اس کو گائے کے چمڑہ میں سی کر گوپیا میں رکھا جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور گوپیا کے پلہ کو پکڑ کر کہا۔ هَلْ لَكَ اِلَیَّ مِنْ حَاجَةٍ یعنے کیا آپ کو مجھ سے کوئی حاجت ہے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا یعنی مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں پس جبرئیل نے کہا کہ کیا آپ کو خدا سے بھی کوئی حاجت نہیں۔ آپ نے فرمایا حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ کہ مجھے خدا کافی وافی ہے اور خوب جانتا ہے کہ مجھے اسی کی خاطر آگ میں ڈالنے لگے ہیں اس کا علم مجھے زبان کے سوال سے منع کر رہا ہے۔ اور محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے تعجب رکھتا ہوں کہ جو دنیا میں اس کا گھر ڈھونڈتا ہے وہ کیوں اپنے دل میں اس کا مشاہدہ تلاش نہیں کرتا۔ وہ گھر کو کسی وقت پالیگا اور کبھی وقت نہ پائیگا اور مشاہدہ تو ضروری ہوگا اگر پتھر کی زیارت سال بھر میں ایک دفعہ فرض ہوتی ہے تو وہ دل کہ جس کو رات دن میں تین سو ساٹھ دفعہ دیکھا جاتا ہے کیوں اس کی زیارت کرنی اولیٰ نہ ہو مگر اہل حقیقت کے نزدیک ہر قدم میں جو مکہ معظمہ کی طرف اٹھایا جاتا ہے، ایک نشان ہے اور جب حرم میں پہنچتے ہیں ہر ایک سے خلعت پاتے ہیں اور ابو یزید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کی عبادت کی جزا اور سزا کل پر پڑی اس کو کہہ دو کہ اس نے خود آج کے روز عبادت نہیں کی ہے کیونکہ عبادت اور مجاہدے کے ہر سانس کا ثواب فی الحال حاصل ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے پہلی مرتبہ حج کرنے کے موقعہ پر بجز گھر کے کوئی چیز نہ دیکھی .... دوسری مرتبہ گھر کو بھی دیکھا اور صاحب خانہ کو بھی دیکھا۔ اور تیسری دفعہ گھر کو نہیں دیکھا بلکہ محض گھر کے صاحب کو میں نے دیکھا الغرض حرم اس جگہ ہوتا ہے کہ جس جگہ مجاہدہ ہو اور مجاہدہ اس جگہ ہوتا ہے کہ جہاں پر مشاہدہ تعظیمی ہو اور جس کسی کو تمام جہان قربت کا وعدہ گاہ اور اُنس یعنی محبت کی خلوت گاہ نہ ہوگا اس کو فی الحال دوستی کی کچھ خبر نہ ہوگی۔ اور

جب بندہ مکاشف ہوتا ہے تو اسوقت تمام جہان اس کا حرم ہوگا اور جب بندہ محجوب ہوگا تب خود حرم اس کیلئے سب جہان سے بڑھ کر تاریک ترین ہوگا اَظْلَمُ الْاَشْیَاءِ دَارُ الْحَبِیْبِ بِلَا حَبِیْبٍ یعنی سب چیزوں سے زیادہ تاریک دار دوست کا وہ گھر ہے کہ جس میں دوست نہ ہو پس مشاہدہ کی قیمت خلّت کے مقام میں ذات کا فنا کرنا ہے کیونکہ خداوند کریم نے اس معنی کا موجب خانہ کعبہ کے دیدار کو بنایا ہے نہ کہ کعبہ کی قدر و منزلت کیلئے۔ مگر محب کو ہر سبب سے تعلّق پیدا کرنا چاہیئے تاکہ خداوند تعالیٰ کی مہربانی کونسی جہات میں رونما ہوتی ہے اور کہاں سے ظاہر ہوتی ہے، اور طالب کی مراد کہاں سے پوری ہوتی ہے، پس مردوں کی مراد بیابان اور جنگلوں کے طے کرنے سے پوری ہوتی ہے نہ کہ عین حرم میں ظاہر ہوتی ہے کیونکہ دوست کو حرم کا دیدار حرام ہوتا ہے، بلکہ دائمی محبت میں سرگرداں پھرا کرنے والے شوق میں مراد مجاہدہ سے ہوتی ہے ایک شخص حضرت جنیدؒ کے پاس آیا اس کو آپ نے فرمایا کہ تو کہاں سے آیا ہے اس نے کہا حج کرکے آیا ہوں جنید نے فرمایا کیا تو نے حج کیا ہے اس نے کہا ہاں جنیدؒ نے فرمایا کہ جس وقت تو گھر سے حج کے ارادے سے چلا اور تو نے کوچ کیا تو کیا اس وقت تو نے اپنے گناہوں سے بھی کوچ کنارہ کیا یا نہ، اس نے کہا کہ میں نے گناہوں سے کوچ نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ پس تو نے رحلت نہیں کی۔ فرمایا کہ جب تو گھر سے چلا اور ہر منزل پر تو نے رات کو مقام کیا کیا خدا کے راستہ کے مقام تو نے اسجگہ طے کئے یا نہ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا پس تو نے منزلوں کو نہیں طے کیا۔ فرمایا کہ جب تو نے احرام باندھا تو کیا اس وقت تو صفاتِ بشریہ سے علیحدہ ہوا یا نہ یعنی جیسے تو نے اپنی عادتیں اور کپڑے اتار دیئے ویسے ہی اپنی صفاتِ بشریہ کو بھی اپنے سے جدا کیا یا نہ اس نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ پس تو نے احرام نہیں باندھا فرمایا کہ جب تو عرفات میں کھڑا ہوا تو کیا مجاہدہ کے کشف سے تجھکو واقفیت ظاہر ہوئی یا نہ اس نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ پس تو عرفات میں کھڑا نہیں ہوا فرمایا کہ جب تو مزدلفہ میں گیا تو تیری مرادِ حاصل ہوئی اور تو نے اپنی نفسانی خواہشوں کو چھوڑا یا نہیں اس نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ پس تو مزدلفہ میں نہیں گیا آپ نے فرمایا کہ جب تو نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تھا کیا اس وقت تو نے سر کی آنکھوں سے تنزیہ کے محل میں جمالِ حق کی بارگاہ کے لطیفے دیکھے یا نہیں اس نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ پس تو نے طواف بھی نہیں کیا آپ نے فرمایا کہ جب تو نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا اس وقت صفا اور مروہ کے رتبہ کا تو نے ادراک کیا یا نہیں اس نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ پس ابھی تک تو نے سعی بھی نہیں کی۔ فرمایا کہ جب تو نے نحر کرنے کی جگہ پر قربانی کی تو اس جگہ اپنی نفسانی خواہشوں کو بھی تو نے قربان

کیا یا نہیں اُس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کہ بس تو نے قربانی نہیں کی فرمایا کہ جب تو نے سنگریزے پھینکے تو اس وقت جس قدر نفسانی خواہشیں تیری ہمنشین تھیں ان سب کو تو نے پھینکا یا نہیں اس نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ تو نے ابھی سنگریزے بھی نہیں پھینکے اور نہ ہی تو نے حج کیا واپس چلے جاؤ اور اس صفت پہ تو حج کر یہاں تک کہ تو ابراہیم علیہ السلام کے مقام تک پہنچ جائے، میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اور روتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہا تھا۔ شعر، وَاَصْبَحْتُ یَوْمَ النَّحْرِ وَالْعِیْدِ تَرْحَلُ ؛ وَکَانَ حَدِیُ الْحَادِیْ یُنَادِیْ وَیُعْجِلُ ؛ اَنَا سَائِلٌ عَنْ سَلْمٰی فَهَلْ مِنْ مُخْبِرٍ ؛ بِاَنَّ لَهٗ عِلْمًا بِهَا اَیْنَ تَنْزِلُ ؛ لَقَدْ اَفْسَدْتُ حَجِّیْ وَ نُسُکِیْ وَعُمْرَتِیْ ؛ وَفِی الْبَیْنِ لِیْ شُغْلٌ عَنِ الْحَجِّ اَشْغَلُ ؛ سَاَرْجِعُ مِنْ مَقَامِیْ لِحَجَّةٍ قَابِلٍ ؛ فَاِنَّ الَّذِیْ قَدْ کَانَ لَا یَتَقَبَّلُ ؛ یعنی صبح کی میں نے قربانی کے روز اس حال میں کہ سفید اونٹ کوچ کر رہے تھے اور حدی حدی خوان کی تھی وہ آواز دیتا تھا اور جلدی کرتا تھا میں سلمیٰ کے متعلق پوچھتا ہوں کہ ہے کوئی مجھ کو خبر دینے والا ہے کہ اس کا نزول کہاں ہوگا البتہ تحقیق تباہ کیا میں نے اپنا حج اور قربانی اور عمرہ اور جدائی میں میرے لئے شغل ہے کہ اور حج سے روگردانی ہے عنقریب میں آئندہ سال کو حج کیلئے اس حالت میں آؤنگا کہ میں نے تمام گناہوں سے رجوع کیا ہوا ہوگا پس تحقیق جو کچھ ہوا وہ قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے موقف میں ایک جوان کو سر نیچا کئے ہوئے خاموش دیکھا تمام مخلوق دعا میں تھی اور وہ خاموش تھا میں نے کہا اے جوان تو کس لئے دعا نہیں مانگتا اس نے کہا کہ میں وحشت میں مبتلا ہوں اس وجہ سے کہ جو وقت مجھ کو میسر تھا میں نے اس کو فوت کر دیا اور میری یہ وجہ شرم کے دعا مانگنے کو نہیں چاہتا۔ میں نے کہا تو دعا مانگ تاکہ خدا تجھکو ان سب کی برکتوں سے مراد پر پہنچا دے آپ نے فرمایا کہ اس نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور اس سے ایک نعرہ نکلا اور اس کی جان بھی اسی نعرہ کے ساتھ رخصت ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جوان کو منا میں بیٹھے ہوئے دیکھا تمام مخلوقات قربانیوں میں مشغول تھی اور وہ غمناک شکل بنائے ایک طرف بیٹھا ہوا تھا میں دیکھتا رہا کہ دیکھوں یہ کیا کرتا ہے اور کون ہے اس نے کہا بار خدایا تمام مخلوق قربانیوں میں مشغول ہے میں بھی چاہتا ہوں کہ اپنے نفس کی قربانی تیری جناب میں پیش کروں اے میرے پروردگار اس کو قبول فرما یہ کہہ کر اس نے اپنی شہادت کی انگلی سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا اور گر پڑا جب میں نے دیکھا تو وہ مردہ پڑا تھا۔ اللہ کی اس پر رحمت ہو۔ پس حج کی دو قسمیں ہیں ایک غیبت

میں اور دوسرا تصوف میں جو شخص مکہ میں غیبت کی حالت میں ہوگا وہ اپنے گھر میں بھی غیبت کی حالت میں ہوگا کیونکہ کوئی غیبت کسی دوسری غیبت سے بہتر نہیں ہوتی۔ اور وہ جو اپنے گھر میں حضوری کی حالت میں ہوگا وہ ضرور مکہ معظمہ میں حاضر ہوگا کیونکہ کوئی حضوری کسی دوسری حضوری سے بہتر نہیں ہوتی پس حج کا مجاہدہ مجاہدہ کے کشف کیلئے ہوگا۔ اور مجاہدہ مشاہدہ کی علت نہ ہوگا اسلئے کہ وہ سبب ہے اور سبب کو معانی کی حقیقت میں کوئی تاثیر زیادہ نہیں ہوتی پس حج سے مقصود گھر کا دیدار نہیں کیونکہ مقصود مشاہدہ کا کشف ہے اب میں مشاہدہ کا ایک باب جوان معنوں کو شامل ہے پیش کرتا ہوں تاکہ تو مشیت ایزدی سے اپنے مقصود کے نزدیک ہو جائے واللہ اعلم بالصواب

باب مشاہدہ کا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَجِیْعُوْا بُطُوْنَکُمْ دَعُوا الْحِرْصَ وَاَعْرُوا اَجْسَادَکُمْ قَصِّرُوا الْاَمَلَ وَاَظْمِئُوا اَکْبَادَکُمْ دَعُوا الدُّنْیَا لَعَلَّکُمْ تَرَوْنَ اللّٰہَ بِقُلُوْبِکُمْ یعنی اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھو اور حرص کو چھوڑ دو۔ اور اپنے جسموں کو ننگا رکھو اور اپنی امید کو کم کرو اور اپنے جگروں کو پیاسا رکھو دنیا کو چھوڑ دو اللہ کو اپنے دلوں سے دیکھنے کی امید رکھو اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت جبریل نے احسان کے متعلق سوال کیا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ یعنی تو اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھتا ہے پس اگر تو اس کو دیکھ نہیں رہا تو کم از کم اتنا خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے اور داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی یَا دَاؤُدُ اَتَدْرِیْ مَا مَعْرِفَتِیْ قَالَ لَا قَالَ ھِیَ حَیَاۃُ الْقَلْبِ فِیْ مُشَاھَدَتِیْ یعنی اے داؤد تو جانتا ہے کہ معرفت کیا ہے عرض کیا کہ نہیں فرمایا وہ میرے مشاہدہ سے دل کو زندہ رکھنا ہے اور مراد اس طائفہ کی مشاہدہ کی عبارت سے دل سے دیکھنا ہے کیونکہ دل کے ساتھ حق تعالیٰ کو خلا اور ملا میں بے مثال اور بے کیف دیکھ سکتا ہے اور ابوالعباس بن عطا رحمۃ اللہ علیہ خدا عزوجل کا قول اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ بِالْمُجَاھَدَۃِ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا عَلٰی بِسَاطِ الْمُشَاھَدَۃِ یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے یعنی انہوں نے رَبُّنَا اللّٰہُ مجاہدہ کیساتھ کہا اور پھر وہ مشاہدہ کی بساط پر کھڑے ہوتے اور مشاہدہ کی حقیقت دو طرح پر ہے ایک تو صحت یقین ہے اور دوسرا محبت کے غلبہ سے ایسے درجہ پر پہنچنا کہ وہ سب کا سب دوست کا کلام بن جائے اور دوست کے سوا کسی غیر کو نہ دیکھے اور محمد بن واسع رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں مَا رَأَیْتُ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ اَیْ بِصِحَّۃِ الْیَقِیْنِ یعنی میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر خداوند تعالیٰ کو میں نے اس میں دیکھا۔ اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک شیخ کہتا ہے مَا رَأَیْتُ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا اللّٰہَ یَعْنِیْ بِغَلَبَاتِ الْمَحَبَّۃِ وَغَلَیَانِ الْمُشَاھَدَۃِ یعنی مشاہدہ میں غلو ہونے اور محبت کے غلبہ میں فرماتے ہیں کہ میں نے ہر چیز میں اللہ عزوجل کو دیکھا پس ایک فعل دیکھتا ہے اور فعل کے دیکھنے میں سر کی آنکھ کیساتھ فاعل کو دیکھتا ہے اور سر کی آنکھ کے ساتھ ایک کے فعل تو فاعل کی محبت کل سے کھینچ لیتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو سب کا فاعل دیکھتا ہے پس یہ طریقہ استدلالی ہوتا ہے اور اس سے وہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ ایک مُستدل ہوتا ہے تاکہ حق کی دلیلوں کا ثابت کرنا اس پر آسان ہو ایک خدا کے شوق میں مجذوب ہوتا ہے یعنی دلیلیں اور تحقیقیں اس کیلئے موجب حجاب ہوتی ہیں لِاَنَّ مَنْ عَرَفَ شَیْئًا لَا یَطَالِعُ غَیْرَہٗ فَیَتْرُکُ الْمُنَازَعَۃَ مَعَ اللّٰہِ وَالْاِعْتِرَاضَ عَلَیْہِ فِیْ اَحْکَامِہٖ وَاَفْعَالِہٖ یعنی جو شخص کسی چیز کی پہچان رکھتا ہے وہ غیر کے ساتھ آرام نہیں پاتا۔ اور جو دوست رکھتا ہے وہ غیر کو نہیں دیکھتا پس اس کے فعل پر جھگڑا نہ کرے تاکہ تنازع کرنے والا نہ ہو اور اس کے کام پر معترض نہ ہو تاکہ تصرف کرنیوالا نہ ہو اور خداوند تعالیٰ نے رسولؐ اور اُن کے معراج سے ہم کو خبر دی اور فرمایا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی اَیْ مِنْ شِدَّۃِ شَوْقِہٖ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی خدا کے شوق کی شدت کی وجہ سے آپ نے کسی کی طرف آنکھ نہ کھولی جو کچھ مناسب معلوم ہوا دل سے دیکھا ہر چند کہ دوست موجودات سے آنکھ کھولے ضرور اپنے دل سے خدا کو دیکھ لیتا ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی کہ تحقیق میرے رسولؐ نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں اور نیز فرمایا قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ اَیْ اَبْصَارِ الْعُیُوْنِ عَنِ الشَّھَوَاتِ وَاَبْصَارِ الْقُلُوْبِ عَنِ الْمَخْلُوْقَاتِ یعنی فرما دیجئے واسطے ایمانداروں کے کہ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھیں یعنی اپنی سر کی آنکھوں کو شہوتوں سے اور دل کی آنکھوں کو مخلوقات سے بند رکھیں پس جو شخص بسبب مجاہدہ کے سر کی آنکھ شہوتوں سے سُلا دیتا ہے لامحالہ وہ خدا کو سر کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے فَمَنْ کَانَ اَکْثَرُ اَخْلَصُ مُجَاھَدَۃً کَانَ اَصْدَقُ مُشَاھَدَۃً پس باطنی مشاہدہ ظاہری مجاہدہ سے مقرون ہوتا ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مَنْ غَضَّ بَصَرَہٗ عَنِ اللّٰہِ طَرْفَۃَ عَیْنٍ لَا یَھْتَدِیْ طُوْلَ عُمُرِہٖ یعنی جو شخص خدا کیطرف سے ایک لحظہ بھر آنکھ بند کر لیتا ہے وہ کبھی بھی راہ نہ پائیگا کیونکہ غیر کیطرف جانا خدا سے منہ موڑنا ہے اور جو شخص غیر خدا کیطرف گیا وہ ہلاک ہوا پس اہل مشاہدہ کی وہی عمر ہوتی ہے کہ جو مشاہدہ میں ہو اور جو مدت عدم

حضوری کی حالت میں گذرے وہ عمر شمار نہیں ہوتی کیونکہ وہ حقیقتہً موت ہوتی ہے جیسا کہ ابویزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ تیری عمر کتنی ہے آپ نے فرمایا چار سال انہوں نے کہا کس طرح فرمایا کہ ستر سال عمر کے حجاب میں گذر گئے ہیں لیکن چار سال سے اس کو دیکھتا ہوں اور حجاب کا زمانہ عمر میں شمار نہیں ہوتا اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دعا کے دوران میں فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اخْبَأِ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ فِیْ خَبَایَا غَیْبِکَ حَتّٰی نَعْبُدَکَ بِغَیْرِ وَاسِطَۃٍ بارِ خدایا بہشت اور دوزخ کو اپنے غیب کے خزانہ میں پوشیدہ فرما اور ان کی یاد مخلوق کے دل سے فراموش کر تاکہ تجھ کو ان کی خاطر نہ پوجیں چونکہ بہشت میں طمع کیلئے حصہ ہے اسلئے آج کے دن عقلمند یقینی حکم کیساتھ اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اور جب دل کو محبت سے حصہ نہیں ہے تو البتہ غافل مشاہدہ سے محجوب ہوگا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات سے عائشہؓ کو خبر دی کہ میں نے حق کو نہیں دیکھا۔ اور عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے حق کو دیکھا ہے پس اس وجہ سے مخلوق اختلاف میں رہی لوگ جنہوں نے تدبر سے کام لیا وہ مقصد کو پہنچے لیکن وہ جو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو دیکھا اس سے مراد یہ تھی کہ میں نے سر کی آنکھ سے دیکھا اور وہ جو فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے اس کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا کیونکہ ان دونوں میں سے ایک اہل باطن سے تھا اور ایک اہل ظاہر سے تھا۔ اور ہر ایک کے پاس کلام اس کے حال کے موافق کیا پس جب سر کی آنکھ کیساتھ دیکھا اگرچہ آنکھ کا واسطہ نہ ہو کیا نقصان ہے، اور جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر خداوند کریم اپنے دیکھنے کا مجھے حکم دے تو میں اس کو کبھی نہ دیکھوں کیونکہ آنکھ دوستی میں غیر ہوتی ہے اور غیر کی غیرت مجھے دیدار سے باز رکھتی ہے کیونکہ دنیا میں میں اس کو بے واسطہ دیکھ سکتا۔ پس واسطہ کی مجھے کیا ضرورت ہے واللہ الہادی واللہ اعلم بالصواب، شعر" وَاِنِّیْ لَاَحْسُدُ نَاظِرِیْ عَلَیْکَ فَلَغَضُّ طَرْفِیْ اِذَا نَظَرْتُ اِلَیْکَ یعنی تحقیق میں تجھ پر نظر کرنے سے حسد کرتا ہوں پس بند کرتا ہوں میں آنکھ کو جب میں تیری طرف دیکھتا ہوں یعنی دوست کو اپنی آنکھوں دیکھنے سے دریغ رکھتا ہوں کیونکہ آنکھیں غیر ہوتی ہیں۔ کسی پیر سے لوگوں نے پوچھا کہ تو کیا خدا دیکھنا چاہتا ہے، اس نے کہا کہ نہیں انہوں نے کہا کیوں جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خواہش کی تو اس نے نہ دیکھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش نہ کی تو آپ نے دیکھا پس ہماری خواہش ہمارا حجاب اعظم ہے کیونکہ ارادت کا وجود دوستی میں مخالف ہوتا ہے، اور مخالفت حجاب ہوتی ہے، اور جب ارادت دنیا میں طے ہوتی تب مشاہدہ حاصل ہوا اور

جب مشاہدہ نے ثبات پایا دنیا مانند عقبیٰ کے ہو گی۔ اور عقبیٰ مثل دنیا کے ، اور ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا لَوْ حُجِبُوْا عَنِ اللّٰہِ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ لَارْتَدُّوْا یعنی خدا تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ اگر دنیا اور عقبیٰ میں ایک لحظہ کیلئے بھی اس سے محجوب ہوں تو وہ مرتد ہو جائیں یعنی ہمیشہ ان کو مشاہدہ کے دوام کے ساتھ پالتا ہے اور صاحب زندگی کو ان کی محبت زندہ رکھتی ہے ، اور لامحالہ جب مکاشف محجوب ہو گا رانده گیا ہو گا۔ اور ذو النون مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک دن میں مصر میں جا رہا تھا میں نے لڑکوں کو دیکھا کہ وہ ایک جوان پر پتھر پھینک رہے تھے میں نے کہا کہ اس کو کیوں مارتے ہو انہوں نے کہا کہ یہ دیوانہ ہے میں نے کہا کہ اس میں کونسی علامت جنون کی ظاہر ہوئی ہے ، انہوں نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں میں نے کہا اے جوان یہ تو کہتا ہے یا تجھ پہ الزام لگاتے ہیں اس نے کہا کہ نہیں میں کہتا ہوں کیونکہ میں اگر ایک لحظہ خدا کو نہ دیکھوں محجوب ہوں گا اور میں اس کی طاعت نہ کر سکوں گا مگر اس جگہ اس قصہ کے اہل سے لوگ غلطی میں پڑے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ دل کی رویت اور اس کا مشاہدہ صورت اختیار کرتا ہے ، کیونکہ ذکر یا فکر کی . . . . . حالت میں وہم اس کو ثابت کریگا اور یہ تشبیہ محض اور گمراہی بیّن ہو گی کیونکہ خداوند کریم کا اندازہ نہیں ہے تا کہ دل میں وہم کیساتھ اندازہ پکڑے یا عقل اس کی کیفیت پر مطلع ہو جو کچھ موہوم ہوگا وہ بھی وہم کی جنس سے ہوگا اور جو کچھ معقول ہو گا وہ عقل کی جنس سے ہو گا اور خدا تعالیٰ جنسوں کا ہمجنس نہیں ہے اور لطیفے اور کثیفے سب ایک دوسرے کی جنس ہیں اور مخالفت کے محل میں ایک دوسرے کی جنس ہوتے ہیں۔ کیونکہ توحید کی تحقیق میں ضد قدیم کے پہلو میں جنس ہوتی ہے کیونکہ ضدیں محدث ہیں اور تمام حوادث ایک ہی جنس ہیں۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عَمَّا یَصِفُہُ الْمَلَاحِدَۃُ عُلُوًّا کَبِیْرًا پس مشاہدہ دنیا میں مثل رویت کے ہوتا ہے عقبیٰ میں جب تمام اصحاب کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ عقبیٰ میں رویت ہو گی پس دنیا میں بھی مشاہدہ روا ہو گا پس اس مخبر میں جو عقبیٰ کے مشاہدہ سے خبر دیتا ہے اور اس مخبر میں جو دنیا کے مشاہدہ سے خبر دیتا ہے کوئی فرق نہ ہو گا ، ان دو معنوں میں بطور جائز ہونے کے خبر دیتا ہے نہ بطور دعویٰ کے یعنی کہتا ہے کہ دیدار اور مشاہدہ روا ہوتا ہے ، مگر یہ نہیں کہتا کہ مجھ کو دیدار ہوا ہے اور یا اب نہیں ہے کیونکہ مشاہدہ پوشیدہ صفت ہوتی ہے ، اور خبر دینی زبان کا کام ہے اور جب زبان کو سر سے خبر ہوتی ہے تب بیان کرتی ہے ، اور یہ مشاہدہ نہیں ہوتا بلکہ دعویٰ ہوتا

ہے، کیونکہ جس چیز کی حقیقت عقل میں نہ آئے زبان اس کو کس طرح ظاہر کرسکتی ہے، ہاں معنی مجازی سے تعبیر کرتی ہے لِاَنَّ الشَّاهِدَ قِصَّةُ اللِّسَانِ بِعُضُوِ الْجَنَانِ پس اس معنی سے خاموش رہنا بولنے سے زیادہ درجہ رکھتا ہے کیونکہ خاموش رہنا مشاہدہ کی علامت ہوتی ہے، اور نطق یعنی گویائی مشاہدے کا نشان ہے۔ اور ایک چیز کے مشاہدے ایک شئے کی شہادت دینے میں بہت فرق ہے اور یہ اسلئے ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے محلِ اعلیٰ اور درجۂ قرب سے مخصوص کیا ہوا تھا آپ نے فرمایا لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ یعنی.... بارِ خدایا میں تیری تعریف کا شمار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ آپ مشاہدہ میں تھے اور مشاہدہ دوستی کے درجہ میں کمال اتحاد ہوتا ہے اور اتحاد میں عبارت کرنی کمال بیگانگی ہوتی ہے پھر فرمایا اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ یعنی تو وہی ہے کہ جیسے تو نے اپنی صفت کی ہے یعنی اس جگہ آپ کا کہنا میرا کہنا ہوتا ہے اور آپ کی ثنا میری ثنا ہوتی ہے، اور میں اپنی زبان کو اس کا اہل نہیں جانتا کہ میرے حال کو بیان کرے اور نیز اپنے بیان کو بھی اس کا حقدار نہیں سمجھتا کہ میرے حال کو ظاہر کرے اور ایک کہنے والا انہیں معنوں میں کہتا ہے شعر، "تَمَنَّیْتُ مَنْ اَهْوٰی فَلَمَّا رَاَیْتُهٗ بُهِتُّ فَلَمْ اَمْلِكْ لِسَانًا وَّ لَا طَرْفًا" یعنی میں نے اپنے دوست کی خواہش کی پس جب میں نے اس کو دیکھا تو ہکا بکا ہوا میں اور میں اپنی زبان اور حال کا مالک نہ رہا۔ اور تمام احکام مشاہدہ کے ہیں کہ جن کو میں نے تمامہ مختصر طور سے بیان کر دیا ہے وباللہ التوفیق۔

نواں کشف الحجاب صحبت میں اور اسکے آداب اور احکام میں!

خداوند تعالیٰ نے فرمایا یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا اَیْ اَدِّبُوْهُمْ۔ یعنی اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے یعنی انہیں ادب سکھلاؤ۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُسْنُ الْاَدَبِ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی آداب کا عمدہ ہونا ایمان سے ہے، اور نیز فرمایا اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ یعنی مجھ کو میرے پروردگار نے ادب سکھلایا اور مجھے بہت ہی اچھا ادب عنایت فرمایا پس تو جان لے کہ تمام دینی اور دنیاوی کاموں کی زینت آداب سے متعلق ہے اور مخلوق کی اصناف کے مقاموں سے ہر مقام کیلئے ادب ہے اور کافر و مسلمان اور ملحد اور موحد اور سنی اور بدعتی سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ آداب کی خوبی معاملات میں اچھی ہے اور کوئی رسم جہان میں

ادب کے بغیر۔۔۔۔ ثابت نہ ہوگی۔ اعلا آداب سے آدمیوں میں مروت کی حفاظت ہوتی ہے اور ادب دین میں حفظِ سنّت ہے اور دنیا میں حفظِ عزت ہے اور یہ تینوں ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں کیونکہ جس کیلئے مروت نہ ہوگی اس کو سنت کی پیروی بھی نصیب نہ ہوگی اور جو شخص سنت کی حفاظت نہیں کرتا وہ عزت کی بھی حفاظت نہیں کرتا۔ اور ادب کی محافظت معاملت میں مطلوب کی تعظیم سے دل میں حاصل ہوتی ہے اور خدا کی تعظیم اور اس کے شعائر تصوف کے طریق میں تقویٰ سے حاصل ہوتے ہیں اور جو کوئی خدا کے شواہد کی تعظیم کو بے عزتی کے ساتھ پاؤں کے نیچے روندتا ہے اس کا صوفیوں کے طریق میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور کسی حال میں سکر اور غلبہ طالب کو آداب کی محافظت سے منع نہیں کرتا کیونکہ ادب ان کی عادت ہوتی ہے اور عادت طبیعت کا قرینہ ہوتی ہے۔ اور طبیعتوں کا ساقط ہونا حیوان سے کسی حال میں تصور نہیں رکھتا کیونکہ جب تک زندگی قائم ہے اس کا گرنا محال ہوتا ہے پس جب تک کوئی انسان قائم ہے تمام آداب کی حالتوں میں آداب کی پیروی کرنی اس کیلئے لازم ہے کبھی تکلف کے ساتھ اور کبھی تکلف کے بغیر اور جب ان کا حال ہوش کا ہوتا ہے وہ حفظ آداب تکلف سے بجالاتے ہیں اور جب ان کی حالت سکر کی ہو تو خدا تعالیٰ ادب کو ان پر نگاہ رکھتا ہے اور کسی صورت میں تارک الادب ولی نہیں ہوتا۔ اِذِالْمُوَدَّۃُ عِنْدَ الْاٰدَابِ وَحُسْنُ الْاَدَبِ صِفَۃُ الْاَحْبَابِ جس کسی کو خدا تعالیٰ کرامت دیتا ہے اسکی دلیل یہ ہوتی ہے دین کے آداب کے حکم کو اس پر نگاہ رکھتا ہے۔ بخلاف ایک گروہ ملاحدہ کے اللہ عزوجل کی ان پر لعنت ہو جو کہتے ہیں کہ جب بندہ محبت میں مغلوب ہو جاتا ہے تب [illegible] کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اس معنی کو مشیت ایزدی سے دوسری جگہ مفصل بیان کروں گا لیکن آداب کی تین قسمیں ہیں ایک توحید میں حق جل و علا کیساتھ اور وہ اس طرح ہوتا ہے کہ خلا اور ملا میں اپنے آپ کو بے حرمتی سے نگاہ رکھے اور معاملہ اس قسم کا اختیار کرے جیسا کہ بادشاہوں کے دربار میں اختیار کیا جاتا ہے اور صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ ایک دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں دراز فرما کر بیٹھے ہوئے تھے جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کی یا محمد اجلس جلستہ العبد اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جناب باری میں بندوں کی طرح بیٹھو۔ اور کہتے ہیں کہ حارث محاسبی چالیس سال تک رات دن میں ایک دفعہ بھی دیوار سے پشت نہ لگائی اور ہمیشہ دو زانو بیٹھے آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں شرم رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ کے مشاہدہ میں اس طرح نہ بیٹھوں جیسا کہ بندے بیٹھتے ہیں۔ اور میں جو علی بیٹا

عثمان جلابی کا ہوں کہتا ہوں کہ میں نے خراسان کے ملک میں خدا کے بندوں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ملند کہتے ہیں اور وہ بہت ہی مشہور تھا۔ اور ملندی کے نام سے پکارا جاتا تھا اور کامل بزرگ تھا یہ بزرگ بیس سال سے پاؤں کے بل کھڑا ہوا ہے، نماز کی التحیات کے سوا نہیں بیٹھتا میں نے اسے اس کی علت پوچھی اس نے کہا کہ میرا ابھی یہ درجہ نہیں ہے کہ میں خدا کے مشاہدہ میں بیٹھوں اور ابویزید سے پوچھا گیا۔ بِمَ وَجَدْتَ مَا وَجَدْتَ یعنی آپ نے جو کچھ حاصل کیا کس چیز سے ... حاصل کیا۔ قَالَ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ مَعَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ جواب دیا کہ میں نے جو کچھ پایا خدا تعالیٰ کے ساتھ نیک صحبت اور با ادب رہنے سے پایا اور ظاہر میں اللہ عزوجل کیساتھ ویسے ہی رہا جیسے کہ باطن میں تھا۔ اور لوگوں کو چاہیئے کہ ادب کی نگہداشت اپنے معبود کے مشاہدہ میں زلیخا سے سیکھیں کہ جب اس نے یوسف علیہ السلام کی صحبت اختیار کی اور یوسف علیہ السلام سے اپنے عکم کی قبولیت کے متعلق درخواست کی تو پہلے اپنے بت کے منہ کو کپڑے سے ڈھانک دیا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو نے کیا کیا اس نے کہا کہ میں نے اپنے معبود کے منہ پر اس غرض کیلئے کپڑا ڈال دیا ہے تا کہ وہ مجھ کو تیرے ساتھ ایسی بےعزتی کی حالت میں نہ دیکھے کیونکہ یہ ادب کی شرط کے خلاف ہے اور جب یوسف علیہ السلام یعقوب علیہ السلام سے ملاقی ہوئے اور اللہ عزوجل نے یوسف علیہ السلام کے وصال سے یعقوب علیہ السلام کو مشرف فرمایا تب زلیخا کو جوانی عطا ہوئی اور وہ مشرف با سلام ہوئی۔ اور یوسفؑ کے نکاح میں آئی۔ یوسفؑ نے زلیخا کی طرف قصد کیا تو زلیخا آپ سے بھاگتی تھی۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اے زلیخا کیا میں تیرا وہی دلربا نہیں ہوں تو مجھ سے کیوں بھاگتی ہے شاید میری محبت تیرے دل سے محو ہو چکی ہے زلیخا نے کہا ایسا نہیں دوستی بدستور قائم ہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہے مگر میں نے ہمیشہ اپنے معبود کی بارگاہ میں آداب کو ملحوظ رکھا ہے جس وقت تیرے ساتھ میں نے خلوت کی تھی اس روز میرا معبود پتھر کا بت تھا جو بالکل دیکھتا نہیں تھا کیونکہ اس کی دو آنکھیں بدون دیکھنے کے تھیں میں نے اس پر اس وقت کپڑا ڈال دیا تھا تا کہ بےادبی کی تہمت کے الزام سے بری ہو جاؤں اب میں ایسا معبود رکھتی ہوں کہ جو دانا و بینا بغیر آنکھ اور آلہ کے ہے اور ہر حالت میں مجھ کو دیکھتا ہے میں تارک الادب ہونا نہیں چاہتی۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں لے گئے تو آپ نے ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دونوں جہان سے اپنی توجہ و نظر کو ہٹا لیا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ ... اَیْ بِرُؤْیَۃِ الدُّنْیَا وَمَا طَغٰی اَیْ بِرُؤْیَۃِ الْعُقْبٰی یعنی آپکی آنکھوں کے

کو سنے دُنیا کے دیدار اور عقبیٰ کے دیدار کیطرف سرکشی نہیں کرتے تھے اور دوسری قسم ادب کی باہمی کاروبار میں ہے،
اور وہ اس طرح ہوگا کہ تمام احوال میں اپنے نفس کیساتھ مروّت کی رعایت کرے یہانتک کہ جو کچھ مخلوق اور خدا کی
صحبت میں بے ادبی ہوتی ہے خود اسکا مرتکب نہ ہو اسکی توضیح اسطرح ہے کہ سوا سچائی کے کچھ نہ کہے اور وہ
اس طرح ہوتا ہے کہ جس بات یا فعل کو اپنے خلاف پائے اس کو اپنی زبان پر جاری نہ کرے کہ اس میں بیہودگی
ہوگی، اور دوسرا یہ ہے کہ کم کھائے تاکہ جائے ضرورت کیلئے کم جانا پڑے اور تیسری قسم یہ ہے کہ اپنی اُن چیزوں کو
نظر نہ کرے کہ جو اس کے سوا غیر کو نہ دیکھنی چاہئے کیونکہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ نے
عمر بھر اپنی پیشاب گاہ کو نہ دیکھا تھا۔ آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی آپنے جواب میں فرمایا کہ میں اپنی اس
چیز کے دیکھنے سے شرم رکھتا ہوں کہ جسکی جنس کا دیکھنا غیروں پر حرام ہو، اور ادب کی دوسری قسم مخلوق کی
صحبت میں حسن معاملہ اور حفظ سُنّت ہے خواہ سفر ہو خواہ حضر + اور ان تینوں قسم کے آداب کو ایک دوسرے
سے جدا نہیں کر سکتے اب میں بقدر امکان اس کو ترتیب وار بیان کرتا ہوں تاکہ ...... مشیت ایزدی سے بیان
تجھ پر اور اس رسالت کے مطالعہ کرنیوالوں پر بہت ہی سہل اور آسان ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

باب صحبت کا اور اسکے متعلقات کا بیان

خداوند جل و علا نے فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ای
بحسن رعایتھم لاخوان یعنی جن مومنوں کے کام نیک ہوتے ہیں اللہ عزوجل ان کو دوست بناتا ہے اور نیز
اُنکو دلوں میں محبوب کر دیتا ہے، ... جو اپنے دلوں کو نگاہ رکھتا ہیں اور بھائیوں کا حق ادا کرتا ہیں اور
انکی بزرگی اپنے اوپر دیکھیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثَلٰثٌ لَکَ وُدُّ اَخِیْكَ تُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِذَا لَقِیْتَهٗ
وَتُوَسِّعُ لَهٗ فِی الْمَجْلِسِ وَتَدْعُوْهُ بِاَحَبِّ اَسْمَائِهٖ اور یہ جو فرمایا رسول علیہ الصلوٰۃ نے وہ حفظ حرمت اور حسن رعایت
کے قبیل سے ہے اور فرمایا کہ مسلمان بھائیوں کی دوستی تین چیزوں سے مصفّا ہوتی ہے ایک تو اس سے کہ
جب تو اس کو دیکھے اس کو سلام کہے اور دوسرے اس کیلئے مجلسوں میں جگہ فراخ کرے اور تیسرے اس کو اس نام
سے پکارے کہ جو اس کے نزدیک زیادہ محبوب ہو اور خداوند کریم نے بھی ارشاد فرمایا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ یعنی تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور سب پر مہربانی کی رو سے
فرمایا کہ دو مسلمانوں کے مابین صلح کراؤ تاکہ انکے دلوں میں ایکدوسرے کی طرف سے ناراضگی نہ بیٹھے۔ اور فرمایا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اَکْثِرُوْا مِنَ الْاِخْوَانِ فَاِنَّ رَبَّکُمْ حَیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ اَنْ یُّعَذِّبَ عَبْدَہٗ بَیْنَ اِخْوَتِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یعنی بہت سے بھائی بناؤ اور بغرض معاملت کے حق اور عہد ادب کی حفاظت کیساتھ اُن کی حفاظت کرو۔ کیونکہ تمہارا خدا حی و کریم اپنے کرم کی شرم سے بندہ کو اس کے بھائیوں کے درمیان بروز قیامت عذاب کریگا لیکن دوستی کا ہونا خداوند کریم کیلئے چاہیئے نہ کہ نفس کی خواہش اور مراد کے حاصل ہونے اور کسی غرض وغیرہ کیلئے ہوتا کہ حفظ ادب کے ساتھ وہ بندہ مشکور ہو اور مالک بن دینار نے اپنے داماد مغیرہ بن شعبہ کو فرمایا کہ یا مغیرۃ کل اخ وصاحب لم تستفد منہ فی دینک خیرا فانبذ عن صحبتہ علی تسلم اے مغیرہ تیرا ہر وہ بھائی اور دوست کہ جسکی صحبت میں بیٹھے ہوئے تجھے اس جہان کا فائدہ نہ ہو تو اسکی صحبت اختیار نہ کر کیونکہ ایسے شخص کی صحبت تجھ پر حرام ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ صحبت یعنی مجلس یا تو اپنے سے بڑے کی اختیار کرنی چاہیئے اور یا اپنے سے چھوٹے کی اگر تو اپنے سے بڑے کی مجلس اختیار کرے تو اس سے تجھکو فائدہ ہوگا اور اگر اپنے سے چھوٹے کی مجلس تو اختیار کریگا تو اس کو تجھسے فائدہ ہوگا یعنی اگر وہ تجھسے کوئی چیز سیکھے گا تو بھی فائدہ دینی حاصل ہوا اور اگر تو نے اسے کوئی چیز سکھا دی تو بھی فائدہ ہوگا۔ اور اسی بنا پر ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ مِنْ تَمَامِ التَّقْوٰی تَعَلُّمَ مَنْ لَّا یَعْلَمُ یعنی پرہیزگاری کا کمال یہ ہے کہ ایسے شخص کو علم سکھائے کہ جو شخص علم نہ رکھتا ہو اور یحیٰی ابن معاذ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا بِئْسَ الصَّدِیْقُ تَحْتَاجُ اَنْ تَقُوْلَ لَہٗ اُذْکُرْنِیْ فِیْ دُعَآئِکَ وَبِئْسَ الصَّدِیْقُ تَحْتَاجُ اَنْ تَعِیْشَ مَعَہٗ بِالْمُدَارَاتِ وَبِئْسَ الصَّدِیْقُ صَدِیْقٌ یُّلْجِئُکَ اِلَی الْاِعْتِذَارِ فِیْ زَلَّۃٍ کَانَتْ مِنْکَ یعنی وہ دوست بُرا ہے کہ جس کو دعا کی وصیت کرنی لازمی ہو کیونکہ ایک گھڑی صحبت کا حق ہمیشہ دوست کے حق میں دعا کرنے کا متقاضی ہے اور وہ دوست برا ہے کہ جس سے زندگانی کا علاج کرنے کی ضرورت ہو کیونکہ صحبت کے سرمایہ کی شرط خوشی ہوتی ہے اور وہ بھی برا دوست ہے کہ جس سے گناہ کے سبب معافی مانگنی پڑے کیونکہ عذر بیگانگی کی شرط سے ہے اور صحبت میں بیگانگی ظلم ہوتی ہے اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ مرد وہی دین اور راستہ رکھتا ہے کہ جو اس کے دوست رکھتے ہیں۔ خوب نگاہ کرنی چاہیئے کہ اسکی دوستی کن لوگوں سے ہے اگر نیکوں کی صحبت رکھتا ہے، اگرچہ بد ہو مگر نیک ہے اور اگر بد کی مجلس اختیار کئے ہوئے ہے، اگرچہ نیک ہو مگر بد ہے، کیونکہ وہ اپنے ہمنشین دوستوں کے افعال پر راضی ہے، جب بد کے ساتھ راضی ہو تو وہ بد ہی ہوگا اگرچہ نیک ہو،

اور حکایات میں ہے کہ ایک آدمی کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے کہتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اِخْوَانِیْ فَقِیْلَ لَہٗ تَدْعُ لَکَ فِیْ ھٰذَا الْمَقَامِ کہ اے میرے پروردگار تو میرے بھائیوں کو نیک کر اس سے کہا گیا کہ تو اس مقام شریف پر پہنچکر کیوں اپنے حق میں دعا نہیں مانگتا جو تو صرف اپنے بھائیوں کے حق میں دعا کرتا ہے اس نے کہا اِنَّ لِیْ اِخْوَانًا اَرْجِعُ اِلَیْھِمْ فَاِنْ صَلَحُوْا صَلَحْتُ مَعَھُمْ وَاِنْ فَسَدُوْا فَسَدْتُ مَعَھُمْ میرے بھائی ہیں کہ جب میں ان کی طرف واپس لوٹوں گا اگر انکو میں نے نیک پایا تو میں بھی نیک رہونگا اور اگر میں نے ان میں فساد پایا تو میں بھی اُن کے فساد کے سبب مفسد ہو جاؤنگا جب میرے صالح ہونے کی بنا مصلحین کی صحبت پر موقوف ہے تو میں اسی لئے دعا کرتا ہوں تاکہ میرا مقصود ان سے حاصل ہو اور سبب مذکور کی بنیاد اس امر پر ہے کہ نفس کو دوستوں کی عادتوں سے تسکین ہوتی ہے اور انسان جس گروہ میں بھی رہے اسی گروہ کی عادتیں اور کام اختیار کر لیتا ہے کیونکہ تمام معاملات اور ارادے حق اور باطل سے مرکب ہیں وہ جن معاملوں اور ارادوں میں پرورش پاتا ہے اس میں دوسروں کا ارادہ اس کے ارادہ پر غلبہ پکڑ جاتا ہے اور طبع اور عادت میں صحبت بہت بڑی تاثیر کرنیوالی ہے حتی کہ باز آدمی کی صحبت سے عالم ہو جاتا ہے اور طوطا آدمی کی تعلیم سے بولنے لگتا ہے اور گھوڑا بھی ریاضت سے اپنی بہائمی عادت سے آدمی کی عادت کی طرف آجاتا ہے اور مثل اسکی سب میں صحبت کا اثر ہے اور تاثیر صحبت تمام عادتوں کو بدل دیتی ہے اور صوفیائے کرام کے مشائخ پہلے ایک دوسرے سے صحبت کا حق طلب کرتے ہیں اور مریدوں کو اس پر حرص دلاتے ہیں۔ یہانتک کہ صحبت اُن پر فرض ہو جاتی ہے اور اس سے پیشتر مشائخ نے خاص گروہ کی صحبت کے آداب میں مفصل کتابیں تصنیف کی ہیں جیسا کہ حضرت جنید نے ایک کتاب بنام تصحیح الارادت تصنیف کی اور ایک کتاب بنام الرعایۃ بحقوق اللّٰہ احمد بن خضرویہ بلخی کی اور ایک کتاب بنام آداب المرید بن محمد بن علی ترمذی کی تصنیف ہے اور نیز ابو القاسم الحکیم اور ابو بکر وراق اور سہل بن عبداللّٰہ اور ابو عبدالرحمن سلمی اور استاد ابو القاسم قشیری رحمہم اللّٰہ ان سب نے اس معنی میں کامل کتابیں لکھی ہیں اور یہ سب اس فن کے امام ہوتے ہیں۔ اور میرا مقصود اس کتاب سے یہ ہے کہ جس کسی کے پاس یہ کتاب پہنچے اسکو دوسری کتابوں کی ضرورت نہ رہے اور اس سے پیشتر کتاب کے مقدمہ میں میں نے کہا ہے کہ یہ کتاب تجھے کافی و نافی ہو گی۔ اور اس طریق کے طالب علموں کو کسی دوسری کتاب کی حاجت نہ ہوگی۔ اب میں انکے معاملات کے آداب کی قسموں میں چند باب علی الترتیب بیان کرتا ہوں انشاء اللّٰہ عزوجل۔

اہل تصوّف کی صحبت کا بیان!

اور جب تم نے جان لیا کہ مرید کیلئے سب چیزوں سے مشکل ترین صحبت ہوتی ہے لہٰذا صحبت کے حق کو ملحوظ خاطر رکھنا فرض ہے کیونکہ تنہا رہنا مرید کیلئے موجبِ ہلاکت ہوتا ہے اسلئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلشَّیطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ یعنی شیطان اس شخص کیساتھ ہوتا ہے کہ جو تنہا ہو اور وہ دو سے بھاگتا ہے، اور خدائے عزوجل نے فرمایا مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ یعنی جو تین آدمی آپس میں راز رکھتے ہوں چوتھا ان کا خدا ہوتا ہے پس کوئی آفت مرید کیلئے اس کے تنہا رہنے سے بڑھکر نہیں ہے اور حکایتوں میں میں نے پایا ہے کہ جنید رحمہ اللہ کے ایک مرید کو خیال ہوا کہ میں نے درجہ میں کمال حاصل کر لیا ہے، اور میرے لئے بہ نسبتِ صحبت یکسوئی کی گوشہ نشینی بہتر ہے، اس نے صحبت ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کی جب رات کا وقت ہوا اس کے پاس اونٹ لاتے اور انہوں نے اس سے کہا کہ تجھے بہشت میں جانا چاہیے وہ اونٹ پر بیٹھ جاتا اور چلتا رہتا یہاں تک کہ ایک جگہ بہت خوشنما ظاہر ہوتی اور خوبصورت آدمی اور بہت عمدہ کھانے اور جاری پانی ظاہر ہوتے صبح کے وقت تک اسکو وہاں پر رکھتے۔ پھر سو جاتا اور جب بیدار ہوتا تو اپنے آپکو حجرہ کے دروازے پر پاتا یہاں تک کہ بشریت کی رعونت اس میں جاگزین ہوئی۔ اور جوانی کے غرور نے اس کے دل میں اثر کیا تب اس نے زبانی دعویٰ شروع کیا اور کہا کہ مجھ پر ایسی حالت وارد ہوتی ہے، یہ خبر حضرت جنیدؒ کی خدمت میں پہنچائی گئی آپ اٹھے اور اس کے حجرہ کے دروازہ پر تشریف لائے اور آپنے دیکھا کہ وہ ہوا اور حرص میں سر ڈالے ہوئے ہے اور اس کا حال بوجہ تکبر کے دگرگوں ہو رہا ہے آپنے اس کا حال پوچھا اس نے سب حال بیان کیا حضرت جنید نے فرمایا کہ اگر آج کی رات تو وہاں پر پہنچے تو اچھی طرح تین مرتبہ لاحول ولا قوۃ پڑھکر پھونک مارنا جب رات آئی حسب دستور سابقہ اسکو لے گئے اور وہ دل میں جنید کا انکار کئے ہوئے تھا جب وہاں پہنچے تھوڑی دیر گذری تو اس نے تجربہ کی خاطر تین مرتبہ لاحول پڑھکر پھونک ماری تو وہ مرید کہتے ہیں کہ وہ سب آدمی فریاد کرتے ہوئے چلے گئے اور اس مرید نے اپنے آپکو ایک کوڑی پر بیٹھا پایا اور چند ہڈیاں مردار کی اسکے گرد پڑی ہوئی تھیں اس وقت وہ اپنی خطا پر واقف ہوا اور اپنی علیحدگی سے توبہ کی۔ اور صحبت میں شامل ہوا۔ اور مرید کو کوئی آفت مثل تنہائی کے نہیں اور انکی صحبت کی شرط یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے

درجہ میں پہچانے بوڑھوں کی عزت کرے اور ہم جنسوں سے باعشرت زندگی بسر کرے اور بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ اختیار کرے۔ بوڑھوں کو تو باپ کے درجہ میں سمجھنا چاہیئے۔ اور ہمسروں کو بھائیوں کے درجہ میں اور بچوں کو بجائے فرزندوں کے تصور کرنا چاہیئے۔ اور کینہ سے بیزاری اور حسد سے پرہیز کرنا چاہیئے اور عداوت سے اعراض چاہیئے اور کسی شخص کو نصیحت کرنے سے دریغ نہ رکھے اور ایک دوسرے کی صحبت میں چغلی کرنی اور خیانت کرنی اور قول فعل کیساتھ ایکدوسرے کا انکار کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ جب صحبت کی ابتدا محض خدا کیلئے ہوگی تو بندہ سے جو فعل یا قول نامناسب صادر ہوگا اس سے دوستی میں فرق نہ آئیگا۔ اور مصنف کہتا ہے کہ میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ صحبت کی شرط کیا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ تو صحبت میں اپنا حظ تلاش نہ کرے کیونکہ صحبت کی تمام آفتیں اسی امر میں منحصر ہیں۔ کہ بندہ صحبت کو اپنے حظ کیلئے اختیار کرے، اور صاحب حظ کو صحبت سے تنہائی بہتر ہے اور جس وقت اپنے حظ کو چھوڑ دے گا اسوقت اپنے صاحب کے حظ کی خوب رعایت کریگا اور صحبت میں صواب پانیوالا ہوگا۔ درویشوں سے ایک درویش کہتا ہے کہ میں نے ایکدفعہ کوفہ سے مکہ معظمہ جانیکا قصد کیا۔ میری راستہ میں حضرت ابراہیم خواص سے ملاقات ہوئی۔ میں نے صحبت میں رہنے کی درخواست کی آپنے فرمایا کہ صحبت کیلئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے، اور ایک فرمانبردار کی۔ تو امیر بننا چاہتا ہے یا فرمانبردار یا تو خود امیر بن یا مجھے بنادے میں نے کہا کہ آپ امیر بن جائیں آپ نے فرمایا کہ اب تجھے میرے حکم سے باہر نہیں ہونا میں نے اسکو تسلیم کیا جب ہم پہلی منزل پہ پہنچے آپنے فرمایا بیٹھ جا میں نے ویسا ہی کیا آپ نے کنوئیں سے ٹھنڈا پانی نکالا لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلا کے میں روشن کی اور مجھے گرم کیا اور جس کام کے کرنے کا میں ارادہ کرتا آپ فرماتے بیٹھ جا اور حکم کی شرط کو نگاہ رکھ جب رات ہوئی بارش سخت ہوئی۔ آپنے اپنی گودڑی اتار کر مجھ پر ڈالدی اور صبح تک میرے سر پر کھڑے رہے اور جب گودڑی سرکتی آپ مجھ پر ڈال دیتے اور میں شرمندہ ہوتا تھا۔ مگر بحکم شرط ..... کچھ عرض نہیں کر سکتا تھا۔ جب صبح ہوئی میں نے کہا اے شیخ آج کے دن میں امیر بنوں گا آپنے فرمایا خوب ہے جب رات کو ہم منزل پر اترے تو آپ نے پہلے ہی کی طرح کام کرنا شروع کر دیا میں نے کہا کہ آپ میرے حکم سے باہر نہیں آپ نے فرمایا۔ کہ فرمان سے وہ شخص باہر آتا ہے کہ جو امیر کو خدمت کا حکم فرمائے۔ اسی صورت سے ہم مکہ معظمہ میں پہنچے اور جب مکہ معظمہ میں ہم پہنچے میں بوجہ غلبۂ شرم آپ سے بھاگ گیا۔ یہانتک کہ آپ نے مجھکو منیٰ میں

دیکھا فرمایا اے لڑکے تجھ پر اسیطرح سے درویشوں کی خدمت کرنی لازم ہے اور اُن کی صحبت اسیطرح اختیار کر جیسا کہ میں نے تیرے ساتھ صحبت اختیار کی۔ اور انس بن مالک سے روایت بیان کرتے ہیں۔ جو آپنے فرمایا صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم عشر سنین خدمتہ فواللہ ما قال لی اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِیْ بِشَیْءٍ فَعَلْتُ لِمَ فَعَلْتَ کَذَا فلا بشیءٍ لم افعلہ لم لا فعلت کذا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی بس قسم ہے خدا کی آپ نے کبھی مجھکو اُف تک نہیں فرمایا اور جو کام بھی میں کرتا تھا آپ مجھ سے کبھی نہ پوچھنے کہ تو نے یہ کیوں کیا ہے اور جو کام میں نہ کرتا آپ اُسکے متعلق بھی نہ پوچھتے کہ تو نے فلاں کام کیوں نہیں کیا پس تمام درویش دو قسم کے ہیں۔ ایک مقیم اور دوسرے مسافر اور مشائخ کا یہ طریقہ ہے کہ مسافروں کی خدمت پر مقیموں کی خدمت کو فضیلت دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنے نصیب چلتے ہیں اور مقیم خدا کی خدمت میں بیٹھے ہوئے ہیں اسواسطے کہ مسافروں میں جستجو کی علامت ہے اور مقیموں میں یافت کی اشارت ہے پس صاحبِ فضل وہ شخص ہوگا کہ جس نے پایا اور بیٹھا بہ نسبت اس کے کہ جو طلب کرتا ہے۔ اور مقیموں کو بھی چاہیئے کہ مسافروں کو اپنے سے بڑھکر سمجھیں کیونکہ وہ تعلقات رکھتے ہیں اور مسافر تعلقات سے علیحدہ ہوتے ہیں مسافر طلب میں مقیم ہیں اور مقیم دنیا میں موقف ہیں۔ بوڑھوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ جوانوں کو اپنے پر فضیلت دیں کہ وہ قریبِ زمانہ ہیں۔ اور اُن کے گناہ کم ہیں اور جوانوں کو بھی چاہیئے کہ بوڑھوں کو اپنے پر بزرگی دیں۔ کیونکہ ان کی عبادت کا زمانہ اُن سے بیشتر ہے اور خدمت میں بھی مقدم ہیں جب ایسا ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو دونوں گروہ ایکدوسرے سے نجات حاصل کرلیں گے ورنہ ہلاک ہوجائیں گے واللہ اعلم بالصواب۔

فصل

اور آداب کی حقیقت نیک خصلتوں کا جمع کرنا ہے اور ادیب کے مادبہ کو اسلئے مادبہ کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ ہوتا ہے بہتر ہوتا ہے فَالَّذِیْ اجْتَمَعَ فِیْہِ خِصَالُ الْخَیْرِ فَھُوَ اَدِیْبٌ یعنی جس میں عمدہ خصلتیں جمع کی جائیں وہ ادیب ہے اور حسب عادت جو شخص لغت اور نحو اور صرف میں کمال رکھتا ہو اُسکو ادیب کہتے ہیں پھر اس طائفہ کے نزدیک اَلْاَدَبُ اَلْوُقُوْفُ مَعَ الْمُسْتَحْسَنَاتِ وَمَعْنَاہُ اَنْ تُعَامِلَ اللّٰہَ فِی الْاَدَبِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً وَاِذَا اَنْتَ کَذٰلِکَ کُنْتَ اَدِیْبًا وَاِنْ کُنْتَ اَعْجَمِیًّا وَاِنْ لَمْ تَکُنْ کَذٰلِکَ تَکُوْنُ

عملی بضمنی ۵۔ یعنی ادب قابل تعریف افعال پر چلنے کا نام ہے انہوں نے کہا کہ اسکے معنی کیا ہیں فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر اور باطن میں تو خداوند کریم کیساتھ معاملہ باادب اختیار کرے۔ تو جب معاملہ ادب کے ساتھ آراستہ ہو جائے تو اسوقت ادیب ہو جائیگا اگرچہ تیری زبان عجمی ہو کیونکہ عبارتوں کی معاملات میں کچھ قدر قیمت نہیں ہوتی اور ہر حال میں عالم لوگ عقلمندوں سے بزرگ ہیں۔ ایک شیخ سے پوچھا گیا کہ ادب کی شرط کیا ہے اس نے کہا کہ میں تیرا جواب ایک ہی بات میں ختم کر دیتا ہوں میں نے سنا ہے کہ ادب وہ ہوتا ہے کہ تم کہے تو صحیح کہے اگر تو معاملہ بجا لائے تو تیرا معاملہ حق کے ساتھ ہو اور سچا کلام اگرچہ کڑوا ہو مگر نمکین ہوتا ہے اور معاملہ خوب اگرچہ مشکل ہو مگر اچھا ہوتا ہے پس جب تو کچھ کہے تو اپنے کلام میں تجھکو مصیب ہونا چاہیئے اور جب تو خاموش ہو تو تجھے اپنی خاموشی میں محقق ہونا چاہیئے اور شیخ ابو نصر سراج صاحب لمع نے اپنی کتاب میں۔۔۔۔ بابِ آداب میں بہت ہی عمدہ فرق بیان کیا ہے،

الناس فی الادب علیٰ ثلث طبقات اما اہل الدنیا فاکثر ادابہم فی الفصاحۃ والبلاغۃ وحفظ العلوم واسماء الملوک واشعار العرب واما اہل الدین فاکثر ادابہم فی ریاضۃ النفس وتادیب الجوارح وحفظ الحدود وترک الشہوات واما اہل الخصوصیۃ فاکثر ادابہم فی طہارۃ القلوب ومراعات الاسرار والوفاء بالعہود وحفظ الوقت وقلۃ الالتفات الی الخواطر وحسن الادب فی مواقف الطلب واوقات الحضور ومقامات القرب یعنی ادیب تین قسم کے ہیں ایک تو اہل دنیا ہیں کہ ادب ان کے نزدیک فصاحت اور بلاغت اور علوم کی یادداشت اور نیز عرب کے اشعار زبانی یاد کرنے اور انکی حکایتیں یاد کرنی ہیں اور دوسرے اہل دین کہ ادب ان کے نزدیک نفس کی ریاضت اور اعضا کی تادیب اور حدوں کی نگاہداشت اور شہوتوں کی ترک ہے اور تیسرے اہل خصوصیت ہیں۔ جو کہ ادب ان کے نزدیک دل کی صفائی ہوتا ہے، اور سر کی رعایت اور عہد کا وفا کرنا اور وقت کی نگاہداشت کرنی اور پراگندہ فکروں کی طرف کمتر خیال کرنا۔ اور طلب کے محل اور وقت کے حضور اور قرب کے مقام میں نیک کام کرنا ہے اور یہ سخن جامع ہے اور اس کی تفصیل اس کتاب میں مختلف جگہوں پر آئیگی واللہ ولی التوفیق۔

باب صحبت کے آداب کا اقامت میں

جب کوئی درویش اقامت کرے اس کے ادب کی شرط یہ ہے کہ جب کوئی مسافر اسکے پاس

آئے تو اسکی تعظیم بجا لانے کیلئے بڑی خوشی سے اسکے سامنے آئے اور اس کو عزت کیساتھ قبول کرے اور ایسا جانے کہ ابراہیم کے مہمانوں سے ایک مہمان اسکے پاس آیا ہے اور اسکی خدمت ویسے ہی کرے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کیا کرتے تھے بلا تکلف . . . . جو کچھ ماحضر میسر ہو پیش خدمت کرے جیسا کہ اللہ عز و جل نے فرمایا فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ پس لے آئے ابراہیم ایک موٹا تازہ بچھڑا پکا کر۔ اور یہ نہ پوچھے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور کدھر جائینگے کیونکہ یہ باتیں پوچھنا خلافِ ادب ہے پس اسکا آنا جانا خداوند کریم کی طرف سے خیال کرے اور اسکا نام عبد الحق خیال کرے، پھر دھیان کرے کہ وہ خلوت میں راضی ہے یا صحبت میں۔ اگر خلوت سے راضی ہو تو اسکے لئے علیحدہ جگہ خالی کردے اور اگر صحبت سے راضی ہو تو بلا تکلف اس سے صحبت اختیار کرے تاکہ محبت اور اسکی خوشی بڑھے، جب رات کے وقت وہ سوئے تو اس کے پاؤں دبائے۔ اور اگر وہ ہاتھ پاؤں پر نہ رکھنے دے اور کہے کہ میری عادت نہیں تو چھوڑ دے تاکہ اسکو بار گراں نہ گذرے، اور دوسرے روز حمام میں لے جائے اور حمام بہت ہی پاکیزہ ہو۔ اور ان کے کپڑوں کو حمام کی میل کچیل سے بچائے اور کسی اجنبی کو اسکی خدمت کیلئے مامور نہ کرلے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس کے پاک کرنے سے تمام آفتوں سے پاک و صاف ہو جاؤنگا! اور اسکی پیٹھ کو کھجلانا چاہیئے اور اسکے زانو اور پاؤں کی ہتھیلی اور ہاتھ کو مالش کرے اور اس سے زیادہ شرط نہیں ہے، اگر مقیم کو نیا کپڑا بنا کر دینے کی توفیق ہے تو نیا کپڑا پہنائے ورنہ تکلف نہ کرے اور انہی پرانے کپڑوں کو اس قدر صاف کرے کہ نماز پڑھنے کے قابل ہو جائیں جب حمام سے باہر آئے۔ تو وہی دھلے ہوئے کپڑے اسکو پہنا دے، اور دو تین روز اور نہ ٹھہرے اور اگر اس شہر میں کوئی بزرگ ہو۔ یا کوئی جماعت اور یا کوئی ائمہ اسلام سے امام ہو اسکو انکی زیارت کیلئے کہے اگر منظور کرے تو بہتر ورنہ اصرار نہ کرے کیونکہ ایک وقت طالبانِ حق پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دل کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھتے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے پوچھا کہ اپنے سفروں کے عجائبات سے کوئی عجیب بات سناؤ تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نے مجھ سے میری صحبت کی درخواست کی مگر میں نے ان کی اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ میرا دل نہ چاہتا تھا۔ اور اس وقت میں نے نہ چاہا کیونکہ بدون حق کے کسی کی قدر و قیمت میرے دل میں نہ تھی۔ کہ جسکی میں رعایت کرتا۔ البتہ یہ کسی صورت سے جائز نہ ہوگا کہ مقیم مسافر کو اہلِ دنیا کے سلام کیلئے لیجائے یا ان کی مہمانی اور بیمار پرسی اور ماتم میں اسکو لیجائے، اور جس مقیم کو مسافروں سے یہ طمع ہو کہ میں گداگری کا ذریعہ بناؤں اور اس گھر سے اس گھر کیطرف لیجاؤں تو اسکی خدمت نہ کرنی خدمت کرنے سے بہتر ہے کیونکہ اسی طریق سے

ان کی ذلت ہوتی ہے، اور میں جو علی بن عثمان جلابی ہوں میں نے اپنے سفروں میں اس قسم کی مشقتیں اور رنج بہت دیکھے ہیں جو جاہل خادم اور ناپاک مقیم کبھی کبھی مجھکو اٹھاتے اور اس خواجہ کے مکان سے اس دہقان کے گھر لے جاتے، اور میں باطن میں اسکو تباہ کاری کہتا اور بڑی کراہت سے چلتا۔ اور ظاہر میں چشم پوشی کرتا اور دل میں خیال کرتا کہ جو کچھ مقیم مجھ سے بے راہری کا برتاؤ کر رہے ہیں۔ اگر کسی وقت میں میں مقیم ہوا تو مسافروں کیساتھ ایسا نہ کرونگا۔ اور بے ادبوں کی صحبت سے تجھے اس سے زیادہ فائدہ نہ ہوگا کہ جو کچھ تجھکو بھلا نہ معلوم ہو تو وہ نہ کرے پھر اگر کوئی درویش کچھ دن تک ستائے اور چند دن تک صحبت میں رہے اور وہ کوئی دنیاوی ضرورت ظاہر کرے تو مقیم کو اُس سے چارہ نہ ہوگا۔ کہ فی الحال اسکی ضرورت کو پورا کرے، اور اگر یہ مسافر مدعی، اور بے ہمت ہو تو مقیم کو بے ہمت نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اسکی محال ضرورتوں کے تابع ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ طریقہ دنیا سے علیحدگی اختیار کرنیوالوں کا نہیں جب ایسی ضرورت آئے تو اسکے لین دین کیلئے بازار میں یا بادشاہوں کے حضور میں جانا چاہیئے۔ اسکو تارکان دنیا کی صحبت سے کیا کام اور کہتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ اپنے مریدوں کیساتھ ریاضت کی خاطر بیٹھے ہوئے تھے، ایک مسافر آیا اسکے نصیب میں آپنے تکلف سے کام لیا اور کھانا اسکے سامنے پیش کیا اس نے کہا کہ اس کھانے کے علاوہ مجھے فلاں چیز کی بھی ضرورت ہے حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تجھے بازار میں جانا چاہیئے تھا تو بازاری مرد ہے مسجدوں اور حجروں کا رہنے والا نہیں ایک دفعہ میں نے دمشق سے دو درویشوں کی رفاقت سے ابن العلاء کی زیارت کا قصد کیا آپ ستارملہ میں رہتے تھے، ہم نے راستہ میں ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ اپنے اپنے واقعہ کو ہم اپنے دل میں سوچیں تاکہ وہ پیر ہمارے باطن سے ہمکو اطلاع دے اور ہمارا واقعہ حل ہو جائے میں نے تو اپنے جی میں حسین بن منصور کے مناجاتی اشعار رکھے اور ایک نے اپنے دل میں دعا چاہی۔ کہ میری طحال درست ہو جائے، اور تیسرے نے دل میں یہ مراد رکھی کہ مجھے صابونی حلوا چاہیئے جب ہم آپکی خدمت میں پہنچے تو آپنے مجھے تو حسین بن منصور کی مناجات کی چند جزیں لکھا کر دیں۔ اور دوسرے درویش کی طحال کو مالش کی اور اسکی طحال اسی وقت گم ہوگئی۔ اور تیسرے درویش کو فرمایا کہ صابونی حلوا عوام الناس کی غذا ہے، تو اولیاء کا لباس پہنتے ہوئے عوام الناس کیطرح مطالبے کرتا ہے تیرے لئے یہ بات درست نہیں یا تو درویشوں کا لباس پہنو اور اس قسم کے مطالبے چھوڑ دو۔ اگر ایسے ہی مطالبے کرنے ہیں تو درویشوں کا لباس اتار دو یعنی ان دو باتوں سے ایک بات اختیار کرو۔ الغرض مقیم کو اس شخص کی رعایتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے کہ جو حق سے مشغول ہو۔ اور اپنے حظ کا چھوڑنیوالا ہو۔ اور جب کوئی شخص اپنے حظ پر قائم ہو تو دوسرے کا اسکے

حظ حاصل ہونے میں متفق ہونا محال ہوتا ہے اسواسطے کہ درویش ایکدوسرے کے باعث ہوتے ہیں نہ کہ راہزن۔ جب کوئی شخص اپنی حظ کیساتھ اقامت کریگا تو دوسرے کو اسکی مخالفت کرنی لازم ہے جب پھر اپنے حظ کی ترک کرے تو چاہیئے کہ اس کے حظ پر قائم ہوتا کہ دونوں حال میں راہ طے کرنیوالے ہوں نہ کہ راہزن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں مشہور ہے کہ آپنے ابوذر غفاری اور سلمان کے درمیان برادری قائم کی ہر دو اہل صفہ کے سپاہی اور باطن کے رئیسوں سے تھے، ایکدن سلمان ابوذر کے گھر میں آئے ابوذر کے عیال نے سلمان کے سامنے ابوذر کی شکایت کی کہ تیرا یہ بھائی دن میں کوئی چیز نہیں کھاتا۔ اور رات کو سوتا نہیں سلمان نے کہا کہ کوئی چیز کھانے کی لاؤ جب لاتے تو ابوذر سے کہا کہ اے بھائی تجھے میری موافقت کرنی ضروری ہے کیونکہ یہ روزہ فرض نہیں ہے ابوذر نے موافقت کی۔ اور جب رات آئی۔ تو سلمان نے فرمایا کہ اے بھائی سونے میں بھی میری موافقت کر اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجَتِكَ عَلَيْكَ حَقًّا یعنی تحقیق تیرے جسم کا بھی تجھپر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھپر حق ہے اور تحقیق تیرے پروردگار کا بھی تجھپر حق ہے جب دوسرا روز ہوا ابوذر پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں وہی کہتا ہوں کہ جو کل سلمان نے تجھ سے کہا تھا کہ اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا الخ جب ابوذر نے اپنی لذتوں کو چھوڑا تو سلمان رضی نے اسکی لذتوں کو قائم کیا اور اپنا ورد چھوڑا اور اس اصل پر جو کچھ تو کریگا صحیح اور مستحکم ہوگا ایکدفعہ میں عراق کے ملک میں دنیا کی طلب اور اس کے خرچ کرنے میں دلیری کر رہا تھا اور مجھپر قرض بہت ہوگیا۔ اور جس کسی کو ضرورت ہوتی وہ میری طرف متوجہ ہوتا تھا میں انکی خواہشوں کے پورا کرنے سے عاجز آگیا۔ وقت کے سرداروں سے ایک سردار نے میری طرف لکھا کہ اے بیٹے دیکھو کہیں اپنے گرفتارِ بلا دل کو خدا سے نہ ہٹانا، اگر کوئی دل تو اپنے دل سے زیادہ عزیز پائے تو جائز ہوگا کہ تو اپنے آپکو اس دل کی فراغت کیلئے مشغول کرے اور اس کام سے تجھے ہاتھ ہٹا لینا چاہیئے کیونکہ خدا کے بندوں کو خدا ہی کافی ہے اور اسی وقت مجھکو اس کلام سے فراغت حاصل ہوئی مسافروں کی صحبت میں مقیموں کے یہ احکام مختصر طور پر ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب انکے آداب کا سفر میں

جب کوئی درویش مقیم ہونے کے بغیر سفر اختیار کرے تو اسکے لئے ادب کی شرط یہ ہوتی ہے

کہ پہلے سفر خدا کیلئے کرے نہ کہ خواہش کی پیروی کے واسطے جیسا کہ ظاہر میں سفر اختیار کرتے ہیں باطن میں بھی اپنی ہوا سے بھاگتا ہے ہمیشہ طہارت سے رہے اور اپنے وردوں کو ضائع نہ کرے اور چاہیے کہ اس سفر سے مراد یا حج ہو یا غزوہ اور یا کسی جگہ کے دیکھنے کی اور یا فائدہ لینے کی اور یا طالب علمی کی اور یا کسی بزرگ کی زیارت کی اور یا کسی شیخ اور تربت کے دیدار کی وگرنہ اس سفر میں گنہگار ہوگا اور اسکو سفر میں گودڑی اور سجادہ اور لوٹا اور رسی اور جوتی یا نعلین اور عصا کے بدون چارہ نہیں تاکہ گدڑی کیساتھ اپنے ستر کو ڈھانکے اور سجادہ یعنی مصلی پر نماز پڑھے اور کوزہ سے طہارت کرے اور عصا کیساتھ آفتوں کو اپنے سے دور کرے اور اس میں اور بھی منافع ہیں۔ اور جوتی طہارت کی حالت میں پاؤں میں رکھے تاکہ مصلی پر آجائے، اور اگر کوئی شخص زیادہ آلات سنت کی حفاظت کیلئے رکھے جیسے کنگھی اور ناخن گیر اور سوئی اور سرمہ دانی تو جائز ہوگا پھر اگر کوئی شخص اس سے بھی زیادہ سامان اپنی آرائش کا تیار کرے تو ہم خیال کرینگے کہ وہ کس مقام میں ہے اگر ارادت کے مقام میں ہے تو اس سامان سے ہر ایک اسکے لئے بت اور دیوار اور حجاب کا حکم رکھتا ہے، اور اسکے نفس کی رعونت ظاہر کرنیکا مایہ وہ خود ہے اور اگر تمکین اور استقامت کے مقام میں ہے اسکو یہ اور اس سے زیادہ بھی جائز ہے اور میں نے شیخ ابومسلم فارس بن غالب فارسی سے سنا کہ میں ایک روز شیخ ابو سعید ابوالخیر فضل اللہ بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں زیارت کے ارادے سے آیا میں نے آپکو ایک تخت پر اس حالت میں دیکھا کہ آپ تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور ایک پاؤں کو آپنے دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا اور مصری چادر اوڑھے ہوئے تھے، اور میرے کپڑے میل کچیل سے آلودہ تھے، اور مثل چمڑہ کے ہو رہے تھے اور میرا بدن تکلیف سے پگھلا ہوا اور ایک گونہ مجاہدہ سے زرد تھا آپکو اس حالت میں دیکھنے سے میرے دل میں انکار پیدا ہوا میں نے اپنے آپکو کہا کہ یہ بھی درویش ہے اور میں بھی درویش ہوں اور یہ اتنے آرام میں ہے اور میں اتنے مجاہدہ میں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کو میرے باطن کے حال سے اطلاع ہوگئی اور آپنے میرے غرور پر اطلاع پائی آپنے فرمایا کہ اے ابومسلم تو نے کس دیوان میں پایا ہے کہ خود بین درویش ہوسکتا ہے جب میں نے پورا پورا حق کو دیکھ لیا تو اس نے مجھکو تخت پر بٹھایا جب تو نے پورا پورا اپنے آپکو دیکھا ماسوا نیچے بیٹھنے کے تیرے نصیب میں کچھ نہ ہوا ہمارے حصہ میں مشاہدہ آیا ہے اور تیرے حصہ میں مجاہدہ اور یہ دونوں خدا کی راہ کے مقام ہیں۔ اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے، اور

درویش مقامات سے فانی ہے، اور نیز احوال سے خلاصی پائے ہوئے ہے شیخ ابومسلم نے فرمایا کہ میرے ہوش مجھسے رخصت ہوئے، اور جہان مجھپر سیاہ ہوا جب میں اپنے آپ میں آیا تب میں نے توبہ کی۔ اور توبہ قبول ہوئی۔ پھر میں نے عرض کی کہ اے شیخ مجھکو اجازت دو تاکہ میں جاؤں۔ کیونکہ میرا معاملہ تیرے دیدار کا متحمل نہیں ہوسکتا آپ نے فرمایا صَدَقْتَ یَا اَبَا مُسْلِم یعنی اے ابومسلم تونے سچ کہا پھر آپنے اور برمحل تمثیل کے یہ بیت پڑھا۔ آنچہ گوشم نتوانست شنیدن بخبر۔ ہمہ چشمم بعیاں دید بہ آں بیصر یعنی جسکی خبر کو میرے کان سننے کی طاقت نہیں رکھ سکتے تھے وہ سب کچھ میری آنکھوں نے ظاہر دیکھ لیا۔

پس مسافر کیلئے سنت کی حفاظت ہمیشہ لازمی امر ہے اور جب مقیم کے پاس پہنچے بڑی عزت کے ساتھ اسکے پاس آئے اور سلام کہے اور پہلے بایاں پاؤں جوتی سے باہر نکالے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا جب جوتا پاؤں میں پہنے پہلے دایاں پاؤں پہنے اور پھر دوسرا پہنے اور جب پاؤں کو دھوئے تو پہلے دایاں پاؤں دھوتے پھر بایاں پاؤں دھوئے پھر دو رکعت موافق حکم کے تحیۃ الوضو پڑھے پھر درویشوں کے حقوق کی رعایت میں مشغول ہو۔ اور کسی حال میں مقیموں پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے اور کسی معاملہ میں کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہ کرے اور یا اپنے سفر کی سختیاں اور علم یا حکائتیں اور روائتیں کسی جماعت میں بیان نہ کرے کہ یہ سب نفس کی رعونت ہوتی ہے، اور جاہلوں کا رنج کھینچنا چاہیئے اور ان کی تکلیف کا بوجھ خدا کیلئے برداشت کرے کیونکہ اس میں برکتیں بہت ہونگی اور اگر مقیم یا اسکے خادم اسپر حکم کریں اور اسکو اہل کوچہ کے سلام کرانے یا کسی کی زیارت کیلئے بلائیں اگر ہوسکے تو خلاف نہ کرے مگر دل میں اہل دنیا کی خاطرداری کا منکر ہو اور ان بھائیوں کے کاموں کو عذر پر محمول کرے اور اسکی کوئی تاویل کرے اور کسی حالت میں بھی اپنی محال ضرورتوں کی تکلیف ان کے دل پر نہ رکھے، اور خواہش اور آرام کی جستجو کیواسطے بادشاہوں کے دربار میں نہ کھینچے، اور حاصل کلام یہ ہے کہ تمام حال میں مسافر اور مقیم کو خداوند تعالیٰ کی رضا کی طلب کی صحبت میں رہنا چاہیئے اور ایکدوسرے پر اعتقاد عمدہ ہونا چاہیئے، اور ایکدوسرے سے مساویانہ گفتگو کی جائے، اور پیٹھ پیچھے کیونکہ شوم ہو جائیگا خدا کے طلب پر فاسکر مخلوق کی بات کہنی اچھی نہیں۔ کیونکہ محقق فعل کی رویت سے فاعل کو دیکھتے ہیں اور مخلوق جس صفت پر بھی ہو خداوند کریم کی پیدا کی ہوئی ہے اگرچہ معیوب وزبوب ور مکاشف ہو۔۔۔ اور فعل پر جھگڑا کرنا فاعل سے جھگڑا کرنا ہوتا ہے اور جب آدمیت کی نظر سے مخلوق کیطرف دیکھے تو سب

سے جدا ہو جاتے اور جان لے کہ تمام مخلوق مجبور اور مقہور اور مغلوب اور عاجز ہے اور کوئی شخص اس کے سوا نہیں کر سکتا کیونکہ اسکی مخلوق اسی طرح ہے اور مخلوق کو اس کے ملک میں تصرف نہیں اور کسی کو عین چیز کی تبدیل پر مطلق قدرت نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

ان کے کھانے آداب میں

جان تو کہ آدمی کو بجز غذا کے چارہ نہیں ہے، کیونکہ طبیعتوں کی ترکیب کا قائم ہونا بجز کھانے اور پینے کے نہیں مگر مروت کی شرط یہ ہے کہ اس میں مبالغہ نہ کریں۔ اور رات اور دن لقمہ کے فکر میں مشغول نہ رہیں اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مَنْ کَانَ ھِمَّتُہٗ مَا یَدْخُلُ فِیْ جَوْفِہٖ کَانَ قِیْمَتُہٗ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ یعنی جس شخص کی ہمت صرف اس چیز کی ہو جسکو پیٹ میں داخل کرتا ہے تو اس کی قدر و منزلت اسی کے موافق ہو گی کہ جو اسکے اندر سے نکلے گا۔ اور بالخصوص خدا کے راستہ کے ارادتمند کو بہت کھانے سے بڑھکر کوئی چیز مضر نہیں ہے، اور اس سے پیشتر اس کتاب کے باب الجوع میں میں نے اس کا قدرے تذکرہ کیا ہے، مگر اس جگہ اسی قدر کافی ہے، اور میں نے حکایات میں دیکھا ہے کہ ابو یزید سے مریدوں نے پوچھا کہ آپ کیوں بھوک کی زیادہ تعریف کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی یہ وجہ ہے کہ اگر فرعون بھوکا رہتا تو کبھی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی نہ کہتا۔ اور اگر قارون بھوکا رہتا کبھی بھی بغاوت نہ کرتا۔ اور جب تک ثعلبہ بھوکا رہا سب کے نزدیک قابل تعریف تھا اور جب پیٹ بھر کر کھانے لگا تب نفاق اس میں ظاہر ہوا اللہ عزوجل نے کفار کی صفت میں فرمایا ذَرْھُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْھِھِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ یعنی انکو چھوڑ دو کہ کھائیں اور نفع اٹھائیں اور اپنی امید میں غافل رہیں پس عنقریب جان لیں گے اور نیز فرمایا وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ اور کافر لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسا کہ چوپائے کھاتے ہیں اور آگ ان کا ٹھکانا ہو گا۔ اور سہل بن عبداللہ رح فرماتے ہیں۔ کہ میں شراب سے پیٹ بھر لینے کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ اسکو حلال کھانے سے بھرا جائے انہوں نے فرمایا کہ یہ آپ نے کیوں فرمایا آپ نے فرمایا کہ اسکی یہ وجہ ہے کہ جب شکم کو شراب سے بھر لیا جائے تو عقل آرام پائیگی اور آتش شہوت فرو ہو جائے گی اور مخلوق اسکی زبان اور ہاتھ سے آرام پائیگی اور بے خوف رہیگی لیکن جب حلال کھانے سے پیٹ بھرے گا بیہودہ خواہشیں اسکی دامنگیر ہونگی اور شہوت مضبوط ہو گی۔ اور نفس اپنے حصے کی جستجو میں ابھرے گا اسلئے کہ مشائخ نے انکی صفت میں فرمایا ہے

اَكْلُهُمْ كَاَكْلِ الْمَرْضٰى وَنَوْمُهُمْ كَنَوْمِ الْغَرْقٰى وَكَلَامُهُمْ كَكَلَامِ الثَّكْلٰى یعنی ان کا کھانا بیماروں کی مثل ہوتا ہے، اور انکا سونا گہری نیند سونے والوں کیطرح ہے اور انکا کلام اُن عورتوں کی طرح ہے جنکے بچے مر گئے ہوں پس انکے کھانے کی شرط یہ ہے کہ تنہا نہ کھائیں بلکہ جو کچھ کھائیں وہ دوسروں پر ایثار کریں، اسلئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شَرُّ النَّاسِ مَنْ اَكَلَ وَحْدَهٗ وَضَرَبَ عَبْدَهٗ وَمَنَعَ رِفْدَهٗ یعنی سب لوگوں سے بُرا وُہ شخص ہے کہ جو اکیلا کھائے اور غلام کو مارے اور اپنی جماعت کو روکے اور جب سفرہ یعنی دسترخوان پر بیٹھیں خاموش رہیں اور ابتدا میں خدا کا نام لیں اور کسی چیز کو ادھر سے اٹھا کر اُدھر اور اُدھر سے اٹھا کر ادھر نہ رکھیں کیونکہ ساتھی اس کام کو برا مناتیں گے اور پہلے نمکین لقمہ اٹھائیں اور بالخصوص اپنے رفیق سے انصاف کا برتاؤ برتیں اور سہل بن عبد اللہ سے آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ کے معنی لوگوں نے پوچھے آپنے فرمایا کہ عدل یہ ہے کہ لقمہ عطا کرنے میں اپنے رفیق سے انصاف کا برتاؤ اختیار کرے اور احسان یہ ہے کہ اسکو اس لقمہ کے سبب اپنے سے بہتر سمجھے اور میرے شیخ فرماتے تھے کہ میں اس مدعی سے متعجب ہوں کہ جو کہتا ہے کہ میں نے دنیا کو ترک کیا اور ساتھ ہی شب و روز لقمہ کی فکر میں رہتا ہے اور پھر کھانا ہاتھ سے کھانا چاہیئے اور اپنے لقمہ کے سوا اور کسی کی طرف نہ دیکھے اور طعام کھانے کے دوران میں پانی کم پیئے ہاں اگر سچی پیاس ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور جب پیئے تھوڑا پیئے کہ جس سے جگر تر ہو جائے اور لقمہ بڑا نہ لے اور خوب چبا کر کھائے اور جلدی نہ کرے کیونکہ ان چیزوں سے بدہضمی ہوتی ہے اور سنت کے بھی مخالف ہے اور جب کھانے سے فارغ ہو جائے خدا کی حمد کرے اور ہاتھ دھوئے اور اگر جماعت کے درمیان دو یا تین آدمی پوشیدہ طور پر کسی چیز کھائیں تو حرام ہوگی۔ اور بعض مشائخ کہتے ہیں کہ حرام ہوگی اور صحبت میں بھی خیانت کرنی ہو گی اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ یعنی یہی لوگ ہیں کہ جو اپنے پیٹوں میں بجز آگ کے اور کچھ نہیں ڈالتے، اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ جب جماعت ہوگی ایک دوسرے کی موافقت روا ہوگی اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص بھی ہو گا تو بھی جائز ہو گا کیونکہ اُس نے انصاف وحدت کی حالت میں نہیں دیا بلکہ اجتماعی حالت میں اُس نے منصفانہ برتاؤ کیا ہے کیونکہ جب تنہا ہو گا حکم صحبت کا اسی وقت اس سے ساقط ہو جائیگا اور بسبب اسکے ماخوذ نہ ہوگا اور اس مذہب کی مشکلات میں اصل یہ ہے کہ درویش کی دعوت کو رد نہ کرے اور دنیا داروں کی دعوت کو قبول نہ کرے اور انکے گھر میں نہ جائے

اور نہ انسے کچھ مانگے کیونکہ اس میں اہل طریقت کی توہین ہوتی ہے کیونکہ دنیا دار درویشوں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو کثرت مال سے دنیا دار ہوتا ہے اور نہ ہی قلت مال سے درویش ہوتا ہے جو کوئی فقر کو غنا پر بزرگی دیتا ہے وہ دنیا دار نہ ہوگا اگرچہ بادشاہ ہو اور جو کوئی فقر کا منکر ہوگا دنیا دار ہوگا۔ اگرچہ حالت اضطراری میں ہو۔ اور جب دعوت میں حاضر ہو کھانے اور نہ کھانے کی چیز میں تکلف نہ کرے جو کچھ وقت پر دستیاب ہو کھا لے اور اگر صاحب دعوت غیر محرم ہو تو بوجہ متاہل ہونے کے لغزش میں پڑنا جائز ہوگا۔ اور اگر غیر محرم ہو تو اسکے گھر جانا جائز نہیں۔ مگر سب کی مہمانی نہ کرنی بہتر ہے، کیونکہ سہل بن عبداللہ فرماتا ہے اَلذِّلَّۃُ ھِیَ الذِّلَّۃُ یعنی ٹکڑے اٹھاتا پھرنا ذلت اور خواری ہوتی ہے وبعنہ التوفیق واللہ اعلم بالصواب۔

باب ان کی رفتار کے آداب میں

اللہ عزوجل نے فرمایا وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا یعنی بندے رحمان کے وہ ہیں کہ جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں جاننا چاہیئے کہ طالب حق جب چلتا ہے تو اسکو معلوم نہیں ہوتا کہ میرا قدم کس چیز پر پڑتا ہے وہ قدم اسپر ہے یا اسکی طرف سے ہے اگر اسپر ہے تو اسکو استغفار کرنی چاہیئے اور اگر اسکی طرف سے ہے تو وہ اس میں کیا کریگا حتیٰ کہ زیادہ ہوجائے حضرت داؤد طائی نے ایک روز دوائی پی ہوئی تھی مریدوں نے عرض کی کہ آپ تھوڑی دیر تک صحن میں ٹہلیں تاکہ دوائی اپنا فائدہ ظاہر کرے آپ نے فرمایا کہ میں شرم رکھتا ہوں کہ کہیں قیامت کے روز اللہ عزوجل مجھ سے یہ سوال کرے کہ تونے اپنی خواہش کے اتباع میں قدم کیوں رکھا ہے جیسا کہ جبار جلیل نے ارشاد فرمایا وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ یعنی انکے قدم انکے اعمال پر گواہی دینگے پس درویش کو چاہیئے کہ چلتے ہوئے مراقبہ میں چلے اور کسی طرف نگاہ نہ کرے، اور اپنے سامنے کیطرف دھیان رکھے اور اگر کوئی شخص سامنے سے آرہا ہے تو اپنے آپکو اپنے کپڑے بچانیکے لئے نہ سمیٹے کیونکہ سب مومن اور نیز ان کے کپڑے پاک ہیں اور ایسی چال چلنا خودبینی اور رعونت پر دلالت کرتا ہے، پھر اگر کوئی کافر رستہ میں ملے یا اس کے بدن پر پلیدی ظاہر ہو رہی ہو تو اپنے آپکو اس سے بچانا درست ہے اور جب جماعت کیساتھ چلے تو آگے چلنے کا قصد نہ کرے کیونکہ زیادت ڈھونڈنی تکبر کا کام ہوتا ہے، اور نیز پیچھے پیچھے رہنے اور تواضع ڈھونڈنے کا ارادہ

نہ کرے کیونکہ جب تواضع کا اسے احساس ہوا ہو تو یہیں تکبر ہوگا اور پاؤں اور پاپوش کو حسب طاقت پلیدی سے بچائے رکھے تاکہ اس کا پروردگار اسکو رات بیں پلید ہونے سے بچائے اور چاہیئے کہ جب کوئی جماعت یا ایک درویش اسکے ہمراہ ہو تو راستہ میں کسی سے کھڑا ہو کر باتیں نہ شروع کرے اور اپنی انتظار نہ کرائے، اور آہستہ آہستہ چلے شتابی نہ کرے کیونکہ شتابی چلنا حریصوں کی چال ہے اور بہت نرم نرم بھی نہ چلے کیونکہ بہت ہی آہستہ چلنا متکبروں کی چال ہے اور قدم پورا رکھے اور ماحصل یہ ہے کہ درویش کی رفتار ہمیشہ اس صفت کی ہو کہ اگر کوئی شخص اس سے پوچھے کہ تم کہاں جا رہے ہو تو فوراً کہہ سکے کہ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ یعنی میں اپنے رب کیطرف جانیوالا ہوں عنقریب وہ میری راہنمائی فرمائیگا۔ اگر اس کے سوا چلے گا تو اس کا چلنا وبال ہو جائیگا۔ کیونکہ قدموں کی درستی خیال کی درستی ہے پس جسکا فکر حق کیلئے جمع ہوگا اس کے اندیشہ کی متابعت میں ہو گا، اور ابو یزید فرماتے ہیں کہ درویش کا بلا مراقبہ چلنا غفلت کا نشان ہوتا ہے کیونکہ وہ جو کچھ ہے خود بخود وہی قدموں میں ظاہر ہو جائیگا، کیونکہ ایک اپنے نصیبوں پر قدم رکھتا ہے اور دوسرا خدا کے فرمان میں قدم رکھتا ہے یہ ایک قدم کو اٹھاتا ہے اور دوسرا اسکی جگہ پر رکھتا ہے اور طالب کی رفتار قطع سفر کی نشانی ہوتی ہے اور خدا کا قرب سفر سے حاصل نہیں ہوتا اور جب اس کے قرب کیلئے مسافت نہیں تو طالب کیلئے سکون کے محل میں پاؤں بریدہ ہونے کے سوا کیا چارہ ہوگا واللہ ولی التوفیق۔

سفر اور حضر میں ان کی نیند کے آداب کے بیان میں

جان لو کہ مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کا اس معنی میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک مرید کا سونا تسلیم نہیں کیا گیا، ہاں اگر غلبہ نیند کی حالت میں سو جائے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ خواب کو اپنے آپ سے نہیں ہٹا سکتا اسلئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ یعنی نیند موت کا بھائی ہے پس زندگانی خداوند کریم کیطرف سے نعمت ہوتی ہے اور موت لا محالہ بلا سے اشرف نعمت ہوتی ہے اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے اِطَّلَعَنِی الْحَقُّ فَقَالَ عَلَیَّ مَنْ نَامَ غَفَلَ وَمَنْ غَفَلَ حُجِبَ یعنی اللہ عزوجل نے مجھے اطلاع دی پس فرمایا جو شخص سویا غافل ہوا اور جو شخص غافل ہوا وہ محجوب ہوا۔ اور ایک گروہ کے نزدیک مرید کا اختیار سے سونا اور خواب میں تکلف کرنا اسوقت روا ہوگا۔ جبوقت خدائی حکموں کی

تھیں سے فراغت حاصل کرلی ہو اسلئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَنْتَبِهَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يُفِيقَ یعنی تین شخصوں سے قلم اٹھالی گئی ہے سونے والے سے جبتک بیدار نہ ہو اور لڑکے سے جبتک بالغ نہ ہو اور مجنون سے جبتک ہوش نہ پکڑے، کیونکہ مخلوق ان کے شر سے بے خوف رہتی ہے، اور اسکا اختیار اتنی دیر تک چلا جاتا ہے اور اس کا نفس مرادوں سے معزول ہوتا ہے اور کراماً کاتبیں لکھنے سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور اسکی زبان دعوٰی کو چھوڑ دیتی ہے، اور جھوٹ بولنے اور غیبت سے رکا رہتا ہے، اور اسکی ارادت تکبر اور ریا اور امید سے منقطع ہو جاتی ہے لَا يَمْلِكُ لِنَفْسِهٖ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا یعنی وہ نہیں مالک ہوتا نفس کا از روئے نقصان ۔ اور نہ ہی از روئے نفع اور موت اور حیات و نشر کے اور اسی قبیل سے ہے کہ جو عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں لَا شَيْءَ اشد على ابليس من نوم العاصى يقول متى ينتبه ويقوم حتى يعصى الله یعنی شیطان پر نافرمان کے سونے سے بڑھکر کوئی سختی نہیں پس جسوقت گنہگار سو جاتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ کب بیدار ہوگا اور خدا کی نافرمانی کریگا۔ اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کا علی بن سہل اصفہانی سے یہی اختلاف ہے، اور اس معنی میں جو علی بن سہل اس خط میں لکھتے ہیں کہ خواب غفلت اور عوارضات کا قائم ہونا ہے اور محب کو چاہیئے کہ رات اور دن آرام نہ کرے کیونکہ اگر غنودگی طاری ہوئی تو وہ اسیوقت اپنے مقصود سے مفقود ہو جائیگا اور اپنے سے اور نیز اپنی کردار سے غافل ہو جائیگا اور حق تعالٰی کی طرف سے محجوب ہو گا جیسا کہ خدا تعالٰی نے داؤد علیہ السلام کیطرف وحی بھیجی کہ يَا دَاوٗدُ كَذَبَ مَنِ ادَّعٰى مَحَبَّتِيْ وَاِذَا جَنَّهُ اللَّيْلُ نَامَ عَنِّيْ یعنی اے داؤد جو شخص میری محبت کا دعوٰی کرتا ہے اور رات کو سو جاتا ہے وہ دعوی محبت میں جھوٹا ہے اور جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ جان تو کہ ہماری بیداری خدا کی راہ میں ہمارا معاملہ ہے اور ہماری خواب پر خدا کا فضل ہے اور جو کچھ ہم سے بلا اختیار صادر ہو وہ اس سے کہیں زیادہ مکمل ہوتا ہے، کہ جو ہمارے اختیار اور ہماری طرف سے حق کیساتھ ہو۔ وَالنَّوْمُ مَوْهِبَةٌ مِّنَ اللهِ تَعَالٰى عَلَى الْمُحِبِّيْنَ یعنی نیند دوستوں پر خداوند کریم کیطرف سے عطیہ ہے اور اس مسئلہ کا تعلق صحو اور سکر سے ہے، اور اسکی گفتگو پیچھے ہو چکی ہے لیکن تعجب کی یہ بات ہے کہ جنیدؒ مرد صاحب صحو ہیں اور اسکی جگہ انہوں نے سکر کو قوت عطا فرمائی۔ ضرور اسوقت مغلوب ہونگے

اور آپکی زبان پر اس وقت یہ بات جاری ہو چکی تھی اور نیز یوں بھی روا ہو سکتا ہے کہ اسکی ضد پر ہو جو خواب خود عین صحو کی حالت ہو اور بیداری عین سکر کی حالت ہو کیونکہ نیند آدمی کی صفت ہے اور جبتک آدمی اپنے اوصاف کی تاریکی میں ہو صحو کی طرف منسوب ہوگا اور نہ سونا خدا کی صفت ہے اور جب آدمی خدا کی صفت کے سایہ میں ہوگا سکر کی طرف منسوب ہوگا اور مغلوب ہوگا میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ خواب کو بیداری پر بزرگی دیتے ہیں یعنی حضرت جنیدؒ کے موافق ہیں کیونکہ تو لیا اور بزرگوں اور بہت سے پیغمبروں کی نمائش ہمیشہ خواب میں ہوتی ہے۔ اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُبَاھِیْ بِالْعَبْدِ الَّذِیْ نَامَ فِیْ سُجُوْدِہٖ وَیَقُوْلُ اللّٰہُ لِلْمَلٰئِکَۃِ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ رُوْحُہٗ فِیْ مَحَلِّ النَّجْوٰی وَبَدَنُہٗ عَلٰی بِسَاطِ الْعِبَادَۃِ یعنی خداوند کریم اپنے اس بندہ پر فخر کرتا ہے کہ جو سجدہ میں سو جاتا ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ مومن کیطرف دیکھو کہ اسکی روح میرے راز میں لگی ہوئی ہے اور اس کا بدن عبادت کے بچھونے پر ہے اور نیز فرمایا ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ نَامَ عَلَی الطَّھَارَۃِ یُؤْذَنُ لِرُوْحِہٖ اَنْ یَّطُوْفَ بِالْعَرْشِ وَیَسْجُدُ اللّٰہَ تَعَالٰی یعنی جو شخص طہارت کیساتھ نیں سوتا ہے اسکی روح کو اجازت دیتے ہیں کہ جا عرش کا طواف کر اور خداوند کریم کو سجدہ کر۔ اور میں نے حکایات میں پایا کہ شاہ شجاع کرمانی چالیس سال تک بیدار رہے جب آپ ایک رات کو سوتے تو حقتعالیٰ کو آپنے خواب میں دیکھا اس کے بعد ہمیشہ اسی امید پر سوتے تھے اور اسی معنی میں قیس عامر کہتا ہے ؎ وَاِنِّیْ لَاَسْتَنْعِسُ وَمَا بِیْ نَعْسَۃٌ لَعَلَّ خَیَالًا مِنْکَ یَلْقٰی خَیَالِیَا۔ یعنی میں ضرور نیند کی خواستگاری کرتا ہوں اور مجھے نیند نہیں آتی۔ شاید کہ تیرے خیال میرے خیالوں سے رات کو ملاقی ہوں۔ اور میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ علی بن سہل کی موافقت میں خواب پر بیداری کو فضیلت دیتے ہیں۔ کیونکہ رسولوں کو وحی اور اولیا کو کرامت بیداری میں حاصل ہوتی ہے، اور مشائخ سے ایک شیخ فرماتے ہیں لَوْ کَانَ فِی النَّوْمِ خَیْرًا لَکَانَ فِی الْجَنَّۃِ نَوْمٌ۔ یعنی اگر خواب بھلائی اور محبت اور قربت کی کچھ بھی علت ہوتی تو بہشت میں جو کہ قربت کی سرا ہے ضرور نیند ہوتی۔ اور وہاں نیند نہیں تو اس سے ہم نے معلوم کر لیا کہ نیند حجاب ہے۔ اور ارباب لطائف کہتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام بہشت میں سوئے تو حوا علیہا السلام آپکے بائیں پہلو سے ظاہر ہوئیں اور وہ مصیبتیں حوا علیہا السلام کی بدولت بھگتنی پڑیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل کو کہا۔ یَا بُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ یعنی اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا

ہوں۔ تو اسوقت اسماعیل نے کہا کہ اے میرے باپ هٰذَا جَزَاءُ مَنْ نَامَ عَنْ حَبِيبِهٖ لَوْ لَمْ تَنَمْ لَمَا اُمِرْتَ بِذَبْحِ الْوَلَدِ یعنی یہ اسکی جزا ہے کہ جو اپنے دوست سے غافل ہو کر سوجاتا ہے اگر آپ نہ سوتے تو آپکو بیٹا ذبح کرنے کا حکم نہ ہوتا پس آپکے خواب نے آپکو لاولد ... اور مجھے بے جان کیا مگر میری تکلیف ایک لحظہ کی ہو گی اور آپ کی تکلیف ہمیشہ کی ہو گی اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہر رات ایک کٹورہ نمک والے پانی کا اور ایک سلائی رکھ لیتے اور جب نیند کا غلبہ ہوتا تو اس سے ایک سلائی کھینچ کر آنکھ میں ڈال لیتے، اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں میں نے ایک پیر کو دیکھا کہ وہ جب فرض ادا کر لیتے تو سو جاتے اور میں نے ... شیخ احمد سمرقندی کو جو بخارا میں رہتے تھے دیکھا کہ چالیس سال تک رات کو نہ سوئے تھے - دن کو تھوڑا سا سو لیتے تھے اور اس مسئلہ کا رجوع ادھر ہوتا ہے کہ جب موت کسی شخص کے نزدیک زندگی سے عزیز تر ہو تو اسکو بہ نسبت بیداری ... سو جانا، بہتر ہے، اور جب زندگی کسی کو بہ نسبت موت کے زیادہ محبوب ہو تو اسکو بہ نسبت سونے کے بیداری بہتر ہے، پس اسکی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ کہ تکلف سے بیدار ہو بلکہ اسکی قدر ہوتی ہے کہ جسکو بیدار کرائیں جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم نے برگزیدہ کیا اور بلند رتبہ پہنچایا آپنے نہ ہی نیند میں تکلف کیا اور نہ ہی بیداری میں حکم آیا قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗ یعنی آپ رات کو قیام کیا کرو کم نصف سے یا اس سے کم و بیش اور اسکی بھی کوئی قدر و منزلت نہیں جو نیند میں تکلف کرتا ہے، بلکہ اسکی ہے کہ جسکو سلائیں، جیسا کہ اللہ عزوجل نے اصحاب کہف کو برگزیدہ فرمایا اور اعلیٰ درجہ پر پہنچایا اور کفر کا لباس انکی گردن سے اتارا انہوں نے نہ تو نیند میں تکلف کیا اور نہ ہی بیداری میں یہانتک کہ حق تعالیٰ نے ان پر نیند ڈالی اور ان کے اختیار کے بغیر ان کی پرورش فرماتا رہا جیسا کہ فرمایا وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ یعنی معلوم کرتا ہے تو انکو جاگتے ہوئے حالانکہ وہ سوتے ہوتے ہیں۔ اور ہم انکو دائیں بائیں کروٹ پر بدلاتے ہیں اور یہ دو باتیں بے اختیاری کی حالت میں تھیں اور جب بندہ اس درجہ پر پہنچے کہ اس کا اختیار اس سے رخصت ہو جائے اور اس کا قبضہ سب چیزوں سے علیحدہ ہو جائے اور اسکی ہمت غیر سے منہ موڑے تو یہ سوئے یا نہ سوئے جس صفت پر بھی رہے گا عزیز ہو گا پس مرید کی نیند کی شرط یہ ہو گی کہ اپنی شروع نیند کو اپنی آخری نیند کا زمانہ سمجھے، اور گناہ سے توبہ کرے، اور دشمنوں کو خوش کرے اور ... پاکیزہ رہے اور داہنے ہاتھ پر

رو بقبلہ سوئے اور دنیا کے کام سنوارتے ہوئے اسلام کی نعمت کا شکر ادا کرے اور شرط کرے کہ میں اگر بیدار رہوا تو گناہوں کے خیال میں نہ جاؤنگا پس جو شخص بیداری میں اپنا کام سنوارے ہوئے ہو تو اسکو نیند یا موت سے کیا غم ہو سکتا ہے اور حکایتوں میں یہ بات مشہور ہے، کہ ایک پیر ایسے امام کے پاس آتا کہ جو عونت نفس کی کلاہ اور مرتبہ و ریاست کی رعایت میں تھک کر رہ چکا تھا اور کہتا تھا کہ اے فلانے مرنا چاہیئے اس کو اس سخن کے سننے سے بہت تکلیف ہوتی۔ کہ یہ گدا آدمی ہر وقت مجھے یہی بات کہتا ہے ایکدن اس نے اپنے جی میں کہا کہ اے پیر مرد مرنا چاہیئے اس نے مصلی بچھایا اور اس پر دراز ہو کر کہنے لگا کہ لو میں مرگیا اسی وقت اسکی روح اسکے قلب سے رخصت ہوئی اسکو اس سے تنبیہ ہوئی۔ اس نے جان لیا کہ یہ پیر مرد فرماتا تھا کہ مت کا میری مثل قصد کر۔ اور میرے شیخ رضی اللہ عنہ اپنے مریدوں کو یہ حکم دیتے تھے۔ کہ جبتک نیند کا غلبہ نہ ہو مت سوؤ اور جب بیدار ہوؤ پھر نہ سوؤ کیونکہ دوسری نیند مریدان حق کیلئے حرام ہے اور نیز بیکار رہوگی۔ اور نیند بندہ کو نسیان کی مرض میں مبتلا کرتی ہے، اور اس معنی میں کلام بہت طول و طویل ہو سکتا ہے واللہ اعلم بالصواب ؛۔

باب چپ رہنے اور کلام کرنیکے آداب میں

اللہ عزوجل نے فرمایا وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا یعنی اس شخص سے بڑھکر کون احسن القول ہے کہ جو اللہ کے راستہ کی دعوت دیتا ہے اور اعمال صالحہ کرتا ہے، اور نیز خداوند کریم نے فرمایا قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ یعنی اچھی بات کہدینی بہتر ہے اس صدقہ سے کہ جس کے پیچھے ایذا دی جائے اور نیز فرمایا قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا یعنی کہو تم کہ ہم ایمان لائے، جاننا چاہیئے کہ عمدہ بات کہنے کا اللہ عزوجل نے بندہ کو حکم فرمایا ہے جیسا کہ اسکی خداوندی کا قائل ہونا اور اسپر اسکی صفت کہنی اور مخلوق کو اسکی بارگاہ کی دعوت دینی اور گویائی بندہ پر خدائی نعمتوں سے نعمت عظمٰی ہے اور آدمی دوسری چیزوں سے اسی کے ساتھ تمیز دیا گیا ہے اللہ عزوجل نے فرمایا وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ یعنی ہم نے بنی آدم کو مشرف کیا ہے اور مفسرین کے قول میں اسکے معنی نطق یعنی گویائی کے آئے ہیں پس ہرچند کہ کلام کرنا خدا کیطرف سے بندہ پر ظاہری نعمت ہے مگر اسکی آفت بھی بہت بڑی ہے، اسلیئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَخْوَفُ عَلٰٓی اُمَّتِیْ اللِّسَانُ یعنی سب سے زیادہ خوف مجھے امت سے اسکی زبان سے

ہے الغرض کلام مثل شراب کے ہے جو کہ عقل کو مست کرتا ہے اور مرد جب اسکے پینے میں مبتلا ہو جائے تو کبھی بھی اسکا پینا نہ چھوڑیگا، اور نہ اس سے ہٹیگا۔ اور جب اہل طریقت کو معلوم ہو کہ کلام آفت ہے تو وہ بجز ضرورت کے کلام نہیں کرتے سب سے پہلے اپنے سخن کی ابتدا اور انتہا میں غور کرتے ہیں کہ سب کی سب صداقت کا پہلو لئے ہوئے ہے یا نہیں اگر نہیں تو خاموشی اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خداوند کریم بھیدوں کا جاننے والا ہے، اور بہت ہی برے ہیں وہ لوگ کہ جو حق تعالیٰ کو ایسا نہ سمجھیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انکے بھیدوں کو نہیں جانتے، ہاں میں جانتا ہوں اور ہمارے فرشتے بھی انکے پاس لکھتے ہیں۔ اور میں عالم الغیب ہوں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ صَمَتَ نَجٰی یعنی جو خاموش ہوا اس نے نجات پائی، پس خاموش رہنے میں بہت فائدے اور بہت ہی فتح مندی ہے اور بولنے میں بہت آفتیں ہیں۔ اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک گروہ چپ رہنے کو بولنے پر فضیلت عطا کرتا ہے، اور ایک گروہ بولنے کو خاموشی پر فضیلت دیتے ہیں، اور اُن میں سے جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عبارتیں سب کی سب دعوے ہیں اور جس جگہ معنی ثابت ہوں دعوے فضول ہوتے ہیں، اور ایک وقت ہوگا کہ قول اختیاری حالت میں کرنا عذر سمجھا جائیگا یعنی جس وقت خوف کی حالت باقی ہو تو باوجود قول پر اختیار قدرت ہونے کے عذر نہ کہنے کا ہوگا اور اسکے قول کا انکار معرفت کی حقیقت کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اور کسی وقت کوئی بندہ بغیر معنی کے محض دعوے کیسانھ معذور متصور نہ ہوگا۔ اور اس کا حکم منافقوں کا حکم ہوگا پس دعویٰ بے معنی انفاق ہوتا ہے اور معنی بغیر دعویٰ کے اخلاص لِاَنَّ مَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی بَیَانٍ لَا یَسْتَغْنِیْ عَنِ اللِّسَانِ وَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی عَیَانٍ اِسْتَغْنٰی فِیْمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ رَبِّهٖ مِنَ اللِّسَانِ یعنی جب راستہ بندہ پر کشادہ ہو تو کلام کرنے سے بے پروا ہوا کیونکہ عبارت غیر کو خبر دینا ہوتی ہے اور حق جل جلالہ غیر کی تفسیر کے حال سے بے نیاز ہے اور اسکی اسکو پروا نہیں کہ غیر کا بیان اسکی طرف مشغول ہو۔ اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس معنی کا مؤکد ہے آپنے فرمایا کہ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ یعنی جس نے حق کی دل سے شناخت کی اسکی زبان بیان سے گنگ ہوئی۔ اسلئے کہ عیان میں بیان حجاب ہوتا ہے اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ جنیدؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے کھڑے ہو گئے اور آپنے

بلند آواز سے کہا یا مُرَادِی یعنی اے میری مراد اور اشارہ حق جل و علا کیطرف کیا حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اے
ابا بکر اگر تیری مراد حق ہے تو تو نے اشارہ کیوں کیا کیونکہ وہ اشارہ سے مستغنی ہے اور اگر تیری مراد
وہ نہیں ہے تو تو نے خلاف کیوں کہا کیونکہ حقتعالیٰ تیرے قول کو خوب جانتا ہے شبلی رحمۃ اللہ علیہ
نے اپنے اس کہنے سے توبہ کی۔ اور وہ گروہ کہ جو کلام کرنے کو خاموشی پر بزرگی دیتا ہے، وہ کہتا ہے
کہ اپنے احوال کو بیان میں لانا ہمیں اللہ عزوجل کیطرف سے حکم ہے کیونکہ دعویٰ با معنیٰ قائم ہوگا اگر
کوئی شخص ہزار برس تک دل اور سر سے عارف ہے اور کوئی ضرورت اسکی منع کرنیوالی نہ ہو جبتک اسکی
معرفت کیساتھ اقرار شامل نہ ہوگا اس کا حکم کافروں کے حکم کے موافق ہوگا کیونکہ خداوند کریم نے
مومنوں کی اکثر حمد اور ثنا فرمائی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ
یعنی اے میرے حبیب اپنے پروردگار کے فضل کا تذکرہ .... کیا کر اور ثنا اور حمد کا بیان کرنا اسکا
کلام ہوتا ہے پس ہمارا کلام خدا کے حکم کی تعظیم بجا آوری کیلئے ہوتا ہے، اور خداوند کریم نے فرمایا۔
اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ یعنی تم دعا مانگو میں تمہاری دعا کو قبول کرونگا۔ اور نیز فرمایا اُجِیْبُ دَعْوَةَ
الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ یعنی میں ہر پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں اور ایسی اور بھی آیتیں ہیں۔ اور مشائخ
سے ایک شیخ بیان کرتے ہیں کہ جو اپنا معاملہ بیان نہ کریگا اس کا معاملہ طے نہ ہوگا کیونکہ تیرے نفت
کا بیان کر میوالا بھی تیرا وقت ہی ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے، شعر، لِسَانُ الْحَالِ اَفْصَحُ مِنْ لِسَانِیْ
وَصَمْتِیْ عَنْ سُؤَالِیْ تَرْجُمَانِیْ۔ اور میں نے حکایتوں میں پایا ہے کہ ایکدن ابوبکر شبلیؒ بغداد کے محلہ میں
جا رہے تھے آپنے مدعیوں میں سے ایک کو دیکھا کہہ رہا تھا اَلسُّكُوْتُ خَیْرٌ مِّنَ الْكَلَامِ۔ یعنی چپ رہنا بولنے سے
اچھا ہے، فَقَالَ الشِّبْلِیُّ سُكُوْتُكَ خَیْرٌ مِّنْ كَلَامِكَ وَكَلَامِیْ خَیْرٌ مِّنْ سُكُوْتِیْ لِاَنَّ كَلَامَكَ لَغْوٌ
وَسُكُوْتُكَ هَزْلٌ وَكَلَامِیْ خَیْرٌ مِّنْ سُكُوْتِیْ لِاَنَّ سُكُوْتِیْ حِلْمٌ وَكَلَامِیْ عِلْمٌ۔ شبلیؒ نے فرمایا تیری
خاموشی تیرے کلام سے بہتر ہے کیونکہ تیرا کلام لغو ہے، اور تیری خموشی بیہودگی ہے اور میرا کلام
میری خاموشی سے بہتر ہے کیونکہ میرا سکوت حلم ہے اور میرا کلام علم ہے اور جب علم کو بیان
نہ کروں تو حلیم کہلاتا ہوں اور اگر بیان کروں تو عالم کہلاتا ہوں۔ اور میں جو علی بن عثمان جلابی ہوں کہتا
ہوں کہ کلام کی دو قسمیں ہیں، اور خاموشی کی بھی دو قسمیں ہیں اور کلام ایک حق ہوتا ہے اور ایک باطل
اور خاموشی ایک تو حصول مقصود اور مشاہدہ کی وجہ سے، اور دوسرا غفلت کیوجہ سے پس ہر

شخص کو بولنے کے وقت اپنا گریبان پکڑنا چاہیئے اگر اسکا کلام حق پر ہو تو اس کا بولنا چپ رہنے سے بہتر ہے، اور اگر باطل پر ہو تو چپ رہنا بولنے سے بہتر ہے اور گر حجاب غفلت سے ہو تو کلام کرنا خاموشی سے بہتر ہے اور عالم اس معنی میں حیران ہیں۔ اور ایک گروہ بیہودہ اور حریص مدعیوں سے وہ عبادتیں اختیار کرتا ہے کہ جو معنوں سے خالی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کلام .... خاموشی سے زیادہ بہتر ہے، اور ایک گروہ جاہلوں کا جو کہ منارہ اور کوئیں میں بھی تمیز نہیں کر سکتے سکوت کو اپنی جہالت سے ملا کر کہتے ہیں کہ خاموشی کلام کرنے سے بہتر ہے، اگرچہ دونوں ایک جیسے ہیں پس کسکو بلائیں اور کسکو خاموش کرائیں۔ مَنْ نطق اصاب او غلط ومن انطق عصم من الشطط یعنی جو کوئی بولتا ہے تو وہ یا درست بولتا ہے یا غلط اور جس سے گفتگو کرائی جاتی ہے تو اسکو خطا اور خلل سے نگاہ رکھتے ہیں جیسا کہ ابلیس علیہ اللعنۃ نے کہا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ یعنی میں اس سے اچھا ہوں، اور آدم علیہ السلام سے گفتگو کرائی گئی اس نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا یعنی اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس اس طریقت کی دعوت دینے والے اپنے کلام میں اجازت یافتہ اور بیقرار ہوتے ہیں۔ اور خاموشی میں شرم کھلنے ہوتے اور عاجز ہوتے ہیں۔ مَنْ کَانَ سُکُوْتُہٗ حَیَاءً کَانَ کَلَامُہٗ حَیٰوۃً جو شخص بوجہ شرم کے خاموش رہے اسکا کلام دلوں کو زندہ کرنیوالا ہوتا ہے کیونکہ ان کا کلام بے سوچے سمجھے نہیں ہوتا۔ اور کلام کو بے دیکھے سوچے بیان کرنا انکے نزدیک خواری ہے اور نہ کہنے کو بہ نسبت کہنے کے محبوب رکھتے ہیں جبتک ہوش میں ہوں اور جب غائب ہو جائیں یعنی اپنے آپ کی بھی خبر نہ ہو تو مخلوق انکے کلام سے اپنی جان کو آراستہ کرتی ہے، اسی قبیل سے ہے کہ جو اس پیر نے فرمایا مَنْ کَانَ سُکُوْتُہٗ لَہٗ ذَھَبًا کَانَ کَلَامُہٗ لِغَیْرِہٖ مَذْھَبًا یعنی جسکا سکوت اسکے لئے سونا ہوا اسکا کلام اسکے غیر کو سونا بنا دینے والا ہوگا پس طالب ربانی کو جسکا غور و فکر ہر وقت عبادت میں لگا رہتا ہے خاموش رہنا چاہیئے۔ تاکہ وہ زبان جو اس کا بولنا باجازت حق ہے بولنے میں آئے اور اسکی عبارت مریدوں کے دلوں کو شکار کرے اور اسکے کلام میں ادب یہ ہے، کہ بدون امر کے نہ بولے اور امر سے باہر بھی نہ بولے، اور خاموشی کا ادب یہ ہے کہ جاہل نہ ہو اور اپنی جہالت کیساتھ راضی نہ ہو۔ اور غافل نہ رہے اور مریدوں کو چاہیئے کہ پیروں کے کلام میں دخل اور تصرف نہ کریں۔ اور عبارت غریب اور پریشان کرنے والی نہ دیں اور جس زبان کے ساتھ خدا کی توحید کی شہادت دی گئی ہے اس سے جھوٹ

اور بخل نہ کھائے اور مسلمانوں کو نہ ستائے، اور درویشوں کو محض نام سے نہ پکارے، اور جبتک کوئی چیز اس سے نہ پوچھیں نہ کہے پس کلام کہنے میں ابتدا نہ کرے اور درویش کی خاموشی کی شرط یہ ہے کہ باطل پر خاموش نہ رہے، اور کلام کرنے کی شرطوں سے یہ بھی ہے کہ ماسوا حق کے نہ کہے اور اس اصل کی شاخیں بہت ہیں۔ اور لطیفے بے شمار ہیں۔ مگر میں نے اسی اندازے پر کفایت کی تاکہ کتاب لمبی نہ ہو جائے واللہ اعلم بالصواب :۔

باب سوال کے آداب میں

خداوند جل و علا نے فرمایا لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا یعنی لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور جب کوئی ان سے سوال کرے تو اسکو رد نہیں کرتے جیسا کہ خداوند کریم نے فرمایا وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ یعنی اے میرے پیارے حبیب (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سائل کو مت جھڑکو، اور جہانتک ہو سکے سوا خداوند کریم کے کسی سے سوال نہ کریں۔ اور اپنے غیر کو سوال کے محل میں نہ رکھیں کیونکہ غیر سے سوال کرنا خدا سے منہ پھیرنا ہوتا ہے اور جب بندہ خداتعالیٰ سے منہ موڑیگا تو اسکے رد ہونیکا بھی خوف ہوگا۔ اور میں نے حکایات میں پایا ہے کہ کسی دنیادار نے رابعہ عدویہ کو کہا کہ اے رابعہ کوئی چیز مجھسے مانگ تاکہ میں تیری مراد حاصل کروں اس نے کہا اے مرد میں دنیا کے خالق سے دنیا کو مانگتی ہوئی جب شرماتی ہوں تو اپنے جیسے انسان سے دنیا مانگتے ہوئے کیوں نہ شرماؤں گی۔ کہتے ہیں کہ ابو مسلم صاحب دعوت کے وقت میں ایک درویش بے قصور کو چوری کے الزام میں گرفتار کیا گیا اور جیل خانہ میں اسکو داخل کیا جب رات ہوئی ابو مسلم نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا حضور نے اسکو کہا کہ اے ابو مسلم مجھے اللہ عزوجل نے تیرے پاس بھیجا ہے کہ میرے دوستوں سے ایک دوست بغیر قصور کے تیری قید میں ہے اٹھ اور اسکو اسیوقت نکال ابو مسلم اپنے بستر پر سے کودا اور ننگے سر اور ننگے پاؤں جیلخانہ کے دروازہ پر گیا اور حکم دیا کہ جیل خانہ کا دروازہ جلدی کھولو اور اس درویش کو باہر لاؤ اس سے ابو مسلم نے عذر خواہی کی اور کہا کوئی حاجت ہو تو کہو اس درویش نے کہا اے امیر جو شخص ایسا مالک رکھے کہ ابو مسلم کو آدھی رات کے وقت بستر پر سے اٹھائے اور بھیجے تاکہ اسکو بلا سے نجات دلائے تو اسکے لئے کب جائز ہوگا کہ وہ دوسروں سے سوال کرتا پھرے اور

حاجت مانگے ابو مسلم نے رونا شروع کیا اور درویش اسکے سامنے سے چلا گیا۔ اور پھر دوسرا گروہ کہتا ہے کہ درویش کو مخلوق سے سوال کرنا روا ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا یعنی لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہؓ کے کام درست کرنے کیلئے سوال فرمایا ہے اور ہمیں بھی حکم دیا۔ اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوْہِ یعنی اپنی حاجتیں خوبصورت چہروں سے چاہو۔ اور دیگر مشائخ کہ اللہ کی ان پر رحمت نازل ہو، فرماتے ہیں کہ تین سبب کی وجہ سے سوال کرنا روا ہوگا۔ ایک تو دل کو فارغ کرنے کیلئے جوکہ ضروری ہو اور کہتے ہیں کہ ہم اس گروہ کی قدر و قیمت نہیں سمجھتے، کہ جو رات دن کھانے کی انتظار میں گذاریں اور اسکے سوا انکی کوئی حاجت نہ ہو اور انکو خداوند کریم کیسا تھ بیقراری کی حالت ہیں اس سے بڑھکر کوئی شغل نہ ہو، کیونکہ کوئی مشغولی شغل طعام اور اسکے انتظار کے مثل نہیں ہے، اور اسی قبیل سے ہے کہ جب بایزید نے اپنے مرید شفیقؒ کے متعلق اسکے ایک مرید سے پوچھا جوکہ زیارت کیلئے آیا تھا۔ کہ شفیق کا کیا حال ہے اس نے کہا کہ وہ مخلوق سے فارغ ہو چکا ہے اور توکل میں بیٹھا ہے ابو یزید رحمہ اللہ نے فرمایا جب تو واپس ہو تو اسکو کہنا کہ دیکھو خداوند تعالیٰ کو روٹی کے دو ٹکڑوں سے نہ آزمانا جب تجھے بھوک لگے تو اپنے ہمجنسوں سے دو ٹکڑے روٹی کے مانگ کر کھا لینا اور اس توکل سے یکسوئی اختیار کرنی تاکہ وہ شہر اور ولایت تیرے ایک معاملے کی نحوست کی وجہ سے غرق نہ ہو جائے۔ اور دوسروں نے ریاضت نفس کیلئے سوال کو اختیار کیا ہے تاکہ بسبب سوال کے اپنی ذلت دیکھیں اور دل پر رنج رکھیں اور اپنی قدر کو معلوم کریں بلکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہر ایک شخص اسکی کتنی قدر کرتا ہے تاکہ تکبر نہ کریں اور کسی کو تکلیف نہ دیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب شبلیؒ حضرت جنید کے پاس آئے تو حضرت جنید نے فرمایا کہ اے ابا بکر کہ ابھی تک تیرے سر میں تیرا تکبر موجود ہے کہ میں بیٹا خلیفہ کے حاجب الحجاب کا ہوں اور سلرہ کا امیر ہوں، جبتک یہ خیال تیرے دماغ میں جاگزیں ہے تب تک تجھسے کچھ نہ ہو سکیگا بازار میں جاؤ اور ہر ایک سے سوال کرو تاکہ تجھے اپنی قدر معلوم ہو انہوں نے ایسا ہی کیا ہر روز بازار میں جاتے اور سوال کرتے یہاں تک کہ ان کا بازار سست پڑا۔ چھٹے سال کے پیچھے اس درجہ پر پہنچے کہ آپ نے تمام بازار میں سوال کیا مگر کسی نے انکو کچھ نہ دیا واپس آئے اور حضرت جنیدؒ کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اے ابوبکر اب تو نے اپنی قدر کو معلوم کر لیا ہے کہ مخلوق تجھے کسی لائق نہیں سمجھتی دل کو ان میں مت لگاؤ اور ان کی

کوئی قدمت خیال کرو۔ اور یہ یعنی ریاضت کیلئے ہیں نہ کہ کسب کیلئے۔ اور ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے
روایت ہے جو آپ نے کہا کہ میں ایک اپنا ایسا دوست رکھتا ہوں جو کہ خدا کے موافق ہے خدا تعالےٰ نے اسکو
اپنے پاس بلالیا اور دنیا کی نعمت سے عقبیٰ کی نعمت کیطرف اسکو پہنچایا۔ میں نے اسکو خواب میں دیکھا
پوچھا کہ حق جل وعلا نے تیرے ساتھ کیا سلوک برتا ہے اس نے کہا کہ حق جل و علا نے مجھے بخش دیا ہے میں نے
پوچھا کہ کس خصلت کی بدولت اس نے کہا کہ مجھے کھڑا کیا اور فرمایا کہ اے میرے بندے کہ تو نے بہت
ذلت اور تکلیف بخیلوں اور کمینوں کے ہاتھ سے اٹھائی اور ہاتھ تو نے ان کے سامنے لمبا کیا اور ان کی
تکلیفوں پر تو نے صبر کیا اس سبب سے میں نے تجھکو بخشا۔ اور تیسرے گروہ نے ادب خداوندی بجالانیکے
لئے سوال کا طریقہ شروع کیا اور دنیا کے تمام مالوں کو خداوند کریم کا مال سمجھا وہ تمام مخلوق کو اسکیطرف
سے وکیل سمجھتے ہیں۔ اور وہ چیز کہ انکی ذات سے روکدی جاتی ہے یعنی وہ سوال کسی چیز کا کرتے ہیں مگر
ان کو نہیں ملتی تو یوں خیال کرتے ہیں کہ خدا کیطرف سے یہ چیز ہماری قسمت میں نہ تھی۔ اور جو چیز انکے
نصیب ہوئی اسکو خدا سے نہیں مانگتے بلکہ اسکے وکیل سے مانگتے ہیں۔ اور اپنی بات اسکو کہتے ہیں اور
شاہد کے سامنے بندہ جو چیز اپنے وکیل سے طلب کرتا ہے وہ بہ نسبت اسکے ادب اور اطاعت کے زیادہ
قریب ہے کہ اسکو شاہد سے طلب کرے پس ان کا سوال غیر سے خدا کی بارگاہ میں اپنی حضور
کی علامت ہے نہ کہ غیبت کی اور خدا سے منہ پھرانا ہوگا۔ اور میں نے حکایات میں پایا کہ یحییٰ بن معاذ کے
ایک لڑکی تھی ایک دن اس نے اپنی والدہ صاحبہ سے عرض کی کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے
اسکی والدہ نے فرمایا بیٹی خدا سے مانگو۔ اس نے عرض کی کہ اے میری والدہ مجھے اپنی نفسانی خواہش
کی چیز خدا سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے اور جو کچھ مجھے تم دوگی وہ بھی خدا ہی کیطرف سے ہوگا۔
اور میری روزی مقدر ہو چکی ہے۔ پس سوال کرنے کے ادب یہ ہیں۔ کہ اگر تیرے سوال کا مقصود
پورا ہو جائے تو امیر اس سے زیادہ خوش نہ ہو۔ گویا کہ وہ پورا نہیں ہوا۔ اور مخلوقات کو درمیان میں نہ
دیکھ۔ اور بازاری آدمیوں اور بازاری عورتوں سے سوال نہ کرتا پھر... اور اپنا بھید ایسے شخص سے کہہ
جسکی حلال کمائی ہونے کا یقین ہو اسکے علاوہ غیر سے بھید ظاہر نہ کر۔ اور جبتک تجھسے ہو سکے اپنے نصیب
پر سوال نہ کر۔ اور سوال کر نیسے گھر کی آرائش تیار نہیں کرنی چاہیئے۔ اور اسکو اپنا ملک مقرر نہ فرما۔ بالخصوص
وقتی حکم کے موافق ہو اور آئندہ روز کا اندیشہ اپنے فکر سے اتار دے تاکہ تو اپنی ہمیشہ کی ہلاکت میں

ماخوذ نہ ہو اور خدا تعالیٰ کو اپنی گداگری کی حرص کے پھندے میں نہ باندھ یعنی خداوند کریم کا نام لیکر نہ مانگ یعنی یہ نہ کہتے پھر کہ مجھے خدا کے نام پر کچھ دو۔ اور اپنی پارسائی کو لوگوں سے کچھ حاصل کرنے کیلئے ظاہر نہ کر۔ ایک پیر صاحب جو کہ ذی مرتبہ صوفیوں سے ہوتے ہیں جنگل سے کوفہ کے بازار میں تشریف لائے اور کئی دن کے بھوکے تھے اور راستہ کی بہت تکلیفیں اٹھائے ہوئے تھے، کوفہ کے بازار میں پہنچکر آپ نے ایک چڑیا کو اپنے ہاتھ پر بٹھلایا اور کہنا شروع کیا کہ اس چڑیا کیلئے مجھے کچھ دو، انہوں نے کہا اے فلانے تو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس پیر مرد نے جواب دیا کہ یہ محال بات ہوگی۔ کہ میں تم سے کہوں کہ مجھے خدا کے واسطے دو۔ دنیا کی تحصیل کیلئے حقیر چیز کے سوا اور کسی کو اپنا سفارشی نہیں بناتے، کیونکہ دنیا بہت تھوڑی ہے اور اس باب میں جو مختصر طلب ہے میں نے اسکو لمبا ہو جانے کے خوف سے مختصر کیا واللہ اعلم بالصواب۔

باب نکاح کرنے اور تنہا رہنے کے آداب میں

خدا عزوجل نے فرمایا ھُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ وہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم مرد عورتوں کیلئے لباس ہو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَنَاكَحُوا تَكْثُرُوا فَإِنِّي أُبَاهِي بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَوْ بِالسِّقْطِ یعنی نکاح کرو اور بڑھو پس تحقیق میں بسبب تمہاری کثرت کے دوسری امتوں پر فخر کروں گا دن قیامت کے، اگرچہ خام بچہ گرا ہوا ہو۔ اور یہ بھی فرمایا اِنَّ اَعْظَمَ النِّسَاءِ اَقَلُّهُنَّ مَئُوْنَةً وَاَحْسَنُهُنَّ وُجُوْهًا وَاَحْصَنُهُنَّ فُرُوْجًا کہ سب عورتوں سے برکت والی وہ عورتیں ہیں کہ جنکے مہر کم ہوں اور چہرے انکے خوبصورت ہوں اور اپنی شرمگاہوں کو بچائے ہوئے ہوں۔ اور یہ حدیث صحیح حدیثوں سے ہے اور عموماً مرد اور عورت پر نکاح کرنا مباح ہے اور جو زنا سے نہ بچ سکے اسپر فرض ہے اور جو عیال کا حق ادا کر سکے اسپر نکاح کرنا سنت ہے، اور مشائخ صوفیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نکاح شہوت کے دور کرنے کیلئے چاہیئے اور کسب حلال کو فارغ ہو سکنے کیلئے، اور ایک گروہ کہتا ہے کہ نسل کے ثابت کرنے کیلئے چاہیئے تاکہ فرزند ہو۔ جب فرزند ہوگا اگر باپ سے پہلے وہ دنیا سے رخصت ہوگا تو باپ کا شفیع بنے گا اگر باپ اس سے پہلے رخصت ہو جائے تو اسکے حق میں دعائے مغفرت کریگا۔ اور حدیث میں ہے کہ عمر بن خطاب رض

نے ام کلثومؓ کی کہ جو فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ کی بیٹی تھی حضرت علیؓ سے انکے نکاح کی درخواست کی حضرت
علیؓ نے فرمایا کہ وہ بہت چھوٹی ہے اور آپ بہت بوڑھے ہیں اور میرا ارادہ عبداللہ بن جعفرؓ سے جو کہ میرا
بھتیجا ہے ام کلثوم کے نکاح کرا دینے کا ہے، عمرؓ نے کسی کو بھیجا کہا اے ابوالحسن جہان میں بوڑھی عورتیں
تو بہت ہیں اور میری مراد ام کلثوم سے شہوت کا دفع کرنا نہیں بلکہ نسل کا ثابت کرنا ہے کیونکہ پیغمبر
خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے جو آپنے فرمایا کُلُّ نَسَبٍ وَّحَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا نَسَبِيْ
وَحَسَبِيْ وَيُرْوٰى كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ يَنْقَطِعُ اِلَّا حَسَبِيْ وَنَسَبِيْ یعنی ہر نسب اور حسب موت سے
علیحدہ ہو جاتی ہے مگر میری نسب اور حسب اور ایک روایت میں ہے کہ ہر سبب اور نسب منقطع ہو
جاتا ہے مگر میری حسب اور نسب، اب میرے لئے سبب تو ہے مگر مجھے سبب کیطرح نسب بھی چاہیئے
تاکہ دونوں طرفوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیری سے محکم کر دیا ہوں اسوقت حضرت علی کرم
اللہ وجہہ نے ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کر دیا اور اسی نکاح سے زید بن عمر پیدا ہوئے۔ اور پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تنکح النساء علٰی اربعۃ علی المال والحسب والحسن والدین فعلیکم
بذات الدین فانہ ما استفاد امرء بعد الاسلام خیر من زوجۃ مومنۃ موافقۃ یسر بہا اذا
نظر الیہا یعنی عورتوں سے بہترین عورت اسلام لانے کے پیچھے وہ عورت ہے جو کہ ایمان والی اور مرضی
کیموافق ہو تاکہ مومن مرد اس سے مانوس ہو جائے اور دین میں اسکی صحبت سے قوت پکڑے اور دنیا میں
اسکی صحبت سے محبت اور الفت حاصل ہو کیونکہ تمام وحشتیں تنہائی میں ہیں اور تمام خوشیاں صحبت
میں ہیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلشَّيْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ یعنی حقیقت میں مرد یا عورت
تنہا ہوں تو ضرور شیطان انکی ہمنشینی میں ہوتا ہے، جو شہوت کو اسکے دل سامنے آراستہ کر کے پیش کرتا
ہے، اور حرمت اور امان کے حکم میں کوئی صحبت مرد اور عورت کے باہمی نکاح سے بڑھکر نہیں بشرطیکہ
موافقت اور ہمجنس ہو اور اس سے بڑھکر کوئی عذاب نہ ہوگا کہ عورت ناجنس و ناموافق سے سابقہ پڑے
پس درویش کو چاہیئے کہ سب سے پہلے تنہائی کی آفتوں اور نکاح کرنے کی آفتوں پر دھیان کرے
کہ ان دونوں میں سے اسکے دل کے نزدیک کونسی سہل ہے، پس جو آسان معلوم ہو اس کا اتباع
کیا جاوے اور اکیلا رہنے میں دو آفتیں ہیں۔ ایک تو سنت کا ترک اور دوسرا شہوت کو اپنے
دل میں پالنا ہے، اور حرام کام میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ و اندیشہ ہے، اور نکاح کرنے میں بھی

دو آفتیں ہیں ایک تو دل کا غیر کی طرف مشغول ہونا ہے اور دوسرا نفس کا مشغول ہونا بدن کے حظ کیلئے۔ اور اسکی اصل گوشہ نشینی اور صحبت کے مسئلہ کیطرف لوٹتی ہے۔ جو شخص مخلوق میں رہنا چاہے اس کیلئے نکاح کرنا شرط ہے اور جو مخلوق سے علیحدہ رہے اسکو مجرد رہنا اچھا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سِیْرُوْا سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ یعنی چلو مجرد لوگ آگے بڑھ گئے ہیں اور حسین بن ابوالحسین بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نَجَا الْمُخِفُّوْنَ وَهَلَكَ الْمُثْقَلُوْنَ یعنی ہلکے بوجھ والوں نے نجات پائی اور بھاری بوجھ والے ہلاک ہوئے۔ ابراہیم خواص ؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک گاؤں میں ایک بزرگ کی زیارت کیلئے گیا جب میں اسکے گھر میں گیا تو اس کا گھر بہت ہی پاکیزہ دیکھنے میں آیا جیساکہ عموماً اولیاء اللہ کا معبد ہوا کرتا ہے اور اس میں دو محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ ایک محراب میں وہ پیر مرد خود بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری محراب میں ایک پاکیزہ روخوبصورت بڑھیا عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اور دونوں بوجہ زیادتی عبادت کے بوڑھے ہو چکے تھے۔ میرے آنے سے بہت خوش ہوئے میں تین دن تک وہاں رہا جب میں نے واپس ہونا چاہا تو میں نے اس بوڑھے پیر سے دریافت کیا کہ یہ پاکدامن کون ہے اس نے کہا کہ ایک لحاظ سے تو میرے چچا کی لڑکی ہے اور ایک لحاظ سے میری عورت ہے میں نے کہا کہ ان تین دن میں میں نے تم دونوں کو سخت آپس میں بیگانوں کیطرح دیکھا ہے یعنی تم دونوں کو صحبت میں بیگانہ وار دیکھا ہے اس نے کہا ہاں پینسٹھ برس سے ہماری اسی طرح گذر رہی ہے۔ میں نے کہا کہ اسکی وجہ کیا ہے اسنے کہا کہ ہم بچپن میں ایکدوسرے پر عاشق تھے اور اسکا باپ اسکو میرے نکاح میں نہیں کرتا تھا کیونکہ اسکو ہماری خفیہ دوستی کا علم ہو چکا تھا ہم نے کچھ مدت تک بہت تکلیف کھینچی یہانتک کہ اس کا باپ فوت ہوا اور میرے باپ نے اسکا نکاح مجھسے کر دیا جب ہم پہلی رات کو ایکدوسرے سے ملے تو اس نے کہا کہ تو جانتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں کیسی نعمت عطا کی ہے کہ ہم دونوں کو اس نے اپنے فضل سے ملا دیا ہے اور ہمارے دلوں کو اس نے بری آفتوں اور بلاؤں سے نجات دی ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں یہ بات تو بالکل درست ہے اس نے کہا کہ پس ہمکو آجکی رات اپنی نفسانی خواہش چھوڑ دینی چاہیئے۔ اور اپنی مراد کو پاؤں کے نیچے روندنا چاہیئے اور خدا کی عبادت کریں اور اس نعمت پر اس کا شکر بجا لائیں میں نے کہا بہت اچھی بات دوسری رات اور تیسری رات کو بھی اسی طرح کیا جب چوتھی رات آئی تو میں نے کہا کہ تین راتیں تو میں نے تیری

خاطر شکر گذاری میں گذاریں آجکی رات میرے کہنے کی خاطر عبادت کی جائے اسیطرح پینتیس برس گذر چکے ہیں ہم نے ابھی تک ایکدوسرے کو جماع کرنے کی رو سے نہیں دیکھا اور تمام عمر شکر نعمت گذارتے رہے ہیں پس جب درویش صحبت اختیار کرے تو اس پردہ نشین کیلئے روزی حلال کمائی سے ہونی چاہیئے اور اس کا مہر حلال کی کمائی سے ہونا چاہیئے اور جبتک خدا کے فرائض اور اسکے حقوق سے کوئی امر باقی ہے تبتک اپنے نفس کی خواہش میں مشغول نہ ہو اور جب اپنے وردوں سے فارغ ہو جائے تو اسکے بچھونے کیطرف قصد کرے اور اپنی حرص اور مراد کو پورا کرے اور خدا کی مناجات اسطور سے کرے کہ . . . بار خدایا تو نے شہوت کو آدمی کی طینت میں گوندھا ہوا ہے محض اسلیئے کہ جہان آباد رہے اور تیرے علم میں میرا یہ صحبت کرنا موجود تھا یا اللہ اس صحبت سے مجھے فائدہ عطا فرما ایک تو حرام کی حرص کو حلال کے ساتھ بدل دے اور دوسرے مجھے ایسا لڑکا عطا فرما کہ جو ولی ہوتا کہ میرا دل تیری طرف سے نہ پھر لتے اور سہل بن عبداللہ تستری سے روایت ہے کہ اُس کے ایک لڑکا تھا جب اسکو بھوک لگتی ۔ وہ اپنی ماں سے کھانا مانگتا ۔ اسکی ماں کہتی خدا سے مانگ ۔ تب وہ محراب میں سجدہ کرتا اسکی ماں اسکو پوشیدہ طور پر کھانا دیتی ۔ کہ اسکو یہی معلوم ہوتا کہ میری ماں نے نہیں دیا بلکہ خداوند کریم نے مجھے دیا ہے ۔ یہانتک کہ اسکی خو خدا سے مانگنے کی ہو گئی یہانتک کہ وہ ایک روز مدرسہ سے آیا اور اسکو بہت بھوک لگی ہوئی تھی اُس نے اپنے معمول کے موافق محراب میں سجدہ کیا اور خدا سے کھانا مانگا جو کچھ اُسنے مانگا تھا حق تعالیٰ نے اسپر ظاہر فرمایا اسکی ماں اندر آئی اور اس نے دیکھکر کہا کہ اے لڑکے یہ کھانا کہاں سے آیا ہے اس نے کہا جہاں سے ہر روز آتا ہے جیسے زکریاؑ جب مریمؑ کے پاس آئے گرمی کے موسم کے میوے سردیوں میں اسکے پاس آتے اور سردیوں کے میوے گرمیوں میں پاتے ، آپنے تعجب کی بنا پر دریافت کیا ۔ اَنّٰی لَکِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ اے مریم علیہا السلام تیرے پاس یہ کہاں سے آتا ہے اس نے کہا کہ یہ اللہ کے ہاں سے آتا ہے پس چاہیئے کہ سنت کا استعمال درویش کو ہلاکت میں نہ ڈالے ، اور دنیا کی طلب اور حرام میں اسکا دل مشغول نہ ہو کیونکہ ہلاکت درویش کی اسکی دل کی خرابی میں ہوتی ہے ، جیساکہ دولتمند کی خرابی گھر اور کنبہ کی تباہی سے ہوتی ہے پس وہ جو دولتمند کا نقصان ہو جاتا ہے اس کا معاوضہ ہو سکتا ہے ، اور جو کچھ درویش کا نقصان ہوتا ہے اس کا کوئی معاوضہ نہیں اور ہمارے زمانے میں موافق فرمانبردار عورت کا دستیاب ہونا

محال ہے، ہاں زیادتی اور فضول گوئی اور محال چیزوں کی خواہش کرنیوالی بہت ہونگی، اور اسی وجہ سے لوگوں نے مجرد رہنے اور ہلکا رہنے کو پسند فرمایا ہے اور اس حدیث کی انہوں نے خاطر کی ہے، کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَیْرُ النَّاسِ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَفِیْفُ الْحَاذِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا خَفِیْفُ الْحَاذِ قَالَ الَّذِیْ لَا اَھْلَ لَہٗ وَلَا وَلَدَ لَہٗ کہ سب لوگوں سے بہتر آخر زمانہ میں خفیف الحاذ ہے عرض کیگئی کہ یا رسول اللہ خفیف الحاذ کسے کہتے ہیں فرمایا جسکی نہ تو بیوی ہو اور نہ ہی اولاد اور نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سِیْرُوْا سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ کہ چلو مجرد لوگ آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور اس طریقت کے مشائخ کا اس امر پر اتفاق ہے، کہ مجرد درویش سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں اگر ان کا دل آفت سے خالی ہو۔ اور انکی طبع معاصی اور شہوتوں کے مرتکب ہونیسے منہ موڑنے والی ہو۔ اور عام لوگوں نے شہوت کے مرتکب ہونیسے اس حدیث کو دلیل بنالیا ہے، کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حُبِّبَتْ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ یعنی تمہاری دنیا سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں خوشبو۔ اور عورتیں۔ اور نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک ہے، اور کہتے ہیں کہ جب عورتیں اس کے نزدیک بہت ہی محبوب ہوں تو اسکو بہ نسبت مجرد رہنے کے نکاح کر لینا اچھا ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِیْ حِرْفَتَانِ اَلْفَقْرُ وَالْجِھَادُ میرے لئے دو کسب ہیں ایک فقر اور دوسرا جہاد پس کیوں ہاتھ کسب سے ہٹایا جائے اگر وہ اس کا محبوب ہے تو یہ حرفت ہے پس بموجب اس کے کہ تمہاری حرص عورت کیطرف بہت مائل ہے تمہارا یہ کہنا کہ رسول خدا کی سنت کا میں پیرو ہوں بہت بڑی غلطی ہے، کیونکہ اپنی حرص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ٹھہرانا محالات سے ہے اگر کوئی شخص پچاس سال تک اپنی خواہش کی پیروی کرے اور خیال کرتا ہے کہ میں سنت کی پیروی کرتا ہوں تو وہ بہت ہی بڑی غلطی پر سمجھا جائیگا، اور سب سے پہلا فتنہ جو آدم علیہ السلام کے مقدر میں ہوا اسکی اصل بھی بہشت میں عورت ہی تھی، اور سب سے پہلا فتنہ جو دنیا میں ظاہر ہوا اس کا سبب بھی عورت ہی تھی اور آجتک ان تک تمام سبب دینی اور دنیاوی فتنوں کے عورتیں ہی ہیں، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ اپنے پیچھے مردوں کو زیادہ نقصان پہنچانیوالا فتنہ سوا عورتوں کے میں نے کوئی نہیں چھوڑا پس انکا فتنہ جب ظاہر میں ایسا ہے، تو باطن میں کس طرح ہوگا، اور میں جو علی بن عثمان جلابی ہوں۔ اس کے

بعد کہ اللہ عزوجل نے مجھکو گیارہ سال سے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا۔ مگر تقدیر نے مجھے نکاح میں پھنسایا یہانتک کہ میں فتنہ میں مبتلا ہوا اور میں ظاہر اور باطن سے ایک پری صفت کا بن دیکھے مقید ہوا ایک سال اسی حال میں ڈوبا رہا چنانچہ نزدیک تھا کہ میرا دین تباہ و برباد ہو جاتا۔ یہانتک کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمال لطف اور مہربانی سے میرے دل کے استقبال کیلئے عصمت کو بھیجا اور اپنی رحمت سے میری خلاصی فرمائی وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی جَزِیْلِ نَعْمَائِہٖ اللہ کی بزرگ نعمتوں پر اس کا شکر ہے الغرض اس طریقت کا قاعدہ مجرد رہنے پر صوفیوں نے رکھا ہے جب نکاح میں مبتلا ہوا حالت دوسری طرح پر ہوئی۔ اور شہوت کے لشکر سے کوئی لشکر غالب تر ایسا نہیں ہے کہ جسکو اتفاق کی آگ سے نہ بجھا سکیں کیونکہ جو آفت تجھسے نکلے گی اس کا علاج بھی تیرے اندر سے نکلے گا کسی غیر سے نہیں آئیگا حتیٰ کہ وہ صفت تجھسے نکل جائے اور شہوت دو چیزوں سے زائل ہوگی ایک تو یہ ہے کہ تکلف سے دور ہو اور دوسرا یہ ہے کہ کسب اور مجاہدہ سے باہر نکلے۔ مگر جو تکلف کے ماتحت ہے وہ تو آدمی کی بھوک ہے اور جو انسانی تکلیف سے باہر ہے۔ یا تو وہ بیقرار کرنیوالا خوف ہے یا سچی محبت ہے کہ جو آہستہ آہستہ جمع ہو۔ اور جسم کے اجزا میں بکھرتی ہوئی غلبہ کرے اور سب حواسوں کو انکے وصف سے نکال دے اور کل بندہ کو جدا کرے اور بیہودگی کو اس سے فانی کر دے، اور احمد حماد سرخسی کو جو ماوراء النہر میں میرا رفیق تھا ایک مرد ذی رتبہ تھا اسکو لوگوں نے پوچھا کہ کیا تجھے نکاح کرنیکی کبھی حاجت ہوتی ہے اس نے کہا کہ نہیں انہوں نے کہا کہ کیوں آپنے فرمایا کہ میں اپنے زمانے میں یا اپنے سے غائب رہتا ہوں یا حاضر جب غائب ہوتا ہوں تو مجھے دونوں جہاں سے کچھ یاد نہیں رہتا اور جب حاضر ہوتا ہوں، تو اپنے نفس کو ایسا رکھتا ہوں کہ اگر روٹی پائے تو اسکو ایسا معلوم ہو کہ مجھے ہزار حور ملی ہے پس دل کا شغل بہت بڑا شغل ہے جس سے تو چاہے اسی سے سہی۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ ہم نکاح کرنے اور مجرد رہنے میں اپنے اختیار کو منقطع کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ تقدیر پردۂ غیب سے ہمارے لئے کیا کچھ ظاہر کرتی ہے اگر تنہائی ہمارے نصیب میں ہے تو اسکی پاکیزگی میں ہم کوشش کریں اور اگر نکاح کرنا قسمت میں ہوا تو ہم سنت کے پیرو ہونگے اور اپنے دل کی فراغت میں کوشش کرینگے جب خدا کی حفاظت دل میں قائم ہونگے تب بندہ کی تنہائی یوسف علیہ السلام کی تنہائی کی طرح ہوگی جب کہ آپ زلیخا کی بلا میں گرفتار ہوئے، مراد پر طاقت رکھتے ہوئے آپ نے مراد سے منہ موڑا۔ اور جسوقت زلیخا آپکو خلوت میں لیگئی

تو آپ حرص و ہوا کے مغلوب کرنے اور اپنے نفس کے عیب دیکھنے میں اس وقت مشغول ہوئے، اور آپ کا نکاح خدا پر انتہائی بھروسہ رکھنے کی بدولت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح کرنے کی مثل تھا۔ کیونکہ اس نے اہل کے شغل کو شغل نہ سمجھا یہانتک کہ سارہ میں رشک پیدا ہوا اور غیرت پیدا کی۔ ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ کو لیکر خشک جنگل میں چھوڑ آئے اور خدا کے حوالے کیا۔ اور منہ اُنسے پھیر لیا اور اللہ عزوجل نے خود انکی حفاظت کی اپنی مرضی کے موافق انکی پرورش کی۔ پس بندہ کی ہلاکت نکاح کرنے اور مجرد رہنے میں نہیں ہے، بلکہ اس کی بلا اپنی خواہش کی پیروی اور اختیار کے ثابت کرنے میں ہے اور متاہل ہونے کی شرطوں سے یہ آداب ہیں کہ اسکے وردوں سے کوئی ورد فوت نہ ہو اور احوال ضائع نہ ہو۔ اور نہ ہی وقت پراگندہ ہو اور اپنے اہل پر شفقت کرنے والا ہو اور اسکے لئے حلال کی روزی تیار کرے اور اس کا نفقہ ادا کرنے کیلئے ظالم بادشاہوں کی رعایت نہ کرے تاکہ فرزند اگر پیدا ہو تو شرط سے ہو۔ اور حکایتوں میں مشہور ہے کہ احمد بن حرب نیشاپوری ایک دن رئیسوں کی ایک جماعت کے ہمراہ جو آپکے سلام کی خاطر آئے ہوئے تھے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں آپ کا لڑکا مستانہ وار شراب پئے ہوئے کنجریوں کیطرح گانا بجانا کرتا ہوا اندر آیا اور بڑی بیحرمتی سے آپکے پاس سے گذرا اور کسی سے اس نے اپنے فعل میں اندیشہ نہ کیا وہ سب یہ حالت دیکھکر حیران ہوئے، احمد نے حاضرین مجلس کو جاسوسی کی نگاہ سے دیکھا آپنے فرمایا کہ تمہاری حالت کیوں متغیر ہوئی، انہوں نے کہا کہ ہم تیرے لڑکے کو ایسی حالت میں گذرتے ہوئے دیکھکر پریشان و حیران ہوگئے۔ اور اُس نے تو آنجناب سے ذرہ بھی اندیشہ نہیں کیا۔ آپنے فرمایا کہ وہ معذور ہے، کیونکہ ایک رات کو میرے لئے اور میری اہلیہ کیلئے ایک چیز کھانے کی ہمارے پڑوس کے گھر سے آئی ہم نے کھائی اور اسی رات کو میں نے اہلیہ سے صحبت کی اور اس فرزند کا نطفہ قرار پایا اور مجھپر نیند نے غلبہ کیا اور ہمارے سب ورد رخصت ہوئے جب صبح ہوئی تو میں نے اپنے حال کا تجسس کیا۔ اور ہمسایہ کے گھر پہنچا تاکہ پوچھوں کہ جو کچھ آس نے ہمکو بھیجا تھا وہ کہاں سے آیا تھا اس نے کہا کہ ہم شادی والے گھر سے لائے ہیں جب بہت ہی کرید کی تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کے گھر سے آیا ہے اور مجرد کے آداب کی شرطیں یہ ہیں کہ اپنی آنکھ کو ناشائستہ بات سے نگاہ رکھے اور جو باتیں سننے کے لائق نہیں انکو نہ سنے اور جو چیزیں دیکھنے کے لائق نہیں ان کو نہ دیکھے اور جو چیزیں غور و فکر کے قابل نہیں ان میں غور و فکر نہ کرے اور اپنی شہوت کی آگ کو بھوک سے بجھلائے اور دل کو دنیا اور اس کے حوادث سے

نگاہ رکھے، اور اپنی نفسانی خواہشوں کو علم اور الہام نہ کہے شیطان کی ابوالعجبی کی تاویل نہ کرے تاکہ طریقت میں مقبول ہو اور یہ مختصر طور پر معاملت اور صحبت کے آداب ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب ؛۔

دسواں کشف الحجاب صوفیوں کی گفتگو اور انکے لفظوں کی حدوں اور اُن کے معنوں کی حقیقتوں کے بیان میں شروع ہوتا ہے ؛

جان تو کہ اللہ عزوجل تجھے نیک بخت کرے کہ ہر اہل صنعت کیلئے ایکدوسرے کیساتھ اپنے بھیدوں کے بیان کرنے میں چند عبارتیں اور کلمے ہوتے ہیں کہ انکے سوا کوئی دوسرا انکو نہیں معلوم کر سکتا۔ اور ان عبارتوں کے وضع کرنے سے دو مرادیں ہیں۔ ایک تو خوب سمجھنا اور آسان کرنا مشکل باتوں کا ہے تاکہ مرید کی سمجھ کے نزدیک ہو جائے اور دوسرا بھیدوں کو ان لوگوں سے چھپانا ہے کہ جو اس علم کے اہل نہیں اور اسکے دلائل واضح ہیں جیساکہ اہل لغت اپنی وضع کی ہوئی عبارتوں سے مخصوص ہیں جیسے فعل ماضی اور مستقبل اور حال اور صحیح اور معتل اور اجوف اور لفیف اور ناقص وغیرہ اور اہل نحو اپنی بنائی اصطلاحوں میں مخصوص ہیں جیسے رفع اور ضم اور نصب اور فتح اور خفض اور کسرہ اور جزم اور جر اور منصرف اور غیر منصرف وغیرہ اور حساب دان اپنی اصطلاح خود ساختہ سے کام لیتے ہیں۔ جیسے فرد اور زوج اور ضرب اور قسمت اور کعب اور جذر اور اضافت اور تضعیف اور تنصیف اور جمع اور تفریق وغیرہ اور عروضی اپنی وضع کی ہوئی عبارتوں سے مخصوص ہیں جیسے بحر اور دوائر اور سبب اور وتد اور فاصلہ وغیرہ اور فقہا اپنی تیار کی ہوئی عبارتوں سے مخصوص ہیں جیسے علت اور معلول اور قیاس اور اجتہاد اور دفع اور الزام وغیرہ اور محدث اپنی اصطلاحات موضوعہ سے مخصوص ہیں جیسے مسند اور مرسل اور احاد اور متواتر اور جرح اور تعدیل وغیرہ اور متکلم اپنی بنائی ہوئی اصطلاحوں سے مخصوص ہیں جیسے عرض اور جوہر اور کل اور جز اور جسم اور حدث اور حیز اور تحیز اور ہیولیٰ وغیرہ پس ویسے ہی اس طائفہ کے لئے بھی اصطلاحیں وضع کی ہوئی ہیں۔ تاکہ ان سے اپنے کلام کا ظہور کریں مگر اپنی اصطلاح میں اور جسپر اپنے مقصود کا اظہار کرنا چاہیں اسپر ظاہر کریں اور جس سے چھپانا چاہیں۔ اس سے چھپائیں۔ پس میں ان بعضے کلمات کی تشریح کرتا ہوں اور فرق بیان کرتا ہوں کہ کلمے اور ان کی مراد کے کلمے کے درمیان کیا ہے، تاکہ تجھے اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو کامل فائدہ ہو اور مجھے نیک دعا حاصل ہو گی۔ انشاء اللہ عزوجل ؛۔

حال اور وقت اور انکے فرق کا بیان

اور وقت اس گروہ میں مشہور ہے اور مشائخ رحمہم اللہ کا اس میں بہت کلام ہے، اور میری مراد تحقیق کا ثابت کرنا ہے نہ کہ بیان کو طول دینا۔ پس وقت وہ ہوتا ہے کہ بندہ اس سے ماضی اور مستقبل سے فارغ ہو، جیساکہ خدا کی طرف سے کوئی بات اسکے دل پر اترے اور اسکے سر کو اس میں جمع کرے، جیساکہ کشف میں جمع ہوتا ہے تو اسکو گذشتہ زمانے سے خبر ہوتی ہے اور نہ ہی آئندہ زمانے سے ہیں تمام مخلوق کا ہاتھ یہاں تک نہیں پہنچتا اور وہ نہیں جانتے کہ پہلے ہماری تقدیر میں کیا گذرا اور آئندہ کیا گذرے گا۔ ہاں صاحبان وقت جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا علم عاقبت اور سابق کو ادراک نہیں کر سکتا۔ اور ہمیں وقت میں خدا تعالیٰ کیساتھ خوشی ہے کیونکہ اگر کل میں ہم مشغول ہوں اور کل ہی کا ذکر و فکر غالب کر لیں تو ہم محجوب ہو جائیں اور حجاب بہت بڑی پراگندگی ہوتی ہے لیکن جس چیز پر ہاتھ نہ پہنچے اس کا فکر محال ہوگا۔ جیساکہ ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ اپنے عزیز وقت کو سوا عزیز چیزوں کے ضائع مت کرو اور بندہ کی تمام عزیز چیزوں سے بندہ کا شغل ہے درمیان ماضی اور مستقبل کے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ اور مجھے اللہ عزوجل کیساتھ ایک وقت ہے کہ اس میں اٹھارہ ہزار عالم کا میرے لیے گذر نہیں ہوتا اور میری آنکھ میں ان کی کچھ وقعت نہیں ہوتی، اور یہی وجہ ہے کہ جب معراج کی رات آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی کی زینت آپکے پیش کیگئی تو آپ نے کسی چیز کی طرف التفات نہ فرمایا حتیٰ کہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی آپ کی آنکھوں نے کجی اور سرکشی نہیں کی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزیز تھے اور عزیز کو ماسوا عزیز کے اور کسی کی طرف مشغول نہیں کرتے، پس موحد کے اوقات کے دو وقت ہونگے، ایک تو گم ہونے کی حالت میں اور دوسرا وجد کی حالت میں۔ ایک تو وصال کے محل میں ہے اور ایک فراق کے محل میں ہے اور وہ دونوں وقتوں میں مقہور ہوتا ہے کیونکہ وصل کی حالت میں اسکا وصل خدا سے ہوگا، اور جدا ہونے کی حالت میں اسکی جدائیگی خدا سے ہے، اور اس کا اختیار اور اس کا کسب اس میں ثابت قدمی نہ پائیگا۔ تاکہ اسکی کوئی خوبی بیان کی جا سکے، اور جب بندہ کا اختیار اپنے معاملے سے علیحدہ ہوگا وہ جو کچھ کریگا عمدہ ہوگا، اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو جنگل میں ببول کے درخت کے

نیچے سخت جگہ میں مشقت کی حالت میں دیکھا میں نے پوچھا کہ اے بھائی تجھے کس چیز نے یہاں پر بٹھایا ہے
اس جگہ میں تو بہت تکلیف اٹھا رہا ہے اس نے جواب دیا کہ مجھے ایک وقت خدا کی بارگاہ سے حاصل ہوا تھا
جسے میں یہاں کھو چکا ہوں اب اس جگہ غمناکی کی حالت میں بیٹھا ہوا ہوں میں نے پوچھا تجھے یہاں بیٹھے کتنا
عرصہ ہوا ہے اس نے جواب دیا کہ بارہ سال اب شیخ میرے کام میں ہمت فرمائے تو میں اپنے مقصود کو پہنچوں گا
اور اپنا کھویا ہوا وقت پاؤں گا حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں حج کو گیا اور اس کے حق میں دعا کی اور دعا نے
قبولیت کا درجہ حاصل کیا اور اس نے اپنی مراد کو پایا جب میں واپس آیا تو اسکو وہیں بیٹھا ہوا میں نے پایا۔
میں نے کہا اے جوانمرد مقصود پالینے کے بعد پھر تو یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہے اس نے کہا اے شیخ یہ جگہ میری
وحشت کی جگہ ہے اور اس جگہ میں نے اپنے سرمایہ کو گم کیا تھا۔ اور اس کو میں نے لازم پکڑا ہوا تھا اب جبکہ
اسی جگہ میرا سرمایہ مجھے پھر مل گیا تو یہ میری مصیبت اور انس کا محل ہوا اس کو کیسے چھوڑوں شیخ سلامتی سے
جائے کہ میں اپنی خاک کو اس جگہ کی خاک میں ملاؤں گا تاکہ میں قیامت کو اپنا سر اسی خاک سے نکالوں کیونکہ
میرے انس کا مرتبہ اور سرور کا محل یہی ہے فَلِکُلِّ امْرِءٍ یُوْلِی الْجَمِیْلَ مُحَبَّبٌ ۔ وَکُلُّ مَکَانٍ یُنْبِتُ الْعِزَّ طَیِّبًا
پس ہر آدمی اچھے دوست کو قبول کرنے والا ہے اور جس مکان سے عزت ملتی ہو وہ مکان پیارا ہوتا ہے
پس جس چیز کا حکم بندہ کے کسب کے ماتحت نہیں آسکتا تو اسکو تکلف سے حاصل کرے بازار میں نہ بیچے اور نہ ہی
جان اس کے معاوضہ میں دے اور اسکے حاصل کرنے اور دفع کرنے میں ارادہ نہیں ہوا کرتا اور دونوں طرفین
اس کی رعایت میں مساوی ہوتی ہیں اور بندہ کا اختیار اسکی تحقیق میں باطل ہوتا ہے اور مشائخ رحمہم اللہ
علیہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ یعنی وقت کاٹنے والی تلوار ہے کیونکہ تلوار کی صفت کاٹنا ہے
اور وقت کی صفت کاٹنا ہے کیونکہ وقت ماضی اور مستقبل کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور گذشتہ اور آئندہ کا غم دل
سے دور کرتا ہے پس صحبت تلوار کی خطرناک ہوتی ہے اِمَّا هَلَكْتَ وَاِمَّا مَلَكْتَ یا تو بادشاہ بنا دے گی اور
یا ہلاک کر دے گی اگر کوئی شخص ہزار برس تلوار کی خدمت کریگا اور اسکو بڑے پیار سے اپنے گلے میں لٹکائے
رکھے گا تو وہ باوجود اتنے پیار کے اپنے مالک اور غیر کی گردن کاٹنے میں تمیز نہ کریگی۔ کیونکہ اس کی صفت قہر
کی ہے تو مالک کے عزیز رکھنے سے اس کا قہر دور نہیں ہوگا اور حال وقت پر آنے والی شئے ہے جو کہ
وقت کو خوبصورت کرتی ہے جیسا کہ روح جسم کو اور بالضرور وقت حال کا محتاج ہے کیونکہ وقت کی
صفائی حال پر موقوف ہے اور وقت کا قیام اس سے ہے پس جب صاحب وقت صاحب حال

ہوگا تو تغیر اس سے منقطع ہو جائیگا اور وہ اپنے زمانہ میں مستقیم ہوگا کیونکہ وقت ہی حال سے زوال روا ہو گا جب
حال اسے شامل ہوگا تب اس کا تمام زمانہ وقت ہوگا اور زوال اس پر جائز نہ ہوگا اور وہ جو آمد و شد کرتا
ہے وہ تلون اور ظہور سے ہوتی ہے جیسا کہ اس سے پیشتر صاحب وقت کو وقت نازل ہونے والا
ہوتا ہے اور متمکن کو غفلت روا ہوتی ہے اور صاحب غفلت پر اب حال اترنے والا ہوگا اور وقت
متمکن کیونکہ صاحب وقت پر غفلت روا ہوگی اور صاحب حال پر روا نہ ہوگی اور کہا گیا ہے اَلْحَالُ
سُکُوْتُ اللِّسَانِ فِیْ فُنُوْنِ الْبَیَانِ یعنی صاحب حال کی زبان اس کے حال کے بیان سے خاموش
ہوگی اور اس کا معاملہ اسکے حال کی تحقیق پر شاہد ہوگا اور اسی سے ہے کہ جو اس پیر مرد نے کہا اَلسُّؤَالُ
عَنِ الْحَالِ مُحَالٌ کہ حال سے بیان کرنا محال ہوگا کیونکہ حال گفتگو کی فنا ہے اور استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں
کہ اگر دنیا میں یا عقبیٰ میں سرور ہے یا تکلیف وہ اس کے اسوقت میں ہے کہ جسمیں وہ ہے اور پھر حال ایسا
نہ ہوگا کیونکہ حال خدا کیطرف سے بندہ پر وارد ہے جب آتا ہے ان سب کو دل سے نکالدیتا ہے جیسا کہ یعقوب صاحب وقت
تھے کبھی بسبب فراق کے اپنی آنکھوں کو سفید کرتے تھے اور کبھی بسبب وصال کے اپنی آنکھوں کو بینا کرتے تھے کبھی غم سے مثل نالہ کے سوکھکر
ہو جاتے اور کبھی نالہ سے مثل ملک کے ہو جاتے اور کبھی خوشی سے مثل روح کے مسرور ہو جاتے اور ابراہیم علیہ السلام صاحب
حال تھے نہ تو آپ فراق دیکھتے کہ جس سے آپ مغموم ہوتے اور نہ ہی وصال کہ جس سے آپ مسرور ہوتے
ستارہ و چاند اور آفتاب سب آپکے حال کی مدد کرتے اور آپ رویت میں سب سے فارغ یہانتک کہ جس
چیز کو بھی آپ دیکھتے آپکو حق ہی نظر آتا اور فرماتے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ یعنی میں ڈوبنے والوں کو دوست
نہیں رکھتا پس کبھی تو جہان صاحب وقت کیلئے دوزخ ہوتا ہے کیونکہ مشاہدہ میں غیبت واقع ہو جاتی ہے
اور حبیب کے گم ہونے سے اس کا دل وحشت کا محل ہوتا ہے اور کبھی تو بسبب خوشی کے اس کا دل
مشاہدہ کی نعمتوں میں مثل بہشت کے ہو جاتا ہے کیونکہ ہر لحظہ خدا کی طرف سے اس کے پاس بشارت
اور تحفے آتے رہتے ہیں پھر صاحب حال کو کشف ہونا چاہیئے حجاب تو اسپر حجاب کی بلا یا کشف کی نعمت
دونوں یکساں ہونگی کیونکہ وہ ہمیشہ حال کے محل میں ہوگا پس حال مراد کی خوشی میں خدا کیساتھ ہوتا ہے،
فَشَتَّانَ بَیْنَ الْمَنْزِلَتَیْنِ پس دونوں مرتبوں میں بہت بڑا فرق ہے واللہ اعلم بالصواب:۔

مقام اور تمکین کا فرق: نیت کی صحت اور اجتہاد کی شدت کے ساتھ مطلوب کے حقوق ادا کرنے
پر طالب کا قائم ہونا مقام کہلاتا ہے اور حق کے مریدوں سے ہر ایک کیلئے ایک مقام ہے کیونکہ انکے

لئے خدا کی طلب کی درگاہ میں وہ سبب ہوتا ہے اور گو طالب ہر مقام سے بہرہ پاتا ہے اور جس کسی پر گذرتا ہے مگر اس کا مقام ایک پر رہتا ہے کیونکہ اس کا مقام اور ارادت جبلی ہوجاتا ہے، معاملہ کی رفتار سے نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ عزوجل نے ہمکو خبر دی کہ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ یعنی نہیں ہے کوئی ہم سے مگر اس کے لئے مقام معلوم ہے، پس مقام آدم علیہ السلام کا توبہ تھا اور نوح کا مقام زہد ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم ہے، اور موسیٰ کا مقام انابت یعنی عجز و انکساری ہے۔ اور داؤد علیہ السلام کا مقام غم ہے اور عیسٰے علیہ السلام کا مقام رجا یعنی امید کا ہے اور یحییٰ علیہ السلام کا مقام خوف کا ہے، اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ذکر ہے اور گو ہر ایک کو ہر محل میں ایک بھید ہوتا ہے مگر بالآخر رجوع ان کا اپنے اصلی مقام کی طرف ہوتا ہے، اور میں نے اسکا ذکر قدسے محاسبیوں کے مذہب میں کیا ہے اور حال اور مقام کا فرق بھی میں نے وہاں پہ بیان کیا ہے مگر اسجگہ اتنا بیان کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ اور تو خوب جان لے کہ اللہ عزوجل کے راستے تین ہیں۔ ایک مقام۔ دوسرا حال تیسرا تمکین۔ اور اللہ عزوجل نے تمام نبیوں کو اپنا راستہ بیان کرنے کیلئے بھیجا ہے نہ کہ مقامات کے حکم کو بیان کرنے کیلئے بھیجا ہے، تاکہ مقامات کے حکم کو بیان فرمائیں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ایک لاکھ چوبیس ہزار مقام سے آئے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے ہر مقام کے اہل کا ایک حال ظاہر ہوا اور اسجگہ تک شامل ہوا کہ کسب مخلوق کا اسجگہ سے منقطع ہوگیا یہاں تک کہ مخلوق کو دین ملا۔ اور انکی نعمت کا اتمام ہوا حتی کہ خداوند کریم نے فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ یعنی آجکے دن تمہارا دین تم پر کامل کیا اور اپنی نعمتوں کو تم پر پورا کیا، پھر متمکنوں کی تمکین ظاہر ہوئی اور اگر میں یہ چاہوں کہ سب کا احوال بیان کروں اور انکے مقاموں کو خوب کھولکر بیان کروں تو اپنی مراد سے باز رہونگا لیکن تمکین درجہ اعلیٰ اور کمال کے محل پر محققین کی اقامت کا بیان ہے پس اہل مقامات کا مقامات سے گذرنا ممکن ہے مگر تمکین کے درجہ سے گذرنا محال ہوگا کیونکہ مقام مبتدیوں کا درجہ ہے اور تمکین منتہیوں کی قرارگاہ ہے، ابتدا سے انتہا کی طرف گذر سکتا ہے اور انتہا سے گذرنے کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ مقامات راستہ کی منزلیں ہیں۔ اور تمکین خدا کے دوستوں کی بارگاہ میں قرار پکڑنا ہے، اور وہ عارضی ہونگے اور منزلوں میں بیگانہ ان کا بھید حضوری ہوتا ہے اور حضوری میں آلہ آفت ہوتا ہے اور غیبت اور علت کے حروف اور جاہلیت میں شعرا اپنے ممدوحوں کی مدح معاملہ کے دیکھنے

سے کرتے، اور جبتک کوئی مقام طے نہیں کر لیتے انکی مدح میں رطب اللسان نہیں ہوتے اور جب شاعر اپنے ممدوح کے حضور میں حاضر ہوتا تو تلوار کو میان سے نکالکر پاؤں میں رکھکر توڑ دیتا۔ اور اپنے سواری کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالتا۔ اور ایسا کرنے سے اسکی مراد یہ ہوتی تھی کہ مجھے گھوڑے کی اس وقت تک ضرورت تھی کہ میں نے اپنے ممدوح تک پہنچنے کا راستہ طے نہیں کیا، اور تلوار کی اسوقت تک ضرورت تھی کہ جبتک حاسد مجھے میرے ممدوح کی مدح سے روکنے والے رہے اور اب جبکہ میں تیرے پاس پہنچگیا تو منزل طے کرنے کا آلہ میرے لئے بے کار ہوا کیونکہ مجھے آپکے ہاں سے اور کسی جگہ جانا نہیں۔ اور تلوار بھی توڑ دی کیونکہ تیری بارگاہ کے آستانہ سے میں اپنے لکو علیحدہ نہ کروں گا، اور جب چند دن گذرتے پھر شعر کہتا اور حقتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اسی بنا پر جبکہ وہ منزلوں کو قطع کرتے ہوئے اور مقامات سے گذرتے ہوئے تمکین کے محل میں پہنچے اور تلوین کے اسباب اس سے ساقط ہوتے فرمایا فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ وَالْقِ عَصَاكَ یعنی لے موسیٰ اپنے نعلین اتار دو اور اپنا عصا ڈالدو کیونکہ وہ مسافت طے کرنے کے ذرائع ہیں۔ اور وصل کی بارگاہ میں وصل کے ذرائع باطل ہوتے ہیں پس دوستی کی ابتدا طلب کرنا ہوتی ہے اور انتہا اسکی قرار پکڑنا۔ جیسے کہ پانی جبتک نہر میں ہوتا ہے بہتا رہتا ہے لور جب دریا میں اسکی شمولیت ہوتی ہے تو قرار پکڑ لیتا ہے اور جب قرار پکڑ لیتا ہے تو اس کا ذائقہ بدل جاتا ہے حتیٰ کہ جسکو پانی کی ضرورت ہو تو وہ ادھر نہیں جاتا ہاں اگر کسی کو موتی جواہر وغیرہ کی ضرورت ہو تو وہ دریا کی طرف جاتا ہے یہانتک کہ اپنے تن سے ہاتھ دھو لیتا ہے اور طلب کا بوجھ پاؤں سے باندھ لیتا ہے، اور اوندھا دریا کی تہہ میں جاتا ہے، یا تو جواہر عزیز اور دُر مکنوں پا لیگا اور یا اپنی عزیز جان کو فنا کر دیگا اور شارح رحمہم اللہ سے ایک شیخ فرماتے ہیں، اَلتَّمْكِيْنُ رَفْعُ التَّلْوِيْنِ یعنی تمکین تلوین کا اٹھانا ہے اور تلوین کے معنی بھی اس طائفہ کے نزدیک مقام اور حال کے معنی کیطرح ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اور تلوین سے مراد ایک حال سے دوسرے حال کیطرف بدلنا اور پھرنا ہیں۔ اور اس کلمہ سے مراد یہ ہے، اور غیر کے فکر کو اپنے دل سے مٹاتے ہوتے ہوتا ہے نہ تو وہ صاحب معاملہ ہوتا ہے کہ جو اس کے ظاہر کو بدلا کرے اور نہ ہی صاحب حال ہوتا ہے کہ اسکے باطن کے حکم بدلانے والا کرے، جیساکہ موسیٰ علیہ السلام تلوین کی حالت میں تھے اللہ عزوجل نے کوہ طور پر ایک تجلی ڈالی آپکے ہوش رخصت ہوئے جیساکہ اللہ عزوجل نے فرمایا وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو

کر گر پڑے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں متمکن تھے اپنے حال سے نہ تو پھرے اور نہ ہی متغیر ہوئے اور یہ اعلیٰ درجہ تھا۔ واللہ اعلم پس تمکین دو قسم پہ ہے ایک تو وہ ہے کہ جسکی نسبت شاہد حق کے ساتھ ہو اور ایک وہ کہ جسکی نسبت اپنے شاہد سے حق کے ساتھ ہو اور ایک وہ کہ جسکی نسبت اپنے شاہد سے ہو جس کسی کی نسبت تمکین اپنے شاہد سے ہو وہ باقی الصفۃ ہوتا ہے اور جس کسی نے اپنے آپکو خدا کے شاہد کے حوالے کیا ہو۔ وہ فانی الصفۃ ہوتا ہے اور بالخصوص فانی صفت والے کو محو اور صحو اور لحق اور محق لور فنا اور بقا اور وجود اور عدم درست نہیں آتا۔ کیونکہ ان اوصاف کے قائم کرنے کیلئے موصوف چاہیئے۔ اور جب موصوف مستغرق ہو جائیگا اقامت اور صفا اور صفت کی [illegible] اور اس معنی میں کلام تو بہت ہے مگر میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں و باللہ التوفیق

محاضرہ اور مکاشفہ کے فرق میں:۔ جان تو کہ محاضرہ بیان کے لطیفوں میں حضور دل پر بولا جاتا ہے اور مکاشفہ ظاہری اندیشوں میں حضور تحریر پر پڑتا ہے پس محاضرہ آیات کے شواہد میں ہوتا ہے، اور مکاشفہ مشاہدات کے شواہد میں اور محاضرہ کی علامت آیت کی رویت میں ہمیشہ کا تفکر ہوتا ہے، اور مکاشفہ کی علامت ہمیشہ کی عظمت میں حیران رہنا۔ اور [illegible] افعال میں فکر کرنیوالا [illegible] میں تحیر ہونیوالے [illegible] فرق یہ ہے کہ ایک تو ان دو میں سے خلت کے مرادف ہے اور دوسرا محبت کے قرین۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آسمانوں کی بادشاہی پر نظر دوڑائی اور اسکے وجود میں تامل اور تفکر کیا ان کا دل وہاں پر حاضر تھا فعل کی رویت سے فاعل کا طالب ہوا۔ یہانتک کہ اسکے حضور نے فعل کو بھی فاعل کی دلیل تصور فرمایا یہانتک کہ کمال معرفت، میں فرمایا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا یعنی تحقیق میں نے متوجہ کیا اپنے آپ کو اس ذات کی طرف کہ جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ملکوت کی سیر کیلئے لیگئے آپ نے سب لوگوں کی طرف سے آنکھ بند کرلی اور فعل کو بھی نہ دیکھا اور نہ ہی مخلوق کو دیکھا بلکہ اپنے آپ کو بھی نہ دیکھا اور فاعل کے مکاشفہ میں مشغول ہوگئے پس کشف شوق میں آپکا شوق بڑھا اور بے قراری آپکی بے قراری پر زیادہ ہوئی آپنے رویت کی طلب کی منہ کی رویت نہ تھی قربت کی فکر کی مگر وہ ممکن نہ ہوئی وصل کا قصد کیا مگر وصل کی کوئی، صورت نہیں ہے، ہرچند کہ دیر و دست کی تنزیہ کا حکم ظاہر تر ہوا شوق پر شوق بڑھا نہ تو وصا

سے روگردانی ہے اور نہ ہی سامنے ہونا ہے متحیر ہوں جس جگہ خلت تھی وہاں حیرت کفر ظاہر ہو تی، اور جہاں محبت تھی وہاں پر وصل شرک آیا اور حیرت سرمایہ ہو ئی کیونکہ اس جگہ خلت میں حیرت اللہ ہستی کے تھی اور وہ شرک ہوتی ہے اور محبت میں حیران ہونا کیفیت میں حیران ہونا ہے اور یہ توحید ہوتی ہے اور شبلی کا مقولہ یَادَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا یعنی اے متحیرین کے راہنما آپ میری حیرت کو زیادہ فرمائیں اسی معنی کو شامل ہے کیونکہ مشاہدہ میں تحیر کی زیادتی درجہ کی زیادتی ہوتی ہے، اور حکایتوں میں مشہور ہے کہ جب ابو سعید خراز ابراہیم سعد علوی کی معیت میں دریا کے کنارے پر اس خدا کے دوست کو انہوں نے دیکھا اور انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ خدا کی طرف راستہ کس چیز سے جاتا ہے اس نے کہا کہ دو ہیں ایک تو عوام کا راستہ ہے اور دوسرا خواص کا انہوں نے کہا کہ اسکی تفصیل کر اس نے کہا کہ عوام کا راستہ تو یہی ہے کہ جس پر تو ہے کہ بسبب علت کے تو قبول کرتا ہے اور بسبب علت کے ہی تو رد کرتا ہے اور خواص کا راستہ یہ ہے کہ وہ نہ تو معلل کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی علت کو اور حقیقت اسکی شرح طور پر گذر چکی ہے اور اس کے سوا کچھ اور مراد نہیں ہے وباللہ التوفیق۔

قبض اور بسط کے فرق میں جاننا تو کہ قبض اور بسط کی دو حالتیں ہیں ان احوال سے کہ تکلیف بندہ کی ان سے گرنے والی ہے، جیسا کہ اس کا آنا تو کسب سے ہو اور جانا اس کا کوشش کے ساتھ نہ ہو اور اللہ عزوجل نے فرمایا وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ یعنی اللہ ہی قبض کرتا ہے اور بسط فرماتا ہے پس قبض مراد ہے دلوں کی قبض سے حجاب کی حالت میں اور بسط مراد ہے دلوں کے بسط سے کشف کی حالت ہیں اور یہ دونوں خدا کی طرف سے بندہ کیلئے بے تکلف ہیں۔ اور قبض عارفوں کے معاملہ میں مریدوں کے معاملہ میں خوف کی مثل اور بسط اہل معرفت کے معاملہ میں رجا کی طرح ہوگا مریدوں کے معاملہ میں بقول اس گروہ کے کہ جو قبض اور بسط کو ان معنی میں محمول کرتے ہیں۔ اور مشائخ رحمہم اللہ کا ایک گروہ اس امر پر ہے کہ قبض کا رتبہ بلند ہے بسط کے رتبہ سے، دو معنوں کی وجہ سے ایک تو یہ ہے کہ اس کا ذکر پہلے کتاب میں بیان ہو چکا ہے، اور دوسرا یہ ہے کہ قبض میں اسکا گداز اور قہر ہے، اور بسط میں نوازش اور لطف ہے، اور لامحالہ بشریت کا گداز اور نفس کا قہر پرورش اور لطف سے زیادہ فضیلت والا ہے۔ کیونکہ وہ حجاب اعظم ہے اور ایک گروہ اس امر پر ہے کہ رتبہ بسط کا قبض کے رتبہ سے زیادہ فضیلت والا ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ میں قبض کا مقدم ہونا بسط پر اس کے اشرف ہونے کی علامت

ہے کیونکہ عرب کی عادت اور عرف میں یہ ہے کہ جس کا مرتبہ اعلیٰ و اشرف ہوتا ہے اسکو مقدم کرتے ہیں اور غیر اشرف کو مؤخر کرتے ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ یعنی بعض ان سے اپنے نفسوں پر ظلم کرنیوالے ہیں اور بعض ان میں سے میانہ رو ہیں اور بعض ان میں سے اللہ کے حکم سے خیرات میں پیش دستی کرنیوالے ہیں اور یہ بھی فرمایا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ یعنی تحقیق اللہ عزوجل توبہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے اور نیز پاک رہنے والوں کو بھی دوست رکھتا ہے اور نیز یہ بھی فرمایا يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ یعنی اے مریم (علیہا السلام) تو عبادت کر اپنے پروردگار کی اور سجدہ کر تو اور رکوع کر تو ساتھ رکوع کرنیوالوں کے اور نیز فرمایا کہ بسط میں سرور ہے اور قبض میں تکلیف اور عارف کا سرور وصل میں ماسوا معرفت کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور ان کی تکلیف فصل میں بجز مقصود کے نہیں ہے پس وصل کے محل میں قرار پذیر ہونا فراق کے محل میں قرار پذیر ہونے سے بہتر ہے اور میرے شیخ فرماتے تھے کہ قبض اور بسط دونوں ایک ہی معنی میں ہیں۔ کیونکہ وہ حق کی طرف سے بندہ کے دل پر آتے ہیں اور جب وہ معنی میرے پر نازل ہوتے ہیں۔ یا تو سر اسکے ساتھ مسرور ہوتا ہے اور نفس مقہور اور نفس مسرور اور سر مقہور قلب کے قبض میں یا ایک اسکے نفس کا بسط ہوگا اور بسط میں دوسرے کا بھید اس کے نفس کا قبض ہوگا اس معنی کے علاوہ اگر کوئی دوسرے معنی سے اسکی تعبیر کریگا تو وہ اپنے اوقات کو ضائع کرتا ہے جو کچھ بایزیدؒ نے فرمایا وہ بھی اسی قبیل سے ہے انہوں نے کہا کہ قَبْضُ الْقُلُوْبِ فِيْ بَسْطِ النُّفُوْسِ وَبَسْطُ الْقُلُوْبِ فِيْ قَبْضِ النُّفُوْسِ پس مقبوض نفس خلل سے محفوظ ہوگا اور بھید مبسوط ذلتوں سے محفوظ ہوگا کیونکہ دوستی میں غیرت سراسر مذمت ہے اور قبض حقتعالیٰ کی غیرت کی علامت ہوگی اور دوست کو دوست سے عتاب کرنا شرط ہے اور بسط عتاب کرنے کی علامت ہے اور آثار میں مشہور ہے کہ جب تک یحیٰی علیہ السلام زندہ رہے روتے رہے اور جبتک عیسےٰ علیہ السلام زندہ رہے ہنستے رہے کیونکہ یحیٰی علیہ السلام انقباضی حالت میں تھے اور عیسےٰ علیہ السلام انبساطی حالت میں تھے جب آپس میں اکٹھے ہوتے تو یحیٰی علیہ السلام فرماتے کہ اے عیسےٰ کیا تو قطعیت سے بیخوف ہوا ہے اور عیسےٰ علیہ السلام فرماتے کہ اے یحیٰی کیا تو خدا کی رحمت سے ناامید ہوا ہے پس نہ تیرا رونا خدا کے ازلی حکم کو پھرا سکتا ہے اور نہ ہی میری ہنسی قضا مقدرہ کو ہٹا سکتی ہے۔ لَا قَبْضَ وَلَا بَسْطَ وَلَا طَمْسَ وَلَا اُنْسَ وَلَا مَحْوَ وَلَا صَحْوَ وَلَا فَنَاءَ وَلَا

محق وَلَا عجز وَلَا جہل اِلَّا مِنَ اللّٰہِ یعنی قبض اور بسط اور طمس اور انس اور محو اور صحو اور محق اور عجز اور جہل نہیں ہیں مگر اللہ عزوجل کی طرف سے بعد جو کچھ ہو چکا ہے وہی ہوگا اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

انس اور ہیبت کے فرق میں ۔جان تو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تجھے نیک بخت کرے، کہ ہیبت اور انس خدا کے راستہ کو طے کرنے والوں کی دو حالتیں ہیں۔ اور اسی سے ہے کہ جب حقتعالیٰ جلالیت کے مشاہدہ سے بندہ کے دل پر تجلی کرتا ہے تو اسکے نصیب میں ہیبت ہوتی ہے اور پھر جب بندہ کے دل پر شہود جمالی سے تجلی فرماتا ہے تو اسکے نصیب میں انس ہوتا ہے، یہانتک کہ اہل انس اس کے جمال سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اہل ہیبت اسکے جلال سے سختی میں ہوتے ہیں پس فرق ظاہر ہوا اس دل میں کہ جو خدا کے جلال سے دوستی کی آگ میں جلنے والا ہے، اور اس دل میں جو اسکے جمال سے مشاہدہ کے نور میں روشن ہو پس مشائخ کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ ہیبت عارفوں کا درجہ ہے اور انس مریدوں کا درجہ ہے کیونکہ جس کسی کو خدا کی بارگاہ اور اسکے اوصاف کی تنزیہ میں قدم کامل ہوتا ہے اسکے دل پر ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے، اور انس سے اسکی طبیعت بھاگنے والی ہوگی کیونکہ انس ہمجنس سے ہو سکتا ہے اور جب بندہ خدا کا ہمجنس اور ہمشکل نہیں تو اسکا انس کسطرح صورت پذیر ہو سکتا ہے اور خداوند کریم کا بندہ سے مانوس ہونا بھی محال ہوگا، اور اگر انس ممکن ہو سکتا ہے تو انکی یاد کے ساتھ ممکن ہوتا ہے اور اسکا غیر ہوتا ہے، کیونکہ وہ بندہ کی صفت سے ہوگا اور محبت میں غیر سے آرام پکڑنا جھوٹ اور محض دعویٰ اور اٹکل ہوگی اور پھر ہیبت مشاہدہ عظمت سے ہوگی اور عظمت خدا کی صفت ہوگی، اور بہت فرق ہے اس بندہ میں کہ جسکا کام خود بخود ہو اور اس بندہ میں کہ جسکا کام اپنی فنا سے خدا کی بقا کے ساتھ ہو۔ اور شبلیؒ سے روایت ہے - آپ فرماتے ہیں کہ میں نے چند مدت تک گمان کیا کہ میں محبت میں خوش ہوں اور اسکے مشاہدہ کیساتھ قرار پکڑتا ہوں اب مجھ پر واضح ہوا کہ انس محض اپنی جنس سے ہو سکتا ہے، اور پھر ایک گروہ نے کہا ہے کہ ہیبت فراق اور عقوبت کا قرینہ ہے اور انس رحمت اور وصل کا نتیجہ ہے یہانتک کہ دوست ہیبت کے لوازمات سے محفوظ رہتے ہیں اور نیز انس سے قریب ہوتے ہیں اسلئے کہ انس محبت کی مقتضی ہے جیسا کہ محبت کیلئے مجانست محال ہے انس کیلئے بھی محال ہوگی اور میرے شیخؒ فرماتے تھے کہ میں اس شخص سے تعجب کرتا ہوں کہ جو شخص کہتا ہے کہ حقتعالیٰ سے انس ممکن نہیں ہو سکتا حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے اِنَّ عِبَادِی یعنی تحقیق میرے

بندوں سے قُلْ بِعِبَادِیْ یعنی میرے بندوں سے فرما دیجئے وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ یعنی جس وقت میرے بندے تجھ سے پوچھیں یَاعِبَادِیْ لَاخَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ یعنی اے میرے بندو! آج کے دن تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے، لامحالہ جب بندہ یہ بزرگی دیکھتا ہے تو اسکو دوست پکڑ لیتا ہے انس پکڑ لیتا ہے کیونکہ دوست سے ہیبت بیگانگی ہوتی ہے، اور انس یگانگی ہوتی ہے اور آدمی کی صفت یہی ہے کہ منعم کیساتھ انس پکڑے اور خداوند کریم کیطرف سے بہت نعمتیں ہم کو ملی ہیں اور ہمیں اسکی معرفت حاصل ہو گئی ہماسے لئے ہیبت کی بات محال ہو گی، اور میں جو علی بن عثمان جلالی ہوں کہتا ہوں کہ دونوں گروہ اپنے اپنے اختلاف میں پڑے ہیں، کیونکہ ہیبت کا غلبہ نفس اور اسکی ہوا کے ساتھ ہوگا۔ اور بشریت کا فنا کرنا بھی اسی قبیل سے ہے اور انس کا غلبہ بھید کیساتھ ہوتا ہے اور معرفت کی پرورش حقتعالیٰ کے بھید میں جلال کی تجلی کے ساتھ دوستوں کے نفس کو فانی کرتی ہے، اور جمال کی تجلی کیساتھ انکے بھید کو باقی رکھتی ہے، پس جو لوگ اہل فنا ہوتے ہیں وہ ہیبت کو مقدم کہتے ہیں۔ اور جو لوگ اہل بقا ہیں وہ انس کو فضیلت دیتے ہیں اس سے پیشتر فنا اور بقا کے باب میں میں نے اسکو مفصل طور پر بیان کیا ہے۔

قہر اور لطف کی تعریف اور انکے فرق کے بیان میں

یہ دو عبارتیں ہیں اس گروہ کی کہ جو اپنا معاملہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور انکی مراد قہر سے خدا کی تائید ہوتی ہے مرادوں کے فنا کرنے سے اور نفس کو.... آرزوؤں سے روکنا کیونکہ انکی اسمیں مراد ہوتی ہے، اور مراد قرار حال اور دوامی مشاہدہ اور بقائے سر کے ساتھ خدا کی تائید کی لطف سے درجہ استقامت میں پہنچانا کہ ایک گروہ نے کہا ہے کہ مراد کا حاصل ہو جانا خداوند کریم کیطرف سے کرامت ہے اور یہ گروہ اہل لطف کا ہے، اور ایک گروہ کہتا ہے کہ کرامت یہ ہے کہ حقتعالیٰ بندہ کو اپنی خواہش سے اسکی مراد سے ہٹا دے [illegible] مرادی کیساتھ اسکو مقہور رکھے اسطرح کہ اگر وہ پیاس کی حالت میں دریا پر جائے تو دریا بھی خشک ہو جائے، کہتے ہیں کہ بغداد میں دو درویش تھے اور بہت ہی بڑے دبدبہ والے تھے، ایک صاحب قہر تھا اور ایک صاحب لطف اور ہمیشہ انکی ایکدوسرے سے نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ اور ہر ایک اپنے معاملے کو دوسرے کے معاملہ سے افضل قرار دیتا تھا ایک کہتا کہ لطف حقتعالیٰ کیطرف سے بندہ پر اشرف و اعلیٰ ہے، کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِهٖ یعنی اللہ عزوجل اپنے بندوں پر مہربانی کرنیوالا ہے اور دوسرا

کہتا کہ قہر حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر سب اشیاء سے کامل تر بن فضیلت والا ہے، کیونکہ اس نے فرمایا ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ اور وہ اپنے بندوں پر قہر کرنے والا ہے اس سخن نے ان میں طول پکڑا یہانتک کہ حسن صلت نے مکہ معظمہ جانیکا قصد کیا جنگل میں جاگزین ہوا اور کئی سال تک اسکا پتہ کسی کو معلوم نہ ہوا یہانتک کہ ایک روز ایک آدمی مکہ معظمہ سے بغداد کو جا رہا تھا اسکو آپنے دیکھا اور فرمایا کہ اے بھائی، جب تو عراق میں پہنچے تو میرے اس رفیق کو جو کہ محلہ کرخ میں ہے کہدینا کہ اگر تو جنگل با مشقت کو طرح طرح کے عجائب کیساتھ مثل کرخ بغداد کے دیکھنا چاہتا ہے تو گویا یہ جنگل میرے حق میں مثل کرخ بغداد کے ہے تو اس نے اسکے رفیق کو بلا کر پیغام پہنچایا اس کے رفیق نے کہا کہ جب تو واپس جائے تو اسکو کہدینا کہ اس میں کوئی شرف نہیں کہ جنگل با مشقت کو تیرے حق میں انہوں نے مثل کرخ کے کیا ہے، یہانتک کہ تو درگاہ سے بھاگ نکلا بزرگی اور شرف ایسی تھا کہ بغداد کے محلہ کرخ کو تو عجائبات اور نعمتوں سے اپنے حق میں ایک با مشقت جنگل بناتا اور اس میں تو خوشی خوشی رہتا۔ اور شبلیؒ سے روایت ہے انہوں نے اپنی مناجات میں کہا۔۔ بار خدایا اگر آسمان کو میرے گلے میں طوق بناکر ڈالدے اور زمین کو بیڑی بناکر میری پاؤں میں ڈالدے اور تمام جہان کو اگر تو میرے خون کا پیاسا فرمادے تو میں کبھی بھی تیری اطاعت و فرمانبرداری سے باہر نہ نکلوں گا۔ اور میرے شیخ فرماتے ہیں کہ ایک سال اولیاء اللہ کا اجتماع ایک جنگل میں ہوا اور میرے پیر حصریؒ مجھے اس جنگل میں لے گئے اور ایک گروہ کو میں نے تخت پر آتے دیکھا۔ اور ایک گروہ کو تخت پر لاتے تھے، اور ایک گروہ ہوا میں پرواز کر رہا تھا۔ اور اس طریق سے ہر ایک آتا حصریؒ نے کسی کیطرف التفات نہ کیا یہانتک کہ میں نے ایک جوان دیکھا کہ جسکی جوتیاں ٹوٹی ہوئی تھیں اور عصا بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ اور پاؤں چلنے سے رہے ہوئے۔ ننگے سر اور سوکھی ہوئی ہڈیوں والا بدن بہت ہی کمزور اور نحیف ہو رہا تھا جب ظاہر ہوا۔ تو حصریؒ نے چھلانگ ماری اور اس کے سامنے گئے اور اسکو بلند درجہ پر [illegible] درمیان [illegible] تعجب پیش آیا [illegible] شیخ [illegible] پوچھا آپنے [illegible] کے ولیوں میں ایک ولی ہے، کہ وہ ولایت کے تابع نہیں ہے بلکہ ولایت اس کے تابع ہے۔ اور کرامتوں کیطرف بالکل توجہ نہیں کرتا۔ کلام کا ماحصل یہ ہے کہ جو کچھ ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ ہماری بلا ہوتی ہے، اور میں وہی چاہتا ہوں کہ جو خداوند کریم چاہتا ہے، یہانتک کہ مجھے حق تعالیٰ نے اس میں اسکی آفت سے بچائے رکھا ہے اور مجھے میرے نفس کی شرارت سے نگاہ رکھا ہے اگر قہر میں رکھے تو لطف کی خواہش میں

نہیں کرتا۔ اور اگر لطف میں رکھے تو مجھے قہر کی خواہش نہ ہوگی کیونکہ ہم کو اختیار پر اختیار نہیں ہے۔

نفی اور اثبات کی تعریف اور انکے فرق کے بیان میں

اور اس طریقت کے مشائخ آدمیت کی صفت کے محو کرنیکو اور ساتھ ہی تائید حق کے ثابت کرنے کو بات کہتے ہیں اور نفی کیساتھ بشریت کی صفت کی نفی چاہتے ہیں۔ اور اثبات کیساتھ حقیقت کے غلبہ کا ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ محو کل کا مٹانا ہوتا ہے اور نفی کل کی صفات کے سوا نہیں ہوتی، کیونکہ ذات پر بقائے بشریت کی حالت میں نفی صورت نہیں پکڑتی پس چاہیئے کہ جبتک نفی صفات مذمومہ کی ہو اور خصال محمودہ ثابت ہوں یعنی دعویٰ کی نفی خداوند تعالیٰ کی دوستی میں معنی کے ثابت کرنیکے ساتھ ہو کیونکہ دعویٰ نفس کی رعونتوں سے ہوگا اور صوفیوں کی اصطلاح میں جاری وساری ہے کہ جب اوصاف حقیقت کے غلبہ سے مقہور ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بقائے حق کے اثبات کے ساتھ بشریت کی صفات کی نفی ہے اور اسی معنی میں باب فقر اور صفوت اور فنا اور بقا میں کلام گذر چکا ہے اسی پر کفایت کرتا ہوں۔ اور نیز کہتے ہیں کہ اس نفی سے مراد خدا کا اختیار ثابت کرنے کیساتھ بندہ کا اختیار ہوگا اور اسی قبیل سے ہے کہ جو اس موفق نے کہا ہے کہ اختیار الحق لعبدہٖ مع علمہٖ لعبدہٖ خیر من اختیار عبدہٖ لنفسہٖ مع جھلہ بربہٖ یعنی اختیار خدا کا اپنے بندہ کیلئے ہے جو کچھ وہ اپنے بندہ کیلئے اختیار فرماوے وہ بہتر ہے اس سے کہ بندہ اپنے نفس کیلئے خود اختیار کرے کیونکہ بندہ اپنے پروردگار کیساتھ اپنے جہل کے ساتھ ہے اور پروردگار عالم اپنے بندہ کیساتھ اپنے علم کیساتھ ہے اسواسطے کہ دوستی محبوب کے اختیار ثابت کرنیکے سبب محب کے اختیار کی نفی ہوگی اور یہ سب کے نزدیک مقرر ہے، اور میں نے کتابوں میں پایا ہے کہ ایک درویش دریا میں غرق ہو رہا تھا ایک نے کہا کہ اے میرے بھائی اگر تو خواہش کرے تو میں تجھے بچانیکی کوشش کروں اس نے کہا کہ نہیں اس نے کہا کہ تو غرق ہونا چاہتا ہے اس نے کہا کہ نہیں اس نے کہا کہ بہت تعجب کی بات ہے کہ نہ تو ہلاکت کو اختیار کرتا ہے اور نہ ہی نجات کو اس نے کہا کہ مجھے نجات سے کیا کام ہے کہ میں اختیار کرتا پھروں میں اسی بات کو اختیار کرتا ہوں کہ جو حق تعالیٰ میرے لئے پسند فرمائے اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ کمترین درجہ دوستی میں اپنے اختیار کی نفی کرنی ہے پس اختیار خدا کا ازلی ہے کیونکہ اسکی نفی غیر ممکن ہے اور بندہ کا اختیار عارضی ہے اسکی نفی جائز ہو سکتی ہے انسان کو چاہیئے کہ اپنے عارضی اختیار کو پاؤں تلے روندے،

تاکہ ازلی اختیار باقی رہ جائے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر انبساطی حالت میں آئے تو حق تعالیٰ سے خواہش ظاہر کی کہ یا اللہ مجھے اپنا دیدار عطا فرما اپنے اختیار کو ثابت کرنے کی کوشش کی چنانچہ کہا رَبِّ اَرِنِیْ اے میرے پروردگار مجھے اپنا آپ دکھلا حق تعالیٰ نے فرمایا لَنْ تَرَانِیْ یعنی تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکیگا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ بارخدایا دیدار حق ہے اور میں مستحق ہوں اس منع کا حکم کیوں وارد ہوا ہے حکم ہوا کہ اے موسیٰ دیدار تو حق ہے مگر دوستی میں اختیار باطل ہے اور اس معنی میں کلام بہت ہے مگر میری مراد اس سے زیادہ نہیں ہے تاکہ تو جان لے کہ مقصود اس عبارت کا اس طائفہ کے نزدیک کیا ہے باللہ التوفیق کہ اس معنی کا تمام بیان جمع اور تفرقہ اور فنا اور بقا اور غیبت اور حضور کے ذکر میں گذر چکا ہے، جہاں صوفیوں کے مذہبوں کا ذکر ہے، وہیں صحو اور سکر اور ان معانی کے اشکال لایا ہوں اسجگہ تلاشی ہونا چاہیئے کیونکہ ان سب باتوں کے بیان کی وہی جگہ تھی۔ مگر ضرورت کی خاطر اسجگہ لایا ہوں تاکہ ہر ایک کا مذہب مفصل طور پر معلوم ہو جائے، واللہ اعلم بالصواب ۔

مسامرہ اور محادثہ کی تعریف اور انکے فرق کے بیان میں

مسامرہ اور محادثہ خدا کے راستہ کے کاملوں کے حالات کے دو حال ہیں اور حقیقت محادثہ کی یہ ہے کہ وہ ایک حدیث سر ہے جو زبان کی خاموشی کیساتھ ملی ہوئی ہو اور حقیقت مسامرہ سر کے پوشیدہ کرنے سے ہمیشہ خوش رہنا اور اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ مسامرہ رات کے وقتوں میں خدا کیلئے ایک وقت ہوا ہے ہوتا ہے، اور محادثہ دن کے وقتوں میں ایک وقت ہوتا ہے کہ اسمیں بندہ حق جل و علا کیساتھ سوال و جواب ظاہری و باطنی کرتا ہے اور اسی وجہ سے رات کی مناجات کو مسامرہ کہا جاتا ہے، اور دن کی دعاؤں کو محادثہ کہا جاتا ہے پس دن کا حال مبنی بر کشف ہے اور رات کا حال مبنی بر ستر ہے، اور دوستی میں مسامرہ کی حالت بہ نسبت محادثہ کے زیادہ کامل ہوتی ہے، اور مسامرہ کا تعلق پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے ہے، پس جب حق تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ آپ کیلئے ایک وقت ہو جائے، تو جبرائیل علیہ السلام کو براق کے ساتھ آپکے پاس بھیجا یہانتک کہ آپکو ایک ہی رات میں مکہ معظمہ سے قاب قوسین تک پہنچایا۔ خدا سے راز کی باتیں کہیں اور خدا سے راز کی باتیں سنیں جب انتہا کو پہنچے تو آپکی زبان گنگ ہوئی۔ کیونکہ جلال کا مکاشفہ ہوا اور آپ کا دل عظمت کی کنہہ میں متحیر ہوا اور آپ کا علم ادراک سے پیچھے کو مڑا اور آپ کی زبان بیان

کرنے سے عاجز ہوئی۔ آپ نے بیساختہ فرمایا لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ یعنی میں تیری صفت کا شمار نہیں کر سکتا۔ اور محادثہ کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کے حال کیسا تھ ہے کہ جب انکی مرضی ہوئی کہ اس کو حقتعالیٰ سے ایک مدت ملے۔ چالیس روز کے انتظار اور وعدہ گذرنے کے پیچھے دن میں کوہ طور پر تشریف فرما ہوئے اور خداوند تعالیٰ کا کلام سنا یہانتک خوش ہوئے کہ رویت کا سوال کیا اور اپنی مراد سے پیچھے رہے اور ہوش انکے رخصت ہوئے جب ہوش آیا تو عرض کی تُبْتُ اِلَیْکَ یعنی میں آپکی طرف رجوع کرتا ہوں۔ تاکہ فرق ظاہر ہو جائے درمیان اس شخص کے کہ جسکو لائے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی پاک ہے وہ ذات بابرکات کہ جس نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اپنے بندے کو سیر کرائی اور درمیان اس شخص کے کہ جو خود آیا وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا اور جب آیا موسیٰ اپنے مقامات کو پس رات تو دوستوں کی خلوت کا وقت ہے اور ان اوقات کی قدر منت کرنے کا وقت ہے اور جب بندہ اپنی مقررہ حد سے آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کو ڈانٹ دیتے ہیں پھر دوست کیلئے حد نہیں ہوتی تاکہ اسکے گذرنے سے ملامت کے سزاوار ہوں کیونکہ جو کچھ دوست کرتا ہے دوست کو پسند کرنیکے سوا چارہ نہیں واللہ اعلم

علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین کی تعریفیں اور انکے فرق کے بیان میں

جان تو کہ صوفیوں کے علم اصول میں سب اپنے معلوم کو جاننے سے مراد ہوتی ہے اور علم اپنے معلوم کے بیان کی صحت پر بغیر یقین کرنیکے خود علم نہیں ہوتا اور جب علم حاصل ہوا غیب انکیں مثل عین کے ہوا کیونکہ کل قیامت کے روز جو مومن حقتعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونگے وہ دیدار بھی اسی صفت پر ہوگا کہ جسکو آجکے دن جانتے ہیں اگر اسکے برخلاف دیکھیں گے یا تو بروز فردا دیدار صحیح نہ ہوگا یا آجکے دن کا علم صحیح نہ ہوگا اور یہ دونوں طرفین توحید کے مخالف ہیں کیونکہ آجکے دن مخلوق کا علم اسکے ساتھ صحیح ہوگا تو بروز فردا انکی رویت باری میں بھی صحیح ہوگی پس علم الیقین مثل عین الیقین کے ہو جاتا ہے، اور حق الیقین مثل علم الیقین کے ہو جاتا ہے اور جن لوگوں نے عین الیقین کو رویت میں علم کے استغراق کے ساتھ کہا ہے وہ محال ہے، کیونکہ رویت حصول علم کا ذریعہ ہے جیسے سماع اور مانند اسکے جب استغراق علم کا سماع میں محال ہوگا پس مراد اس طائفہ کی اس علم الیقین سے علم نزع کے موقع اور دنیا سے رخصت ہو جانے کے موقع پر ہے، اور حق الیقین سے بہشت میں کشف رویت سے عبارت ہے، اور نیز اس کے احوال کی

۱؎ یعنی حضور رسول اللہ صلعم (جن کو خدا نے خود بلایا) اور حضرت موسیٰ (جو خود سر طور آئے) کے درمیان فرق ہو جائے۔ (نامی)

کیفیت معاملہ کیساتھ پس علم الیقین علماء کا درجہ ہے کیونکہ وہ احکام امور پر استقامت فرماتے ہیں اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے کیونکہ وہ موت کی استعداد رکھتے ہیں۔ اور حق الیقین دوستوں کے فنا کی جگہ ہے، بموجب اسکے کہ وہ کل دنیا سے منہ موڑے ہوئے ہوتے ہیں پس علم یقین مجاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور عین الیقین مؤانست کیساتھ اور حق الیقین مشاہدہ کے ساتھ ہوتا ہے یہ ایک عام ہے اور وہ دوسرا خاص ہے اور وہ تیسرا خاص الخاص ہے واللہ اعلم بالصواب۔

علم اور معرفت کے فرق میں علمائے حقیقت نے تو علم اور معرفت میں کوئی فرق نہیں نکالا دونوں کو ایک ہی کہتے ہیں۔ ہاں اتنی بات تو انہوں نے ضرور فرمائی کہ عالم کہنا چاہیئے عارف نہ کہنا چاہیئے، کیونکہ اسمیں موافقت درست نہیں، مگر اس طریقت کے مشائخ فرماتے ہیں کہ علم تمام اور معاملت سے ملا ہؤا ہے، اور نیز اسکا عالم جو کچھ اپنے حال سے بیان کرتا ہے اسکو معرفت کہتے ہیں، اور بالخصوص اسکے عالم کو عارف کہتے ہیں۔ اور ہر علم کو جو معنی سے خالی ہو اور معاملات سے بھی خالی ہو اسکو علم کہتے ہیں۔ اور بالخصوص اسکے عالم کو عالم کہتے ہیں پس جو شخص کسی چیز کے معنی اور اسکی حقیقت سے واقف ہو اسکو عارف کہتے ہیں۔ اور جو کوئی صرف عبارت ہی کے یاد کرنے میں مشغول ہے اور اسکے معنی کو یاد نہ کرے اسکو عالم کہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے لوگ اس گروہ کو اپنے نزدیک خفت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اسکو دانشمند کہتے ہیں اور عوام لوگ اسکو برا جانتے ہیں۔ اور انکی مراد انکی خفت کرنا نہیں۔ بلکہ حصول علم سے انکی مراد خفت کرنا ہے بسبب ترک معاملات کے لِاَنَّ الْعَالِمَ قَائِمٌ بِنَفْسِہٖ وَالْعَارِفُ قَائِمٌ بِرَبِّہٖ اس لئے کہ عالم اپنی ذات سے قائم ہوتا ہے اور عارف اپنے پروردگار سے قائم ہوتا ہے، اور باب کشف الحجاب المعرفۃ میں اس بارے میں بہت کلام کیا گیا ہے اور اس جگہ اسی قدر کافی ہے، واللہ اعلم بالصواب:۔

شریعت اور حقیقت کی تعریف اور انکے فرق میں

اس قوم کیلئے یہ دو عبارتیں ہیں ایک تو حال کی صحت کو ظاہر کرتا ہے اور ایک باطن کے حال کی اقامت کو اور دونوں گروہ ان معنی میں غلطی کھائے ہوئے ہیں ایک تو علمائے ظاہری ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے اور یہ دین

ملحدین کا ایک گروہ ایک کے قیام کو بدون دوسرے کے روا رکھتا ہے اور کہتے ہیں کہ حقیقت کا حال منکشف ہوا تب شریعت اٹھ گئی۔ اور یہ کلام مشبہ اور قرامطہ اور مشبعہ اور موسوسان کا ہے، اور دلیل اسپر یہ لاتے ہیں کہ شریعت دراصل حقیقت سے جدا ہے کیونکہ تصدیق ایمان میں قول سے جدا ہے اور دلیل اسپر کہ تصدیق اصل میں قول سے جدا نہیں ہے یہ ہے کہ جیسے تصدیق بے قول ایمان نہیں ہوتا اور ایسے ہی قول بے تصدیق ایمانداری نہیں ہے اور قول اور تصدیق میں فرق ظاہر ہے پس حقیقت مراد ہے معنی سے کیونکہ نسخ اسپر روا نہیں اور آدم کے زمانے سے عالم کے فنا تک اسکا حکم متساوی ہے، جیسا کہ خدا کی معرفت اور اپنے معاملے کا خالص نیت کیساتھ صحیح ہونا، اور شریعت بھی معنی سے مراد ہے کیونکہ نسخ اور تبدیل روا ہوتا ہے جیسے کہ اوامر اور احکام پس شریعت بندہ کا فعل ہوتا ہے اور حقیقت خداوند کریم کی نگہداشت اور اسکی عصمت اور حفاظت ہوتی ہے پس وجود حقیقت کا قیام شریعت کے بغیر محال ہوگا اور قائم کرنا حقیقت کا بغیر حفاظت شریعت کے بھی محال ہوگا اور اسکی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص روح کیساتھ زندہ ہو جب روح اس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ بیجان ہو جاتا ہے بلکہ مردار ہو جاتا ہے، اور جان اور روح کی قیمت و قدر ایک دوسرے کے ملنے سے ہے ایسے ہی شریعت بے حقیقت ریا ہوتی ہے، اور حقیقت بے شریعت نفاق ہوتی ہے اور خداوند کریم نے فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور جو لوگ ہمارے راستہ کی کوشش کرتے ہیں ہم انکو ضرور راہ دکھلائیں گے اور مجاہدہ شریعت ہوئی اور ہدایت اسکی حقیقت، ایک تو بندہ کو اپنا اوپر احکام ظاہری کی پابندی لازم ہے اور دوسرا باطنی احوال میں بندہ پر خدا تعالیٰ کی حفاظت ہے پس شریعت کسبی چیز ہے اور حقیقت ..... وہبی ہے اور یہ حدیں وہ ہیں کہ انکے کلام میں استعارہ قبول کرتے ہیں اور تفصیل اور شرح اس کے حکموں کی بہت مشکل ہے اور میں مختصر طور پر اس نوع کا بیان کرتا ہوں، اَلْحَقُّ انکی مراد لفظ حق سے خداوند کریم ہے کیونکہ یہ ایک نام ہے خدا کے ناموں سے جیسا کہ فرمایا ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ اَلْحَقِيْقَةُ، انکی مراد حقیقت سے خداوند کریم کے وصل کے محل میں بندہ کا قائم ہونا ہے اور تنزیہ کے محل پر اسکا واقف ہونا۔ اَلْخَطَرَاتُ تفریق کے احکام سے جو کچھ دل پر گذرتا ہے، اَلْوَطَنَاتُ، جو کچھ سر میں معنی الٰہی سے وطن پذیر ہو، اَلطَّمْسُ وہ عین کی نفی ہوگی کہ اسکا اثر نہ رہے، اَلرَّمْسُ، جو دل سے نفی عین کی ساتھ اثر کے، العلائق، وہ اسباب ہیں کہ جن کیساتھ طالب تعلق کرتے ہیں اور اپنی مراد سے باز رہتے ہیں، اَلْوَسَائِطُ" وہ اسباب ہیں کہ جنکے تعلق سے مراد کو پہنچتے ہیں"، اَلزَّوَائِدُ، انوار کی زیادتی دل میں ہو گی

اَلْفَوَائِدُ اپنے بھید کو ضد دینا پالینا، اَلْمَلْجَاءُ دل کا بھروسہ مرلوب کے حصول پر اَلْمَنْجَا دل کا خلاصی پانا آفت کے محل سے اَلْکُلِّیَّۃُ بکلی آدمیت کے اوصاف کا مستغرق ہونا اَللَّوَائِحُ مراد کا ثابت ہونا اور اسکی نفی کا وارد ہونا اَللَّوَامِعُ نور کا دل پر اپنے فوائد کے بقا سے ظاہر ہونا اَلطَّوَالِعُ معارف کے انوار کا دل پر طلوع کرنا، اَلطَّوَارِقُ رات کی مناجات میں دل پر وارد ہونا کسی ڈانٹ کا یا بشارت کا اَللَّطَائِفُ حال کے دقیقوں سے دل کی طرف اشارہ کرنا، اَلسِّرُّ دوستی کے احوال کو چھپانا اَلنَّجْوٰی غیر کی اطلاع سے آفتوں کو چھپانا اَلْاِشَارَۃُ زبان کے بیان کے ماسوا غیر کو اپنی مراد سے خبر دینا اَلْاِیْمَاءُ کنایہ کے طور پر مطالب پر بغیر بیان کرنے زبان اور اشارہ کے اَلْوَارِدُ معنوں کا دل میں گھس جانا اَلْاِنْتِبَاہُ دل سے غفلت کا زائل ہونا، اَلْاِشْتِبَاہُ، باطل اور حق کی دونوں طرف میں حال، مشتبہ ہوجانا اَلْقَرَارُ حقیقت حال سے تردد و تفکر کا دور کرنا اَلْاِنْزِعَاجُ وحدانیت کی حالت میں دل کا متحرک ہونا بعض لفظوں کے معنی مختصر طور پر بیان کئے گئے ہیں واللہ اعلم۔

دوسری قسم شروع ہوتی ہے

اس نوع میں ان الفاظ کی حدیں ہیں کہ جنکو خداوند تعالٰی کی توحید میں استعمال کرتے ہیں اور بدون استعارہ کے حقیقتوں میں انکے اعتقاد بیان ہوتے ہیں۔ اور انہیں سب سے پہلے ایک اَلْعَالَمُ ہے اس سے مراد خداوند کریم کی تمام مخلوق ہے اور کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور فلاسفہ پنجاہ ہزار کہتے ہیں ایک عالم تو علوی ہے اور ایک عالم سفلی اور علما نے حقیقت کہتے ہیں کہ عرش سے تحت الثریٰ تک جو کچھ بھی ہے عالم ہے بہرحال مختلف چیزوں کے مجتمع ہونے کا نام عالم ہے اور اس طریقت کے اہل بھی عالم ارواح اور عالم نفوس کہتے ہیں۔ مگر انکی مراد وہ نہیں ہوتی کہ جو فلاسفہ کی ہے کیونکہ انکی مراد ارواح اور نفوس کا جمع ہونا ہے اَلْمُحْدَثُ، جو وجود میں پیچھے ہو یعنی پہلے نہ تھا پھر موجود ہوا اَلْقَدِیْمُ موجود جو ہمیں ایسا پہلے ہو کہ ہمیشہ سے تھا۔ اور اسکی ہستی سب ہستیوں سے پہلے ہو اور یہ بجز اللہ عزوجل کے اور کوئی نہیں، اَلْاَزَلُ جسکے لئے ابتدا نہیں اَلْاَبَدُ جسکے لئے انتہا نہیں ہے اَلذَّاتُ کسی چیز کی ہستی اور اسکی حقیقت اَلصِّفَۃُ، وہ ہے کہ جو صفت کو قبول نہ کرے کیونکہ اپنی ذات کے ساتھ نہیں ہے، اَلْاِسْمُ مسمٰی کا جو غیر ہو، اَلتَّسْمِیَۃُ مسمی سے خبر ہے اَلنَّفْیُ، جو ہر منفی کے عدم کو چاہیئے اَلْاِثْبَاتُ

وہ ہے کہ جو ثبت کے وجود کا متقاضی ہو، اَلْمِثْلَانِ" وہ ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے کیساتھ روا ہو، اَلضِّدَّانِ" وہ ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے بقا کیساتھ ایک ہی حال میں روا نہ ہو" اَلْغَيْرَانِ وہ ہیں کہ وجود ہر ایک کا دوسرے کی فنا کے ساتھ جائز ہو، اَلْجَوْهَرُ" چیز کا وہ اصل ہے کہ جو اپنی ذات سے قائم ہو، اَلْعَرَضُ" وہ ہے کہ جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔ اَلْجِسْمُ" وہ ہے کہ جو اجزائے پراگندہ سے ترکیب دیا گیا ہو، اَلسُّوَالُ" طلب کرنا حقیقت کا ہے، اَلْجَوَابُ" سوال کے مضمون سے خبر دینا ہے، اَلْحُسْنُ" وہ جو موافق امر کے ہو، اَلْقُبْحُ" وہ جو امر کے مخالف ہو، اَلسَّفَهُ" امر کی ترک ہوتی ہے، اَلظُّلْمُ" چیز کو اسکی جگہ پر نہ رکھنا اَلْعَدْلُ" چیز کو اسکی جگہ پر رکھنا۔ اَلْمِلْكُ" وہ ہے کہ جس کے عمل پر اعتراض نہ ہو سکے، یہ وہ حدیں مختصر طور پر بیان ہوئیں کہ طالب کو بدون ان کے چارہ نہیں۔

نوع آخر :- یہ وہ عبارت ہے کہ جو صوفیوں میں رواج پذیر ہے انکی شرح کرنے کی حاجت ضروری معلوم ہوتی ہے اور ان کا مقصود ان عبادتوں سے یہ ہے کہ اہل لغت کو معلوم ہو جائے۔ اور ظاہر لفظ سے دل کے معنوں کو جانیں تاکہ ایک کا جلد زوال ہو جائے اور دوسرا دل نشین ہو۔ اور صاحب خاطر کی اتنی طاقت ہو کہ وہ اسکو اس کے دل سے دور کر سکے اور اہل خاطر پہلی خاطر کے تابع ہوتے ہیں ان امور میں جو وہ خداوند کریم کی طرف سے بندہ پر بے وجہ آجائیں۔ اور کہتے ہیں کہ خیر نساج کو خاطر ظاہر ہوا کہ حضرت جنیدؒ دروازے پر ہیں آپنے چاہا کہ میں ان کو اپنے سے دور کروں اتنے میں دوسری خاطر نمودار ہو گئی اسکے دفع کرنے میں بھی مشغول ہوا تو تیسری خاطر آکر ظاہر ہوئی۔ باہر نکلے دیکھا تو جنیدؒ دروازے پر کھڑے ہیں انہوں نے کہا کہ اے خیر اگر تو پہلی خاطر کا پیرو ہوتا اور مشائخ کی سیرت بجالاتا تو اتنی دیر تک میں دروازے پر کھڑا نہ رہتا، اور مشائخ کہتے ہیں کہ اگر وہ خاطر تھی کہ جسکا اظہار خیر پر ہوا تو اس سے جنید کا کیا تھا کہتے ہیں کہ جب خیرؒ کے پیر حضرت جنید تھے تو ضرور پیر کو مرید کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے، اَلْوَاقِعُ سے یہ مراد ہے کہ جو دل میں ظاہر ہوتا ہے اور بقا پاتا ہے بخلاف خاطر کے کہ وہ دل میں تو آتا ہے مگر باقی نہیں ہو سکتا، جیسے کہ کہتے ہیں خَطَرَ عَلٰی قَلْبِیْ وَوَقَعَ فِیْ قَلْبِیْ یعنی خطرہ میرے دل پر ہوا ہے اور واقع میرے دل میں داخل ہوا ہے پس تمام خواطر کے محل ہیں۔ مگر ولی کے واقعات دل کے بغیر صورت نہیں پکڑتے، کیونکہ اس کے باطن میں سب خدا

کی باتیں ہونگی اور اسی سے ہے کہ جب مرید کو خدا کے راستہ میں کوئی رکاوٹ ظاہر ہو جائے تو اسکو قید کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکا اشکال اٹھ جائے تو اسوقت کہتے ہیں کہ واقعہ حل ہوا۔ مگر اہل تحقیق کہتے ہیں کہ واقعہ وہ ہوتا ہے کہ حل اس پر روا نہیں ہوتا۔ اور وہ جو حل ہو جاتا ہے اسکو خاطر کہتے ہیں۔ اسکو واقعہ نہیں کہتے کیونکہ اہل تحقیق کا بند حقیر چیز میں نہ ہوگا۔ اور ہر وقت اس کا حکم بدل جاتا ہے اور حال سے پھرتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اَلْاِخْتِیَارُ یعنی اختیار وہ ہے کہ خدا کے اختیار کو اپنے اختیار پر پسند کریں یعنی جو کچھ حق تعالیٰ نے ان کیلئے پسند فرمایا ہے نیکی اور بدی سے اسکو کافی خیال کریں، اور بندہ کا خدا کے اختیار کو پسند کرنا بھی خدا تعالیٰ کے اختیار کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پروردگار اسکو بے اختیار فرمادیتا اور وہ کبھی بھی اپنے اختیار سے فروگذاشت نہ کرتا۔ اور ابو یزیدؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ امین کون ہوتا ہے انہوں نے کہا کہ جسکا اپنا ذاتی اختیار نہ رہا ہو۔ اور فقط خدا کے اختیار کو اس نے پسند کیا ہو۔ اور جنیدؒ سے روایت ہے کہ ایکدفعہ آپ کو بخار آیا عرض کی کہ۔۔۔ بار خدایا مجھے عافیت دے آپ کے اندر سے آواز آئی کہ تو کون ہے جو ہمارے ملک میں کلام کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے میں اپنے ملک کی تدبیر کو تجھ سے بہتر جانتا ہوں میرے اختیار کو تو اختیار کر تجھے اپنے اختیار سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اَلْاِمْتِحَانُ، اس لفظ سے مراد اولیاء اللہ کے دل کا امتحان ہے طرح طرح کی آفتوں سے جو خدا کی طرف سے انپر آتی ہیں، جیسے خوف اور غم اور قبض اور ہیبت اور مانند اس کے جیسا کہ حق جل وعلا نے فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ یعنی یہی ہیں وہ لوگ کہ جنکے دل کو اللہ عزوجل نے تقویٰ کیلئے آزمایا ہے انکے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے، اور یہ درجہ بہت بلند ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اَلْبَلَاءُ، دوستوں کے بدن کا امتحان بلا کے ساتھ کئی طرح کی محنتوں اور بیماریوں اور تکلیفوں سے ہوتا ہے، اور جس قدر بلا بندہ پر زور پکڑے گی اسی قدر اسکو خدا کے ساتھ قربت ہوگی، کیونکہ بلا اولیاء اللہ کا لباس ہے اور اصفیاء کا گہوارہ ہے اور نبیوں کی غذا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا۔ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اور یہ

بھی فرمایا اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ[1] یعنی ہم نبیوں کا گروہ ہیں سب لوگوں سے بڑھکر ہم پر مصیبت آتی ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ سب لوگوں سے بڑھکر انبیاء پر بلا ہوتی ہے، پھر اس سے کچھ کم اولیاء پر، اور پھر اس سے کم درجہ بدرجہ سب پر الغرض قصہ مختصر یہ ہے کہ بلا تکلیف کا نام ہے کہ جو بندہ مومن کے دل اور بدن پر خدا کی طرف سے آتی ہے، کیونکہ حقیقت میں وہ نعمت ہوتی ہے بسبب اسکے اس کا بھید بندہ پر مخفی ہوتا ہے اسکی تکلیفوں پر تحمل کرنیسے اسکو ثواب ملتا ہے اور پھر جو کچھ بلا کافروں پر آتی ہے وہ بلا نہیں ہوتی بلکہ وہ بدبختی ہوتی ہے، اور کافروں کو کبھی بھی بدبختی سے شفا نہ ہوگی پس بلا کا مرتبہ امتحان سے بڑھکر ہے کیونکہ امتحان کی تاثیر بدن پر ہوتی ہے اور بلا کی تاثیر دل اور بدن دونوں پر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اَلتَّحَلِّیْ، قابل تعریف قوم کے ساتھ قول اور عمل میں مشابہت کا نام ہے اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَیْسَ الْاِیْمَانُ بِالتَّحَلِّیْ وَالتَّمَنِّیْ الا ما وقر فی القلوب وصدق العمل نہیں ہے ایمان ۔۔۔۔ ساتھ تحلی اور تمنی کے مگر وہ ہے کہ جو دلوں میں توقیر پیدا کرے اور عمل اسکو سچا کرے پس کسی گروہ میں اپنے آپکو مشابہ کرنا اور انکے معاملے کی حقیقت کو اختیار نہ کرنا تحلی کہلاتا ہے، اور وہ لوگ جو ظاہر میں مشابہت کرتے ہیں اور باطن میں قول و فعل کی مخالفت کرتے ہیں بہت جلد رسوا ہونگے اور ان کا راز آشکارا ہوگا، ہرچند کہ وہ اہل حقیقت کے نزدیک پہلے ہی سے رسوا ہوتے اور انکا راز آشکارا ہوتا ہے۔ اَلتَّجَلِّیْ تجلی خدا کے انوار کی تاثیر مقبولوں کے دل میں ہوتی ہے کہ وہ بسبب اس تاثیر کے اس قابل ہوجاتے ہیں کہ دل کے ساتھ حق تعالیٰ کو دیکھیں اور فرق درمیان رویت دل اور رویت عیاں کے یہ ہے کہ متجلی اگر دیکھنا چاہے تو دیکھتا ہے اور اگر نہ چاہے تو نہیں دیکھتا یا ایک وقت دیکھتا ہے اور ایک وقت نہیں دیکھتا، مگر اہل عیان بہشت میں اگر نہ دیکھنا چاہیں، تو یہ کبھی نہ ہوسکے گا کہ وہ نہ دیکھیں کیونکہ تجلی پر ستر روا ہوتا ہے اور رویت پر حجاب جائز نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اَلتَّخَلِّیْ تخلی بندہ کو خداوند کریم سے منع کرنے والے شغلوں سے منہ موڑنا ہے اور ایک اس سے دنیا ہے جو ہاتھ اس سے خالی کرے اور ایک عاقبت کا ارادہ ہے اس سے بھی دل کو خالی کرنا چاہیئے، تیسرا ہوا کی متابعت ہے جو بھید کو اس سے خالی کرے، اور چوتھا مخلوق کی صحبت ہے جو خود کو اس سے خالی کرے، اور دل کو ان کے اندیشہ سے خالی کرے،

[1] منتخب میں امثل کے معنے فاضل تر اور برگزیدہ تر لکھے ہیں اور اسکی جمع اماثل ہے۔

اَلشُّرُوْدُ: یہ آفتوں اور حجابوں اور بیقراری سے خلاصی پانے کیواسطے حق کی جستجو ہو گی کیونکہ طالب کی تمام بلائیں حجاب سے ہوتی ہیں پس اکثر طالبوں کو حجاب کے کشفوں میں اور انکے سفروں کو اور انکے ہر چیز کے تعلق کو شرود کہتے ہیں کیونکہ ابتداء طالب طلب میں بیقرار ہوتا ہے اور انتہا میں وصل سے قرار پکڑنیوالا ہوتا ہے اَلْقُصُوْدُ: انکی مراد قصود سے مقصود کی حقیقت کی طلب پر عزیمت کی صحت ہوتی ہے اور قصود اس طائفہ کا حرکت اور سکون میں بندھا ہوا نہیں ہے کیونکہ دوست دوستی میں اگرچہ ساکن ہو قاصد ہوتا ہے اور یہ عادت کے خلاف ہے کیونکہ قاصدوں کا قصد یا انکے ظاہر پر قصد سے تاثیر ہوتی ہے یا انکے باطن میں نشان ہوتا ہے سواان دوستوں کے کہ جو بے علت طلب کرتے ہیں اور اپنی حرکتوں کے بغیر قاصد ہوتے ہیں تو ان کی تمام صفتیں خود قصد ہوتی ہیں کیونکہ وہ انتظار کا قصد کرتے ہیں جب دوستی حاصل ہوئی تو سب کچھ قصد ہو جاتا ہے۔

اَلْاِصْطِنَاعُ اس سخن سے مراد یہ لیتے ہیں کہ جو بندہ کو خداوند تعالیٰ اسکے تمام نصیبوں کے فنا کے ساتھ اور اس کے نفس کے تمام حظوں کے زوال کیساتھ مہذب گروہ بنتا ہے اور اسکے نفس کے تمام اوصاف کو اس میں بدلنے والا کرتا ہے یہانتک کہ نفسانی اوصاف کی تبدیل اور لغوت کے زوال کیساتھ اپنے آپسے بے خود ہوجاتا ہے، اور اسدرجہ میں پیغمبر خاص کئے گئے ہیں اور اولیاء اس درجہ سے مخصوص نہیں ہیں اور مشائخ کا ایک گروہ انبیاء کے غیر اولیاء اللہ پر بھی اس معنی کو روا رکھتا ہے واللہ اعلم بالصواب:۔

اَلْاِصْطِفَاءُ اصطفار یہ ہوتا ہے کہ حقتعالیٰ بندہ کے دل کو خاص اپنی معرفت کیلئے فارغ کرتا ہے یہانتک کہ اپنی معرفت کی صفائی اسکے دل میں بچھا دیتا ہے اور اسدرجہ میں تمام مومن خاص و عام ایک جیسے ہیں چاہے عاصی ہوں یا مطیع ولی ہوں یا نبی جیساکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ یعنی پھر ہمنے کتاب کا وارث ان لوگوں کو اپنے بندوں سے بنایا کہ جنکو ہم نے چن لیا پس بعض ان سے اپنے نفس پر ظلم کرنیوالے ہیں۔ اور بعض انسے درمیانہ چال والے ہیں اور بعض انسے نیکیوں میں سبقت کرنیوالے ہیں۔ وَاللہُ اعلمَ اَلْاِصْطِلَامُ حق کی تجلیات ہیں جو بندہ کو مقہور کردیتی ہیں تاکہ نفی ارادت میں اسکا ولی امتحان ہو۔ اور قلب ممتحن اور قلب مصطلم دونوں ایک معنی میں ہیں، سوا اسکے کہ اصطلام زیادہ خاص اور رفیق بہ نسبت امتحان کے ہے اس طریقت کے اہل کے نزدیک

عبادتوں میں جاری سلدی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اَلرَّیْنُ۔ رین ایک دل پر حجاب ہوتا ہے جس کا کشف سوا ایمان کے نہیں ہوتا اور وہ حجاب کفر اور گمراہی کا ہے جیسا کہ خداوند کریم نے فرمایا اور کافروں کے دل کی صفت رین سے کی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ اس کا زوال خود بخود کسی صورت سے ممکن نہیں کیونکہ کافروں کا دل اسلام قبول کرنیوالا نہیں ہے اور جو کافر ایمان لاتے ہیں تو وہ خدا کے علم میں پہلے ہی سے مومن ہوتے ہیں۔

اَلْغَیْنُ۔ غین ایک دل پر حجاب ہوتا ہے کہ جو استغفار سے اٹھ جاتا ہے اور اسکی دو قسمیں ہیں، ایک خفیف اور دوسرے غلیظ۔ غلیظ تو صاحبانِ غفلت اور کبیرہ گناہگاروں کیلئے ہوتا ہے اور خفیف سب کے دل پر ہوتا ہے چاہے ولی ہوں یا نبی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ مِّائَۃَ مَرَّۃٍ تحقیق شان یہ ہے کہ میرے دل پر غین ڈالا جاتا ہے اور تحقیق میں اللہ عزوجل سے ہر روز استغفار سو مرتبہ کرتا ہوں پس غلیظ غین کیلئے توبہ ساتھ شرط کے چاہیئے اور خفیف کیلئے رجوع سچا خدا کی طرف چاہیئے اور توبہ پھرنا ہوتا ہے گناہوں سے فرمانبرداری کیطرف اور رجوع واپس ہونا ہے اپنے آپ سے خدا کی طرف پس توبہ تو جرم سے کرتے ہیں۔ اور جرم بندوں کا امر کی مخالفت ہوتا ہے اور دوست مخالف ارادے سے توبہ کرتے ہیں پس بندوں کا جرم معصیت ہوتا ہے اور دوستوں کا جرم اپنے آپکو دیکھنا اگر کوئی شخص کبائر سے توبہ کرے تو اسکو تائب کہتے ہیں۔ اور اگر غیروں سے محبت کی طرف کرے تو اسکو انابت کہتے ہیں۔ اگر اپنے سے خدا کی طرف رجوع کرے تو اسکو اوبت کہتے ہیں، اور یہ سب کچھ میں نے توبہ کے بیان میں مفصل بیان کیا ہے واللہ اعلم ۔

اَلتَّلْبِیْسُ، مخلوق کو کوئی چیز اسکی حقیقت کے مخالف دکھلانا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا وَلَلَبَسْنَا عَلَیْہِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ اور اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی شخص اس صفت سے متصف نہیں ہوسکتا، کیونکہ کافر کو مومن ہونے کی نعمت دکھاتا ہے اور مومن کو کافر کی نعمت دیتا ہے جبتک اس کے حکم کا اظہار ہوگا اور اسکی حقیقت ہر کسی میں ہوگی، اور جب ان میں سے کوئی شخص عمدہ خصلتوں کو بری صفتوں میں پوشیدہ کر دیتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تلبیس کرتا ہے، اور اس کے علاوہ اسکو اور کوئی

عبارت استعمال نہیں کرتے اور نفاق اور ریا کو تلبیس ..... نہیں کہتے کو اصل میں تلبیس ہوگی، کیونکہ تلبیس اس کے علاوہ حق کے فعل کی اقامت میں مستعمل نہ ہوگی،

۳ اَلشُّرْبُ، فرمانبرداری کی شیرینی اور کرامت کی لذت اور انس کی راحت کو یہ گروہ شرب کہتا ہے اور کوئی شخص شرب کی لذت کے سوا کوئی کام نہیں کرسکتا جیساکہ بدن کی سیرابی پانی سے ہوتی ہے ویسے ہی دل کی سیرابی طاعتوں کی حلاوتوں اور راحتوں سے ہوتی ہے، اور میرے شیخؒ فرماتے تھے کہ مرید بغیر شرب کے اور نیز عارف بغیر شرب کے معرفت اور ارادت سے بیگانہ ہوتے ہیں، کیونکہ مرید کو ضروری چاہیئے کہ اپنے کام میں شرب یعنی چاشنی پائے تاکہ خدا کی طلب اس کے ارادے میں جاگیر ہو لیکن عارف کو مولا کے شرب کے سوا کچھ نہ چاہیئے یا شرب اپنے نفس کیساتھ بھی نہ چاہیئے کیونکہ اگر نفس کیطرف رجوع کرے گا تو آرام نہ پائیگا واللہ اعلم بالصواب۔

۴ اَلذَّوْقُ، ذوق بھی مانند شرب کے ہے لیکن شرب سوا راحتوں کے مستعمل نہیں ہے اور ذوق تکلیف اور راحت دونوں کو خوب تحمل سے اٹھاتا ہے جیساکہ کوئی شخص کہتا ہے ذُقْتُ الْحَلَاوَۃَ وَذُقْتُ اَلْبَلَاءَ وَذُقْتُ الرَّاحَۃَ یہ سب درست ہیں، اور پھر شرب کو کہتے ہیں، شَرِبْتُ بِکَاْسِ الْوَصْلِ اَوْ بِکَاْسِ الْوُدِّ یعنی میں نے وصل کا پیالہ پیا یا محبت کا پیالہ پیا! اور اسکی مثل اور بھی بہت سے مقولے ہیں کیونکہ جب خداوند کریم نے شرب کی حدیث یاد کی تو فرمایا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْئًا یعنی کھاؤ اور پیو مزے سے اور جب ذوق کو یاد فرمایا تو فرمایا ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ یعنی چکھ تو کہ تو عزت والا کریم تھا اور دوسری جگہ فرمایا ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ یعنی دوزخ کی مس کو چکھو صوفیوں میں جو احکام رائج ہیں انکے الفاظ کی تعریفیں یہ ہیں کہ جنکو میں نے بیان کیا اور اگر ان سب کو احاطہ تحریر میں لاؤں تو کتاب لمبی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

گیارہواں کشف الحجاب سماع میں

جان تو کہ علم کے حصول کے اسباب پانچ ہیں۔ ایک سننا اور دوسرے دیکھنا اور تیسرے چکھنا چوتھے سونگھنا پانچویں چھونا اور خداوند کریم نے ..... یہ پانچ دروازے پیدا فرمائے ہیں اور ہر جنس کا علم ان میں سے ایک ایک کیساتھ وابستہ کیا ہے، جیساکہ سننے کیواسطے علم الاصوات ہے اور دیکھنے کیلئے

علم الالوان اور علم الاشکال ہیں۔ اور چکھنے کیلئے کڑوے میٹھے کا علم ہے اور سونگھنے کیلئے بدبو اور خوشبو کا علم ہے اور چھونے کیلئے نرم اور کھردرے پن کا علم ہے اور ان پانچ حواسوں سے چار کیلئے تو محل مخصوص ہیں اور ایک تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے یعنی سننے کا محل کان ہیں اور دیکھنے کا محل آنکھیں اور چکھنے کیلئے زبان اور سونگھنے کیلئے ناک اور چھونا تمام اعضا میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ آنکھ کے سوا دیکھ نہیں سکتے اور کان کے سوا سُن نہیں سکتے اور ناک کے سوا سونگھ نہیں سکتے، اور زبان کے سوا مزہ معلوم نہیں ہوتا۔ مگر تمام بدن چھونے سے نرم کو کھردرے سے اور گرم کو سرد سے معلوم کرسکتا ہے اور جواز کی رو سے یہ بات جائز ہوگی کہ ان میں سے ہر ایک تمام اعضا میں پھیلنے والا ہو جیسا کہ لمس اور معتزلہ کے نزدیک ہر ایک محلِ مخصوص کے سوا جائز نہ ہوگا کیونکہ ہر ایک کیلئے ایک محل مخصوص ہے ان کا یہ کہنا باطل ہے، کیونکہ لمس کے واسطے محل مخصوص نہیں اور جب ان پانچوں سے ایک مخصوص محل نہیں رکھتا۔ اور اس ایک کیلئے روا رکھتا ہے تو دوسروں کیلئے بھی اسیطرح جائز ہوگا، اور اسجگہ مراد اس ماجرا کے بیان کرنے کی نہیں ہے، مگر معنی کے بیان کی تحقیق کیلئے اسقدر بیان کرنیکے سوا میں نے کوئی چارہ نہ دیکھا پس وہ چار حواس کہ جنکا ذکر پہلے گذرا پانچویں کے بغیر کہ سمع ہے ایک دیکھتا ہے اور ایک سونگھتا ہے اور ایک چکھتا ہے اور ایک گھستا ہے اور ..... اس عالم کے نادرات کو دیکھنا اور خوش چیزوں کو سونگھنا۔ اور عمدہ نعمتوں کو چکھنا اور نرم چیزوں کو گھسنا اور سننا آوازوں کا جائز ہے عقل کی دلیل ہوتی ہے، اور خداوند کریم کی طرف وہ راہ نمائی کرتی ہے، کیونکہ جان لیتا ہے کہ عالم محدث ہے اور محل تغیر کا ہے اور جو کوئی حادث سے خالی نہ ہوگا محدث ہوگا اور اس کا پیدا کرنیوالا... اس کی جنس سے نہیں کیونکہ یہ مکوّن ہے یعنی مخلوق ہے اور اسکا پیدا کنندہ مکوِّن یعنی خالق ہے اور یہ جسم دیا گیا ہے اور اسکا پیدا کرنیوالا جسم عطا کرنیوالا ہے، اسکا پیدا کنندہ لاتناہی ہے اور وہ متناہی ہے اور تمام چیزوں پر... قادر ہے اور نیز تمام کاموں پر قوت والا ہے اور تمام معلومات کا جاننے والا ہے اور اس کا تصرف ملک میں جائز ہے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنے رسولوں کو اس نے سچی دلیلوں اور برہانوں سے بھیجا لیکن رسولوں کی اطاعت اسوقت تک واجب نہیں ہوتی جبتک معرفت کا وجوب اپنی سماعت سے معلوم نہ کرلے، اور جو کچھ شرع اور دین کا موجب ہے اور اسیوجہ سے اہلسنت کان کو آنکھ پر فضیلت دیتے ہیں اور اگر کوئی خطا کار یہ کہے کہ کان محل خبر کا ہے اور آنکھ جگہ دیکھنے کی اور خداوند کریم کا دیدار فضیلت

والا ہے اسکے کلام کے سننے کیوجہ سے لہذا چاہیئے کہ آنکھ فضیلت والی ہو کان سے میں کہتا ہوں کہ ہم سمع ہی سے جانتے ہیں کہ مومنوں کو بہشت میں خداوند کریم کی رویت جائز ہوگی کیونکہ عقل کیساتھ دیدار کے جواز میں اس کا حجاب کشف سے بہتر ہوگا کیونکہ ہم نے خبر کے ساتھ جانا ہے کہ مومنوں کو بہشت میں دیدار ہوگا۔ اور وہ مکاشف ہونگے اور حجاب انکی آنکھوں سے اٹھ جائیگا یہانتک کہ اللہ عزوجل کو دیکھیں گے پس سمع بصر سے فضیلت والی ہوئی اور نیز شریعت کے تمام احکام سمع پر مبنی ہیں۔ اگر سمع نہ ہوتا اس کا ثبوت محال تھا اور نیز انبیاء علیہم السلام جو آئے پہلے انہوں نے کہا جو لوگ ان کی باتوں کو سننے والے ہوئے وہ ایماندار مطیع ہوئے پھر انہوں نے معجزے دیکھے اور معجزہ کے دیکھنے میں بھی اس کی تائید سمع کے ساتھ تھی۔ اور ان دلائل کے ساتھ جس کسی نے سماع کا انکار کیا انہوں نے تمام شریعت کا انکار کیا، اور اس کا حکم ان پر پوشیدہ ہوا اور اب میں اس کا پورا پورا حکم ظاہر کروں گا اگر خدا کی مرضی ہوئی۔

قرآن مجید کا سننا اور اُسکے متعلقات کا بیان

سب سننے والی چیزوں سے بڑھکر جو کہ دل کو فائدہ دے اور بھیدوں میں ترقی کرے اور کانوں کی لذت کو بڑھائے خداوند عز اسمہ کے کلام کو سننا ہے اور تمام ایماندار اس کے سننے کیلئے مامور ہیں، اور تمام کافر چاہے آدمیوں کی جنس سے ہوں یا جنوں کی جنس سے ہوں کلام خداوندی سننے کے مکلف ہیں، اور قرآن کریم کے معجزوں سے ایک یہ بھی معجزہ ہے کہ اسکے پڑھنے اور سننے سے انسان کو ملال نہیں ہوتا کیونکہ اس میں رقت بہت ہے، یہانتک کہ کفار قریش راتوں کو چھپکر آتے اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے تھے اور وہ سنتے تھے جو کچھ حضور علیہ السلام پڑھتے تھے، اور متعجب ہوتے تھے جیسے کہ نضر بن حارث جو ان سب سے زیادہ فصیح تھا اور عتبہ بن ربیعہ جو کہ بلاغت میں جادو دکھلاتا تھا اور ابوجہل بن ہشام کہ جو خطبوں اور دلیلوں میں ید بیضا کیطرح معجزہ نما تھا اور نظم ظاہر کرتا تھا انکی مانند اور بھی بہت ہیں یہانتک کہ ایک رات حضور علیہ السلام ایک سورت پڑھ رہے تھے عتبہ بیہوش ہوکر گر پڑا اور ابوجہل کو کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے اور خداوند کریم نے جنوں کو بھیجا اور وہ فوج فوج ہوکر آئے، اور خدا کا کلام انہوں نے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

کہ خدا عزاسمہ نے فرمایا فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا پس انہوں نے کہا کہ ہم نے عجب قرآن سنا ہے پھر اللہ عزوجل نے ہمکو جنوں کے کلام سے خبر دی کہ یہ قرآن بیماردلوں کو صواب کی طرف راہ دکھلانے والا ہے اور فرمایا یھدی الی الرشد فامنا بہ ولن نشرک بربنا احدا یعنی یہ قرآن ہدایت کی راہنمائی کرتا ہے پس ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز اپنے پروردگار سے کسی کو شریک نہ ٹھیرائینگے ہیں اسکی نصیحت سب نصیحتوں سے اچھی ہے، اور اس کے لفظ سب لفظوں سے مختصر ہیں۔ اور اس کا حکم سب حکموں سے زیادہ لطیف ہے اور اسکی نہی سب نہیوں سے زیادہ ڈانٹ اور جھڑکی والی ہے اور اسکے وعدے سب وعدوں سے دلربا ہیں اور اسکی وعید سب وعیدوں سے زیادہ جانگداز ہے اور اس کا قصہ سب قصوں سے مشیح تر اور اسکی مثالیں سب مثالوں سے زیادہ فصیح ہیں، اور ہزاروں دل اس کے سماع سے شکار ہوئے ہیں۔ اور ہزاروں جانیں اسکے لطیفوں سے بلا کی غارت میں پڑی ہیں۔ اور دنیا کے عزیزوں کو ذلیل کرتا ہے اور دنیا کے ذلیلوں کو عزیز کرتا ہے، جب عمر بن الخطاب نے سنا کہ ان کی بہن اور اس کا داماد دونوں مسلمان ہوئے ہیں تو آپ نے تلوار سونت کر ان کے قتل کے ارادے سے ان کیطرف قصد کیا ، اور اپنے دل کو ان کی محبت سے خالی کیا تب اللہ عزوجل نے اپنی مہربانی کے ایک لشکر کو سورہ طٰہٰ کے گوشوں میں گھات میں بٹھایا جب اپنی ہمشیرہ کے گھر کے دروازے پر آئے تو اس کی ہمشیرہ پڑھ رہی تھی طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی الا تذکرۃ لمن یخشی الخ یعنی یہ قرآن ہم نے تجھپر اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑے مگر یہ ڈرنے والوں کے واسطے نصیحت ہے، لہذا عمر کی جان اسکی باریکیوں کی شکار ہوئی اور ان کا دل جو فراق میں بندھا ہوا تھا اس کے لطائف کا شکار ہوا صلح کا راستہ ڈھونڈا۔ اور لڑائی کا لباس اتار مخالفت سے موافقت کی طرف آیا اور مشہور ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ کے سامنے صحابہؓ نے یہ آیت پڑھی ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذا غصۃ وعذابا الیما، یعنی تحقیق ہمارے پاس عذاب اور دوزخ اور کھانا گلا گھونٹنے والا اور عذاب دردناک ہے تو آپ بیہوش ہوکر گر پڑے اور بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مرد نے عمرؓ کے سامنے اس آیت کو پڑھا کہ ان عذاب ربک لواقع ما لہ من دافع یعنی تحقیق تیرے پروردگار کا عذاب واقع ہونیوالا ہے اسکو کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے یہ آیت سنتے ہی آپ نے نعرہ مارا اور بیہوش ہوئے آپکو صحابہ اٹھا کر گھر میں لے گئے یہانتک کہ خدا تعالیٰ کے خوف سے ایک ماہ تک بیمار رہے،

اور کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن حنظلہ کے سامنے اس آیت کو پڑھا۔ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ یعنی ان کیلئے جہنم سے گہوارہ ہے اور ان کے اوپر سے پردہ ہے، اسکو سنتے ہی آپ بے اختیار رونے لگے حکایت کرنیوالا بیان کرتا ہے کہ میں نے معلوم کیا کہ روح اس کے قالب سے نکل گئی ہے، پھر کھڑا ہو گیا انہوں نے کہا کہ اے استاد بیٹھ جاؤ اس نے کہا کہ اس آیت کی ہیبت مجھے بیٹھنے نہیں دیتی، اور کہتے ہیں کہ جنید کے روبرو کسی نے یہ آیت پڑھی کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ یعنی اے لوگو جو کہ ایمان لائے ہو کیوں کہتے ہو وہ چیز کہ جو تم نہیں کرتے آپ نے کہا کہ... بار خدایا إِنْ قُلْنَا قُلْنَا بِكَ وَإِنْ فَعَلْنَا فَعَلْنَا بِتَوْفِيقِكَ فَأَيْنَ بِي الْقَوْلِ۔ اگر کہیں گے ہم تو کہیں گے ہم تیرے ساتھ اور اگر عمل کریں گے ہم تو عمل کریں گے تیری توفیق روایت سے پس کہاں ہیں باتوں میں منہمک ہونیوالے اور شبلیؒ سے روایت ہے کہ آپ کے سامنے کسی نے پڑھا ، وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ اور یاد کر تو اپنے پروردگار کو جس وقت تو بھول جائے، اس نے کہا کہ شرط ذکر کی نسیان میں ہے، اور تمام جہان اس کے ذکر میں عاجز رہے ہیں۔ اور نعرہ مار کر بیہوش ہوا جب ہوش آیا۔ کہا کہ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص کی جان سے کہ جو خداوند کریم کا کلام سنے مگر قالب سے باہر نہ نکلے، اور مشائخ میں سے ایک کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ کلام اللہ کی آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ پڑھ رہا تھا، ہاتف نے آواز دی کہ آہستہ پڑھ کیونکہ چار جن اس آیت کی ہیبت سے مر چکے ہیں، ایک درویش نے کہا کہ میں نے دس سال کے عرصہ سے قرآن کریم نماز میں جواز کے درجہ سے زیادہ نہ تو کبھی پڑھا ہے اور نہ ہی سنا ہے، انھوں نے کہا کیوں، کہا کہ اس خوف سے کہ کہیں مجھ پر حجت نہ ہو جائے، ایک دفعہ میں شیخ ابو العباس شقانیؒ کے پاس آیا میں نے انکو پایا کہ آپ پڑھ رہے تھے، ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ (مثال دی اللہ نے مملوک بندہ کی کہ جو کسی چیز پر قدرت نہیں سکتا) اور رو رہے تھے حتیٰ کہ آپنے نعرہ مارا مجھے معلوم ہوا کہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، میں نے کہا کہ اے شیخ یہ کیا حالت ہے، اس نے کہا کہ گیارہ سال کا عرصہ ہوا ہے کہ میرا ورد یہیں تک ہے اسجگہ سے آگے نہیں گذر سکتا۔ اور ابو العباس عطار سے انہوں نے پوچھا کہ شیخ ہر روز کتنا قرآن پڑھتے ہیں۔ کہا کہ اس سے پیشتر تو ایک رات دن میں دو ختم کرتے تھے مگر ابھی چودہ برس ہوتے ہیں کہ ابھی تک سورۃ الانفال پر آج کے دن پہنچا ہوں کہتے ہیں کہ ابو القاسم قادری کو آپنے فرمایا کہ پڑھ،

اس نے پڑھا، یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَھْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ (اے عزیز ہم کو اور ہمارے اہل کو تکلیف پہنچی ہے اور ہمارے پاس اثاثہ بہت تھوڑا ہے، پھر فرمایا پڑھ اُس نے پڑھا کہ قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ (انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی تو اس کے پہلے اسکے بھائی نے بھی چوری کی تھی) پھر فرمایا پڑھ اس نے پڑھا، لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ الایہ (آجکے دن تمپر کوئی ملامت نہیں بخشدیگا اللہ عز اسمہٗ تم سب کو) پھر اس نے کہا کہ ... بار خدایا میں بسبب ظلم ... یوسف کے بھائیوں سے بھی بڑھکر ہوں اور تو کرم میں یوسف سے زیادہ ہے تو میرے ساتھ وہی معاملہ فرما جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کیا، اور باوجود اس کے سب اہل اسلام کیا مطیع اور کیا نافرمان قرآن کریم کے سننے پر مامور ہیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (اور جسوقت قرآن پڑھا جائے پس سنو تم اس کو اور چپ کرو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو) اس آیت میں خاموشی کیساتھ سننا آیا ہے جس حال میں کہ کوئی پڑھ رہا ہو۔ اور نیز فرمایا فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ الایۃ (پس خوشخبری دیجیے میرے ان بندوں کو جو سنتے ہیں قول کو پس پیروی کرتے ہیں احسن بات کی) یعنی، اس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں اور تعظیم کیساتھ سنتے ہیں۔ اور نیز فرمایا اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام انکے روبرو لیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف الٰہی سے کانپ اٹھتے ہیں) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (وہ لوگ کہ جو ایمان لائے ہیں ان کے دل اللہ کے ذکر کیساتھ اطمینان پکڑتے ہیں خبردار اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں) اور اس کی مثل بہت آیتیں ہیں کہ جو اس قول کی تاکید کرنے والی ہیں پھر برعکس اس کے اس قوم کی کہ جو حق کلام کو سنتے ہیں اور کان سے دل کی طرف راہ نہیں دیتے فرمایا خداوند کریم نے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَةٌ (مہر کی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ ہے) یعنی کافروں کے تمام مواضع میں لگا دیے گئے ہیں۔ اور نیز فرمایا کہ قیامت کے روز دوزخی کہیں گے لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (اگر ہم حق بات کو سنتے یا اسکو سمجھتے تو ہم دوزخ میں گرفتار نہ ہوتے) اور فرمایا وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَھُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرًا یعنی ایک گروہ تجھسے سنتا ہے اور انکے

دل پر حجاب ہوتا ہے اور ان کے کانوں میں بہرا پن ہے، وہ ایسے ہو جاتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں، اور نیز فرمایا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ یعنی شکایت کی رو سے فرمایا کہ اس گروہ کی مثل مت ہو جاؤ۔ کہ جو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے ہیں، یعنی سنتے تو ہیں مگر دل سے نہیں سنتے، اور اسکی مثل اور بہت سی آیتیں کتاب اللہ میں موجود ہیں اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، کہ آپ نے ابن مسعودؓ کو فرمایا اِقْرَأْ عَلَيَّ فَقَالَ أَأَقْرَأُهُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي کہ تو مجھے قرآن پڑھ یعنی مجھے سنا عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا میں آپکو پڑھ کر سناؤں حالانکہ قرآن آپ پر نازل کیا گیا ہے پس فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے میں اپنے غیر سے سننے کو محبوب رکھتا ہوں۔ یہ دلیل اس امر پر واضح ہے کہ سننے کی خواہش کرنے والا بہت ہی کامل حال ہوتا ہے بہ نسبت قاری کے کیونکہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے غیر سے سننے کو بہت محبوب رکھتا ہوں۔ کیونکہ قاری اپنے حال سے پڑھتا ہے، یا غیر کے حال سے پڑھتا ہے اور سماعت کی طلب کرنیوالا بجز حال کے نہیں سنتا، کیونکہ نطق میں ایک قسم کا تکبر پایا جاتا ہے اور سننے میں ایک قسم کی تواضع پائی جاتی ہے اور نیز فرمایا پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے شَيَّبَتْنِيْ سُوْرَةُ هُوْدٍ یعنی سورہ ہود کی سماعت نے مجھے بوڑھا کیا، کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ سورہ ہود کے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی کہ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (پس استقامت کر تو جیسا کہ تو حکم کیا گیا) اور آدمی عاجز ہے استقامت سے خدا کا مامور ہے حقیقت میں کیونکہ بندہ توفیق حق تعالیٰ کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا پس جب آپ نے سنا فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (استقامت کر تو جیسا کہ تو حکم کیا گیا ہے) تو آپ متحیر ہوئے اور فرمایا کہ یہ کسطرح ہو گا کہ میں اس حکم پر قائم رہ سکوں بسبب تکلیف اسکے دل سے قوت رخصت ہوئی، اور تکلیف پر تکلیف بڑھی۔ یہانتک کہ آپ ایک دن اپنے گھر سے اٹھے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھا اور زور لگایا۔ ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی کہ یا رسولِ خدا یہ کیا حال ہے آپ تو ابھی جوان اور تندرست ہیں۔ فرمایا سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے یعنی اس امر کے سماع نے میرے دل پر اتنا دباؤ ڈالا کہ میری قوت مجھ سے رخصت ہوئی، اور جناب کا صحابی ابو سعید خدریؓ روایت کرتا ہے کہ كُنْتُ فِيْ عِصَابَةٍ فِيْهَا ضُعَفَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَإِنَّ بَعْضَهُمْ

يَسْتَتِرُ بَعْضًا مِنَ الْعُرْيِ وَقَارِئٌ يَقْرَأُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَسْتَمِعُ الْقِرَاءَةَ قَالَ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى قَامَ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَآهُ الْقَارِئُ سَكَتَ قَالَ فَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا كَانَ قَارِئٌ يَقْرَأُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَسْتَمِعُ بِقِرَاءَتِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ وَسْطَنَا لِيَعْدِلَ نَفْسَهٗ فِيْنَا ثُمَّ قَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا فَتَحَلَّقَ الْقَوْمُ فَلَمْ يَعْرِفْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ اَحَدًا قَالَ فَكَانُوْا ضُعَفَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْشِرُوْا صَعَالِيْكَ الْمُهَاجِرِيْنَ بِالْفَوْزِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَاءِكُمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسَ مِائَةِ عَامٍ۔ کہ میں ضعفائے مہاجرین کے ایک گروہ کے ساتھ تھا ان کے بعض اعضا ننگے تھے، حجاب میں تھے اور قاری قرآن پڑھتا تھا اور ہم سنتے تھے، یہانتک کہ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوئے اور ہمارے سر پر کھڑے ہوئے جب قاری نے حضور کو دیکھا تو خاموش ہوا۔ اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر سلام کہا، اور فرمایا کہ تم کیا کر رہے تھے میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ قاری پڑھتا ہے اور ہم سنتے ہیں اسکی قرأت کو اسوقت حضور نے فرمایا الحمد للہ کہ اللہ عزوجل نے میری امت میں ایک ایسا گروہ پیدا فرمایا کہ مجھے حکم دیا کہ ان کی مجلس میں صبر کروں۔ پھر آپ ہمارے اندر ایسے طور پر بیٹھے کہ جیسے آپ ہم سے ایک ہیں آپ نے اپنے آپکو ہمارے برابر کیا پھر حضور علیہ السلام نے ہاتھ سے فرمایا کہ ایسا کرو پس قوم نے حلقہ باندھا، پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے نہیں پہچان سکتے تھے، پھر آپ نے ان کو فرمایا کہ اے مہاجرین فقراء تم کو قیامت میں کامل فتحمندی پر بشارت ہو کیونکہ تم بہشت میں دولتمندوں سے پہلے نصف دن داخل ہوگے اور وہ پانچسو برس ہوتے ہیں اس حدیث کو حضرت جنیدؒ مختلف طور سے لائے ہیں مگر لفظی اختلاف ہے معنی ایک ہی ہیں اور بالکل درست ہیں۔ یعنی یہ حدیث معناً صحیح ہے لفظ مختلف ہیں۔

فصل

اور زرارہ بن ابی اوفیؓ کبار صحابہؓ سے ... لوگوں کے امام تھے، آپنے ایک آیت پڑھی اور نعرہ مارا اور جان دی ابو جعفر بزرگ تابعینوں میں سے تھا، صالح مریؒ نے آپکے سامنے آیت پڑھی آپ جان

بحق تسلیم ہوئے اور ابراہیم نخعیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں کوفہ کے دیہاتوں سے ایک گاؤں میں پہنچا۔ ایک بڑھیا عورت کو میں نے نماز میں کھڑے ہوتے دیکھا نیکبختی کے آثار اسپر ظاہر ہو رہے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوئی میں نے تبرک کے طور پر سلام عرض کیا اس نے مجھسے کہا کہ تو قرآن جانتا ہے میں نے کہا کہ ہاں اس نے کہا کہ ایک آیت پڑھ میں نے پڑھی اُس نے نعرہ مارکر جان دیدی اور خدا کے دیدار سے مشرف ہوئی لاانتدکی ان دونوں پر رحمت ہو۔ اور احمد بن ابی الحواریؒ روایت کرتے ہے کہ میں نے جنگل میں ایک جوان کو دیکھا کہ جس پر میلی سی گودڑی تھی کہ کنویں کے کنارے پر کھڑا ہیں اس نے مجھسے کہا کہ اے احمد! تو ایسے وقت میں پہنچا ہے کہ مجھے سماع کی ضرورت تھی، کوئی، آیت پڑھ تاکہ میں جان و دل سے سنوں احمد فرماتے ہیں کہ اسوقت مجھے اللہ عزوجل کی طرف سے اس آیت کے پڑھنے کا الہام ہوا، اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (تحقیق وہ لوگ کہ جو کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسپر قائم رہتے ہیں) اس جوان نے کہا کہ اے احمدؒ مجھے اب کعبہ کی قسم ہے کہ تو نے وہی آیت پڑھی ہے کہ جو اسوقت فرشتہ میرے سامنے پڑھ رہا تھا اسی وقت جان دیدی اور اگر تمام حکایتوں کو جو اس معنی سے ملی جلی ہیں لاؤں تو میں اپنی مراد سے رک جاؤنگا۔ وباللہ التوفیق۔

شعر کے سماع میں اور اسکے متعلقات میں

الغرض شعر کا سننا مباح ہے اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سنے ہیں اور صحابہؓ نے شعر کہے ہیں، اور سنے ہیں، اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے، اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً اور نیز فرمایا وَالْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا یعنی شعر حکمت ہے اور حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے جبکہ اسکو پالے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، اور نیز پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَتْھَا الْعَرَبُ قَوْلُ لَبِیْدٍ یعنی سب کلموں سے سچا کلمہ وہی ہے جو کہ عرب کے شاعر لبید سے نقل کرتے ہیں" شعر "

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ ۔ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ یعنی آگاہ ہو اللہ کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں۔ اور ہر نعمت ضرور زائل ہونیوالی ہے، اور عمرو بن شرید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اِسْتَنْشَدَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ تَرْوِیْ مِنْ شِعْرِ اُمَیَّۃَ ابْنِ اَبِی الصَّلْتِ شَیْئًا فَاَنْشَدْتُہٗ مِائَۃَ قَافِیَۃٍ فَجَعَلْتُ کُلَّمَا مَرَرْتُ عَلٰی بَیْتٍ قَالَ ھِیْہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ کَانَ یُسْلِمُ فِیْ شِعْرِہٖ کہ حضور علیہ السلام نے مجھسے فرمایا کہ کیا امیہ بن ابی الصلت کے شعروں سے تجھے کچھ یاد ہے ہیں نے کہا کہ ہاں میں نے ایک سو شعر روایت کئے جب آخری بیت کو میں ختم کرتا تو آپ فرماتے تھے ہیہ یعنی اور کہو پس فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ اپنے شعروں میں اسلام لاتا ہے مثل اسکی بہت روائتیں ہیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگ اسمیں غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور ایک گروہ تمام اشعار کا سننا حرام ٹھیراتا ہے اور رات اور دن مسلمانوں کی غیبت کرتے رہتے ہیں اور ایک گروہ سب قسم کے اشعار کا سننا حلال کہتا ہے، رات دن غزلوں میں معشوق کے منہ اور خالوں اور زلفوں کا تذکرہ سنتے رہتے ہیں۔ اور اس معنی میں ہر ایک ایک دوسرے پر حجت سے کام لیتا ہے، میری مراد ان کی گفت اور شنود سے اثبات اور نفی کی نہیں ہے، مگر صوفیوں کا مذہب اس میں یہ ہے کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا کَلَامٌ حَسَنُہٗ حَسَنٌ وَقَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ یعنی وہ ایک کلام ہے، اس کا اچھا اچھا ہے اور بُرا بُرا ہے یعنی جن باتوں کا نثر میں سننا حلال ہے جیسے حکمت وعظ اور خداوند کریم کی آیات میں استدلال سے کام لینا اور خدا کے شواہد پر نظر کرنی تو انہی باتوں کو نظم میں سن لینا بھی حلال ہے اور ماحصل یہ ہے جیسا کہ خوبصورتی اور جمال پر نظر کرنا جو کہ آفت کا محل ہو اور اسکا دیکھنا اور چھونا بھی ممنوع ہوگا ویسے ہی اسکا سننا بھی نظم اور نثر میں حرام اور ممنوع ہوگا اور اس کی صفت کا سننا بھی اسی وجہ سے حرام ہوگا اور جو لوگ اسکو مطلق حلال کہتے ہیں۔ تو دیکھنے اور سننے کو بھی حلال کہنا چاہیئے، پھر یہ کہنا کفر اور بیدینی ہوگا۔ اور جو شخص کہتا ہے کہ میں آنکھ اور خد اور خال اور زلف میں سب حق کو سنتا ہوں اور حق ہی کو ڈھونڈتا ہوں یہاں واجب کرتا ہے کہ یہ ساتھ دوسرے کے کہے کہ میں دیکھتا ہوں۔ کئی دفعہ کیونکہ ایک شخص کو جسکی صفت سننا روا ہوتا ہے دوسرے کو اس کا دیکھنا روا ہوتا ہے اور کہے کہ میں بھی اس میں حق کو دیکھ رہا ہوں۔ اور ڈھونڈ رہا ہوں۔ اور کہے کہ کوئی خواہش کسی دوسری خواہش سے بہتر نہیں ہے، کہ جس سے معنی کا ادراک ہو سکے، پھر تو شریعت بالکل مہمل ہو جائیگی، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ یعنی آنکھیں زنا کرتی ہیں، اس کا حکم اٹھ جاتا ہے اور محرموں کے چھونے کی ملامت منقطع ہو جاتی ہے، اور نیز شریعت کی حدیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور یہ ظاہری گمراہی ہوتی ہے لو جسوقت جاہل صوفیوں نے مستغرقین مستمعین کو دیکھا کہ حال سے کرتے ہیں

ان کے حال سے انہوں نے معلوم کیا کہ نفس سے کرتے ہیں جب ان کو دیکھتے ہیں انہوں نے کہا حلال ہے اگر حلال نہ ہوتا تو یہ نہ کرتے، انہوں نے تقلید ظاہر کی شروع کی اور باطن کو چھوڑا۔ یہانتک کہ خود ہلاک ہوئے اور مسلمانوں کے ایک گروہ کو انہوں نے ہلاک کیا اور یہ زمانہ کی آفتوں سے ہیں اپنی جگہ پر اسکی کامل طور پر تشریح کرونگا اگر خداوند کریم کو منظور ہوا۔ و باللہ التوفیق :-

باب آوازوں کے سننے کے بیان میں

پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زَیِّنُوْا اَصْوَاتَکُمْ بِالْقُرْاٰنِ یعنی اپنی آوازوں کو قرآن کریم کے معنے میں سنوارو، اللہ عزوجل نے فرمایا یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ مفسر کہتے ہیں کہ یہ اچھی آواز ہوگی اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْمَعَ صَوْتَ دَاوٗدَ فَلْیَسْمَعْ صَوْتَ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیْ یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی آواز سنے اس کو چاہیئے کہ ابوموسیٰ اشعری کی آواز کو سنے اور حدیثوں میں مشہور ہے کہ بہشت میں اہل بہشت کیلئے سماع ہوگا، اور اسکی کیفیت یہ ہے کہ ہر درخت سے رنگا رنگ کی آوازیں نکلیں گی جب وہ اصول جو آپسمیں مختلف ہونگے ترکیب دیئے جائینگے تو طبیعتوں کو ان سے بہت بڑی لذت ہوگی، اور تقسیم سماع کی درمیان مخلوق کے عام ہوگی چاہے آدمی ہوں یا اس کے ماسوا دوسری مخلوق ہو جبکہ زندہ ہیں اس حکم کیوجہ یہ ہے کہ روح لطیف چیز ہے اور آوازوں میں لطافت ہے، کیونکہ جب سنیں گے تو جنس جنس کیطرف مائل ہوتی ہے، اور یہ قول جو میں نے بیان کیا اطباء کے گروہ کا ہے اور صاحبان بصارت سے جو لوگ تحقیق کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں ان کا کلام بہت ہے، حتیٰ کہ انہوں نے آوازوں کے ملانے میں کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں، اور اس کو بہت رتبہ پر پہنچا دیا ہے اور آجکے دن ان کی صنعت کے آثار ظاہر ہیں امرایں جو کچھ انہوں نے مرتبہ حاصل کیا ہے ہوا کی قوت اور لہو و لعب کی طلب کی خاطر شیطان کے حکم کی موافقت کی ہے اس حد تک کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اسحاق موصلی ایک باغ میں گا رہے تھے اور بلبل بھی چہک رہی تھی ان کے گانے کے سبب وہ خاموش ہوئی اور سماع شروع کیا یہانتک کہ درخت سے گر کر مرگئی، اس بارہ میں میں نے حکایتیں بہت سنیں مگر میری مراد اس کے علاوہ ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تمام خوشیاں طبیعتوں کے جمع ہونے کی آوازوں کی ترکیب کی تالیف سے ہوتی ہیں۔ اور ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ ایکدفعہ میں عرب کے قبیلوں سے ایک قبیلہ پر پہنچا، اور

ایک امیر کی مہمان سرا میں میں اترا۔ میں نے ایک حبشی کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا دھوپ میں اپنے خیمہ ڈالا ہوا تھا اسکو دیکھ کر میں رحم میں آیا اور میں نے اسکی سفارش کا قصد کیا۔ جب کھانا سامنے لائے تو امیر مہمانوں کی عزت افزائی کی خاطر خود بھی مہمان سرا میں آیا جب اس نے میرے ساتھ مل کر کھانے کا قصد ظاہر کیا میں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ عرب کو ایسی سخت کوئی بات معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ مہمان کا کھانا کھانے سے انکار سخت معلوم ہوتا ہے یعنی مہمان اگر کھانے سے انکار کرے تو انہیں بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اس نے کہا کہ اے جوانمرد کون سی چیز تجھکو میرا کھانا کھانے سے روکتی ہے میں نے کہا کہ میں تیرے کرم سے امید رکھتا ہوں اس نے کہا کہ میرے ملک کی تمام اشیاء تیرے لئے ہیں تو کھانا کھا میں نے کہا کہ مجھے آپکے ملک کی حاجت نہیں اس غلام کو فقط میرے حوالے کر دو اس نے کہا تو پہلے اس کا جرم دریافت کر پھر اسکو قید سے آزاد کرانے کی فکر میں ہو کیونکہ تجھکو میرے تمام املاک پر حکم ہے، جبتک تو میری ضیافت میں ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا بتا اس کا کونسا جرم ہے، اس نے کہا کہ سنو یہ غلام خوش آواز حدی خوان ہے، میں نے اسکو اپنی کھیتی میں چند اونٹ دیکر بھیجا تاکہ ان پر غلہ لاد کر لے آئے ہر ایک اونٹ پر اس نے دو دو اونٹوں کا بوجھ لادا اور راستہ میں حدی خوانی شروع کی اونٹ بھاگتے تھے حتیٰ کہ تھوڑی دیر میں واپس آگیا اور جتنا غلہ میں نے کہا تھا اس سے دوگنا لایا جب اونٹوں سے بوجھ اتارا گیا تو سب اونٹ ایک ایک کر کے مر گئے ابراہیم نے کہا کہ مجھے اس کلام کے سننے سے سخت تعجب ہوا میں نے کہا اے امیر تیری بزرگی اس امر کی متقاضی نہیں کہ تو سچ کو چھوڑ دے مگر مجھے اس قول پر دلیل چاہیئے، ہم انہیں باتوں میں تھے کہ چند اونٹ جنگل سے کوئیں پر پانی پینے کیلئے آئے۔ امیر نے غلاموں سے پوچھا کہ ان اونٹوں نے کتنے روز سے پانی نہیں پیا اس نے کہا کہ تین روز ہوئے ہیں اس غلام کو اس نے فرمایا کہ حدی خوانی کر جب اس نے آواز نکالی تو سب اونٹ پانی کو چھوڑ کر اسکی آواز سننے میں مشغول ہوئے۔ اور کسی اونٹ نے پانی کیطرف منہ نہ کیا۔ یہانتک کہ ایک ایک اونٹ نے بھاگنا شروع کیا۔ اور اسی طرح سے سب اونٹ جنگل میں پھیل گئے۔ اس نے اس غلام کو قید سے آزاد کر کے مجھے بخشدیا۔ ہم ان سے بعض کو مشاہدہ میں دیکھتے ہیں کہ شتربان اور گدھوں والے راستہ میں جب گاتے ہیں۔ تو اونٹوں اور گدھوں میں ایک قسم کی خوشی پیدا ہوتی ہے، اور خراسان اور عراق کے لوگوں کی عادت ہے کہ رات کے وقت جنگل میں ہرنوں کا شکار کرنے کیلئے کانسی کا تھال بجاتے

ہیں ہرن اس آواز کو سن کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ انکو پکڑ لیتے ہیں اور مشہور ہے کہ ہندوستان میں ایک گروہ ہے کہ جنگل میں جاکر سرود شروع کر دیتے ہیں۔ اور آواز بدلاتے ہیں۔ ہرن جب یہ سرود سنتے ہیں تو انکی طرف قصد کرتے ہیں۔ اور اس کے گرد اگرد چکر لگاتے ہیں۔ اور سرود کرتے ہیں۔ یہانتک کہ اسکی لذت سے انکی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اور وہ سو جاتے ہیں۔ اور وہ انہیں پکڑ لیتے ہیں۔ اور چھوٹے بچوں میں یہ حکم ظاہر ہے کہ جب گہوارہ میں روتے ہیں تب کوئی شخص بانسری بجائے تو وہ سو جاتے ہیں اور خاموش ہو کر اس بانسری کی آواز کو سنتے ہیں۔ اور طبیب لوگ ایسے بچوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کی حس درست ہے اور ایسے لڑکے دانا ہوتے ہیں حکایت کرتے ہیں کہ عجمی بادشاہوں سے ایک بادشاہ فوت ہوا اور اس کا دو سال کا لڑکا پیچھے رہا رعایا نے اسکو تخت پر بٹھلانے کا ارادہ کیا۔ بزرجمہر سے اس تدبیر کا انہوں نے ذکر کیا اس نے کہا بات تو ٹھیک ہے مگر اس کی حس کا معلوم کرنا ضروری ہے کہ آیا یہ بڑا ہو کر ملک کا انتظام بھی کر سکے گا یا نہیں لوگوں نے کہا کہ اسکی حس دریافت کرنے کی کیا تدبیر ہے بزرجمہر نے حکم دیا کہ گویوں کو کہو کہ اس کے سر پر کھڑے ہو کر سرود کریں جب انہوں نے سرود کرنا شروع کیا تو اس لڑکے نے خوشی میں آکر گہوارے میں ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے بزرجمہر نے کہا کہ اس سے ملک کی تدبیر کی امید ہے اور عقلمندوں کے نزدیک آوازوں میں اس سے بھی بڑھکر تاثیر ہے بیان پیش کرنے کی حاجت نہیں اور جو کوئی شخص کہے کہ مجھے مزامیر اور خوش آواز اور سر اچھی نہیں لگتی تو وہ یا تو جھوٹ بولتا اور یا منافق ہے اور یا اس میں حس نہیں آدمیوں اور چوپاؤں کے تمام طبقوں سے باہر ہے اور ایک گروہ راگ سننے سے اسلئے منع کرتا ہے کہ اسمیں خدا کے امر کی اہانت ہوتی ہے۔ اور فقہا اس امر پر متفق ہیں کہ جب راگ کا ساز و سامان نہ ہو اور اس آواز کے سننے سے دل میں فسق پیدا ہو جانیکا ڈر نہ ہو تو اس کا سننا مباح ہے اسپر آثار اور احادیث بہت لاتے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت لاتے ہیں کہ قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِي جَارِيَةٌ تُغَنِّيْ فَاسْتَاذَنَ عُمَرُ فَلَمَّا اَحَسَّتْهُ وَسَمِعَتْ حِسَّهُ فَرَّتْ فَلَمَّا دَخَلَ عُمَرُ تَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَا اَضْحَكَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كَانَتْ عِنْدَنَا جَارِيَةٌ تُغَنِّيْ فَلَمَّا سَمِعَتْ حِسَّكَ فَرَّتْ فَقَالَ عُمَرُ لَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَسْمَعَ مَا كَانَ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَمِعَ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک لونڈیہ گانا گا رہی تھی پس عمرؓ نے اندر آنے کی اجازت طلب

کی سو جب لونڈیہ کو عمرؓ کے آنے کا پتہ چلا تو وہ بھاگ گئی۔ پس جب عمرؓ اندر آئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے مسکراتے ہوئے دیکھا حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں آپ نے فرمایا ہمارے پاس ایک لونڈیہ گا رہی تھی جب اس نے تجھے آتے ہوئے معلوم کیا تو وہ بھاگ گئی پس عمرؓ نے کہا کہ میں اسکو نہ چھوڑونگا جبتک مجھے وہ چیز نہ سنائے جسکو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے پس حضور علیہ السلام نے اسکو آواز دی اور سنا۔ اور اسکی مثل بہت سے صحابہؓ سے روایت آئی ہے، اور شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ نے ان سب حدیثوں کو اپنی کتاب السماع میں جمع کیا ہے، اور اس کے مباح ہونیکا قطعی فیصلہ کیا ہے، اور مشائخ متصوفہ کی مراد اس سے سماع کا طلب کرنا اباحت کے ماسوا ہے، کیونکہ اعمال میں فائدوں کو مرتب ہونا چاہیئے، اور اباحت کا طلب کرنا عوام کا کام ہے، اور مباح کے محل پر چوپائے ہیں۔ اور مکلف مردوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے کاموں سے فائدہ طلب کریں اور غیر مفید کام سے پرہیز کریں۔ ایک دفعہ میں مرو میں تھا وہاں ایک اہل حدیث کا مشہور ترین امام تھا اس نے مجھسے کہا کہ میں نے سماع کی اباحت میں ایک کتاب مرتب کی ہے، میں نے کہا کہ یہ تو بہت بڑی مصیبت دین میں ظاہر ہوئی کہ خواجہ امام نے اس لہو و لعب کو جو کہ تمام گناہوں کی جڑ ہے مباح کیا، اس نے مجھسے کہا کہ اگر آپ حلال نہیں سمجھتے تو سماع کیوں سنتے ہیں میں نے کہا اس کا حکم کئی وجہوں پر ہے، ایک چیز پر منحصر نہیں ہو سکتا اگر سماع سے دل میں حلال کی تاثیر ہو تو حلال ہوتا ہے، ورنہ حرام ہوتا ہے، اور اگر مباح کی ہو تو مباح ہوتا ہے، وہ چیز کہ جس کا ظاہری حکم فسق کا ہے اور اس کے باطنی حال میں کئی وجہوں پر اس کی چال ہے اس کا اطلاق ایک ہی چیز پہ کرنا محال ہوگا ۔

باب سماع کے احکام میں

جان لو کہ سماع کے احکام طبیعتوں میں مختلف ہیں۔ جیسا کہ دلوں میں ارادت مختلف ہے، لہذا ظلم ہوگا کہ کوئی شخص اسکو ایک حکم کیساتھ فیصلہ کرے، الغرض سماع کے خواہشمند دو گروہ پر منقسم ہیں ایک تو وہ ہیں کہ فقط معنی سنتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں کہ جو فقط آواز سنتے ہیں۔ اور ان دو اصلوں میں فائدے اور آفتیں ہیں۔ کیونکہ خوش آوازوں کے سننے سے جو معنی لوگوں میں جوش مارتے ہیں۔ اگر

وہ حق ہوں تو طبیعت میں حق زور دیتا ہے اور اگر وہ باطل ہوں تو طبیعت میں باطل کا زور ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کی طبیعت کی حالت میں فساد ہو تو وہ جو کچھ سنیگا سب فاسد ہوگا، اور یہ سب معنی داؤد کے قصہ میں آئے ہیں۔ کہ جب حقتعالیٰ نے انکو اپنا خلیفہ بنایا اور انکو خوش آوازی عطا کی اور ان کے حلق کو مزامیر بنایا تو انکی آواز سے پہاڑ بھی نرم ہوکر بہہ جاتے تھے، یہانتک کہ پرندے اور وحشی پہاڑوں اور جنگلوں سے اس کے آواز کی سماع پر جمع ہوتے تھے اور چلتے ہوئے پانی ٹھہر جاتے تھے، اور پرندے اڑتے ہوئے گر پڑتے تھے، اور آثار میں مروی ہے کہ ایک مہینہ تک مخلوق اس جنگل میں کوئی چیز نہ کھاتی تھی۔ اور بچے نہ روتے تھے اور نہ ہی دودھ پیتے تھے، اور جب مخلوق اسجگہ سے واپس ہوتی تو بہت آدمی آپکی آواز اور لحن اور کلام کی لذت سے مرجاتے تھے، کہتے ہیں کہ ایکدفعہ سات سو خوبصورت کنواری عورتیں مرگئی تھیں۔ بارہ ہزار بوڑھے مرد بھی مردہ ہو گئے تھے، اور پھر جس وقت حقتعالیٰ نے یہ چاہا کہ طبیعت کی پیروی میں سماع کی آواز سننے والوں کو اہل حق سے جدا کر دیا جائے، تو اس وقت شیطان کی طبیعت بے قرار ہوئی ، انسان کے دل میں وسواس ڈالنے کا ارادہ اس میں ظاہر ہوا اور اس نے حقتعالیٰ سے اجازت لی تو پھر اس نے بانسری اور طنبور بنایا اور اس نے داؤد علیہ السلام کی مجلس کے بالمقابل اپنی مجلس جمائی جو لوگ داؤد علیہ السلام کی آواز کو سنتے تھے انکے دو گروہ ہوئے ایک تو اہل شقاوت سے تھا اور دوسرا سعادتمند تھا جو گروہ شقی یعنی بدبخت تھا وہ تو ابلیس کے ساز و طنبور وغیرہ کی طرف مائل ہوتے تھے اور ہوتے رہیں گے اور ایک گروہ داؤد علیہ السلام کی طرف مائل ہوا اور رہتا رہے گا، اور جو لوگ صاحبان معنی تھے ان کے دل میں سوا آواز داؤدی کے اور کچھ نہیں آتا۔ کیونکہ وہ سب حق کو دیکھتے ہیں اور اگر شیطانی مزمار سنتے تو اس میں خدا کی طرف سے فتنہ دیکھتے، اور اگر داؤدی آواز کو سنتے تو اس میں خدا کیطرف سے ہدایت جانتے تھے، یہانتک کہ سب سے رہے اور تمام متعلقات سے اعراض کیا۔ اور دونوں کو انکی حقیقت پر دیکھا صواب کو صواب کیساتھ اور خطا کو خطا کیساتھ، اور جس کسی کا سماع اس قسم کا ہو یعنی اس صفت پر ہو وہ جو کچھ سنتا ہے سب حلال ہوتا ہے، اور مدعیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہم کو سماع اپنی اصلی حقیقت کے مخالف پڑتا ہے اور یہ محال ہوگا کیونکہ ولایت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز کو ویسے ہی دیکھا جائے کہ جیسے وہ اصل میں ہے، تاکہ دیدار صحیح ہو جائے اور اگر اس کے برخلاف دیکھے گا تو دیدار درست نہ ہوگا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ کُلِّ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ،

یا اللہ ہمیں تمام اشیا کی حقیقت واقعیہ سے خبردار فرما، اور چیزوں کا دیکھنا وہی درست ہوتا ہے کہ تو ان کو ان کی اصلی حقیقت پر دیکھے جیسے کہ وہ لغت اور حکم میں ہے۔ اور جو لوگ مزامیر میں فریفتہ ہو جاتے ہیں اور شہوت اور حرص سے مقرون ہوتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے واقعیہ حقیقت کو نہیں پہچانا۔ اور اگر حکم کی موافقت پر سماع کرتے تو سب آفتوں سے وہ خلاصی پاتے، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ گمراہ لوگ خدا کا کلام سنکر ہدایت کے راستہ پر نہیں آتے بلکہ ان کی گمراہی پر گمراہی ترقی پکڑتی ہے جیسا کہ نصر بن حارث نے کہا کہ ھٰذَا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، اور عبداللہ بن سعد ابو سرح کہ جو وحی کا کاتب تھا۔ اس نے کہا فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ پس بابرکت ہے اللہ عزوجل جو کہ سب خالقوں سے اچھا خالق ہے اور ایک گروہ نے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرسکتا ہے یعنی اس آیت کو بعض لوگوں نے نفی رویت کی دلیل بنایا ہے اور ایک گروہ نے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کو مکان اور جہت ثابت کرنے کی دلیل بنایا ہے اور ایک گروہ نے خدا کے دیدار کی دلیل وَجَاءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا کو بنایا ہے چونکہ ان کا دل گمراہ تھا اسلئے کلام الٰہی کے سننے سے ان کو کچھ نفع نہ ہوا، اور پھر موحد جب شاعر کے شعر میں نظر کرتا ہے اور طبیعت کے پیدا کرنیوالے کو دیکھتا ہے اور اپنے دل کو اسکے مطالعہ میں مصروف کرتا ہے اور فعل کے فاعل کو دلیل بناتا ہے یہانتک کہ ایک گروہ نے حق میں راستہ کو گم کیا اور دوسرے گروہ نے باطل میں راستہ پایا۔ اور ان معنی کا انکار کھلم کھلا مکابرہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔

فصل۔ اور مشائخ رضی اللہ عنہم کیلئے اس معنی میں کلمات لطیف ہیں۔ اور یہ کتاب ان سب کی متحمل نہیں، جو کچھ مجھ سے ممکن ہوسکتا ہے میں اس فصل میں ثابت کرتا ہوں۔ تاکہ فائدہ کامل ہو جائے ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ السماع وارد الحق تزعج القلوب الی الحق فمن اصغی الیہ بحق تحقق ومن اصغی الیہ بنفس تزندق یعنی سماع خدا کیطرف سے وارد ہوتا ہے دلوں کی خواہشیں اس سے ابھرتی ہیں۔ اور اسکی طلب پر حریص ہوتا ہے، جو شخص اسکو حق کے ساتھ سنتا ہے حق کی راہ پا لیتا ہے، جو شخص نفس کیساتھ سنتا ہے زندقہ یعنی بے دینی میں پڑتا ہے اس پیر کی مراد اس سے یہ نہیں کہ سماع کو خدا کے وصل کی علت ٹھہرا دیا جائے، بلکہ اسکی مراد یہ ہے کہ سننے والے کو معنی ساتھ حق کے

سننے چاہئیں محض آواز کو سننا نہ چاہیئے، اور اس کا دل حق کے وارد ہونے کا محل ہو، پس جب وہ معنی دل میں پہنچتے ہیں۔ دل کو ابھارتے ہیں۔ کیونکہ اس سماع میں وہ حق کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا مکاشفت ہوگا اور جو نفس سے بغلگیر اور اس کے تابع ہوگا وہ سماع سننے سے محجوب ہوگا اور تعلق تاویل کے ساتھ کریگا پھر اس سماع کا ثمرہ کشف ہوگا۔ اور یہ سماع حجاب ہوگا۔ لیکن زندقہ فارسی لفظ کا معرب ہے اعرابی زبان میں زندقہ تاویل ہوتی ہے، اسی سبب سے وہ اپنی کتاب کی تفسیر زندہ یا پازندہ کہتے ہیں۔ اور جب اہل سنت نے چاہا کہ ابنائے مجوس کا جو کہ بابک و افشین ہیں کوئی نام مقرر کریں، کیونکہ وہ کہا کرتے ہیں کہ مسلمان جو کچھ بھی کہتے ہیں اسکی تاویل ہے کیونکہ ان کے ظاہری حکم کا نقص کرتے ہیں۔ اور تنزیل دیانتداری میں داخل ہوتا ہے، اور تاویل اس سے نکلتا ہے، اور ان سے بچے ہوئے مشہور مصر آج کے روز بھی یہی کہتے ہیں۔ اور یہ زندیقی نام ان کیلئے اسم علم ہوا۔ پس ذوالنون کی اس سے مراد یہ تھی کہ اہل تحقیق سماع میں مستحق ہوتے ہیں اور اہل ہوا تاویل کنندہ ہوتے ہیں۔ اور تاویل بعیدہ سے کام لیتے ہیں۔ اس سبب سے فسق میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور شبلیؒ کہتے ہیں۔ السماع ظاهره فتنة و باطنه عبرة لمن عرف الاشارة حل له سماع العبرة والا فقد استدعى الفتنة وتعرض للبلية یعنی ظاہری سماع فتنہ ہے اور اس کا باطن عبرت ہے اور جو کوئی اہل اشارت ہیں ان کو سماع سے عبرت حاصل ہوتی ہے، ورنہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ فتنہ کی طلب میں ہیں۔ اور بلا کے تعلق میں ہیں یعنی جس کا دل سب کا سب خدا کی باتوں میں مستغرق نہیں ہے، سماع اس کیلئے بلا ہے اور نیز اسکی آفت کی جگہ ہے اور ابو علی رودباریؒ اس مرد کے سوال و جواب میں کہتا ہے کہ جس نے آپ سے سماع کی بابت پوچھا لَيْتَنَا تَخَلَّصْنَا مِنْهُ رَأْسًا بِرَأْسٍ کاشکے ہم اس سماع سے سر بسر خلاصی پاتے۔ کیونکہ آدمی حق کے گذارنے میں سب چیزوں سے عاجز ہے اور جب حق کی کوئی چیز فوت ہوتی ہے بندہ اپنی تقصیر کو دیکھتا ہے، اور جب اپنی تقصیر دیکھتا ہے تو اس سے آرزو کرتا ہے کہ کاشکے میں رہائی پا جاؤں۔ اور مشائخ سے ایک فرماتے ہیں کہ اَلسَّمَاعُ بَنِيَّةِ الْاَسْرَارِ لِمَا فِيْهَا مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ سماع پیدا کرنا بھیدوں کا ہے غیب کی چیزوں سے واجب کرتا ہے، اتنکہ اس سے ہمیشہ کیلئے حق کیساتھ حاضر ہوں کیونکہ بھیدوں کا غائب ہونا مدعیوں کیلئے سخت برا ہے اور ان کے قابل ملامت احوال سے ہے، کیونکہ دوست دوست سے اگرچہ غائب ہو مگر دل سے حاضر ہوتا ہے، اور جب غیبت آئی اس دوست کی دوستی برخواست

ہوتی۔ اور میرے شیخ نے کہا۔ اَلسَّمَاعُ زَادُ الْمُضْطَرِّیْنَ فَمَنْ وَصَلَ اسْتَغْنٰی عَنِ السَّمَاعِ سماع پیچھے رہنے والوں کا توشہ ہے کیونکہ جو شخص پہنچا اسکو سماع کی حاجت نہ ہوگی کیونکہ وصل کے محل میں حکم سمع کا معزول ہوتا ہے، کیونکہ سمع خبر کیلئے ہوتی ہے، اور خبر غائب سے ہوتی ہے جب معائنہ ہوتا ہے تو سمع کا حکم پراگندہ ہوتا ہے حصریؒ فرماتے ہیں، تسمع ایش اعمل بالسماع منقطع اذا انقطع ممن یسمع منہ ینبغی ان یکون سماعک متصلا غیر منقطع یعنی میں سماع کو کیا کروں کہ جب قاری خاموش ہو جاتا ہے تو وہ بھی منقطع ہو جاتا ہے، اور تیرا سماع متصل اور ہمیشہ ہونا چاہیئے جو کہ کبھی بھی بند نہ ہو۔ اور یہ ہمت کے اجتماع سے اس نے محبت کے باغیچہ میں نشان دیا ہے کیونکہ جب بندہ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو تمام عالم پتھر اور ڈھیلوں سے اسکو سماع سنانے والے ہو جاتے ہیں۔ اور یہ درجہ بہت بڑا ہے واللہ ولی التوفیق۔

صوفیوں کا اختلاف سماع میں

محققین مشائخ کے درمیان سماع میں اختلاف ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع غیبت کا آلہ ہے اور اسپر دلیل لاتے ہیں کہ مشاہدہ میں سماع محال ہوتا ہے کیونکہ دوست وصل کے محل میں ہے، دوست دیکھنے کے وقت سماع سے حجاب میں ہوتا ہے کیونکہ سماع خبر کیلئے ہوتا ہے، اور خبر دیدار کے محل میں دوری اور حجاب اور مشغولی ہوتی ہے، پس سماع مبتدیوں کا آلہ ہوتا ہے، اور آلہ سے غفلت کی پراگندگیاں اس میں مجتمع ہوتی ہیں جو کچھ مجتمع ہوگا وہ ضرور پراگندہ ہوتا ہے، اور پھر ایک گروہ نے کہا ہے کہ سماع حضور کا واسطہ ہے کیونکہ محبت کلیت کی متقاضی ہے، جبتک کل محبوب میں مستغرق نہ ہو اس وقت تک محبت میں ناقص ہونگے پس جیسے دل کو وصل کے محل میں محبت نصیب ہے ویسے ہی سر کو مشاہدہ اور روح کو وصل اور بدن کو خدمت میں مشغول ہونا چاہیئے۔ یہانتک کہ کان کا بھی نصیب ہوگا جیسا کہ آنکھ کو دیدار سے ہے، اور بہت ہی خوب کہا ہے اس شاعر نے ہزل کے محل میں جو کہ خمر کی دوستی کا دعوٰی کرتا ہے، شعر"

الا فاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر ٭ ولا تسقنی سرا اذا امکن الجھر ٭ یعنی اے دوست مجھے پانی عطا کر تاکہ میری آنکھیں دیکھیں اور ہاتھ گھسیں اور تالو چکھے اور ناک سونگھے۔ پھر ایک حاسد کو اس سے نصیب نہ ہوگا اور وہ کان ہے پس تو کہہ کہ یہ شراب ہے، تاکہ کان بھی حصہ پاویں حتی کہ تمام حواس میرے اسکی

قید میں ہو کر اس سے لذت پاویں اور یہ کہتے ہیں کہ سماع حضوری کا آلہ ہے کیونکہ غائب محرم غائب ہے اور غائب منکر ہوتا ہے اور منکر اس کا اہل نہیں ہوتا پس سماع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بالواسطہ اور ایک بغیر واسطہ اور جو کچھ قاری سے سنتے ہیں وہ غیبت کا آلہ ہوتا ہے اور جو کچھ یار سے سنتے ہیں وہ حضوری کا آلہ ہوتا ہے اور اسی قبیل سے ہے کہ جو کچھ اس بیدل نے کہا ہے کہ میں مخلوق کو اس محل میں نہیں رکھتا کہ ان کا کلام سنوں یا ان کی باتیں کروں بجز خدا کے خاص بندوں کے واللہ اعلم بالصواب ٭

باب سماع کی حقیقت میں اور اسکے مراتب کے بیان میں

جان تو کہ انمیں سے ہر ایک کیواسطے سماع میں مرتبہ ہے کیونکہ اسکا مشرب اور ذوق اپنے مرتبہ کے موافق ہوتا ہے جیسا کہ تائب جو کچھ سنتا ہے، اسکو حسرت اور ندامت کی مدد ہوتی ہے، اور مشتاق کیواسطے شوق اور رویت سرمایہ ہے اور یقین کنندہ کیواسطے یقین کی تاکید معاون ہے، اور مرید کو بیان کی تحقیق اور محب کو تعلقات کے منقطع ہونے کا سبب اور فقیر کیواسطے ناامیدی کی بنیاد ... ہوتی ہے اور اس سماع کی مثال مثل آفتاب کے ہے، کہ جو سب چیزوں کو روشن کر دیتا ہے مگر ہر چیز پر اسکی حرارت اور روشنی اسکے مرتبوں کے موافق پڑتی ہے یعنی اپنے اپنے مرتبہ کے موافق اس سے ذوق اور مشرب ملتا ہے ایک کو جلاتا ہے اور ایک کو روشن کرتا ہے، اور ایک کو گھال دیتا ہے اور ایک کو جلا دیتا ہے، اور ایک پر نوازش کرتا ہے، اور یہ سب گروہ کہ جو میں نے بیان کئے ہیں حقیقت میں ان کے تین مرتبہ ہیں، ایک نو مبتدیوں کا اور دوسرا متوسط لوگوں کا اور تیسرا کاملوں کا اور میں سماع میں ہر ایک کے حال کی شرح میں ایک ایک فصل لاتا ہوں۔ تاکہ تیرے فہم کے قریب تر ہو جائے اگر خدا کو منظور ہوا۔

فصل :۔ جان تو کہ سماع خدا کیطرف سے وارد ہے اور جسم کی ملاوٹ ہزل اور لہو سے ہے اور کسی طرح بھی مبتدی کی طبیعت خدا کی باتوں کے قابل نہ ہوگی۔ اور ان ربانی معنوں کے وارد ہونے سے طبع کو قہر اور سوزش کے سبب سے اضطرابی ہوتی ہے، جیسا کہ ایک گروہ سماع میں بیہوش ہوتا ہے اور ایک گریہ ہلاک ہوتا ہے، اور کوئی شخص ایسا نہیں ہوتا کہ جسکی طبع حد اعتدال سے باہر ... کے واسطے دلیل ظاہر ہے اور مشہور ہے کہ روم کے ہسپتال میں ایک بہت ہی عجیب ... کو انگلیون کہتے ہیں اور یہ ایک قسم کا باجہ ہے اور یونانی ہر عجیب چیز کو انہیں کے نام ...

یہاں تک کہ آسمانی صحیفے کو بھی انگلیاں کہتے ہیں اور ان جیسی چیزوں کو بھی اسی نام سے پکارتے ہیں۔ اور اس سے مراد حکموں کا ظاہر کرنا ہے اور بیماروں کو ہفتہ میں دو دن اس جگہ رکھتے ہیں کہ جہاں وہ باجہ ہے۔ اور اس کو بیمار کی بیماری کے انداز سے پر بجانا شروع کرتے اور بیمار اسکو سنتا پھر اس کو باہر نکالتے، اور جب کسی کو مارنے کا قصد کرتے تو اسے کچھ زیادہ عرصے تک وہاں رکھتے یہاں تک کہ وہ اس کی آواز سنکر ہلاک ہو جاتا۔ اور در حقیقت موت لکھی ہوتی ہے مگر موت کیلئے اسباب ہوتے ہیں لیکن اطباء اسکو ہمیشہ سنتے ہیں مگر ان میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ان کی طبع کے موافق واقع ہوا ہے اور یہ مبتدیوں کی طبیعت کے مخالف واقع ہوا ہے اور ہندوستان میں میں نے دیکھا کہ قاتل زہر میں کیڑا پیدا ہو رہا ہے اور اس کی زندگی اسی زہر کیساتھ وابستہ تھی۔ کیونکہ وہ خود سب کا سب زہر ہی تھا۔ اور ترکستان کے ایک شہر میں میں نے دیکھا ہے کہ جو اسلامی ملک کی سرحد پر ہے کہ ایک پہاڑ میں آگ لگی ہوئی تھی اور وہ جلتا تھا اور اس آگ کے اندر ایک چوہا تھا جب اسکو آگ سے باہر نکالا فوراً مر گیا اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہ سب اضطراب مبتدیوں کو اس وقت ہوتا ہے کہ جب ان پر خداوند کریم کے وارد ہونیکا حلول ہوتا ہے کیونکہ ان کا جسم انکے مخالف ہوتا ہے جب وہ متواتر ہوتا ہے تو مبتدی اسمیں ٹھہر جاتا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب جبرائیل علیہ السلام ابتدا میں تشریف فرما ہوئے تو پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے دیکھنے کی تاب نہ ہوئی اور جب ختمی ہوئے تو ایک ساعت بھی اگر جبرائیل علیہ السلام نہ آتے تو آپ تنگدل ہو جاتے، اور اسکی شہادتیں بہت ہیں اور یہ حکایتیں بھی مبتدیوں کے اضطراب کی دلیل ہیں، اور نیز منتہیوں کے سماع میں سکون پکڑنے پر دلیل ہے اور مشہور ہے کہ جنید رضؓ کا ایک مرید سماع میں بہت تڑپتا تھا۔ اور درویش اس میں مشغول ہوتے شیخ کی خدمت میں شکایت انہوں نے کی اس مرید کو شیخ نے کہا کہ اگر تو اس کے بعد سماع میں بے قراری کا اظہار کریگا میں تجھے صحبت میں نہ رکھوں گا۔ ابو محمد جریری فرماتے ہیں کہ میں نے سماع میں اسی درویش کیطرف نظر کی ہونٹ بند کئے ہوئے تھا۔ اور خاموش تھا اور اس کے بدن کے ہر بال سے چشمہ جاری تھا یہانتک کہ اسکا ہوش رخصت ہوا اور ایک روز ویسے ہی بیہوش رہا پس مجھے معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ سماع میں زیادہ درست ہے، یا اس کےلئے پیر کی عزت زیادہ غالب ہے، کہتے ہیں کہ ایک مرد نے سماع میں نعرہ مارا پیر نے اسکو کہا خاموش ہو اس نے سر کو زانو پہ رکھا جب انہوں نے دیکھا تو مرا ہوا تھا اور شیخ ابو مسلم فارس بن غالب فارسی سے میں نے سنا جو انہوں

نے کہا کہ ایک درویش سماع میں اضطراب کرتا تھا۔ ایک نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھکر کہا کہ بیٹھ جا اسکا ادھر بیٹھنا
تھا اور ادھر جان کا رخصت ہونا ۔ یعنی اس کے بیٹھتے ہی اسکی جان ہوا ہوگئی اور حضرت جنیدؒ فرماتے
ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ اس نے سماع میں جان دی ۔ اور جنیدؒ نے فرمایا ہے کہ میں
دراج سے روایت کرتا ہوں کہ انہوں نے کہا کہ میں ابن القرطی کے ساتھ دجلہ کے کنارے پر چل رہا تھا،
بصرہ اور ابلہ کے درمیان ایک محل پر ہم پہنچے، ایک پاکیزہ آدمی کو میں نے وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا
اور کنیزک اس کے روبرو گا رہی تھی اور یہ بیت پڑھتی تھی شعر "فی سبیل اللہ ود کان منی لک یبذل
کل یوم یتلون غیر ھذا بک اجمل" یعنی میری دوستی تیرے لئے اللہ کی راہ میں ایسی ہے ہر دو
مطلب ڈھب میں مبتلا ہیں یہ تو تجھسے خوبصورت ہے اور میں نے ایک جوان اس محل کے نیچے کھڑا دیکھا
اور اس کے ہاتھ میں پانی کا ایک کوزہ تھا اس نے کہا کہ اے کنیزک تجھے خدا کی قسم ہے کہ تو اس شعر کو
ایک دفعہ پھر کہہ کیونکہ میری زندگی سے فقط ایک آدھ سانس باقی ہے تاکہ یہ جلدی سے باہر نکل آئے لونڈی
نے دوبارہ اسکو پڑھنا شروع کیا، اس جوان نے نعرہ مارا اس کی جان اس سے رخصت ہوئی صاحب قصر
نے کنیزک سے کہا کہ تو آزاد ہے اور خود محل سے نیچے آیا۔ اور اس جوان کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوا تمام بصرہ
کے لوگ اسکے جنازے پر شریک ہوئے، اس آدمی نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا کہ اے بصرہ کے لوگو میں
فلاں ابن فلاں ہوں اپنے تمام مملوکہ مال کو اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور اپنے تمام غلاموں کو آزاد کرتا
ہوں اور یہ کہکر اس جگہ سے رخصت ہوا اور پھر اسکے بعد اسکی خبر کسی کو معلوم نہ ہوئی! اور اس حکایت
کا فائدہ یہ ہے کہ مرید کو سماع کے غلبہ میں ایسا حال آنا چاہیئے کہ جس سے فاسق لوگ اپنے فسق سے نجات
پائیں اور اس زمانہ میں ایک گروہ گمراہوں کا فاسقوں کے سماع میں حاضر ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم
حق سے سماع کرتے ہیں اور فاسق چونکہ انکو اپنے موافق پاتے ہیں اسلئے وہ گناہ کے کاموں پر زیادہ حریص
ہوتے ہیں یہانتک کہ وہ خود ہلاک ہوتے ہیں اور جنیدؒ سے انہوں نے پوچھا کہ اگر ہم اعتبار کی وجہ پر کلیسا میں
جائیں اور ہماری غرض صرف یہ ہو تاکہ ہم انکے کفر کی ذلت دیکھیں، اور اسلام کی دولت نعمت پر شکر
گذار ہوں، تو آیا جائز ہوگا یا نہیں۔ اس نے کہا کہ اگر تم کلیسا میں جانا چاہتے ہو تو ایسے جاؤ کہ جب تم اس
سے باہر نکلو تو انکے چند آدمیوں کو مشرف باسلام کرکے ہمراہ لاؤ۔ ورنہ کلیسا میں نہ جاؤ یعنی اگر یہ طاقت
نہیں تو کلیسا میں نہ جاؤ پس صاحب صومعہ اگر خرابات میں جائے خراباتی ہوگا ایسے ہی گرجے والا

حجرہ میں داخل ہوا تو حجرے والا کہلائیگا۔ مشائخ کبار سے ایک شیخ کہتے ہیں کہ میں بغداد میں جا رہا تھا ایک درویش میرے ہمراہ تھا اور گویا یہ شعر گا رہا تھا: شعر: مُنًى اِنْ تَكُنْ حَقًّا تَكُنْ اَحْسَنَ الْمُنٰى ۔ وَاِلَّا فَقَدْ عِشْنَا بِهَا زَمَنًا رَغَدًا ۔ یعنی سماع جس وقت حق ہو تو سب خواہشوں سے عمدہ ہے ورنہ ہم نے بہت زمانہ سماع میں گذار دیا ہے اس درویش نے نعرہ مارا اور اس جہان سے رخصت ہوا اور اسکی مانند ابو علی رودباری کہتا ہے کہ ایک درویش کو میں نے دیکھا کہ جو گویے کی آواز میں مشغول ہوا۔ اور میں نے بھی کان رکھے ہوئے تھے تاکہ میں سنوں کہ وہ کیا کہتا ہے اس شخص نے غمگین شکل سے یہ کہا۔ كَفّٰى بِالْخُضُوْعِ اِلَى الَّذِيْ جَادَ بِالْاِصْغَاءِ یعنی خضوع کرنا طرف اس شخص کی کفایت کرتا ہے جس نے سرود سننے میں بخشش سے کام لیا۔ اس مصرعہ کو درویش نے سنتے ہی نعرہ مارا اور زمین پر گر پڑا جب میں اسکے پاس گیا تو مرا ہوا تھا ایک کہتا ہے کہ میں ابراہیم خواص کے ہمراہ راستہ کو طے کر رہا تھا۔ ایک پہاڑ ہی سلسلہ میں میں خوش ہوا اور دل میں اس پہاڑ کو دیکھکر بہت سرور پیدا ہوا میں نے یہ شعر پڑھے شعر: صَحَّ عِنْدَ النَّاسِ اِنِّيْ عَاشِقٌ ۔ غَيْرَ اَنْ لَّمْ يَعْرِفُوْا عِشْقِيْ لِمَنْ ۔ لَيْسَ فِي الْاِنْسَانِ شَيْءٌ حَسَنٌ ۔ اِلَّا وَاَحْسَنُ مِنْهُ صَوْتُ الْحَسَنِ ۔ یعنی صحیح ہے نزدیک لوگوں کے میرا عاشق ہونا۔ ہاں انہیں اتنا پتہ نہیں چلا کہ میں کس کا عاشق ہوں انسان میں تو کوئی چیز اچھی نہیں مگر اسکی اچھی آواز خوبصورت ہے اسے ابراہیم نے فرمایا کہ پھر کہہ میں نے یہ بیت دوبارہ پڑھے، تو ابراہیم خواص نے وجد کی حالت میں چند قدم زمین پر لگائے جب میں نے خوب غور سے دیکھا تو آپکے قدم جو پتھر پر پڑے تھے ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے پگھلی ہوئی موم پر دھس گئے ہیں ایسے ہی پتھر میں آپکے قدم دھسے ہوئے تھے حتیٰ کہ آپ اس وقت بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے، مجھے فرمایا کہ میں بہشت کے باغ میں گیا ہوا تھا۔ اور تو نے نہیں دیکھا۔ اور اس قسم کی حکایتیں متعدد ہیں کہ یہ کتاب انکی متحمل نہیں ہو سکتی میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ آذربائیجان کے پہاڑوں میں جا رہا تھا۔ مگر متفکر تھا اور بار بار یہ شعر پڑھتے ہوئے آہ و زاری کرتا تھا۔ شعر: وَاللّٰهِ مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَلَا غَرَبَتْ ۔ اِلَّا وَاَنْتَ فِيْ قَلْبِيْ وَوَسْوَاسِيْ ۔ وَلَا جَلَسْتُ فِيْ قَوْمٍ اُحَدِّثُهُمْ ۔ اِلَّا وَاَنْتَ حَدِيْثِيْ بَيْنَ اَجْلَاسِيْ ۔ وَلَا ذَكَرْتُكَ مَحْزُوْنًا وَلَا فَرِحًا ۔ اِلَّا وَحُبُّكَ مَقْرُوْنٌ بِاَنْفَاسِيْ ۔ وَلَا هَمَمْتُ بِشُرْبِ الْمَاءِ مِنْ عَطَشٍ ۔ اِلَّا رَاَيْتُ خَيَالًا مِّنْكَ فِي الْكَاسِ ۔ فَلَوْ قَدَرْتُ عَلَى الْاِتْيَانِ زُرْتُكُمْ ۔ سَعْيًا عَلَى الْوَجْهِ اَوْ مَشْيًا عَلَى الرَّاسِ ۔ قسم ہے خدا کی مجھ پر کوئی دن ایسا نہیں چڑھا مگر تو ہی تو ... میرے دل اور وسواس میں بس رہا ہے میں نے کسی قوم میں بیٹھکر تیری

باتوں کے علاوہ کوئی بات نہیں کی اور ہر جلسہ میں تیرا ہی تذکرہ کرتا رہا ہوں میں نے تجھے خوشی اور غمی کی حالت میں کبھی یاد نہیں کیا مگر اس حال میں بھی تیری محبت میرے ہر رسم سے ملی ہوئی تھی اور نہ ہی میں نے بوجہ پیاس کے کبھی پانی پینے کا ارادہ کیا مگر پیالہ میں میں نے تیرا ہی خیال دیکھا پس اگر میں آپکے پاس آنیکی قدرت رکھتا تو میں ضرور محبت کے غلبہ کیوجہ سے سر اور منہ کے بل چلکر آپکی زیارت کیلئے حاضر ہوتا اس کے سماع سے وہ درویش متغیر ہوا تھوڑی دیر پتھر سے پشت لگا کر بیٹھا اور جان دے دی اللہ عزوجل کی اس پر رحمت ہو۔

فصل اور اس گروہ کے مشائخ سے ایک گروہ خوش الحانی کیساتھ قرآن اور قصائد اور اشعار کا سننا مکروہ سمجھتا ہے بشرطیکہ انکے حروف پڑھتے وقت حد سے باہر نکل جائیں۔ اور اپنے مریدوں کو منع کرتے رہے ہیں اور خود پرہیز کرتے رہے ہیں، اور اس بات کی تائید میں انہوں نے غلو سے کام لیا ہے، اور انکے چند گروہ کے پاس اسکے مکروہ ہونیکی علت ہے اور ان سے ایک گروہ تو سماع کے حرام ہونے میں روایتیں لاتا ہے اور اس میں سلف صالحین کے وہ پیرو گئے ہیں، جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت کی کنیزک کو سرود کرنے سے ڈانٹا اور خوب تنبیہ کی، اور حضرت عمرؓ نے ایک صحابی کو غنا کرنے کیوجہ سے درّے لگائے اور حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کا اسی بنا پر انکار کیا کہ اسکے پاس گانے والی لونڈیاں ہیں اور حضرت حسنؓ کو اس حبشی عورت کے دیکھنے سے منع کیا کہ جو سرود کر رہی تھی۔ اور فرمایا کہ وہ شیطان کی ساتھن ہے اور اسکی مثل اور بھی بہت سی روایتیں ہیں۔ اور نیز کہتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس سب سے بڑی دلیل اسکے سرود کے مکروہ ہونے پر امت کا اجماع ہے ہمارے زمانہ میں اور ہم سے پہلے زمانوں میں سب اس کے مکروہ ہونے پر متفق ہیں یہاں تک کہ ایک گروہ نے تو مطلق حرام کہہ دیا ہے اور اس معنی میں ابوالحارث بنانی سے روایت لائے ہیں۔ کہ میں سماع کرنے میں اس حد تک ہوں۔ کہ ایک رات کسی نے میرے حجرے کے دروازے پر آکر کہا۔ کہ طالبانِ حق کی جماعت جمع ہو رہی ہے اور شیخ کے دیدار کی مشتاق ہے، اگر آپ مہربانی فرما کر قدم رنجہ فرمائیں تو عین نوازش ہو گی میں نے کہا کہ چلو میں بھی آتا ہوں اور اسکے پیچھے میں بھی چلا تھوڑی ہی دیر میں ہم ایک گروہ پر پہنچے جو حلقہ کئے ہوئے تھے، اور ایک بوڑھا مرد انکے درمیان بیٹھا ہوا تھا اس نے میری بہت ہی عزت کی اس پیر مرد نے کہا کہ اگر آپکی اجازت ہو تو میں چند شعر سن لوں میں نے قبول کیا دو شخصوں نے بہت ہی خوش الحانی سے بیت پڑھنے شروع کئے، اور سب اشعار جو شاعروں نے فراق میں کہے ہیں پڑھنے شروع کئے، اور وہ سب لوگ وجد میں آگئے۔ اور خوشی کے نعرے مارتے تھے، اور بہت ہی لطیف

اشارے کرتے تھے اور میں انکے حال سے متعجب ہوا اور وہ انکے وقت کی خوشی تھی۔ یہانتک کہ صبح قریب ہوئی اسوقت اس بڈھے نے مجھسے کہا کہ اے شیخ مجھکو تو نہیں پوچھا کہ میں کون ہوں میں نے کہا کہ تیرا دیدبہ سوال کرنے سے مجھکو مانع ہے اس نے کہا کہ میں خود شیطان ہوں اور اب مجھے ابلیس کہتے ہیں۔ اور یہ سب میرے فرزند ہیں اور اس بیٹھنے اور غنا کرنے میں مجھے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ میں فراق کی معیت خود رکھتا ہوں اور اپنے دولت کے دن مجھے فراموش نہیں ہوتے، اور دوسرا یہ ہے کہ میں پارسا لوگوں کی راہ مارتا ہوں اور غلطی میں ڈالتا ہوں آس نے کہا کہ اسوقت سے سماع کا ارادہ میرے دل سے جاتا رہا۔ اور میں نے جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں رئیس شیخ ابو العباس اشقانیؒ سے سنا جو انہوں نے کہا کہ میں ایکدفعہ ایک مجمع میں تھا۔ اور وہ گروہ سماع کر رہا تھا اور اس میں چند شیطان بھی ننگے ہو کر ناچ کر رہے تھے، اور ان کی طرف دیکھتے تھے اور وہ اس سے گرم ہوتے تھے۔ اور ایک گروہ اپنے مریدوں کو محض اس وجہ سے منع کرتا ہے کہ وہ کہیں بلا اور جھوٹ کے خطرہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور انکی تقلید نہ کریں۔ اور توبہ کے خیال سے گنہگاری کے خیال پر نہ آجائیں۔ اور ہوا ان میں زور نہ پکڑے، اور ہر شخص کی عزیمت ان کی دوستی کو فتح نہ کرے کیونکہ وہ بلا کا میدان اور فتنہ کی اصل ہے، انہوں نے سماع نہ کیا اور نہیں بیٹھے، اور حضرت جنیدؒ سے مروی ہے کہ آپنے ایک مرید کو اس کے توبہ کی ابتدائی وقت میں فرمایا کہ اگر تو اپنے دین کو سلامت رکھنا چاہتا ہے، اور نیز اپنی توبہ کی حفاظت کرنا چاہتا ہے تو صوفیوں کے سماع میں کبھی شامل نہ ہونا اور اس کا منکر رہنا اور اپنے آپکو اس کا اہل نہ سمجھنا جبتک کہ تو جوان ہے اور جس وقت تو بڈھا ہو جائے تو کوئی بیہودہ کام نہ کرنا۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں کہ جو لاہی ہوتے ہیں، اور دوسرے وہ ہوتے ہیں کہ جو الٰہی ہیں - لاہی عین فتنہ میں ہوتے ہیں۔ ان سے ڈرو۔ اور الٰہی عین مجاہدوں اور ریاضتوں سے اور نیز مخلوقات سے دلکو علیحدہ کرنے میں اور مکرو پوشیدہ فتنوں سے اپنے آپکو بچائے ہوتے ہیں اور انسے بیخوف ہیں۔ اور جب ہم نہ اس گروہ سے ہیں اور نہ اس گروہ سے تو اس کا ترک کرنا ہمارے لئے بہتر ہے، اور ہمارے وقت سے جو چیز موافق ہے اس میں مشغول ہونا ہمارے لئے افضل ہے، اور ایک گروہ کہتا ہے کہ جب عوام کو سماع میں فتنہ ہے اور ہمارے سننے سے انکا اعتقاد خراب ہوتا ہے اور ہمارے درجہ کے معلوم کرنے سے آدمی محجوب ہیں۔ اور وہ ہماری وجہ سے فضول کام میں مبتلا ہوتے ہیں پس عام پر ہم شفقت کرتے ہیں اور خاص کو غیرت کے دیکھنے سے نصیحت کرتے ہیں۔ یہاں تک اس سے

اٹھا لیتے ہیں۔ اور یہ طریقہ کافی اور پسندیدہ ہے، اور ایک گروہ کہتا ہے کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ یعنی اسلام میں مسلمان مرد کی خوبی یہ ہے کہ فضول بات کو ترک کرے، کیونکہ لایعنی بات میں مشغول ہونا وقت کو ضائع کرنا ہے اور وقت دوستوں کا دوستوں کے ساتھ عزیز ہوتا ہے اسکو ضائع نہیں کرنا چاہیئے، اور ایک گروہ خاص لوگوں کا ہے وہ کہتا ہے، کہ سماع خبر ہے اور اس سے لذت پانی مراد ہے اور یہ کام بچوں کا ہے، کیونکہ دیدار میں خبر کی کیا حقیقت اور اندازہ ہے پس مشاہدہ کا کام رکھنا ہے ، سماع کے یہ احکام میں نے مختصر طور پر بیان کئے ہیں اب انکے وجد اور وجود اور تواجد میں ایک باب خدا کی توفیق سے مرتب کرونگا۔

اس باب میں وجد اور وجود اور تواجد اور اس کے مراتب کا بیان شروع ہوتا ہے

جان تو کہ وجد اور وجود دونوں مصدر ہیں۔ ایک تو معنی میں اندوہ کے ہے اور دوسرا معنے پانے کے اور فاعل دونوں کا ایک جیسا ہوتا ہے، اور سوا مصدر کے فرق معلوم نہیں کر سکتے اور انکے درمیان ایسا کہتے ہیں، وَجَدَ يَجِدُ وُجُوْدًا وَ وِجْدَانًا بمعنی یافتن اور وَجَدَ يَجِدُ وَجْدًا بمعنی اندوہگین شدن اور نیز وَجَدَ يَجِدُ جِدَةً بمعنی توانگر شدن اور وَجَدَ يَجِدُ مَوْجِدَةً در خشم شدن اور ان سب کا فرق مصدروں سے ہوتا ہے فعلوں کے ساتھ نہیں ہوتا ہے اور وجد اور وجود سے اس گروہ کا دو حال ثابت کرنا ہے جان کو سماع میں ظاہر ہوتا ہے، ایک تو غم کے نزدیک ہوتا ہے اور دوسرا مراد کے حصول سے کامیاب ہوتا ہے اور غم کی حقیقت محبوب کا گم کرنا اور مراد سے محروم ہونا ہے اور پانے کی حقیقت مراد کا پالینا ہے، اور حزن اور اندوہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ حزن اس اندوہ کا نام ہوتا ہے کہ جو اپنے نصیب میں ہو اور وجد اس اندوہ کا نام ہوتا ہے کہ جو غیر کے نصیب میں محبت کی بنا پر ہو۔ اور یہ سب تغیرات طالب کی صفات کے ہیں۔ وَالْحَقُّ لَا يَتَغَيَّرُ اور حق متغیر نہیں ہوتا، اور وجد کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ الم ہے بالمشافہہ اور الم یعنی درد کو قلم سے نہیں بیان کر سکتے پس وجد درمیانِ طالب و مطلوب ایک بھید ہے اور اس کا بیان کشف میں ساتھ کیفیت کے ہوتا ہے اور کیفیت کے ساتھ نشان اور اشارے کا وجود کیفیت کے ساتھ درست نہیں آتا۔ کیونکہ یہ مشاہدہ میں خوشی ہے، اور خوشی کو طلب سے نہیں پا سکتے پس وجود ایک بزرگی ہوتی ہے جو کہ محبوب کی طرف سے محب کو ملتی ہے، اور اشارت اسکی حقیقت

سے نزول ہوتی ہے، اور میرے نزدیک وجد دل کو درد کا پہنچنا ہے یا تو خوشی سے اور یا غم سے اور یا مشقت
سے اور یا آرام سے۔ اور وجدوں میں غم کا آنا ہوتا ہے اور سچی محبت اس سے مراد ہوتی ہے اور واجد کی
صفت حجاب کی حالت میں شوق کے اُبھرنے میں ایک حرکت ہوتی ہے اور یا سکون یعنی ٹھہرنا ہوتا ہے
مشاہدہ کے وقت میں اور نیز کشف کی حالت میں اِمَّا زَفِیْرٌ وَّ اِمَّا نَفِیْرٌ وَ اِمَّا حَنِیْنٌ وَ اِمَّا اَنِیْنٌ وَ اِمَّا
عَیْشٌ وَ اِمَّا طَیْشٌ وَ اِمَّا کَرْبٌ وَ اِمَّا طَرَبٌ یا گدھے کی آواز ہے اور یا بنسری کی آواز ہے اور یا اونٹنی
کی۔۔۔۔ آواز ہے۔ اور یا عیش ہے اور یا طیش ہے اور یا سختی ہے اور یا خوشی ہے، اور مشائخ اس
امر میں مختلف ہیں کہ وجد وجود سے زیادہ کامل ہے، یا کہ وجود وجد سے زیادہ کامل ہے اور ایک گروہ
کہتا ہے، کہ وجود مریدوں کی صفت ہے اور وجدانیت عارفوں کی صفت ہے، اور جب عارفوں کا
درجہ مریدوں سے بالا ہوا تو چاہیئے کہ ان کا وصف بھی ان سے بالاتر ہو۔ کیونکہ جو چیز یافت کے
نیچے آئی وہ مدرک ہوئی اور اس میں وہ صفت جنس ہے کیونکہ ادراک اقتضا کی حد کو چاہتا ہے، اور
خداوند تعالیٰ کی کوئی حد نہیں پس بندہ جو کچھ پاتا ہے بغیر مشرب کے نہیں ہوتا اور جو کچھ نہ پایا اس کا
طالب اس میں منقطع ہوا اور اسکی طلب سے عاجز حق کی حقیقت کا وہ واجد ہوگا۔ اور ایک گروہ کہتا
ہے کہ وجد مریدوں کی سوزش ہوتی ہے، اور وجود محبوں کا تحفہ ہے، اور محبوں کا درجہ مریدوں
سے بلند چاہیئے تاکہ آرام تحفہ کے ساتھ کامل ہو جائے اور جستجو میں سوزش کم درجہ پر ہو اور یہ معنی بجز
ایک حکایت کے واضح نہیں ہو سکتے اور وہ یہ ہے کہ ایک روز شبلیؒ اپنے حال کے جوش میں
حضرت جنیدؒ کے پاس آئے تو ان کو غمناکی کی حالت میں دیکھکر کہا اے شیخ کیا ہوا ہے، جنیدؒ نے
جواب دیا مَنْ طَلَبَ وَجَدَ یعنے جس نے طلب کیا اُس نے پایا شبلیؒ نے کہا لَا بَلْ مَنْ وَجَدَ
طَلَبَ نہیں بلکہ جس نے پایا اُس نے طلب کی، پھر مشائخ نے اس میں کلام کیا ہے کیونکہ ایک
نے وجد سے نشان دیا اور دوسرے نے اشارہ وجود کی طرف کیا۔ اور میرے نزدیک جنیدؒ کا
قول معتبر ہے کیونکہ جب بندہ نے شناخت کر لیا کہ اس کا معبود اس کی جنس سے نہیں ہے، تو
اس کا غم بڑھا اور اس کی بابت اس کتاب میں پہلے سخن چلایا گیا ہے، اور مشائخ اس امر پر
متفق ہیں کہ سلطانِ علم سلطان وجد سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ جب قوت سلطان وجد کو
ہوگی واجد خطر کے محل پر ہوگا۔ اور جب قوت سلطانِ علم کو ہوگی۔ تو عالم امن کے محل

میں ہوگا۔ اور اس سب کی مراد یہ ہے کہ طالب کو تمام احوال میں شرع اور علم کا پیرو ہونا چاہیئے اسواسطے کہ جب وجد کے ساتھ مغلوب ہوگا۔ خطاب اس سے اُٹھ جائیگا۔ اور جب خطاب اٹھا ثواب اور عقاب اٹھا۔ اور جب ثواب اور عذاب اٹھا عزت اور توہین اٹھی پس اس وقت اس کا حکم ۔۔۔ مجنون ۔۔۔ ہوگا نہ کہ اولیاء اور مقربوں جیسا۔ اور جب سلطانِ علم سلطانِ حال پر غالب ہو تو بندہ امر اور نہی کی پناہ میں ہوتا ہے، اور عزت کے خیمہ میں پردہ نشین اور ہمیشہ مشکور ہوتا ہے، اور پھر جب سلطان حال سلطان علم پر غالب ہوتا ہے تو بندہ حدود سے نکل جاتا ہے، اور اپنے نقص کے محل میں خطاب سے محروم رہتا ہے پھر یا تو معذور ہوگا اور یا مغرور ہوگا۔

اور بعینہ یہی معنی حضرت جنیدؒ کے قول کے ہیں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کہ ووقت کی راہ یا ساتھ علم کے ہے، اور یا ساتھ روش کے اور وہ چال ۔۔۔ کہ جو بغیر علم کے ہو اگرچہ اچھی ہو مگر پھر بھی جہل اور نقص ہوگی۔ اور علم اگرچہ بغیر رفتار یعنے عمل کے ہو عزت اور شرافت ہوگا، اور اسی قبیل سے ہے کہ جو کچھ بایزیدؒ نے فرمایا کُفْرُ اَهْلِ الْهِمَّةِ اَشْرَفُ مِنْ اِسْلَامِ اَهْلِ الْمُنْيَةِ یعنی اہل ہمت کا کفر اہل منیت کے اسلام سے اشرف و اعلیٰ ہے، کیونکہ اہل ہمت پر کفر اور کفران صورت پذیر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر فرض کریں تو کافر اہل ہمت اس مسلمان سے اچھے ہیں کہ جس کا اسلام لانا کسی غرض پر ہو، اور حضرت جنیدؒ نے شبلی رحمہ اللہ کو کہا کہ۔ شبلی سکران و لو افاق من سکرہ لجاء منہ ما ینتفع بہ۔ یعنی شبلی مستی کی حالت میں ہے اور اگر وہ ہوش کی حالت میں ہوتا تو وہ بہت ہی ڈرانے والا ہوتا۔ اور حکایتوں میں مشہور ہے کہ جنید اور محمد بن مسروق اور ابو العباس بن عطاء ایک جا اکٹھے ہو رہے تھے قوال بیت پڑھتے تھے اور وہ وجد کرتے تھے، اور وہ یعنی حضرت جنیدؒ آرام سے کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ اے شیخ تجھکو اس سماع سے کچھ نصیب ملنا معلوم نہیں ہوتا۔ جنیدؒ نے خداوند کریم کے اس قول کو پڑھا تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ یعنی تو اس کو کھڑا ہوا گمان کرتا ہے حالانکہ وہ بادل کی مانند گذر رہا ہے، اور تواجد وجد کے لانے میں تکلف ہوتا ہے، اور یہ خدا کے انعام اور شواہد کا دل پر پیش کرنا ہے اور یہ خدا کے مردوں کی حال اور مدزش اور آرزو اور وصل کا فکر

کرنا ہوتا ہے اور ایک گروہ نے رسمی طور پر ان کے اشاروں کی خوبصورتی اور رقص کی ترتیب اور ظاہری حرکتوں کی پیروی کی ہے، اور یہ محض حرام ہے ۔ اور ایک گروہ محققین کا ہے انکی مراد اس میں احوال کی طلب اور انکے درجہ کی جستجو ہے نہ کہ حرکتیں - - - - - اور پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرتا ہے وہ اسی قوم سے ہے، اور نیز فرمایا اِذَا قَرَأْتُمُ الْقُرْاٰنَ فَابْكُوْا وَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا، یعنی جس وقت تم قرآن کریم پڑھو۔ پس روؤ اور اگر تم نہ روؤ پس بتکلف روؤ، اور یہ حدیث تواجد کے مباح ہونے پر شاہد ہے اور اسی قبیل سے ہے کہ جو اس پیر نے کہا کہ ہزار فرسنگ اگر جھوٹ پر چلوں تب ایک قدم اس سے سچ کا آئے گا اور سخن اس باب میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ مگر میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب رقص میں اور اس کے متعلقات میں

جان تو کہ شریعت اور طریقت میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے کیونکہ جب ساتھ وجد کے ہو تو رقص تمام عقلمندوں کے نزدیک لہو ہوتا ہے اور جب ہزل کے ساتھ ہو تو لغو ہوتا ہے، اور مشائخ میں سے کسی نے بھی اسکو اچھا نہیں سمجھا۔ اور نہ ہی اس میں انہوں نے غلو کیا اور بھرتی شدہ صوفی ہر اثر کو جو اس میں لاتے ہیں وہ سب باطل ہوتا ہے جبکہ حرکاتِ وجدی اور معاملات اہل تواجد کے اسکی مانند ہوتے ہیں۔ اور اہل ہزل سے ایک جماعت اس میں ان کی پیرو ہوئی ہے اور اس میں انہوں نے غلو سے کام لیا ہے اور اسکو انہوں نے مذہب بنا لیا ہے، اور میں نے عوام کا ایک گروہ دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تصوف کا مذہب رقص ہی ہے۔ اسی لئے انہوں نے اسکو اختیار کیا ہے، اور ایک گروہ تو اس کی اصل ہی کا منکر ہوا ہے۔ الغرض ناچنا عقل اور شریعت کی رو سے سب لوگوں کے نزدیک بُرا ہے، اور محال ہوگا کہ اس کام کو بزرگ آدمی اختیار کریں مگر جب اس سے دل کو خفت ظاہر ہوئی اور خفقان نے سر پر غلبہ پکڑا اور وقت نے زور پکڑا تب اس نے اپنی بے قراری کا حال ظاہر کیا۔ اور رسموں کی پابندیوں کو اٹھایا۔ اور وہ بے قراری جو ظاہر ہوگی نہ رقص ہوگی اور نہ ہی ناچنا ہوگا اور نہ ہی طبع کی پرورش ہوگی کیونکہ وہ جان کا پگھلانا ہوتا ہے، اور جو اس

اس کو رقص کہتا ہے تو وہ صواب کے راستہ سے بہت ہی دور جا پڑا۔ اور یہ وہ حال ہے کہ گویائی کے ساتھ اس کو کسی پر ظاہر نہیں کر سکتے من لم یذق لا یدری۔ النظر فی الاحداث یعنی جس نے مزہ نہیں چکھا وہ نوجوانوں میں نظر کرنی نہیں جانتا۔ الغرض نوجوانوں میں نظارہ کرنا اور ان کی صحبت اختیار کرنی ممنوع ہے۔ اور اسکو جائز کہنے والا کافر ہوگا اور ہر اثر جو وہ اسمیں لائینگے وہ بطالت اور جہالت ہوگا۔ اور میں نے جاہلوں کا ایک گروہ دیکھا کہ اسکی تہمت کے باعث اس طریقت کے اہل سے منکر ہوئے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ انہوں نے یہ مذہب بنالیا ہے اور مشائخ رحمہم اللہ نے ان سب کو آفت معلوم کیا ہے، اور یہ اثر خدا تعالیٰ کے اولیاء اور صوفیوں میں حلولیوں سے باقی رہا ہے خدا کی ان پر لعنت ہو۔ واللہ اعلم۔

باب کپڑے پھاڑنے میں ہے

جان تو کہ کپڑوں کا پھاڑنا اس طائفہ کی عادت ہو گیا ہے، اور بڑے بڑے مجمعوں میں کہ جس میں بڑے بزرگ، حاضر ہوں اس کا وقوع بہت ہوتا ہے، اور میں نے علما کا ایک گروہ دیکھا ہے کہ وہ اس کے منکر ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ لباس درست کو پھاڑ کر چیتھڑے چیتھڑے کرنا جائز نہیں اور یہ فساد ہوتا ہے اور یہ محال ہے کہ کوئی فساد کہ مراد اس سے گمراہی ہو درستگی ہو جائے، اور تمام لوگ درست کپڑے کو پھاڑتے ہیں اور ٹکڑے کرتے ہیں اور پھر سی لیتے ہیں۔

جیسا کہ آستینیں اور طرفیں اور جیبیں ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں اور پھر درست کر لیتے ہیں اور کسی کپڑے کو سو ٹکڑے کر کے سینے میں اور کسی کپڑے کو دو چار ٹکڑے کر کے سینے میں کوئی فرق نہیں۔ اور پھر وہ لوگ جو کپڑوں کو پھاڑتے ہیں تو انکے ایک ایک ٹکڑے کے سینے میں مومن کے دل میں راحت پیدا ہوتی ہے اور اس چیتھڑے سے کہ اسکو گودڑی پر سیتا ہے اس سے اسکی حاجت روا ہوتی ہے اور ہر چند لباس کو پھاڑنا طریقت میں کوئی اصل نہیں رکھتا اور البتہ سماع میں صحتِ حال کی حالت میں اسکو ایسا نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ اسراف کے سوا اور کچھ بات حاصل نہ ہوگی ہاں اگر سننے والے پر غلبہ ظاہر ہو یہاں تک کہ وہ قابلِ خطاب نہ رہے، اور بے خبر ہو جائے، تو معذور سمجھا جائیگا۔ اور جب کسی کا یہ حال ہو اور ایک جماعت اسکی موافقت میں کپڑے پھاڑے

تو جائز ہوگا۔ الغرض اس طریق والوں کا لباس پھاڑنا تین قسم پر ہوتا ہے ایک یہ کہ درویش خود پھاڑے اور وہ سماع کی حالت میں غلبہ کے حکم میں ہو۔ اور دوسرا یہ ہے کہ ایک جماعت اور اصحاب پیشوا اور پیر کے حکم سے اس کے کپڑوں کو پھاڑیں ایک تو کسی جرم کے استغفار کی حالت میں اور دوسرا وجد میں مسکر کی حالت میں اور ان سب سے مشکل تریں سماع کی حالت میں کپڑا پھاڑنا ہوتا ہے اور اسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک مجروح یعنی پھٹا ہوا اور دوسرا درست یعنی نیا اور پھٹے ہوئے کپڑے کے واسطے دو شرطیں ہیں۔ یا تو اس کو سئیں اور اس جماعت کو واپس دیویں اور یا دوسرے درویش پر ایثار کریں۔ اور یا تبرک کیلئے ٹکڑے ٹکڑے کریں۔ اور تقسیم کریں لیکن اگر درست ہو تو اس سماع سننے والے درویش کی مراد کو دیکھیں گے کہ اس نے کپڑے کو کس لئے پھینکا ہوا ہے، اگر اسکی مراد قوال کو دینے کی ہے تو اس کو دینا چاہیئے اور اگر اسکی مراد جماعت کو دینے کی ہو تو ان پر تقسیم کر دینا چاہیئے، اور اگر بغیر مراد کے پھینک دیا ہو۔ تو پیر کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے اور منتظر رہیں کہ پیر کی طرف سے کونسا حکم صادر ہوتا ہے اگر جماعت کو دینے کا حکم ہو تو پھاڑ کر اس کے ٹکڑے تقسیم کئے جائیں۔ اور یا ان میں سے ایک کو مرحمت کر دیا جائے، اور یا قوال کو دیدیا جائے پس اگر درویش کی مراد قوال کو دینے کی ہو تو اصحاب کی موافقت کی شرط نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ کپڑا اہل کے لئے نہیں ہوتا اور اس درویش نے یا تو اسکو اختیار کے ساتھ دیا ہوگا اور یا بیقراری کیساتھ اور دوسرں کو اس میں موافقت نہیں ہو سکتی اور اگر جماعت کے لئے کپڑا جدا ہوا ہے اور یا جماعت کی مراد کے بغیر تو اس کے واسطے موافقت شرط ہے اور جب کپڑا پھینکنے میں انہوں نے موافقت کی تو پیر کو نہیں چاہیئے کہ وہ قوال کو دیکھے لے اور کپڑے درویشوں کو واپس دیدے اور یا سب کو پھاڑ کر تقسیم کرے، اور اگر کپڑا مغلوبی کی حالت میں گر پڑے تو مشائخ رح نے اس میں اختلاف کیا ہے، اور اکثر کہتے ہیں کہ قوال کو دیدینا چاہیئے کیونکہ اس میں حدیث کی موافقت ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ یعنی مقتول کا لباس قاتل کو دیدینا چاہیئے اگر قوال کو نہ دیں تو طریقت کی شرط سے باہر۔۔ ہو جائینگے اور یہ مقولہ ایک گروہ کا ہے اور میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے، جیسا کہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ مقتول کا کپڑا قاتل کو بغیر اذن امام کے نہ دیں اسجگہ بھی اگر پیر کا فرمان ہو تو قوال کو دیں ورنہ نہیں لیکن پیر اگر کسی کو نہ دے تو جب کسی

کو دو گے کچھ حرج نہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب ؛

باب سماع کے آداب میں

جان تو کہ سماع کے آداب کی شرط یہ ہے کہ جبتک تجھے ضرورت محسوس نہ ہو تو نہ کرے اور اس کی عادت نہ کرے تو۔ اور بہت دیر کے بعد کرے تو تاکہ اس کی تعظیم تیرے دل سے رخصت نہ ہو جائے، اور یہ بھی لازمی امر ہے کہ جب تو سماع کرے تو پیر اس جگہ حاضر ہو اور سماع کی جگہ عوام سے خالی ہو اور قوال ذی عزت ہو، اور دل تمام شغلوں سے یکطرف ہو اور طبع لہو ولعب سے متنفر ہو اور تکلف درمیان سے نکلا ہوا ہو۔ اور جبتک سماع کی قوت پیدا نہ ہو تو تیرے لئے اس میں مبالغہ کرنا شرط نہیں۔ اور جب سماع کی خواہش زور پکڑے تو اپنے آپ سے اس کا دور کرنا شرط نہیں۔ اور قوت کو سماع کی پیرو... کرو یعنی جس امر کا اقتضا کرے اسی کو اختیار کرو اگر وہ ہلائے تو جنبش میں آؤ اور اگر تجھ میں سکون اور آرام پیدا کرے تو ساکن ہو جاؤ۔ اور قوتِ طبع اور وجد کی سوزش میں تجھکو فرق کرنا چاہیئے، اور چاہیئے کہ سماع کے سننے والے میں اتنی زندگی دیدار کی ہو کہ وارد حق کو قبول کر سکے، اور اس کی داد دے سکے، اور جب اس کا غلبہ دل پر ظاہر ہو تو تکلف کے ساتھ اس کو اپنے آپ سے دور نہ کرے، اور جب اس کی قوت ٹوٹ جائے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب نہ کرے، اور چاہیئے کہ حرکت کی حالت میں کسی شخص سے بازو پکڑنے کی امید نہ رکھے اور جب کوئی شخص بازو پکڑے تو منع نہ کرے، اور اس کی مراد کو نیت میں نہ تولے، کیونکہ اس میں اس آزمانے والے کیلئے پراگندگی اور بے برکتی جہت ہو گی ، اور کسی شخص کے سماع میں مداخلت نہ کرے تاکہ اس کا وقت پراگندہ نہ ہو جائے ، اور نیز اس کے معاملہ میں تصرف نہ کرے اور یہ بھی چاہیئے کہ اگر قوال اچھا گا رہے ہوں تو ان کو یہ نہ کہے کہ تم خوش گو ہو۔ اور اگر ناخوش کہہ رہے ہوں تو ان کو برا نہ کہے، اور اگر قوال ناموزوں شعر الاپ رہا ہو جس سے طبع میں پراگندگی پیدا ہو رہی ہو تو اس کو یہ نہ کہے کہ اس سے بہتر پڑھ۔ اور دل میں اس کے ساتھ دشمنی نہ رکھے، اور اس کو درمیان میں نہ دیکھے حوالہ بخدا کرے اور... درست سنے، اور اگر کسی گروہ کو سماع نے دبایا ہوا ہو اور اس کو اس سے کچھ حصہ دستیاب نہ ہو تو یہ شرط نہیں کہ اپنے ہوش سے ان کی مستی کو نہ دیکھے حوالہ بخدا کرے اور... درست سنے،

. . . .

. . . . اور چاہیئے کہ اپنے وقت میں آرام سے رہے اس کو اس سے حصہ ملے گا اور سلطانِ وقت کے مرتبہ اور وجاہت کو مدنظر رکھے، تاکہ اس کی برکتیں اس کو میسر ہوں اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں مجھے یہ بات پسندیدہ ہے کہ بتدیوں کو سماع میں نہ بٹھائیں۔ تاکہ ان کی طبیعت پراگندہ نہ ہو جائے، کیونکہ اس میں عظیم الشان خطرے اور بڑی آفتیں ہیں اس واسطے کہ عورتیں مکانوں کی چھتوں سے یا کسی بلند جگہوں سے درویشوں کو ان کی سماع کی حالت میں دیکھتی ہیں اس وجہ سے سننے والوں کو سخت حجاب پڑتے ہیں۔ اور چاہیئے کہ نوعمر لڑکوں کو بھی ان کے درمیان نہ بٹھائیں۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے پیچھے جاہل صوفی ان سب باتوں کو اپنا مذہب بنا لیں اور سچ کو درمیان سے نکال دیں اور جو کچھ اس قسم کی باتیں مجھ سے ہو چکی ہیں۔ ان سب کی آفتوں سے خدا سے استغفار کرتا ہوں۔ اور ایسی تمام باتوں سے خداوند کریم سے مدد مانگتا ہوں تاکہ اللہ جلشانہ مجھکو ظاہری اور باطنی آفتوں سے نگاہ رکھے، اور میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اس کتاب کے حکموں کی رعایت کرنے کی وصیت کرتا ہوں وباللہ التوفیق۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

۱۶ رجمادی الاخریٰ ۱۳۴۷ھ کو میں نے اس کتاب کی سطر سطر پڑھ کر حتی الوسع تصحیح کی کوشش کی۔ (نامی)

باہتمام ... ...

ملنے کا پتہ

ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب

کشمیری بازار لاہور

دُنیائے اسلام کی چار (۴) یادگار کتابیں!
جہانِ اقبالؒ
عبدالرحمٰن طارق بی اے: اقبالیات پر آخری اور عظیم ترین کتاب، حیات افروز تبصرے اور آسان فہم تشریحات سے لبریز، مضامین کی جدت، جامعیت و افادیت بے مثل، نئے موضوعات مثلاً نظریۂ قلندر، تصورِ ابلیس، فلسفۂ شاہین، معیارِ ایمان و مومن، پیش گوئیاں اور غیر مطبوعہ کلام،
قیمت ۷ روپے ۸ آنے
فرعون و کلیم
عبدالرحمٰن طارق بی اے: تاریخ عالم میں حق و باطل کی ابن ناقابلِ فراموش جنگ کی عبرت آموز تفسیر جسے اردو زبان میں پہلی مرتبہ انتہائی جدت و خوش اسلوبی سے پیش کیا جا رہا ہے۔
قیمت مجلد ۳ روپے
تجرید البخاری
۶ لاکھ احادیث کا منتخب مجموعہ، جس کی تکمیل میں ۱۶ برس صرف ہوئے۔ ہر حدیث کو غسل اور دو رکعت دوگانہ کے بعد حرم شریف کے سایہ میں ترتیب دیا گیا۔
قیمت: مجلد ۱۲ روپے
تاریخ اسلام ۶ حصوں میں!
عبدالرحمان شوق و عبدالحکیم نشتر جالندھری:
۱۔ سوانح سرکار دو جہاں ۲۔ خلفائے راشدین ۳۔ خلفائے بنو اُمیہ ۴۔ خلفائے بنی عباسیہ ۵۔ سلاطینِ عثمان اور ترکانِ احرار ۶۔ ہندوستان و پاکستان اور آزاد کشمیر
قیمت: مجلد دس روپے
مفصل فہرست کتب مفت طلب فرمائیں
اشاعت منزل
نبل روڈ - لاہور
(پاکستان)
مطبوعات: ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب لاہور